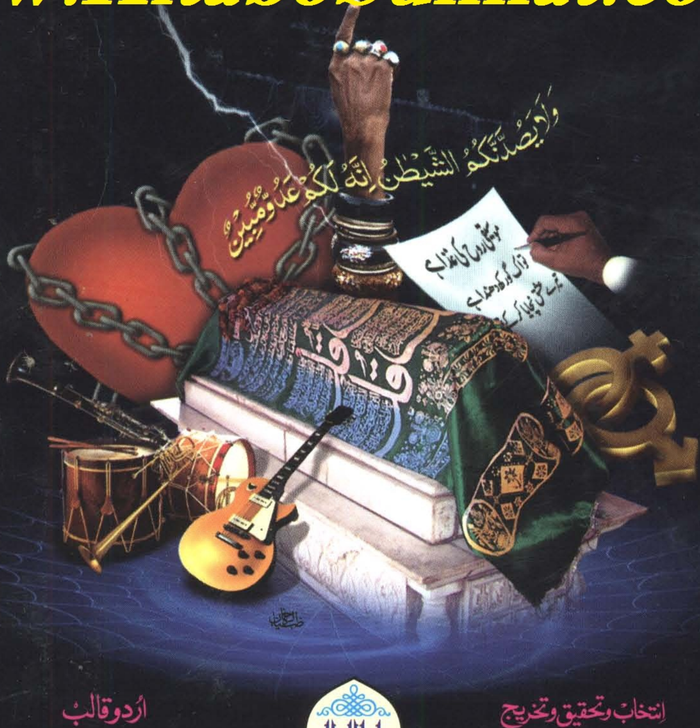
صحیح تلبیس ابلیس

شیطانی ہتھکنڈے

شیطان لعین کی فریب کاریوں اور مومنین پر اسکے ہلاکت خیز
حملوں کی سبق آموز داستان

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ



انتخاب وتحقیق وتخریج

فضیلۃ الشیخ علی حسن علی عبد الحمید حفظہ اللہ تعالیٰ

تلمیذ رشید علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ

اردو قالب

فضیلۃ الشیخ سلیم اللہ زمان حفظہ اللہ تعالیٰ

فاضل علوم اسلامیہ

دار الابلاغ
DARULIBLAGH



شیطانی ہتھکنڈے

دارالابلاغ
DARULIBLAGH

کتاب وسنت کی اشاعت کا مثالی ادارہ

شیطانی ہتھکنڈے

تالیف: .... امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب وتحقیق وتخریج .... علی حسن علی عبدالحمید

اردو قالب .... سلیم اللہ زمان

اشاعت اول .... اگست 2007ء

قیمت .... روپے

پاکستان میں ہماری کتب مندرجہ ذیل اداروں سے مل سکتی ہیں

لاہور: دارالاندلس۔ مرکز القادسیہ 7230549۔ دارالسلام شوروم 7232400۔ مکتبہ قدوسیہ 7230585۔ مکتبہ سلفیہ 7237184۔ کتاب سرائے 7320318۔ اسلامی اکیڈمی 7357587۔ نعمانی کتب خانہ 7321865۔ مکتبہ رحمانیہ 7224228۔ مکتبہ دارالھدیٰ 7639557۔ الکریم کیسٹ لائبریری 6365526۔

راولپنڈی: تجلیات طیبہ کشمیری بازار 5535166۔ اسلام آباد: المسعود اسلامک کمپلیکس 2261356۔ فیصل آباد: مکتبہ اسلامیہ بیرون امین پور بازار 631204۔

کراچی: مکتبہ نور حرم 4965724۔ دی بک ڈسٹری بیوٹرز 7787137۔ مکتبہ دارالقرآن 021-2211998۔ علمی کتب خانہ اردو بازار۔

پشاور: معراج کتب خانہ 214720۔ حیدرآباد: مکتبہ دعوت التقیٰ 0333-2607264

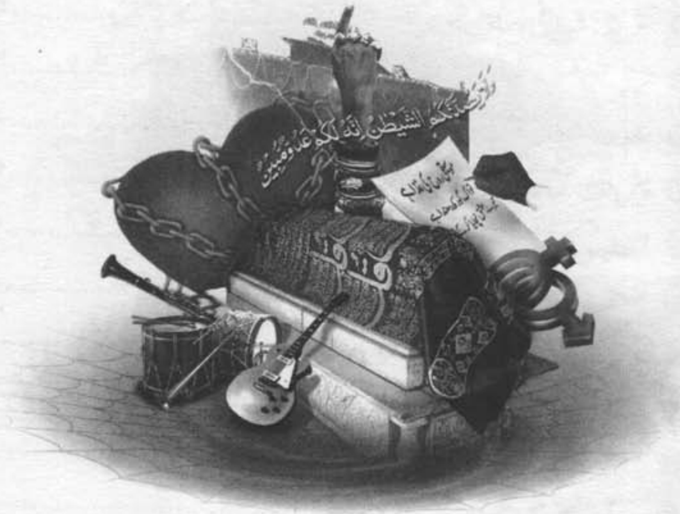
دارالابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز لاہور پاکستان 0300 4453358

صحیح تلبیس ابلیس

شیطانی ہتھکنڈے

شیطان لعین کی فریب کاریوں اور مومنین پر اسکے ہلاکت خیز حملوں کی سبق آموز داستان

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ



انتخاب وتحقیق وتخریج
فضیلۃ الشیخ علی حسن علی عبد الحمید حفظہ اللہ تعالیٰ
تلمیذ رشید علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ

اردو قالب
فضیلۃ الشیخ سلیم اللہ زمان حفظہ اللہ تعالیٰ
فاضل علوم اسلامیہ

DARULIBLAGH

دار الابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز لاہور پاکستان
فون: 4453358 -0300

بسم الله الرحمن الرحيم

آئینہ

شیطانی ہتھکنڈے

باب: ۱

سنت مبارکہ اور جماعت

باب : ۲

بدعت اور اہل بدعت

باب : ۳

ابلیس کی فتنہ پردازیوں سے بچاؤ

باب : ۴

تلبیس اور غرور کے معانی

باب : ۵

عقائد و مذاہب اور ابلیس

باب : ٦

فنون علم اور علماء پر ابلیسی حملہ

باب : ۷

والیانِ سلطنت اور حکمران

باب : ۸

عبادت گزاروں پر شیطانی ڈاکے

باب : ۹

زاہدوں اور عابدوں پر شیطانی حملہ

باب : ۱۰

زاہدوں کے ایک گروہ صوفیاء پر شیطانی حملہ

باب : ۱۱

کرامات اور دین دار لوگ

باب : ۱۲

عوام الناس اور شیطان

باب : ۱۳

❀❀❀❀

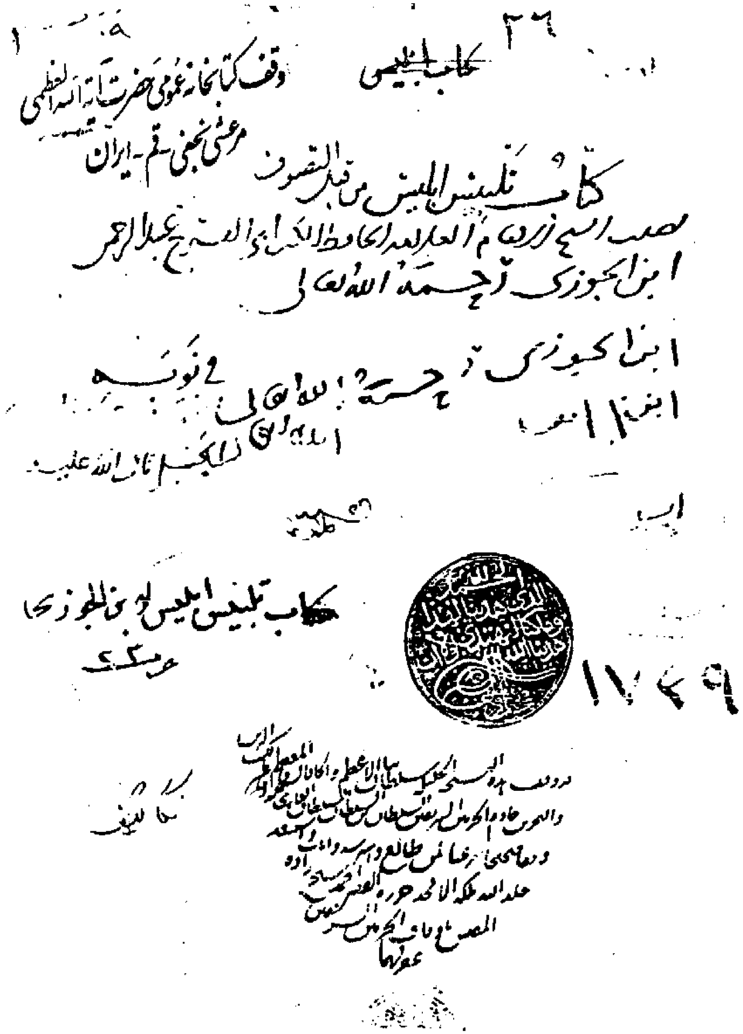
طول الأمل فإن الإنسان لا يزال يحدث نفسه بالنزوع عن الذنب
والإقبال على الخير إلا أنه يعد نفسه بذلك ولا يخفى أنه من أمل
أن يمشي بالنهار سار سيرا فاترا ومن أمل أن يصبح عمل بالليل عملا
ضعيفا ومن صور الموت عاجلا جد
وقد قال عليه السلام صل صلاة مودع
وقال بعض السلف أنذركم سوف فإنها أكبر
جنود إبليس ومثل العامل الصالح على الحزم والمسوف بطول الأمل
كمثل قوم كانوا في سفر فدخلوا قرية فمضى الحازم فاشترى
ما يصلح لتمام سفره وجلس متأهبا للرحيل وقال المفرط
سأتأهب فربما أقمنا شهرا فضرب بوق الرحيل في الحال
فاغتبط المحترز واغتبط الأسف المفرط فإذا هذا مثل الموت
لا يستأذن وهذا شأن المغرور المسوف يحرج صبر الدهر
وقت الرحلة وإذا كان في الطبع حب التواني وطول الأمل
ثم جاء إبليس يحث على العمل بمقتضى ما في الطبع صعبت المجاهدة
إلا أنه من انتبه لنفسه علم أنه في صف حرب وأن عدوه لا
يفتر عنه فإن فتر في الظاهر أبطن له مكيدة وأقام له
كمينا ونحن نسأل الله عز وجل أن يسلمنا من كيد العدو
وفتن الدنيا وشر النفوس إنه قريب مجيب
فهذا مثل الناس في الدنيا فمنهم المستعد المتنبه
جعلنا الله من أولئك إنه الحاكم
والحمد لله وحده وصلى الله على سيدنا محمد
وعلى آله وصحبه وسلم تسليما كثيرا
كتبه بمدينة نابلس

تلبیس ابلیس کے قلمی مخطوطے کے ایک دوسرے صفحہ کا عکس

بسم الله الرحمن الرحيم وصلى الله على محمد وآله وسلم

قال الشيخ الإمام جمال الدين ابو الفرج عبد الرحمن بن علي بن محمد بن علي
بن الجوزي القرشي رضي الله عنه / الحمد لله الذي سلم من زلل الزلل أولي
الألباب وأرسل الرسل مبشرين ومنذرين بالثواب والعقاب وأنزل عليهم الكتب مبينة
للخطأ والصواب وجعل الشريعة كاملة لا نقص ولا عاب أحمده حمد من يعلم أنه مسبب
الأسباب وأشهد بتوحيده شهادة مخلص في دينه غير مرتاب وأن محمدا عبده ورسوله
أرسله وقد سدل الكفر على وجه الإيمان الحجاب فنسخ الظلام بنور الهدى وكشف النقاب
وبين للناس ما نزل إليهم وأوضح مشكلات الكتاب وترحم على الصحابة إليهما لا سرب
فيهما ولا سراب صلى الله عليه وعلى جميع الآل والأصحاب وعلى التابعين لهم بإحسان
إلى يوم الحشر والحساب وسلم تسليما كثيرا أما بعد فإن أعظم النعم على الإنسان
العقل لأنه الآلة في معرفة الإله والسبب الذي يتوصل به إلى تصديق الرسل
إلا أنه لما لم ينهض بكل المراد من العبد بعثت الرسل وأنزلت الكتب فمثال الشرع
الشمس ومثال العقل العين فإذا انفتحت وكانت سليمة رأت الشمس ولما
ثبت عند العقل أقوال الأنبياء الصادقة بدلائل المعجزات الخارقة
سلم إليهم واعتمد فيما يخفى عنه عليهم ولما أتم الله سبحانه
على هذا العالم الإنسي بالعقل افتتحهم بنبوة أبيهم آدم
عليه أفضل الصلاة والسلام فكان يعلمهم عن وحي الله تبارك
وتعالى فكانوا على الصواب إلى أن انفرد قابيل
بهواه فقتل أخاه ثم تشعبت الأهواء بالناس فشردتهم في بيداء
الضلال حتى عبدوا الأصنام واختلفوا في العقائد والأفعال
اختلافا خالفوا فيه الرسل والعقول اتباعا
لأهوائهم وميلا إلى عاداتهم وتقليدا للكبراء منهم
[illegible]

امام ابن جوزی رحمہ اللہ کی مشہور زمانہ کتاب تلبیس ابلیس کے قلمی نسخے کا عکس جو آج بھی تاریخی نوادرات اور تبرکات کی حیثیت سے ایک عظیم علمی ورثے کی حیثیت سے محفوظ ہے۔



تلبیس ابلیس کے قلمی نسخہ کا پہلا صفحہ جو ایران (قم) میں مکتبہ آیت اللہ العظمی مرعشی نجفی میں محفوظ ہے۔ مخطوطہ پر مکتبہ کی مہر نظر آرہی ہے۔ دارالابلاغ کی اس کتاب کی تیاری میں ایسے قلمی مخطوطوں کو سامنے رکھ کر تحقیق وریسرچ کی گئی ہے اور یوں یہ موجودہ محقق وضعیف روایات سے پاک نسخہ آپ کے ہاتھوں میں پہنچنا ممکن ہوسکا۔ وللہ الحمد۔

حرفِ تمنا

شیطان کی انسان سے دشمنی کی ابتدا کیسے ہوئی!

اللہ تعالیٰ کے دربار میں فرشتے عاجزی انکساری اور خوف کے عالم میں دست بستہ ہمہ تن گوش چپ کھڑے تھے کہ اللہ کریم فرشتوں سے مخاطب ہوتے ہوئے بولے: اے فرشتو! میں نے مٹی کے کھنکھناتے کالے سڑے ہوئے کیچڑ سے ایک بشر پیدا کیا ہے۔ جب میں اس کو مکمل طور پر بنالوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں (اور پھر وہ اس کے نتیجے میں زندہ ہو جائے) تو تم سب اس کو سجدہ کرنا۔ سب نے لبیک کہا۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے اس کو بنایا اور اس میں جان ڈال دی تو تمام فرشتے تعظیم کے لیے سجدے کے انداز میں جھک گئے مگر شیطان تکبر سے اکڑا رہا' اور (تعظیمی) سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابلیس! تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو وہ جواباً کہنے لگا: میں ایسے بشر کو سجدہ نہ کروں گا کہ جس کو تو نے کھنکھناتی مٹی کہ جو سڑے ہوئے کیچڑ سے بنی ہے' سے پیدا کیا ہے (جبکہ میں ایسی حقیر مٹی کے بجائے اعلیٰ و طاقتور آگ سے بنا ہوا ہوں۔ لہٰذا میں اعلیٰ و برتر کیسے حقیر مٹی کو سجدہ کروں؟) اللہ کریم نے اس کی نافرمانی اور بغاوت کا یہ انداز دیکھ کر فرمایا: فوراً میری جنت سے نکل جاؤ' آج سے تو مردود ہے' اور تجھ پر قیامت کے دن تک لعنتیں برستی رہیں گی۔ اس وقت شیطان اللہ کریم کو چیلنج کرتے ہوئے کہنے لگا:

﴿ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ○ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۙ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ○ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ○ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ○ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ ○ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ○ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ○ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ○ ﴾ (الحجر: ۱۵/ ۳۶ تا ۴۴)

''اے مالک میرے!...... (جب تو نے مجھے مردود کر ہی دیا) تو مجھ کو اس دن تک مہلت دے (زندہ رکھ) جس دن تک لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ اللہ نے فرمایا: اچھا تم کو ٹھہرے ہوئے وقت کے دن تک (پہلے صور پھونکنے تک) مہلت دی جاتی ہے۔ کہنے لگا: مالک میرے!...... جیسے تو نے مجھ کو بے راہ کر دیا' میں بھی ضرور ان (آدم کی اولاد) کو زمین میں (گناہ یا دنیا کے ساز و سامان کو) مزین کر کے (خوب پرکشش بنا کر) دکھاؤں گا اور میں ضرور ان سب کو بے راہ کر دوں گا۔ مگر ان میں جو تیرے مخلص بندے ہوں گے (چنے ہوئے'

ان کو میں گمراہ نہ کر سکوں گا) اللہ نے فرمایا: مجھ تک (پہنچنے کیلئے) یہی تو سیدھی راہ ہے' اور جو میرے (مخلص و مقبول خاص) بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہ چلے گا۔ مگر جو تیری بتائی راہ پر چلیں گے' گمراہوں میں سے ہوں گے۔ (ان پر تیرا بہکانا اثر کرے گا) اور ان سب لوگوں کے لیے (جو تیری بتائی ہوئی راہ پر چلیں گے) جہنم کا وعدہ ہے' ایسی جہنم کہ جس کے سات دروازے ہیں (جن سے ان کو زبردستی داخل کر دیا جائے گا۔)''

قرآن کے اس مقام سے پتہ چلتا ہے کہ شیطان نے اپنے آپ کو مردود قرار دے کر جنت سے ذلیل کر کے نکالے جانے پر اللہ کریم کو چیلنج کیا تھا کہ جیسے مجھے اس آدم (علیہ السلام) کی وجہ سے ذلیل کر کے جنت سے نکال دیا گیا ہے' اب میں دنیا میں جا کر اس آدمؑ کے بچوں کو بھی ایسا گمراہ کروں گا کہ وہ بھی تیرے (احکامات وفرامین اور شریعت کے) باغی و نافرمان ہوں گے۔ یوں وہ بھی مردود و مقہور ہو کر جنت کے وارث نہ بن سکیں گے' بلکہ تیری ناراضگی اور غضب کے مستحق ٹھہریں گے۔ اللہ کریم نے فرمایا کہ جاؤ! اپنا پورا زور لگا کر دیکھ لو! جو میرے خاص بندے ہوں گے' صرف مجھ سے محبت کرنے والے ہوں گے' وہ تمہارے جال میں کبھی نہ پھنسیں گے' نہ گمراہ ہوں گے اور نہ ہی میری شریعت پر عمل کرنا چھوڑیں گے۔

اس دن سے شیطان اللہ کے دربار میں صور اسرافیل پھونکنے تک زندہ رہنے کی مہلت لے کر دنیا میں آ چکا ہے' اور اپنا ایک گروہ بنا کر اپنے شتونگڑوں اور چیلوں چانٹوں کے ساتھ اولاد آدم کو مختلف طریقوں سے گمراہ کر رہا ہے۔ ہر قسم کی بدکاریوں' سیاہ کاریوں اور جرائم کو پرکشش بنا کر کے ان کے سامنے پیش کر رہا ہے' اور ان کو گناہوں کی دلدل میں دھکیلتا چلا جا رہا ہے۔ اس دن سے شیطان انسان کا ازلی دشمن بن کر اس کو تباہ و برباد کر رہا ہے' اور اللہ کریم نے قرآن میں برملا اعلان کر کے بتایا ہے ﴿إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّا مُّبِينًا﴾ کہ یہ تمہارا کھلا دشمن ہے' اس سے بچ کر رہنا۔

آج تک شیطان کی دشمنی انسان سے چلی آ رہی ہے اور قیامت کی ابتدا تک جاری رہے گی۔

- شیطان کن کن لوگوں کو شکار کرتا ہے؟
- وہ شکار کو پھانسنے کے لیے کیا کیا طریقے اور ہتھکنڈے اختیار کرتا ہیں؟
- اس نے اب تک کن کن لوگوں کو شکار کر کے ہلاک کر دیا ہے؟
- اس کا طریقہ واردات کیا ہے اور وہ کس طرح انسان پر حملہ آور ہو کر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے' کہ انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا؟

شیطان کی گھاتوں' وارداتوں' ہلاکتوں' تباہیوں' بربادیوں اور ان سے بچنے کے لائحہ عمل کو جاننے کے لیے امام ابن جوزی رحمہ اللہ کی کتاب ''تلبیس ابلیس'' دنیا میں شیطان کے خلاف ایک مؤثر ہتھیار مانی گئی ہے۔ لوگ اس کی ہدایات کی روشنی میں اپنے آپ کو شیطان کے حملوں سے بچاتے چلے آ رہے ہیں۔

راقم نے بھی اس کو پڑھا تو اس میں بعض مقامات پر تشنگی محسوس کی اور کچھ مقامات پر ضعف بھی۔

یہ دیکھ کر دل میں ایک حسرت پیدا ہوئی کہ کاش! اس کا کوئی ایسا نسخہ ہو جس میں کوئی بھی روایت ضعیف نہ

ہو اور بندہ بلا جھجک اور بے فکر ہو کر اس کو پڑھے اور اس پر عمل کرے۔ بندے کے دل میں یہ خدشہ' کھٹکا اور ڈر نہ ہو کہ کہیں یہ حدیث' یہ روایت ضعیف ہی نہ ہو...... لیکن جب مارکیٹ میں ڈھونڈا تو گوہر مقصود نہ مل سکا۔ برصغیر میں رائج دو ہی ترجمے نظر آئے' جن میں نہ تو صحیح وضعیف کا التزام تھا اور نہ تشنہ طلب مقامات کی تشریح وتوضیح کی گئی تھی۔ اور پھر ایک بڑی پریشانی یہ تھی کہ ان کے اردو ترجمہ میں بہت سی جگہوں بڑی بڑی غلطیاں اور سقم موجود تھے' جن کو دور کیے بغیر اشاعتی ادارے مکھی پر مکھی مارنے کے مصداق چھاپتے چلے جا رہے تھے' محض کاروباری نکتہ نظر سے۔ بندہ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو بہت افسوس ہوا اور دل میں اشتیاق پیدا ہوا کہ اپنے ازلی دشمن شیطان کے مومنین پر ہلاکت خیز واروں' حملوں' وارداتوں اور گھاتوں کو آشکار کر کے ان کے ایمان کو بچانے کے لیے ''تلبیس ابلیس'' کا برصغیر پاک و ہند میں ایک تیسرا ایسا ترجمہ بھی ہونا چاہیے جس میں مذکورہ بالا سقم اور کمیاں' کوتاہیاں اور خرابیاں نہ ہوں۔

اسی سوچ وفکر میں سرگرداں ایک لمبا عرصہ بندہ ناچیز گوہر مقصود کی تلاش وجستجو میں پھرتا رہا لیکن کامیاب نہ ہوا۔ ایک دن اچانک فاضل نوجوان عالم دین مولانا مبشر احمد ربانی ﷾ کے وسیع وعریض اور' نادر و نایاب کتب پر مشتمل ذخیرے پر مبنی مکتبہ میں بیٹھا تھا' کہ اس دوران ایک ایسی عربی کتاب میرے ہاتھ لگی جسے دیکھ کر مجھے یوں لگا جیسے ...... ڈوبتے کو ساحل مل گیا ہو...... مایوس زندگی کو آب حیات مل گیا ہو...... جاں بلب تشنہ کام کو جام کوثر مل گیا ہو...... صحرا کے بھٹکے مسافر کو اپنے بالکل سامنے سراب نہیں بلکہ واقعی سرسبز وشاداب ذخیرہ نظر آ گیا ہو...... کہ جس میں ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا چشمہ اپنی جولانی سے ابل ابل کر بہہ رہا ہو...... میں نے اس کتاب کو پکڑا اور باقی سب کچھ بھول گیا...... اور ایک طرف بیٹھ کر اس کا مطالعہ کرنے لگا۔ جوں جوں پڑھتا گیا اس کا والہ وشیدا اور مشتاق ہوتا گیا۔ یہ محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی ؒ کے شاگرد رشید فضیلۃ الشیخ علی حسن علی عبدالحمید ؒ کا مرتب کردہ تلبیس ابلیس کا وہ نسخہ تھا جس میں انہوں نے صرف صحیح احادیث کا انتخاب کیا تھا اور ضعیف روایات کو نکال دیا تھا۔ اور اس پر تحقیقی وفنی کام بھی خوب کیا تھا۔ میں نے اپنے مخلص ومحب بھائی مبشر احمد ربانی ﷾ سے عاریتاً نسخہ مانگا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: طاہر بھائی! یہ نادر نسخہ میری لائبریری سے باہر نہیں جا سکتا کہ اس طرح اس کے غیر محفوظ اور ضائع ہو جانے کے چانسز بہت زیادہ ہیں' البتہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ میں آپ کو اس کی ایک نقل تیار کروا دیتا ہوں۔ لہٰذا انہوں نے اس کی نقل بہت جلد بندۂ ناچیز کو مہیا کر دی۔ اب اس کو اردو قالب میں ڈھالنے کے لیے عالم باعمل اور ادیب وخطیب مولانا سلیم اللہ زمان ﷾ کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ اس تاریخی کام کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں۔ یوں اس پر ترجمہ کا کام شروع ہوا۔ ساتھ ساتھ اس کے تشنہ طلب پہلوؤں پر حواشی اور وضاحتی نوٹس کی صورت میں کام بھی شروع ہو گیا۔ مزید تخریج کی توضیح کے لیے بھائی نصیر احمد کاشف ﷾ نے کام مکمل کیا۔

دارالسلام میں ریسرچ سکالر بھائی امین ثاقب فاضل مدینہ یونیورسٹی نے اس پر مزید دقیق تحقیقی کام کیا اور اس کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے رات دن مصروف کار رہے۔ ان کی کاوش کے بغیر میں سمجھتا

ہوں یہ کام یقیناً نامکمل رہتا۔ انہوں نے دوران ریسرچ محقق دوران جناب فضیلۃ الشیخ زبیر علی زئی ﷾ سے بھی مشاورت رکھی۔ اس کے بعد راقم شائع ہونے سے قبل اس نسخہ کو مولانا مبشر احمد ربانی ﷾ کے پاس لے کر گیا' اور یوں کچھ حل طلب تحقیقی مقامات پر کام مکمل ہوا۔ اس کے بعد محمد بھائی عرفان الحسن خالد اور حکیم علی حیدر صاحب نے بھی کمپیوٹر پر اس پر عرق ریزی سے وہ کام کیا کہ تحقیق و ریسرچ کے موتی کتابی صورت میں الفاظ کی شکل میں جگمگانے لگے۔ یوں اس کتاب پر یہ تحقیقی کام علماء وفضلاء کی ایک ٹیم کی نگرانی میں کئی سال جاری وساری رہا...... اور

ع سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں بنا

کے مصداق اب کتاب تمام مراحل طے کرنے کے بعد ایک ٹیم کی کئی سال کی محنت کے نتیجے میں کتابی شکل میں خوبصورت و دیدہ زیب انداز میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ہم صرف اتنا کہیں گے کہ ہم تو اس شرف کے قابل نہ تھے' یہ صرف اور صرف اللہ کریم کی رحمت و برکت کا نتیجہ ہے اور ہم گناہگاروں پر کرم خاص ہے کہ ہم یہ کام آج پایہ تکمیل کو پہنچا رہے ہیں۔

آخر میں میں رب کریم سے کتاب پر کام کرنے والی ٹیم کے ارکان کے لیے رحمت و بخشش اور کتاب کی قبولیت کے نتیجے میں آخرت میں ثواب ومغفرت کا سوال کرتا ہوں۔ اور ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے میری اس نیک تمنا اور خواہش کو عملی جامہ پہنانے میں اپنی پوری صلاحیتیں صرف کر دیں۔ **فجزاهم الله احسن الجزاء في الدنيا والآخرة۔**

آخر میں اپنے والد محترم کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ کریم ان کو کروٹ کروٹ جنت کی بہاریں نصیب کرے کہ انہوں نے ہر طرح کی تنگی اور مشقت برداشت کر کے مجھے اللہ کریم کے دین کی خدمت کے لیے اعلیٰ تعلیم دلوائی اور تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اپنے آرام و آسائش کا ذریعہ نہیں بنایا' بلکہ اللہ کے دین کے لیے وقف کر دیا اور یہ دعا کی کہ:

> ''اے مالک کائنات!...... اس (بیٹے کو تیرے دین کے لیے وقف کرنے) کا اجر مجھے مرنے کے بعد دوسری دنیا میں دینا' یہ میری قبر والی زندگی کیلئے سیونگ اکاؤنٹ ہے۔''

اللہ کریم اس کتاب سے قارئین کو شیطان کے حملوں سے آگاہی اور بچنے کے لیے ایمانی اسلحہ مہیا کرے۔ آمین یا رب العالمین!

خادمِ کتاب و سنّت

محمد طارق شاہد

۷ جون ۲۰۰۷ء لاہور' پاکستان

❀❀❀

تقریظ

شیطانی وساوس اور چالوں سے بچنے کیلئے اسے پڑھیں

از:

فضیلۃ الشیخ فاضل نوجوان مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ

ابتدائے خلق انسانی سے ہی شیطان اور اس کے مریدین اور آدم (علیہ السلام) اور اولادِ آدم میں حرب و جنگ کا ڈول گھوم رہا ہے' اور جنگ کا یہ ڈول کبھی اولیاء الرحمٰن کے ہاتھ میں رہا اور کبھی اولیاء الشیطان کے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کارِ شیطان سے کئی بار متنبہ کیا ہے اور اس کی دسیسہ کاریوں سے پردہ چاک کیا ہے۔ ابلیس نے اپنی تلبیس کا وار عقائد و دیانات' فنون علم اور علماء' والیان سلطنت اور حکمرانوں' عبادت گزاروں' زاہدوں' صوفیاء' عوام الناس' تجار اور زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والوں پر کیا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کے مخلصین مومنین اس کے وار کارگر سے صیانت وحفاظت میں رہے اور یہ محض فضل الٰہی اور کرم ربانی کا رزلٹ اور نتیجہ ہے۔ ابلیس کے اس وار سے محفوظ ہونے کے لیے علمائے امت اور صلحائے ملت نے کئی ایک کتب تالیف کیں اور دعوت وتبلیغ اور وعظ وارشاد کے ذریعے بھی راہنمائی فرمائی۔

- امام ابن ابی الدنیاؒ م ۲۱۸ھ نے ''مکاید الشیطان''
- شیخ ابو حامد الغزالیؒ م ۵۰۵ھ نے ''تلبیس ابلیس''
- امام ابن جوزیؒ م ۵۹۷ھ نے ''تلبیس ابلیس''
- اور ان کے بعد امام ہمام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ م ۷۵۱ھ نے ''اغاثۃ اللھفان من مصاید الشیطان'' مرتب کی۔ یہ نفع بخش علمی سلسلہ ابھی تک جاری وساری ہے۔

امام ابن جوزی رحمہ اللہ کی کتاب ''تلبیس ابلیس'' اردو قالب میں کئی ایک ناشرین اور

اشاعتی اداروں نے طبع کی ہے لیکن اس کتاب میں رطب ویابس بھی موجود ہے اور صحت کا التزام بھی نہیں کیا گیا ہے۔ زیر نظر کتاب جس نسخے کا ترجمہ ہے یہ عالم عرب کی معروف و مشہور شخصیت' محدث الشام' امام الجرح والتعدیل' فارس الالفاظ والمعانی' الفقیہ المحدث علامہ ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ کے شاگرد رشید فضیلۃ الشیخ المحدث الناقد البصیر علی حسن علی عبدالحمید حفظہ اللہ کا انتقاء ہے۔ جسے دار ابن الجوزی نے "المنتقی النفیس من تلبیس ابلیس" کے دلکش عنوان سے طبع کیا ہے۔ علامہ علی حسن نے اس کتاب میں سے جو بحثیں عمدہ اور لطیف تھیں اور اقرب الی الصحۃ تھیں' ان کا انتخاب کیا اور ساری کتاب سے اسانید حذف کر دیں' اسی طرح غیر صحیح روایات کا بھی اخراج کیا۔ ایک ہی مقام پر مکرر اخبار و احادیث کو بھی حذف کیا' احادیث صحیحہ کی تخریج کی ہے' بے فائدہ حکایات وقصص کو بھی نکال دیا اور کئی مقامات پر لازمی و حتمی تعلیقات کا اضافہ کیا۔ اب یہ کتاب پہلے تمام مطبوعہ (اردو و عربی) ایڈیشنوں کے مقابلے میں زیادہ صحیح اور بہتر ہے اور تلبیسات ابلیس سے بچنے کے لیے اس کا پڑھنا اور پڑھانا از حد ضروری ہے۔ اس کو اردو کے بہترین قالب میں مولانا سلیم اللہ زمان حفظہ اللہ نے ڈھال دیا ہے اور لفظی ترجمہ کے بجائے مراد کو زیادہ پیش نظر رکھا ہے' تا کہ قاری کو کتاب کا اصل مقصود سمجھنے میں دقت و دشواری نہ ہو۔

لہٰذا راقم کی نظر میں اب یہ کتاب (جسے دارالابلاغ نے "شیطانی ہتھکنڈے" کے نام سے شائع کیا ہے) ایک تحفہ زرینہ' ہدیہ نگینہ اور عطیہ زرینہ ہے اور اسے ہر مکتب' ہر گھر' ہر سکول و کالج' ہر دفتر میں ہونا چاہیے' تا کہ عوام الناس اس کے مطالعے سے شیطان کے وساوس اور تلبیسی چالوں سے بچ سکیں۔ اللہ کریم ہمیں مخلصین مومنین کی صف میں شامل کر لے' اور اس سلسلہ ذہبیہ میں تادم آخریں پروئے رکھے۔ آمین

ابوالحسن مبشر احمد ربانی عفا اللہ عنہ

سبزہ زار' این بلاک

سکیم موڑ' لاہور

مقدمہ

شیطان کے عزائم و مقاصد

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ۔ أَمَّا بَعْدُ

اللہ سبحانہ وتعالیٰ قرآن حکیم میں ابلیس کی باتوں کو اس طرح بیان فرما رہا ہے:

﴿ قَالَ أَنْظِرْنِيْٓ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ○ قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ○ قَالَ فَبِمَآ أَغْوَيْتَنِيْ لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ أَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ○ ﴾

(الاعراف : ۷/ ۱۴، ۱۷)

''اس (شیطان) نے کہا: تو مجھے اس دن تک مہلت دے دے جب لوگ (مرنے کے بعد) قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تجھ کو مہلت دی گئی۔ اس نے کہا: بہ سبب اس کے کہ آپ نے مجھ کو گمراہ کیا ہے میں ان کے لیے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا، پھر ان پر حملہ کروں گا، ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی، اور ان کی داہنی جانب سے بھی اور ان کے بائیں جانب سے بھی اور تو ان کی اکثریت کو شکر گزار نہیں پائے گا۔''

یہ واضح اور شاندار آیاتِ مبارکہ ایک طرف سے شیطان اور اس کے لشکر اور دوسری طرف سے اللہ کے اولیاء اور بندوں کے درمیان ایک زبردست جنگ کے نشانات و علامات کو واضح طور پر بیان کر رہی ہیں۔

اس ہر سو اور ہر طرف پھیلی ہوئی لڑائی سے مومن آدمی کو بچانے والا کوئی بھی نہیں ہے،

سوائے اس کے کہ ایمان دار آدمی اللہ تعالیٰ اور اپنے پروردگار سبحانہ وتعالیٰ سے مدد طلب کرلے اور علم نافع اور عمل صالح سے مسلح ہو جائے' تا کہ شیطان اور اس کے لشکروں کے لیے کوئی بھی گزرگاہ اور داخل ہونے کا کوئی بھی راستہ باقی نہ چھوڑے۔

انسان اور شیطان کی یہ معرکہ آرائی اس وقت ہی شروع ہوگئی تھی جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سیدنا آدم علیہ السلام کو تخلیق فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۝﴾ (طه: ۲۰/ ۱۲۰)

''لیکن شیطان نے اسے وسوسہ ڈالا' کہنے لگا کہ کیا میں تجھے ہمیشگی کا درخت اور وہ بادشاہت نہ بتلاؤں کہ جو کبھی پرانی نہ ہو؟''

(note: line 1 of quote) —

اسی دن سے ہی یہ لڑائی شیطان اور اس کے مریدوں کے اور اللہ تعالیٰ کے دوستوں اور عبادت گزاروں کے درمیان مسلسل جاری ہے۔ بعض اوقات برائی کا پلڑا بھی بھاری رہا لیکن عموماً نیکی کی جانب ہی غلبہ رہا ہے۔

امت کے علمائے کرام اور ائمہ عظام نے اس شدید کشمکش اور ٹکراؤ کی طرف اپنی اپنی علمی حیثیت کے مطابق آگاہی اور تنبیہ کی ہے۔ انھوں نے سچے بندوں اور پرہیزگار مسلمانوں کو خبردار کرنے اور بیدار رکھنے کے لیے بہت سی کتب تالیف کی ہیں' جو ابلیس کے شر سے بچاتی ہیں اور اس کی فتنہ انگیزیوں اور فریب کاریوں سے باخبر رکھتی ہیں:

امام ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے ''مکاید الشیطان'' تحریر کی۔[1]

شیخ ابو حامد غزالی رحمہ اللہ نے ''تلبیس ابلیس'' تالیف کی۔[2]

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ۱۳/ ۴۰۳' کشف الظنون: ۲/ ۱۷۰۴ میں ''مصاید الشیطان'' کا لفظ وارد ہے۔ شاید وہ یہی کتاب ہو۔

[2] طبقات الشافعیة الکبریٰ ۶/ ۲۲۷۔

فائدہ

''الغزالی'' کے تلفظ کے بارے میں اہل علم کی آراء مختلف ہیں کہ یہ لفظ ''ز'' کی تشدید کے ساتھ ہے یا تخفیف کے ساتھ؟

زبیدیؒ نے ''تاج العروس'' میں ''غ ز ل'' کے تحت یہ اختلاف بلا ترجیح نقل کیا ہے!

اور ہمارے اس کتاب کے مؤلف امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب ''تلبیس ابلیس'' تالیف فرمائی۔[1]

ان کے بعد امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ آئے۔ انھوں نے اپنی کتاب ''اِغَاثَةُ اللَّهْفَانِ مِنْ مَّصَايِدِ الشَّيْطَانِ'' تحریر فرمائی۔[2]

اسی طرح ان علمی اور مفید تصنیفات و تالیفات کا سلسلہ چلتا رہا، جن کے مؤلفین و مصنفین رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے شکاری پھندوں کو عیاں کرنے، اس کی فریب کاریوں کو ظاہر کرنے اور اس کی ہلاکتوں اور تباہ کاریوں کو واضح کرنے کا ارادہ کیا ہے۔

ائمہ کے جاری کردہ اس مفید سلسلے کو سامنے رکھتے ہوئے میں نے بھی اپنی یہ ذمہ داری سمجھی کہ اس اچھی روش کو جاری رکھنے میں میرا بھی کسی قدر حصہ شامل ہو جائے لیکن......

میں نے مؤرخ اسلام حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ کی کتاب ابن مجاہد کے حالات زندگی میں پڑھا تھا:

> ''ابن ابی ہاشم نے کہا ہے: کسی آدمی نے ابن مجاہد سے عرض کی: ''آپ اپنی ذات کے لیے کوئی خاص طریقہ کیوں اختیار نہیں فرما لیتے؟'' تو انھوں نے جواب دیا: ''ہماری جانیں کوئی نیا طریقہ اختیار کرنے سے کہیں زیادہ اس بات کی محتاج ہیں کہ ہم اپنے پہلے ائمہ کرام کے طریقوں اور کاموں کی حفاظت رکھیں۔''

ابن مجاہد کا یہ کلام میرے دل میں گھر کر گیا۔ میں کسی ایسی کتاب کی ٹوہ اور جستجو میں

← اس کے بعد میں نے...... ایک بھائی کی رہنمائی کرنے پر...... دیکھا ہے، جو علامہ فیومی نے ''مصباح المنیر'' ص ۴۴۷ میں فرمایا ہے کہ آپ ''طوس'' کی بستیوں میں سے ایک بستی ''غزالہ'' کی جانب منسوب ہیں۔ یہ بات انھوں نے امام غزالی رحمہ اللہ کے ایک پوتے سے نقل کرتے ہوئے لکھی ہے، ساتھ ہی انھوں نے اس پوتے کی یہ وضاحت بھی ذکر کی ہے کہ ''لوگوں نے ہمارے دادا جان کے نامِ گرامی کو ''تشدید'' کے ساتھ پڑھنے میں غلطی کھائی ہے حالانکہ یہ صرف ''تخفیف'' کے ساتھ تھا۔''
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ

[1] اس پر انفرادی اور خصوصی طور پر گفتگو ان شاء اللہ آگے آ رہی ہے۔

[2] اس کتاب کی تلخیص بندہ ناچیز نے کی ہے جو کہ موجودہ جدید شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کا عنوان ہے ''مَوَارِدُ الْاَمَانِ الْمُنْتَقٰى مِنْ اِغَاثَةِ اللَّهْفَانِ'' جو کہ ''دار ابن جوزی...... الامام میں زیر طبع ہے۔

لگ گیا جس کی تہذیب و خدمت کے دوران میں اللہ تعالیٰ کے مؤحد بندوں کے ہاتھوں میں شیطان لعین کے مقابلے کے لیے جدید اسلحہ دے کر ان کو مسلح کر دوں' تاکہ ان مؤحد بندوں کی شیطان ابلیس کے ساتھ اس جاری لڑائی میں تازہ کمک بن سکے اور وہ عاجز و ذلیل بن جائے۔ بالآخر میں نے امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''تلبیس ابلیس'' کو پسند کر لیا' جس کے انتخاب کی درج ذیل وجوہ ہیں:

- امام صاحب نے اپنی اس تالیف میں ایسے ایسے اہم ترین موضوعات پر لکھا ہے جو عوام الناس کیلئے انتہائی نفع بخش ہیں اور پھر ان موضوعات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔
- کتاب میں جن واقعات پر گفتگو کی گئی ہے' تقریباً تقریباً ہمارے اس زمانے میں بھی یہی واقعات رونما ہو رہے ہیں۔ اس حقیقی مشابہت کی بنا پر اس کا انتخاب ناگزیر نظر آتا تھا۔
- لوگوں کے تمام طبقوں یعنی عوام اور خواص میں اس کتاب کو عظیم مقبولیت اور شہرت حاصل ہے۔
- اس کتاب کا کوئی ایسا تحقیق شدہ نسخہ نہیں ہے جس پر اعتماد کیا جا سکے۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی اسباب تھے جو غور و فکر اور لائحہ عمل طے کرتے وقت مخفی نہیں رہتے۔

بالآخر میں نے اس کتاب کی تصنیف کا بیڑا اٹھایا جو اب تمام تحقیقی مراحل طے کرنے کے بعد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کے مصنف امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ' اس کے پڑھنے والوں اور اس کو ضعیف و موضوع روایات سے پاک کر کے آپ کی خدمت میں پیش کرنے والے کو دنیا و آخرت میں حقیقی کامیابی عطا فرمائے اور اسے عوام الناس کے لیے نفع بخش بنائے۔ آمین! یقیناً وہ سننے والا اور قبول فرمانے والا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

کتبہ: ابو الحارث حلبی الاثری

جمعرات ۲۷ جولائی ۱۹۸۹ء

۲۴ ذی الحجہ/ ۱۴۰۹ھ

پیش لفظ

کتاب کا تعارف اور تاریخ

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کا نام ''تلبیس ابلیس'' رکھا ہے' جس طرح کہ ''کشف الظنون'' (۱/۴۷۱) میں بھی موجود ہے' جب کہ شیخ محمد منیر دمشقی نے ''انموذج الاعمال الخیریۃ'' ص ۹۷ میں یوں فرمایا ہے:[1]

''کتاب 'تلبیس ابلیس' جو کہ مصر میں مطبعۃ السعادۃ کے زیر اہتمام ۱۳۴۰ھ میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئی ہے' مصنف نے کتاب کا نام 'نقد العلم والعلماء' یا 'تلبیس ابلیس' رکھا تھا۔ اسی لیے جب ہم نے ۱۳۴۷ھ میں اس کتاب کو دوسری مرتبہ طبع کرنا چاہا تو ہم نے اس کتاب کا حقیقی نام اختیار کیا جو کہ کتاب کے مؤلف نے رکھا تھا اور وہ صرف 'تلبیس ابلیس' ہے۔

اور بعض طبعوں پر یوں بھی لکھا ہے ''الناموس فی تلبیس ابلیس'' جس طرح کہ الاستاذ عبدالجبار عبدالرحمٰن نے اپنی کتاب ''ذخائر التراث العربی الاسلامی'' (۱/۷۸) میں رقم فرمایا ہے۔

اور مؤلف نے اختلافی مسائل کو بیان کرنے کے لیے وہ طریقہ اختیار کیا ہے جو مذاہب و ادیان کے علماء اور مختلف مسالک کے فقہاء' محدثین' ماہرین زبان' نحوی حضرات اور قرائے کرام کے درمیان رائج ہے اور انھوں نے ساتھ ہی اس شبہ کا بھی ذکر فرما دیا ہے جس کے سبب سے ابلیس نے انھیں اپنے دام فریب اور

---

[1] اس تنبیہ کے دوران کہ ''ان چند کتابوں کا بیان جو کتب فروشوں کی جہالت کے سبب تبدیل ہو گئیں اور تحریف کا شکار ہو گئیں'' جس طرح کہ آپ نے بھی فرمایا ہے۔

پھندۂ مکر میں قابو کیا ہے' بعد ازاں اس پر بحث' تفتیش اور تنقید کی ہے' پھر ایک ایک مذہب اور مسلک پر تنقید کی ہے اور صحیح و غلط مسائل کو واضح کیا ہے' اور پھر اس شبہے کا رد کیا ہے جو صحیح مسائل بیان کرنے کے راستے میں رکاوٹ بنا اور اس ضمن میں مؤلف رحمہ اللہ نے صحیح نقلی اور راجح عقلی دلائل سے استدلال کیا ہے۔ اس کے علاوہ ایسی ایسی مثالیں بیان فرمائی ہیں جن کی حس اور عقل بھی گواہی دیتی ہیں۔''[1]

مؤلف رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں تیرہ ابواب قائم کیے ہیں' جن میں سے پانچواں باب طویل ترین ہے' جو کہ ''عقائد اور دینی معاملات میں ابلیس کی فریب کاریوں'' پر مشتمل ہے۔ اسی طرح دسواں باب جو کہ ''صوفیاء پر ابلیس کی مکر کاریوں'' پر مشتمل ہے' مؤلف رحمہ اللہ نے اس باب میں کافی سیر حاصل بحثیں ذکر کی ہیں۔ اس طرح یہ باب تقریباً دو سو صفحات سے بھی تجاوز کر گیا ہے اور یہ تقریباً نصف کتاب کے برابر ہے اور کتاب کا اہم ترین اور احسن ترین باب ہے۔

اس کتاب کے پڑھنے اور مؤلف رحمہ اللہ کے حالات سے آگاہی کے بعد یہ بات سمجھ آتی ہے کہ یہ طوالت اس دور کی ضرورت کے موافق ہے جس میں مصنفِ کتاب رحمہ اللہ نے زندگی بسر کی ہے' اور یوں لگتا ہے کہ تصوف نے اس عہد اور عصر کو اپنا گھونسلا ہی بنا لیا تھا اور (گمراہ) صوفیاء بڑی تیزی سے پر پرزے نکال رہے تھے۔

انہی خرافات' باطل باتوں' چٹکلوں' خواب آور اور مدہوش کرنے والی باتوں پر مبنی سیلابوں کا سامنا اور مقابلہ کرنے کے لیے آپ کی گفتگو تصوف' صوفیاء اور اور بظاہر صوفی بننے کا دعویٰ کرنے والوں پر بحث کی وجہ سے طویل ہو گئی ہے' اور خاص طور پر آپ ان لوگوں کے نظریات و افکار کو عوام الناس اور جاہل طبقہ کے لوگوں میں وقت کے ساتھ ہر ملک اور ہر شہر میں رواج پذیر دیکھیں گے۔ اللہ رحم فرمائے۔ (آمین)

بعض سابقہ ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اس کتاب پر کام کیا ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے ''نظم العقیان'' ص: ۴۹ میں ذکر کیا ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی

[1] انموذج الاعمال الخیریۃ' ص: ۲۸۸

کتاب ''تلبیس ابلیس'' کا اختصار کیا تھا لیکن ہمیں وہ کتاب نہیں مل سکی۔[1]

اس کتاب کے متعلق سب باتوں اور جمیع اقوال کا ماحصل یہ ہے کہ یہ کتاب اس قابل ہے کہ اسے سونے کے پانی سے لکھا جائے اور ہر خیر و بھلائی سے محبت رکھنے والے اور علم حقیقی تک پہنچنے کی کوشش کرنے والے اور شبہات سے پاک سیدھے راستے کے متلاشی کو تحفہ دی جائے۔[2]

اس کے ساتھ ساتھ یہ ہماری معاشرتی حالت اور وہمی تخیلات سے متاثرہ عقائد سے بھی میل کھاتی ہے۔ ہم علمائے کرام اور حقیقت کے متلاشیوں کو اس کتاب کو حاصل کرنے اور پھر اس کا مطالعہ کرنے کی ترغیب دلاتے ہیں کیونکہ یہ اپنے موضوع پر سب سے بہترین تالیف ہے۔[3]

اس کتاب میں میں نے مندرجہ ذیل امور کا خاص طور پر التزام و اہتمام کیا ہے:

- پوری کتاب سے اسناد کو حذف کر دیا ہے۔
- غیر صحیح احادیث کو نکال دیا ہے۔
- ایک ہی جگہ میں بار بار آنے والی احادیث یا واقعات کو حذف کر دیا ہے۔
- اس کتاب میں موجود احادیث کی سلف کے طریقے کے مطابق تخریج کی ہے اور اختصار کا خیال رکھا ہے۔
- ایسے واقعات اور حکایات جن سے کسی خاص فائدے کی امید نہ ہو اور اس سے ملتا جلتا مواد ہو' انھیں حذف کر دیا ہے۔
- اور جہاں کسی متعلقہ واقعہ کو بطور تعلیق اضافہ کرنا ضروری سمجھا یا کسی مشکل مقام کی

---

[1] ''ابن حجرو دراسة مصنفاته'' ص: ٦٦٦ (مؤلفہ شاکر عبدالمنعم)

[2] ''انموذج الاعمال الخیریة'' ص: ۲۸۸

[3] البتہ اس میں وارد آثار واقوال کی تخریج کا میں نے اہتمام و التزام نہیں کیا' کیونکہ وہ مرفوع احادیث کے درجہ میں نہیں ہیں کہ جن کو دلیل بنانا واجب اور ضروری ہوتا ہے اور جنھیں بطور دین کے اختیار کرنا لازمی ہوتا ہے۔ ان آثار واقوال کو صرف مانوس و پسندیدہ اور قابل استشہاد ہونے کی بنا پر ذکر کیا گیا ہے' جس طرح کہ ہمارے محترم شیخ البانی رحمہ اللہ نے اپنے ''مختصر العلو'' (ص:۲۱) کے نفع مند مقدمہ میں فرمایا ہے۔

وضاحت مقصود ہو یا کسی پیش آمدہ قصہ سے استدلال کرنا مقصود ہو اور جسے میں نے مفید اور نافع خیال کیا وہاں اضافے بھی کیے۔

مصنف کی کلام سے حذف اور اختصار کرنے کی وجہ سے میں نے بعض ضروری اضافہ جات کیے اور بعض عبارتوں کو معنی خیز بنایا تاکہ گفتگو مکمل اور باربط ہو جائے۔

○ میں نے اس کتاب کی مکمل طور پر تصحیح و اصلاح کر دی ہے تاکہ اس سے فائدہ اٹھانا آسان و سہل ہو جائے اور پڑھنے والوں کے تمام طبقات اس سے نفع اٹھا سکیں۔

اس کے علاوہ بھی کئی ایک اصول میرے پیش نظر تھے جو بغور دیکھنے والے پر پوشیدہ اور مخفی نہیں رہیں گے۔ اگر تو میں اس عمل میں ٹھیک کامیاب ہو گیا ہوں تو یہ صرف اللہ تعالیٰ کے مجھ ناچیز پر احسان و فضل کی وجہ سے ہے' اور اگر میں اس عمل میں خطا کر گیا ہوں' تو یہ میری تقصیر اور کوتاہی کی بنا پر ہے' اور اللہ اسے معاف فرما دے گا۔ ان شاء اللہ۔

اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور اچھے اختتام کا سوال کرتا ہوں' اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے لیے' اپنے والدین' اساتذہ کرام اور شیوخِ عظام کے لیے طلبِ رحمت کا سوال کرتا ہوں' یقیناً وہ سننے والا اور قبول فرمانے والا ہے۔

العبد الضعیف

علی حسن علی عبدالحمید عفی اللہ عنہ

''تفلیس ابلیس'' کتاب کے ساتھ چند لمحات

جب علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے اپنی یہ کتاب تالیف فرمائی تو یہ کتاب حق کے مخالفین' اہل مذاہب' صاحبانِ طریقت اور متعصب حضرات بالخصوص ان لوگوں کے لیے جو اپنی نسبت تصوف کے ساتھ رکھتے تھے' کے حلق کا کانٹا بن گئی۔ ان میں سے ابن غانم نے اپنی ایک کتاب میں مؤلف رحمہ اللہ کی تردید میں بڑی مستعدی دکھائی۔[1]

امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کا نام ''تلبیس ابلیس'' رکھا' جس کا مطلب یہ ہے کہ ابلیس حملہ کرتا ہے اور بالخصوص اس کے صوفیاء پر حملے ہوتے ہیں۔ ابن غانم نے ''تفلیس ابلیس''[2] کے عنوان سے اس کا رد لکھا یعنی ابلیس کا کوئی حملہ ہے اور نہ ہی کوئی گشت!!

ابن غانم کی کتاب ''تفلیس'' کو دیکھنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ موصوف تصوف میں انتہائی مستغرق تھے' اسی لیے تو اس نے اپنی ''تفلیس'' کے ص ۲۸ پر لکھا ہے:[3]

''جب میں نے کتاب تلبیس ابلیس دیکھی تو اسے بُرا ہم نشین پایا۔ وہ ایسا قائد ہے

---

[1] البدایہ والنہایہ (۱۳/۲۸۹) میں اس کے حالاتِ زندگی درج ہیں۔

[2] یہ کتاب زمانہ قدیم میں طبع ہوئی تھی جیسے کہ ''زرکلی'' نے ''الاعلام'' (۳/۳۵۵) میں اشارہ کیا ہے اور آخر کار ہمارے فاضل بھائی سلیم ہلالی نے اس کی تحقیق بھی کی ہے اور اجمالی طور پر اس کا تعاقب بھی کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں مزید توفیق سے نوازے۔

[3] جیسا کہ آپ اسے اشاعرہ کے مشہور و معروف مسئلہ ''الکسب'' کے ذکر میں دیکھیں گے' جس میں ہمارے برادر محترم فاضل سلیم ہلالی وفقہ الباری نے ان کا تعاقب کیا ہے' اسی طرح ''شریعت اور حقیقت'' کے مسئلہ وغیرہ میں۔

جو اولیاء اللہ کی شان میں کمی کو اجاگر کرتا ہے اور ان کے بلند مراتب میں قدغن لگاتا اور ان کے پاکیزہ ترین مناصب میں عیب جوئی کرتا ہے' اور اس بات کا وہم پیدا کرتا ہے کہ شیطان انھیں گمراہ کرنے اور راہِ راست سے دور لے جانے میں ان پر تسلط جما چکا ہے" !

لیکن وہ مذکورہ الزامات میں سے ایک کو بھی ثابت نہیں کر سکا' صرف راہ حق کے متلاشی اور حقیقت کے طلب گار پر راستے کو پوشیدہ اور پیچیدہ کرنا چاہتا ہے' جب کہ ابن جوزی رحمہ اللہ کا کلام آبشار کی معتدل رفتار کی مثل بہہ رہا ہے اور ان فریب کاریوں کو واضح کر رہا ہے جن سے ابلیس نے عقائد و افکار کے ضمن میں صوفیاء کو دھوکا اور فریب دے رکھا ہے' اور پھر ان پر ایسے دلائل و براہین پیش کیے ہیں جو دن کے اجالے کی مانند روشن اور تاباں ہیں۔ ابن غانم نے اگرچہ کتاب[1] کا جواب دینے کی کوشش کی ہے' لیکن سوائے انکار کرنے کے کچھ اور نہیں کر سکا اور وہ بھی ...... کسی ایسی واضح دلیل اور ثبوت کے بغیر ہی جو اصحاب دانش و بینش اور صاحبانِ عقل و بصیرت کو مطمئن اور قائل کر سکے!! ......[2]

بلاشبہ جو بھی اہلِ حق اور داعیان حق کی تردید میں بات کرے گا اس کے پاس ایسے الفاظ و کلمات کے سوا کچھ بھی نہیں ہے جن سے وہ صرف معاملے کو خلط ملط اور گڈ مڈ ہی کر سکتا ہے!! اور وہ انھیں بڑی ہمدردی' شفقت' دلیری اور جوشیلے پن سے ترتیب دے گا اور ایسے سانچے میں ڈھالے گا جو دلوں کو فتنے میں مبتلا کر دے۔[3]

---

[1] "ھدیۃ العارفین" (۵۷۱/۱) میں ہے کہ اس کی تالیفات میں سے "الحدیث النفیس فی تلفیس ابلیس" بھی ہے' شاید وہ یہی کتاب ہے۔

[2] اس کے باوجود اس کا یہ رسالہ اور کتابچہ فائدے سے خالی نہیں ہے کیونکہ اس نے اسے شیطان کے ساتھ مناظرہ کے لہجے اور انداز میں لکھا ہے۔ اس کتابچے میں شیطان کا توڑ اور اس کے پھندوں کی تردید ہے۔

[3] جس طرح بالآخر شیخ محمد غزالی نے اپنی کتاب "السنۃ النبویۃ بین اھل الفقہ واھل الحدیث" میں کیا ہے' جس پر بعض فاضل بھائیوں نے آڈیو کیسٹوں یا رسالوں یا پھر بذریعہ خط کتابت رد کیا ہے۔ ہمارا بھی برادر محترم سلیم ہلالی کے اشتراک و تعاون سے "نظرات ونقدات" کے عنوان سے اس پر رد اور تعاقب موجود ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

نام ونسب:

آپ جمال الدین ابو الفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد بن علی القرشی البغدادی ہیں اور ''ابن جوزی'' کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ ۵۱۰ھ میں بغداد کی ذیلی اور ماتحت تحصیل ''دربِ حبیب'' میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتعلّم:

امام صاحب نے ایک خوشگوار علمی ماحول میں آنکھ کھولی اور پرورش پائی۔ جب آپ کے والد بزرگوار فوت ہوئے' اس وقت آپ کا تیسرا علمی سال تھا۔ پھر آپ نے اپنی پھوپھی کی آغوش اور دامن میں پرورش پائی' جنھوں نے آپ کو اپنی پوری توجہ اور نگہداشت عنایت فرمائی' جس کے باعث آپ اپنے ساتھیوں اور دوستوں میں مقدم اور فائق رہے۔ یہی وہ محترمہ پھوپھی صاحبہ ہیں جو آپ کو مسجد کے امام ابو الفضل محمد بن ناصر کی خدمت میں لے آئیں۔ انھوں نے انتہائی نگہداشت فرمائی اور آپ کو حدیث کی تعلیم دی۔

آپ نے سرمائے اور مال ودولت کی فراوانی میں پرورش پائی' جس طرح کہ آپ نے خود اپنے متعلق فرمایا ہے۔[1]

البتہ آپ نے بعد ازاں تحصیلِ علم[2] کے دوران بہت سی تکالیف اور مصائب کو

---

[1] ''صید الخاطر'' (ص:۴۴۶) پھر آپ نے مرغوبات کو کم کرنا حتیٰ کہ من پسند اشیا کو چھوڑنا تک شروع کر دیا' جس طرح کہ آپ نے ایک دوسرے مقام پر خود ہی تحریر فرمایا ہے۔

[2] آپ نے اپنے متعلق بیان کیا ہے کہ زمانۂ طالب علمی کے دوران آپ نے تقریباً بیس ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا تھا!

برداشت کیا' حتیٰ کہ آپ نے اپنی ذات کے متعلق لکھا:

''میں اپنے بچپن میں سوکھی روٹیاں ساتھ لے کر طلبِ حدیث میں نکل جایا کرتا تھا اور نہر عیسیٰ کے کنارے بیٹھا کرتا تھا' کیونکہ میں ان سوکھی روٹیوں کو صرف اور صرف پانی کے ہمراہ ہی کھا سکتا تھا۔ میں ایک لقمہ کھا کر پانی پیتا تھا جبکہ میری چشم ہمت تحصیل علم کی لذت کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتی تھی۔''[1]

آپ کے بہت سے اساتذہ وشیوخ ہیں' حتیٰ کہ جب آپ نے بذات خود اپنے شیوخ[2] کے متعلق لکھا' تو اس میں آپ نے ''نوے'' کے قریب اپنے اساتذہ وشیوخ کا ذکر کیا۔

ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہمارے شیخ ابن ناصر مجھے صغر سنی ہی میں اپنے ہمراہ بڑے بڑے بزرگ اساتذہ کی خدمت میں لے جاتے اور عالی اسناد اور اعلیٰ باتیں سناتے اور پھر میری سماعت کردہ سب باتوں کو بقلم خود تحریر کرتے۔ پھر آپ نے ان اساتذہ سے میرے لیے اجازت نامے بھی حاصل کیے۔ جب مجھے بذات خود طلبِ علم کی حقیقت سمجھ آ گئی تو میں شیوخ میں سے سب سے زیادہ علم والے کے پاس ہی رہتا تھا اور اربابِ نقل میں سب سے زیادہ فہم والے کو ترجیح دیا کرتا تھا۔''[3]

ابن جوزی رحمہ اللہ کے طلبِ علم اور حصولِ علم میں کمال توجہ دینے کی وجہ سے اور اس دور کے جید علمائے کرام سے اخذ علم کی وجہ سے ایسا اچھا اثر پڑا کہ طالب علم آپ سے کچھ لینے کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ آپ سے سیراب ہوتے' اپنی علمی پیاس بجھاتے اور آپ سے روایات بھی لیتے تھے۔

---

[1] ''صید الخاطر'' ص:۲۳۵

[2] جو کہ ''محمد محفوظ'' کی تحقیق کے ساتھ ''دار الغرب الاسلامی'' سے طبع ہو چکی ہے۔

[3] ''ذیل علیٰ طبقات الحنابلة'' (۱/ ۴۰۱) لابن رجب۔

ان میں حافظ عبدالغنی مقدسی اور آپ کے نواسے یوسف بن قزاوغلی[1] ابن عبداللہ ہیں۔ آپ کی علمائے کرام نے بہت تعریف بیان کی ہے اور مؤرخین نے بھی آپ کا ذکر اچھے الفاظ میں کیا ہے۔ ابن خلکان رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''آپ اپنے زمانے کے علامہ، امام الحدیث اور وعظ بیانی میں اپنی مثال آپ تھے۔''

امام ذہبی رحمہ اللہ نے آپ کی تعریف میں یوں ذکر کیا ہے:

''آپ تفسیر، وعظ اور تاریخ میں نمایاں اور ممتاز مقام رکھتے تھے اور آپ کو حدیثِ مبارکہ کے متون پر واقفیتِ تامہ حاصل تھی۔''

ابن جوزی رحمہ اللہ وعظ و تقریر کے باعث اتنے شہرت یافتہ ہوئے کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے بقول:[2]

''ابن جوزی رحمہ اللہ فنِ وعظ و تقریر میں اس کمال کو پہنچے تھے جہاں تک کوئی ان سے سبقت نہ لے جا سکا بلکہ آپ کے اس بلند مرتبے تک آپ کے انداز خاص میں، آپ کے طرز میں، آپ کی فصاحت و بلاغت میں، آپ کی شیرینی و حلاوت میں، آپ کی قافیہ بندی میں، آپ کی مرصع کلامی میں، آپ کے وعظ کی تاثیر نفوس میں اور آپ کے معانی بدیعہ کی گہرائی میں پہنچنا بھی مشکل ہے۔ آپ مختصر سے الفاظ میں انتہائی دور کی چیزوں کو ایسے آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتے تھے جیسے انھیں حواس سے مشاہدہ کیا جا رہا ہے۔ آپ سمجھانے اور ادراک کروانے میں بڑے ماہر تھے۔ آپ چند لفظوں میں کثرتِ معانی کو جمع فرما دیتے یعنی دریا کو کوزے میں بند کر دیتے تھے۔''

البتہ آپ ''اسماء اللہ وصفاتہ'' یعنی اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی اور صفات عالی کے اثبات میں قدرے مضطرب تھے جس طرح کہ ابن رجب نے ''الذیل علی طبقات

---

[1] بہت سے مصادر و ماخذ میں تصحیف (حروف میں اشتباہ کی وجہ سے غلط پڑھنا یا غلط لکھنا) کے بعد ''فرغلی'' موجود ہے جب کہ یہ بھی ایک مضحکہ خیز تصحیف ہے۔

[2] البدایة والنهایة (۱۳/ ۲۸)

الحنابلة'' (۱/۴۱۴) میں لکھا ہے:

''اس ضمن میں علمائے کرام نے آپ پر سخت تنقید کی ہے (آپ کے فعل کو ناپسند کیا ہے) آپ تاویل کے معاملے اور قضیے میں مضطرب ہی رہے ہیں۔ آپ اس بارے میں اپنے وافر علم اور کثرتِ معلومات کے باوصف متکلمین کے شبہات کو حل کرنے اور دور کرنے میں باخبر نہ تھے۔''

اسی لیے امام ذہبی رحمہ اللہ نے ''سیر اعلام النبلاء'' (۲۱/ ۳۶۸) میں لکھا ہے:

''کاش کہ آپ تاویل میں نہ پڑتے اور نہ اپنے امام کی مخالفت کرتے۔''

ان شاء اللہ کتاب کے اخیر میں ایک ''تعلیقۃ'' (وضاحتی بیان) آئے گا جس میں مصنفؒ کے ''اسماء والصفات'' کے متعلق مؤقف کی مزید وضاحت کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے اور آپ سے درگزر فرمائے۔

آپ کی مؤلفات وتصنیفات کی تعداد تقریباً پانچ سو ہے۔ استاذ عبدالحمید علوجی نے ایک علیحدہ کتاب میں انھیں تلاش کرکے شمار کر دیا ہے جو کہ ۱۹۶۵ء کے دوران بغداد سے زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہے۔

آپ کی تصنیفات میں سے پچاس سے زائد کتابیں مطبوع ہیں[1] جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

① نواسخ القرآن
② زاد المسیر فی علم التفسیر
③ ذم الهوىٰ
④ تلقیح فهوم اهل الاثر
⑤ صفة الصفوة
⑥ صید الخاطر
⑦ القصاص والمذكرون

---

[1] ذخائر التراث (۱/۴۷۶، ۸۲۳)

⑧ المصباح المضی

⑨ المنتظم فی تاریخ الملوك والامم

⑩ الموضوعات

⑪ العلل المتناهية فی الاحادیث الواهية

⑫ نزهة الاعین النواظر فی علم الوجوه والنظائر وغیرہ۔

آپ بغداد میں ۱۲ رمضان ۵۹۷ھ جمعہ کی رات مغرب اور عشاء کے درمیان فوت ہوئے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مدفن کے قریب ہی دفن ہوئے۔

آپ نے اپنی وفات سے کچھ دیر قبل یہ اشعار پڑھے تھے:

يَا كَثِيْرَ الْعَفْوِ عَمَّنْ كَثُرَ الذَّنْبُ لَدَيْهِ

''اے وہ ذات! جو ایسے آدمی کو بہت زیادہ معاف کرنے والی ہے جس کے گناہ بکثرت ہو چکے ہیں۔''

جَآءَكَ الْمُذْنِبُ يَرْجُوا الصَّفْحَ عَنْ جُرْمِ يَدَيْهِ

''تیرے حضور ایسا گناہ گار آرہا ہے جو اپنے ہاتھوں سے کیے ہوئے جرائم کی معافی مل جانے کا امیدوار ہے۔''

أَنَا ضَيْفٌ وَ جَزَآءُ الضَّيْفِ اِحْسَانٌ إِلَيْهِ

''میں مہمان ہوں اور مہمان کا صلہ اس کے ساتھ احسان کرنا ہی ہے۔''

اللہ تعالیٰ آپ پر وسیع رحمت فرمائے' آپ سے درگزر کرے اور آپ کو بخشش سے سرفراز فرمائے۔ آمین

آپ کے حالات کے لیے مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے:

1. البداية والنهايه (۱۳/ ۲۸) لابن کثیر رحمہ اللہ
2. وفیات الاعیان (۲/ ۳۲۱) لابن خلکان رحمہ اللہ
3. ذیل طبقات الحنابلة (۱/ ۳۹۹) لابن رجب رحمہ اللہ
4. تذکرة الحفاظ (نمبر: ۱۰۹۷) للذهبی رحمہ اللہ

5. سیر اعلام النبلاء (۲۱/ ۳۶۵) للذہبی رحمہ اللہ
6. العبر (۴/ ۲۹۷) للذہبی رحمہ اللہ
7. دول الاسلام (۲/ ۷۹) للذہبی رحمہ اللہ
8. المختصر المحتاج الیہ من تاریخ ابن الدبیثی (۲/ ۲۰۵) للذہبی رحمہ اللہ
9. الکامل (۱۲/ ۱۷۱) لابن الاثیر رحمہ اللہ
10. مفتاح السعادۃ (۱/ ۱۰۷) لطاش کبریٰ زادہ
11. التکملۃ لوفیات النقلۃ (۲/ ۲۹۱) للمنذری رحمہ اللہ
12. غایۃ النہایۃ (۲/ ۳۷۵) لابن الجزری رحمہ اللہ
13. مرأۃ الزمان (۸/ ۳۸۱) آپ کے نواسے کی کتاب
14. مراۃ الجنان (۳/ ۴۸۹) للیافعی رحمہ اللہ
15. المشیخۃ (۱۴۰) للنّعّال البغدادی رحمہ اللہ
16. المختصر فی اخبار البشر (۲/ ۱۱۸) لابن الوردی وغیرہم

مصنف کا مقدمہ

تمام حمد وستائش اس اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے ہے جس نے عدل کا ترازو اہل دانش وبینش لوگوں کے ہاتھوں میں تھما دیا ہے' اور اس نے انبیاء ورسل علیہم السلام کو ثواب اور گرفت کی خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا ہے' اور ان پر درست اور غلط کو بیان کرنے کے لیے کتابوں کو بھی نازل کیا ہے' مزید برآں اس نے شریعتوں کو کامل واکمل اور نقص و عیب سے پاک فرمایا ہے۔

میں بھی اس اللہ تعالیٰ کی ویسے ہی تعریفیں بیان کرتا ہوں جیسے وہ آدمی جو جانتا ہے کہ وہی اکیلا ہی مسبّب الاسباب ہے' اور میں اس کی وحدانیت کی اس مخلص آدمی کی مانند شہادت دیتا ہوں جس کی نیت میں کسی شک وشبہے کا ڈر نہیں ہے۔

اور میں اس بات کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان حالات میں مبعوث فرمایا تھا جب کفر نے ایمان کے چہرے پر پردے ڈال دیے تھے' تب آپ نے نورِ ہدایت سے ظلمت کو چاک کیا اور نقابِ ظلمت کو کھینچ کر دور ہٹایا اور لوگوں کی خاطر جو کچھ آسمانوں سے اتارا گیا' اسے کھول کھول کر بیان فرمایا۔ آپ نے کتاب کے مشکل مقامات کی توضیح وتشریح فرمائی اور بالآخر آپ نے انھیں ایسے روشن اور منور راستے پر چلتے ہوئے چھوڑا جس راستے میں زیر زمین گڑھے تھے اور نہ اس راستے میں سراب کا ہی کوئی نام ونشان تھا۔[1]

اللہ تعالیٰ آپ پر' آپ کی سبھی آل پر اور تمام اصحاب اور ان کی احسان و نیکی کے ساتھ پیروی کرنے والوں پر یوم الحشر والحساب تک رحمتیں نازل فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ان پر

---

1. یہ اس حدیث مبارکہ کی جانب اشارہ ہے ترکتکم علی مثل البیضآء لیلها ونهارها سواء (میں نے تمہیں ایسے روشن اور صاف راستے پر چھوڑا ہے' جس کی رات بھی اس کے دن کی مثل روشن ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے' میں نے اس کی ''الاربعین فی الدعوۃ والدعاۃ'' (نمبر۶) کے تحت تخریج کی ہے' یہ کتاب ''دارابن القیم' الدمام کے زیراہتمام طبع ہو چکی ہے۔

بہت زیادہ سلامتی نازل فرمائے۔

اما بعد: یقیناً انسان پر اللہ بزرگ و برتر کی عظیم ترین نعمت عقل ہے کیونکہ یہی معبودِ حقیقی کی معرفت کرنے میں ایک آلہ اور ذریعہ ہے۔ اور یہی ایسا سبب اور وسیلہ ہے جس کے ساتھ رسولوں کی تصدیق تک پہنچا جا سکتا ہے' ہاں! جب بندہ اس نعمتِ عظمیٰ کے ہونے کے باوجود بھی ہر طرح کی مراد پانے میں کامیاب نہ ہو سکا تو رسولوں کو مبعوث فرمایا گیا اور کتابوں کو نازل فرمایا گیا۔

شریعت کی مثال سورج کی اور عقل کی مثال آنکھ کی ہے۔ جب آنکھ کھولی جائے اور یہ تندرست ہو تو سورج کو دیکھ سکتی ہے۔

پھر جب عقل کے نزدیک انبیائے کرام کے سچے فرمودات اور خلافِ عادت معجزات دلائل و براہین کے ساتھ برحق ثابت ہو گئے تو عقل نے اپنے آپ کو ان انبیائے کرام کے حوالے کر دیا اور ان تمام امور و معاملات میں انہی پر اعتماد و بھروسا کر لیا جو اس کے لیے مخفی اور پوشیدہ تھے۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عقل جیسی نعمت سے نوازا تو پھر ان کے باپ سیدنا آدم علیہ السلام سے نبوت کا آغاز فرمایا۔ آپ اپنی اولاد کو وحیٔ الٰہی کے ذریعے تعلیم و تربیت دیا کرتے تھے' جس کی وجہ سے سبھی درست راستے پر گامزن رہے' حتیٰ کہ قابیل[1] نے اپنی خواہشِ نفس کی پیروی کی اور اپنے حقیقی بھائی کو قتل کر دیا' اس کے بعد خواہشاتِ نفسانی لوگوں میں پھیلتی گئیں جنھوں نے ان کو گمراہی و ضلالت کے بیابان میں دھکیل دیا' حتیٰ کہ انھوں نے بتوں کی پوجا تک بھی کر لی۔ انھوں نے عقائد و اعمال میں ایسے ایسے اختلافات کیے جو انبیاء و رسل کے تو خلاف تھے ہی' عقلِ سلیم بھی انھیں تسلیم نہیں کرتی تھی۔ یہ سب کچھ انھوں نے اپنی خواہشات کی اتباع اور پیروی کرتے ہوئے کیا اور اپنی عادات کی جانب میلان رکھنے کی وجہ سے اور اپنے بڑوں کی تقلید کرتے ہوئے اور ان کے معاملے میں ابلیس نے اپنے ظن و گمان کو سچا کر دکھایا' ایسے لوگوں نے اس کی پیروی کرنی شروع کر دی'

[1] یہ نام اسرائیلی روایات یا بعض ضعیف احادیث میں ملتا ہے' سیدنا آدم علیہ السلام کے ان دونوں بیٹوں کے نام قرآن پاک اور صحیح احادیث سے ثابت نہیں۔

ماسوائے اہل ایمان کے ایک گروہ کے (کہ وہ راہ حق پر قائم و دائم رہے۔)[1]

رسول بھیجنے میں حکمت[2]

انبیائے کرام علیہم السلام واضح احکام کے ساتھ تشریف لائے تھے اور انھوں نے بیماریوں کا شفا بخش ادویات سے علاج کیا' اور اس انداز سے ایک دوسرے کے برابر کھڑے ہوئے تھے کہ کوئی اختلاف نہ تھا۔ بالآخر شیطان آگے بڑھا اور اس نے آپ کے فرامین میں شبہات اور دوا میں زہر ملانا شروع کر دیا اور واضح راستے کو گمراہ کن بنجر علاقوں میں خلط ملط کرنا اپنی عادت بنا لیا۔ پھر وہ مسلسل عقلوں سے کھیلتا رہا حتیٰ کہ اس نے جاہلیت کو کمزور مذاہب میں بانٹنا شروع کر دیا اور قبیح بدعتوں میں انھیں لگانے لگا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ لوگوں نے بیت اللہ کے اندر بت نصب کر کے ان کی پرستش شروع کر دی' اور سائبہ[3] بحیرہ' وصیلہ اور حام کی حرمت کا عقیدہ بنا لیا' بچیوں کو زندہ درگور کرنے لگے' لڑکیوں کو مالِ وراثت سے دور رکھنے لگے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی گمراہیاں تھیں جنھیں ابلیس نے ان کے لیے آراستہ کر دیا تھا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو آپ نے ان قباحتوں اور برائیوں کا قلع قمع فرمایا اور مفید چیزوں کا حکم دیا۔ آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی زندگی میں اور پھر آپ کے بعد' آپ کے انہی نورانی راستوں پر گامزن رہے۔ اس طرح وہ دشمن سے اور اس کے دھوکے سے محفوظ و مامون رہے۔

پھر جب دنیا صحابۂ کرام کے وجود سے خالی ہوگئی تو پھر تاریکیاں چھانے لگیں' خواہشات نے پھر سے پلٹ کر پروپیگنڈہ شروع کر دیا' اور اس راستے کو پھر سے تنگ کرنا شروع کر دیا جو کشادہ اور وسیع چلا آ رہا تھا۔ لوگوں نے اپنے دین کو تفرقہ بازی کی طرف لے

---

[1] اس میں سورۂ سبا کی آیت ۲۰ کی طرف اشارہ ہے۔ [2] یہ بغلی سرخیاں اصل کتاب میں نہیں ہیں' یہ صرف ہم نے مزید توضیح اور مفہوم کو قریب تر کرنے کے لیے خود لگائی ہیں۔

[3] یہ ان کی نذریں تھیں جنہیں وہ اپنے چھوٹے معبودوں اور طاغوتوں کے لیے پیش کیا کرتے تھے' جن سے وہ اپنے شرکیہ گندے اعتقادات کی بنا پر نہ تو ان جانوروں کا گوشت استعمال کرتے اور نہ ہی ان سے دیگر فائدے اٹھایا کرتے تھے۔

جانا شروع کر دیا حتیٰ کہ گروہوں میں بٹ گئے۔ ابلیس دھوکا دہی‘ ملمع سازی اور گھ جوڑ کرنے کے لیے کمر بستہ ہو گیا‘ کہ ایسی ہی شب جہالت میں اس کے لیے نقب زنی اور چوری کی بار بار کوششیں کرنا آسان تھا۔ کیونکہ جونہی صبح علم وعرفان طلوع ہو جائے گی تو اس کی بے عزتی اور رسوائی ہو گی۔

اسی لیے مجھے خیال آیا کہ میں اس کی چالوں سے خبردار کروں اور اس کے جال اور پھندوں سے آگاہ کر دوں۔ کیونکہ برائی کو پہچان لینے ہی میں اس سے بچاؤ ممکن ہے‘ صحیحین میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث موجود ہے‘ فرماتے ہیں:

((كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْخَيْرِ، وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ، مَخَافَةَ أَنْ يُّدْرِكَنِيْ......))[1]

”لوگ تو رسول اللہ ﷺ سے نیکی کی بابت دریافت کیا کرتے تھے‘ جب کہ میں آپ سے برائی کے متعلق پوچھا کرتا تھا‘ بس اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں وہ برائی مجھے آن نہ لے......“

اسلامی مذہب کی حقیقت:

میں نے اسی شیطان ابلیس کے فتنے سے خبردار کرنے کے لیے‘ اس کی آزمائشوں سے ڈرانے کے لیے‘ اس کے چہرے پر پڑے پردے اور حجاب اٹھانے کے لیے‘ اور اس کے پوشیدہ دھوکوں سے نقاب کشائی کرنے کیلئے یہ کتاب لکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر سچے مقصد والے کی اپنی مہربانی سے مدد فرمانے والا ہے۔ میں نے اس کتاب کو تیرہ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ ان ابواب کے مجموعے سے اس ابلیس کی دھوکا دہی اور چالبازی کھل کر سامنے آ جائے گی‘ اور ایک سمجھ دار آدمی کیلئے اس کی فریب کاری عیاں ہو جائے گی۔ پھر جس آدمی کا عزم وارادہ ان باتوں پر عمل پیرا ہونے کا ہوگا تو یقیناً ابلیس اس سے سٹپٹائے گا۔

اللہ تعالیٰ میرے مقصود میں مجھے توفیق عطا فرمانے اور میرے ارادے میں صحیح راستے کی طرف راہنمائی فرمانے والا ہے۔

---

[1] صحيح بخاري' المناقب' باب علامات النبوة في الاسلام' حديث : ٣٦٠٦۔
صحيح مسلم' الامارة' باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين عند ظهور الفتن......حديث: ١٨٤٧

باب : ۱

سنت مبارکہ اور جماعت

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ''جابیہ'' مقام پر ایک خطبہ دیا اور یوں فرمایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان اس طرح کھڑے ہوئے جس طرح میں کھڑا ہوں اور فرمایا:

((مَنْ أَرَادَ مِنكُمْ بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ، فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةِ، فَإِنَّ الشَّيْطٰنَ مَعَ الْوَاحِدِ، وَهُوَ مِنَ الْاِثْنَيْنِ أَبْعَدُ))[1]

''تم میں سے جو وسط جنت کا ارادہ رکھتا ہے اسے جماعت کو لازم پکڑنا چاہیے کیونکہ شیطان ایک آدمی کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ دو آدمیوں سے دور رہتا ہے۔''

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے ایک خط کھینچا اور پھر اس طرح گویا ہوئے:

((هٰذَا سَبِيلُ اللّٰهِ مُسْتَقِيمًا))

---

[1] اسے امام احمد (۲۶/۱) اور امام ابن حبان (۲۲۸۲) اور امام طیالسی (ص ۷) اور امام ابو یعلی (۱۴۱) نے بطریق ''عبدالملک بن عمیر عن جابر بن سمرہ عن عمر'' لمبی روایت میں بیان کیا ہے۔
میں کہتا ہوں اس سند میں عبدالملک بن عمیر کا عنعنہ ہے، ''مسند ابی یعلی'' پر تعلیقات لکھنے والے کو وہم ہوا ہے، انھوں نے کہا ہے کہ مسند میں ''حدثنا'' کی صراحت ہے، جب کہ وہاں ایسے نہیں ہے!
البتہ یہی حدیث مسند احمد (۱۸/۱) ترمذی (۲۱۶۵) حاکم (۱۱۲/۱) ابن ابی عاصم (۸۸) نے بہ سند ''عن محمد بن سوقہ عن عبداللہ بن دینار عن ابن عمر عن عمر'' بیان کی ہے۔
اور اس کی سند صحیح ہے۔ اس حدیث مبارکہ کے اور بھی طرق ہیں جن کو یہاں بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

''یہ اللہ تعالیٰ کا سیدھا راستہ ہے''

پھر آپ نے اس کے دائیں اور بائیں خط کھینچے اور یوں فرمایا:

((هٰذِهِ السُّبُلُ لَيْسَ مِنْهَا سَبِيلٌ إِلَّا عَلَيْهِ شَيْطَانٌ يَدْعُوا إِلَيْهِ))

''ان راستوں میں سے کوئی بھی راستہ ایسا نہیں ہے مگر اس پر شیطان موجود ہے جو اپنی طرف دعوت دے رہا ہے۔''

اس کے بعد آپ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

﴿وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ ۝﴾

(الانعام: ۶/ ۱۵۳)

''اور یہ کہ یہ (دین) میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے' سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو۔''

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یقیناً میری امت پر بھی ویسے ہی حالات آئیں گے جیسے کہ بنی اسرائیل پر آئے تھے' بالکل ایسے ہی جیسے جوتا جوتے کے برابر ہوتا ہے' یہاں تک کہ اگر ان میں کوئی اپنی ماں سے علانیہ برائی کا مرتکب ہوا ہوگا تو ضرور بالضرور میری امت میں بھی ایسا شخص ہوگا جو اس طرح کر دکھائے گا' اور بے شک بنی اسرائیل بہتر (۷۲) گروہوں میں بٹ گئے تھے' اسی طرح میری امت تہتر (۷۳) گروہوں میں بٹ جائے گی' یہ سب کے سب آگ میں جائیں گے' سوائے ایک گروہ کے۔''

انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ!...... وہ گروہ کون سا ہوگا؟ آپ نے جواب میں فرمایا: ''جس پر میں اور میرے صحابہ (عمل پیرا) ہیں۔''[۱]

---

[۱] حدیث حسن ہے' اس کے اور بھی طرق اور شواہد ہیں' میں نے اس موضوع پر ایک الگ کتابچہ میں تفصیلی گفتگو کی ہے' جس کا عنوان ''كشف الغمه عن حديث افتراق الامة'' ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے مکمل کرنے کی توفیق دے۔

ترمذی' الایمان' باب ما جاء فی افتراق هذه الامة' حدیث: ۲۶۴۱

امام ابوداود رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ آپ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو یوں گویا ہوئے: سنو! یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک بار ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تھے اور آپ نے یوں فرمایا تھا:

''تم سے پہلے اہل کتاب بہتر (۷۲) گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے' اور بلاشبہ یہ ملت بھی عنقریب تہتر (۷۳) گروہوں میں بٹ جائے گی' بہتر (۷۲) تو آتش دوزخ میں جائیں گے اور ایک جنت میں جائے گا' اور وہ جماعت ہوگی۔ اور بے شک میری امت میں ایسی قومیں ظاہر ہوں گی جن میں یہی خواہشات اس طرح سرایت کر جائیں گی جس طرح باؤلے کتے کے کاٹنے سے باؤلا پن اور دیوانگی کسی میں سرایت کر جاتی ہے۔''

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' فرماتے ہیں:

((اَلْاِقْتِصَادُ فِي السُّنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الْاِجْتِهَادِ فِي الْبِدْعَةِ))[1]

''سنت میں اعتدال اور میانہ روی' بدعت میں سخت محنت سے بہتر ہے۔''

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' کہتے ہیں:

''تم سبیل اور سنت کو لازم پکڑو' کیونکہ جب سنت پر گامزن رہتے ہوئے کوئی اللہ کا ذکر کرتا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں تو اسے جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی' اور بلاشبہ سبیل اور سنت میں میانہ روی اختیار کرنا خلافِ سنت کرنے سے بہتر ہے۔''[2]

سخت محنت

عاصم رحمہ اللہ ابوالعالیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں' فرماتے ہیں:

((عَلَيْكُمْ بِالْاَمْرِ الْاَوَّلِ الَّذِيْ كَانُوْا عَلَيْهِ قَبْلَ اَنْ يَّفْتَرِقُوْا))

---

[1] اسے دارمی (۷۲/۱) اور دیگر ائمہ نے بیان کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ اس کی تفصیلی تخریج ہماری کتاب "الجنة فی تخریج کتاب السنة" (نمبر:۸۸) میں مشاہدہ فرمائیں جو کہ "ابن نصر" کی تالیف ہے۔

[2] اس اثر کو امام احمد رحمہ اللہ نے "کتاب الزہد" (ص:۱۹۶) میں تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (سبیل سے مراد "سبیل المومنین" اور سنت سے مراد "سنت رسول" ہے)

''تم اس ''اول حکم'' کو اپنے اوپر لازم قرار دو جس پر لوگ افتراق و انتشار کا شکار ہونے سے قبل تھے۔''

عاصم فرماتے ہیں' میں نے یہ بات حسن سے بیان کی تو انھوں نے جواب میں فرمایا: اللہ کی قسم! یقیناً اس نے آپ کی خیر خواہی کی اور آپ سے بجا فرمایا ہے۔[1]

سفیان رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: اے یوسف! جب تجھے مشرق میں رہنے والے کسی آدمی کے متعلق یہ اطلاع ملے کہ وہ صاحبِ سنت ہے تو اسے سلام بھیجو' اور جب تجھے مغرب میں رہنے والے کسی دوسرے آدمی کی بابت اطلاع موصول ہو کہ وہ بھی صاحب سنت ہے تو اسے بھی سلام بھیجو' کیونکہ اہل السنّت والجماعت بہت کم ہو چکے ہیں۔[2]

ایوب رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: کسی نوعمر اور کسی عجمی کی سعادت اور خوش قسمتی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اہل سنت میں سے کوئی عالم میسر فرما دے۔[3]

سفیان ثوری رحمہ اللہ سے روایت ہے' فرماتے ہیں: اہل سنت کی بابت بھلائی کرنے کی وصیت قبول کرو' کیونکہ وہ اکا دکا ہیں۔''[4]

یونس بن عبدالاعلیٰ رحمہ اللہ سے روایت ہے' کہتے ہیں: میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو فرماتے سنا' جب میں کسی صاحبِ حدیث کو دیکھ لیتا ہوں تو مجھے یوں لگتا ہے گویا کہ میں نے اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی صحابی کو دیکھ لیا ہے۔[5]

جنید رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: مخلوق پر بھی کے سبھی راستے بند ہیں' مگر جو رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم کی پیروی اختیار کرے' آپ کی سنت مطہرہ کا اتباع اختیار کرے' اور آپ

---

[1] اسے ابونعیمؒ (۲/۲۱۸) نے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

[2] اسے لالکائی رحمہ اللہ نے (۵۰) نمبر پر روایت کیا ہے۔

[3] اسے لالکائیؒ نے (۱۰۱) نمبر پر بیان کیا ہے۔

[4] اسے ابونعیم رحمہ اللہ نے حلیۃ الاولیاء (۹/۱۰۹) میں اور بیہقیؒ نے ''مناقب الشافعی'' (۱/۴۷۷) میں ذکر کیا ہے۔

[5] اسے ابونعیم رحمہ اللہ نے (۹/۱۰۹) میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

کے طریقے کو اپنے اوپر لازم قرار دے لے تو بلاشبہ بھلائی اور نیکی کے تمام راستے اس پر کھلے ہوئے ہیں، جس طرح کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

(الاحزاب: ۳۳/ ۳)

''یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) میں عمدہ نمونہ موجود ہے۔''[1]

[1] اسے ابونعیم نے (۱۰/ ۲۵۷) میں اور خطیب نے ''الفقیة والمتفقة'' (۱/ ۱۵۰) میں صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

باب : ۲

بدعت اور اہل بدعت

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ فِيهِ، فَهُوَ رَدٌّ))[1]

''جس کسی نے ہمارے (دینی) معاملے میں کوئی نیا کام ایجاد کیا جو اس میں پہلے سے نہ ہو تو وہ مردود ہوگا۔''

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا:

((فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي))[2]

''جس نے میری سنت سے روگردانی کی تو وہ مجھ سے نہیں ہے۔''

عبدالرحمٰن بن عمرو سلمی اور حجر بن حجر رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

''ہم سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ان صحابہ کرام میں سے تھے جن کے متعلق یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

﴿ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ۝﴾ (التوبہ : ۹/ ۹۲)

''ہاں ان پر بھی کوئی حرج نہیں جو آپ کے پاس آتے ہیں کہ آپ انھیں سواری

---

[1] صحیح البخاری، الصلح، باب اذا اصطلحوا علٰی صلح جور ...... حدیث: ۲۶۹۷

[2] صحیح البخاری، النکاح، باب الترغیب فی النکاح ...... حدیث ۵۰۶۳
صحیح مسلم، النکاح، باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسہ الیہ ...... حدیث: ۱۴۰۱۔

مہیا کر دیں، تو آپ جواب دیتے ہیں کہ میں تو تمہاری سواری کے لیے کچھ بھی نہیں پاتا۔"

ہم نے ان کو سلام عرض کیا اور یوں عرض پرداز ہوئے "ہم تو آپ کی زیارت کرنے، آپ کی بیمار پرسی کرنے اور آپ سے کسبِ فیض کرنے آئے ہیں" سیدنا عرباض رضی اللہ عنہ نے یوں فرمایا:

"ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نمازِ فجر پڑھائی، پھر ہماری جانب رخِ انور کر کے بیٹھ گئے، اور ہمیں ایک بلیغ اور انتہائی جامع نصیحت فرمائی جس سے آنکھیں بہنے لگیں اور دل دہل گئے۔ ایک کہنے والا بولا: یا رسول اللہ! یوں لگتا ہے جیسا کہ یہ کسی الوداع کرنے والے کا وعظ ہے، آپ ہم سے کیا وعدہ لیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

"میں تمہیں تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں، اور بات کو سننے کی اور اطاعت اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں، اگرچہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ یقیناً جو آدمی میرے بعد زندہ رہے گا، وہ بہت سے اختلافات کا مشاہدہ کرے گا، تم اپنے اوپر میری سنت اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم قرار دینا اور انھیں ڈاڑھوں کے ساتھ مضبوطی سے تھام لینا، اور نئے نئے کاموں سے خاص طور پر بچ کر رہنا، بلاشبہ ہر نیا کام (دین کے معاملہ میں) بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ وَلَيُرْفَعَنَّ رِجَالٌ مِّنْكُمْ ثُمَّ لَيُخْتَلَجُنَّ دُوْنِي فَأَقُوْلُ يَا رَبِّ أَصْحَابِي فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَكَ))[2]

"میں اپنے حوض پر تم سے پہلے ہی موجود ہوں گا اور تم میں سے کچھ لوگ میرے

---

[1] صحیح ابو داود، السنة، باب فی لزوم السنة، حدیث: ۴۶۰۷

[2] صحیح البخاری، الرقاق، باب فی الحوض، حدیث: ۶۵۷۶ و صحیح مسلم، الفضائل، باب اثبات حوض نبینا ﷺ و صفاته، حدیث: ۲۹۷۔

سامنے لائے جائیں گے پھر انہیں میرے سامنے سے ہٹا دیا جائے گا' میں عرض کروں گا: اے میرے پروردگار! یہ لوگ میرے ہیں یعنی میری امت والے ہیں' تو جواب میں یوں کہا جائے گا: آپ نہیں جانتے' انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعتیں نکالی تھیں؟''

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:

((اَلْبِدْعَةُ أَحَبُّ اِلٰی اِبْلِیْسَ مِنَ الْمَعْصِیَةِ' اَلْمَعْصِیَةُ یُتَابُ مِنْهَا' وَالْبِدْعَةُ لَا یُتَابُ مِنْهَا))[1]

''بدعت ابلیس کو معصیت و نافرمانی سے کہیں زیادہ محبوب ہے کیونکہ معصیت و نافرمانی سے تو توبہ کر لی جاتی ہے جبکہ بدعت سے توبہ نہیں کی جاتی۔''

قاضی فضیل رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے' کہتے ہیں:

''جب تو کسی بدعتی کو کسی راستے میں دیکھ لے' تو تو وہ راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لے' بدعتی آدمی کا کوئی عمل بھی اللہ عزوجل کی طرف بلند نہیں کیا جاتا' جس نے کسی بدعتی کی مدد و اعانت کی' یقیناً اس نے اسلام کو گرانے پر مدد و اعانت کی۔''[2]

میں نے ایک آدمی کو قاضی فضیل رحمۃ اللہ علیہ سے کہتے ہوئے سنا: جس نے اپنی صاحبزادی کا کسی فاسق مرد سے نکاح کر دیا تو گویا اس نے اپنی صاحبزادی سے قطع رحمی کر لی۔ اس پر قاضی فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''جس نے اپنی لخت جگر کا کسی بدعتی سے نکاح کر دیا' اس نے اپنی بیٹی سے قطع رحمی کر دی اور جو کسی بدعتی کی مجلس میں بیٹھا' وہ حکمت و دانائی سے خالی رہے گا' اور جب اللہ عزوجل کسی آدمی کے متعلق جان لیتے ہیں کہ وہ بدعتی آدمی سے بغض وعداوت رکھنے والا ہے' مجھے امید واثق ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بنا پر اس کے گناہوں اور غلطیوں

---

[1] ابن الجعد نے اسے اپنی ''مسند'' میں (۱۸۸۵) کے تحت روایت کیا ہے' مزید دیکھئے راقم کی کتاب ''الکشف الصریح عن اغلاط الصابونی فی صلاۃ التراویح'' (نمبر ۶۱) طبع دار الھجرۃ الامام

[2] ابونعیم نے اسے ذکر کیا ہے (۸/۱۰۳-۱۰۴)

سے درگزر فرماوے گا۔''[1]

اس طرح کا کچھ کلام مرفوعاً بھی مروی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ أَعَانَ عَلَى هَدْمِ الْإِسْلَامِ))[2]

''جس نے کسی بدعتی شخص کی تعظیم و توقیر کی' اس نے یقیناً اسلام کو گرانے پر اعانت کی۔''

بدعت اور اہل بدعت کی مذمت

اگر کوئی کہنے والا یوں کہے: آپ نے سنت کی مدح و تعریف کی ہے اور بدعت کی مذمت بیان کی ہے' تو ذرا یہ بھی وضاحت کر دیں کہ سنت کیا ہے اور بدعت کیا ہے؟ کیونکہ ہمارے خیال میں ہر بدعتی اپنے آپ کو اہلِ سنت میں سے خیال کرتا ہے۔[3]

سنت:

لغت میں سنت کا معنی راستہ ہے' اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ تمام اہل نقل و اثر جو آثارِ نبویہ اور آثار صحابہ کے پیروکار اور متبع ہیں' وہ سب اہل سنت ہیں۔ کیونکہ وہ تمام اسی راستے پر تھے جس میں کوئی بھی نیا کام پیدا نہیں ہوا تھا۔ یقیناً تمام کی تمام بدعات و حوادث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد ہی رونما ہوئے ہیں۔

بدعت:

اور بدعت ایسے فعل سے عبارت ہے جو پہلے نہ ہو' اسے نیا شروع کیا گیا ہو۔

---

[1] ابونعیم نے اسے ذکر کیا ہے (۸: ۱۰۳-۱۰۴)

[2] حدیث ان شاء اللہ حسن ہے' اس حدیث کی تخریج میں نے الگ طور پر ''کتاب اللمعة بحسن حدیث من وقر صاحب بدعة'' میں کی ہے اور اس کے طرق کو جمع کیا ہے۔

[3] اللہ کی قسم یہ تو...... انتہائی قابلِ تعجب بات ہے لیکن جب آپ حق کو ثابت کرنے کے لیے اس سے بحث کریں گے' اس کے ساتھ قدرے گہری گفتگو کریں گے تو آپ کے سامنے اس کی باتوں کا بے ڈھب اور بے ہودہ ہونا اور اس کے مقصد و مرام کا کمزور ہونا ثابت اور واضح ہو جائے گا' اور جب آپ اس کی ←

بدعات میں اکثر و غالب یہ پہلو ہوتا ہے کہ وہ شریعت سے متصادم ہوتی ہیں' ان پر عمل پیرا رہنے سے کمی بیشی سامنے آتی رہتی ہے' اگر کوئی کام نیا تو شروع کیا گیا ہو لیکن وہ خلافِ شرع نہ ہو اور نہ ہی اس پر کوئی جھگڑا ہو رہا ہو' جمہور اسلاف اسے بھی بنظر کراہت دیکھتے ہیں' بلکہ وہ تو ہر طرح کی بدعت اور نئے کام سے متنفر ہی کرتے رہے ہیں' صرف اصل کی حفاظت رکھنے کی غرض سے' اور وہ ہے اتباع۔

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما سے اس وقت یہ عرض کیا تھا' جب ان دونوں نے آپ سے یہ کہا تھا: قرآن جمع فرمائیں! ''آپ دونوں ایسا کام کس طرح کرنا چاہتے ہیں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟''[1]

ابوالبختری بیان کرتے ہیں: کسی آدمی نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی کہ کچھ لوگ نماز مغرب سے فارغ ہو کر مسجد میں بیٹھ جاتے ہیں' ان میں ایک آدمی یوں کہتا ہے: اتنی مرتبہ اللہ اکبر کہو' اتنی بار سبحان اللہ بولو' اتنی دفعہ الحمدللہ پکارو۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تو انھیں ایسا کرتے دیکھے تو میرے پاس چلے آنا' اور آ کر مجھے ان کی مجلس کی اطلاع کرنا۔

وہ آدمی ان کے پاس جا کر بیٹھا رہا۔ جب اس نے ان کی وہ باتیں سنیں تو فوراً سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے' (شریعت کے معاملات میں) آپ انتہائی سخت مزاج تھے' فرمانے لگے:

''میں عبداللہ بن مسعود ہوں' اس اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے' تم نے ظلم کرتے ہوئے بدعات کا ارتکاب کیا ہے' کیا تم علم میں اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فوقیت لے گئے ہو؟

عمرو بن عتبہ بولا: أَسْتَغْفِرُ اللّٰه

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم راستے کو لازم پکڑو' اگر تم دائیں بائیں جھکے تو تم یقیناً

← بات کو سلف صالحین کے کتاب وسنت کے فہم کے ترازو میں وزن کریں گے تو آپ کے سامنے اس کی برائی ظاہر ہو جائے گی اور آپ کے لیے اس کا کھوٹا پن عیاں ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ

[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (۹/۹)

بہت دور کی گمراہی میں جا پڑو گے۔[1]

اہل سنت کے راستے کی پیروی

ہم یہ بیان کر آئے ہیں کہ سلف صالحین تو ہر بدعت سے محتاط رہا کرتے تھے' اگرچہ اس میں کوئی حرج بھی نہ ہو' تاکہ کسی ایسے کام کو شروع کرنے والے نہ بن جائیں جو پہلے نہ ہو۔

لیکن کچھ ایسے بھی نئے کام جاری ہوئے ہیں جو شریعت سے متصادم نہیں ہیں اور نہ ہی ان پر کوئی جھگڑا ہوا ہے' تو ایسے امور میں سلف کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ جس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ لوگ ماہِ رمضان میں اکیلے اکیلے نماز (تراویح) پڑھا کرتے تھے۔ جب ایک آدمی نماز پڑھنے لگتا تو کچھ لوگ آ کر اس کے ساتھ شامل ہو جاتے اور وہ ایک جماعت بن جاتی۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انھیں سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت پر اکٹھا فرما دیا پھر جب آپ نے انھیں ایک امام کی اقتداء میں نمازِ تراویح پڑھتے دیکھا تو فرمایا:

((نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ))[2]

''یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے۔''

کیونکہ باجماعت نماز تو مشروع ہی تھی۔[3]

ہمارے مذکورہ بیان سے یہ نتیجہ حاصل ہوا کہ اہل سنت ہی اتباع اختیار کرنے والے ہیں اور اہل بدعت ایسے کام ظاہر کرنے والے ہیں جو پہلے نہ ہوں اور نہ ہی ان کا کوئی ثبوت ہو۔ اسی لیے وہ اپنی بدعت کو چھپائے رکھتے ہیں' جب کہ اس کے برعکس اہل سنت

---

[1] یہ بہت سی صحیح اسناد کے ساتھ مروی ہے' یہ روایت بڑی تفصیل کے ساتھ میری کتاب ''احکام الالبانی فی نقص وصول التھانی'' ص ۵۵-۵۸ میں بھی تخریج شدہ ہے۔
مزید ''اتباع السنن'' (نمبر ۱۰) ملاحظہ فرمائیں' اس میں تفصیل موجود ہے۔

[2] صحیح البخاری' صلاۃ التراویح' باب فضل من قام رمضان' حدیث: ۲۰۱۰

[3] اس مسئلہ کی مزید تفصیل کے لیے امام سیوطی رحمہ اللہ کا رسالہ ''المصابیح فی صلوۃ التراویح'' میری تحقیق کے ساتھ آراستہ ملاحظہ فرمائیں' اس کے علاوہ میری کتاب ''الکشف الصریح عن اغلاط الصابونی فی صلاۃ التراویح'' بھی ملاحظہ فرمائیں۔

اپنے مذہب کو نہیں چھپاتے' ان کی باتیں ظاہر و باہر ہوتی ہیں اور ان کا مذہب مشہور و معروف ہوتا ہے' اور اچھا انجام بھی انہی کا ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((لَا یَزَالُ نَاسٌ مِّنْ اُمَّتِیْ ظَاهِرِیْنَ' حَتّٰی یَأْتِیَهُمْ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ ظَاهِرُوْنَ))[1]

''میری امت کے کچھ لوگ ہمیشہ غالب رہیں گے' حتیٰ کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا حکم آ جائے وہ تب بھی غالب ہی ہوں گے۔''

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا' علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے: وہ لوگ اصحاب اہل حدیث ہیں۔''[2]

اہل بدعت کی تقسیم

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((تَفَرَّقَتِ الْیَهُوْدُ عَلٰی اِحْدٰی وَسَبْعِیْنَ فِرْقَةً' اَوِ اثْنَتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ' وَالنَّصَارٰی مِثْلُ ذٰلِكَ' وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلَاثٍ وَّسَبْعِیْنَ فِرْقَةً))[3]

''یہودی ۷۱ یا ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے تھے اور عیسائی بھی اسی طرح' جبکہ میری امت تہتر ۷۳ گروہوں میں متفرق ہو جائے گی۔''

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے' یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ہم نے یہ حدیث سابقہ باب میں بھی ذکر کی ہے اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

((کُلُّهُمْ فِی النَّارِ' اِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً))

---

[1] صحیح البخاری' المناقب' باب بعد باب سوال المشرکین ان یریهم النبی صلی اللہ علیہ وسلم آیة' حدیث نمبر ۳۶۴۰' و صحیح مسلم' الامارة' باب قوله صلی اللہ علیہ وسلم لا تزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق لا یضرهم من خالفهم'' حدیث: ۱۹۲۱۔

[2] ہمارے فاضل بھائی سلیم الہلالی کا رسالہ ''اللآلی المنثورة باوصاف الطائفة المنصورة'' جو کہ زیر طبع ہے۔

[3] ترمذی' الایمان' باب ما جاء فی افتراق هذه الامة' حدیث: ۲۶۴۰

(اللہ تعالیٰ کے حکم سے مراد قیامت' قرب قیامت چلنے والی ہوا یا موت ہے۔ مترجم)

''سبھی دوزخ میں جائیں گے ماسوائے ایک ملت کے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت فرمایا: یا رسول اللہ! وہ کون سی ملت ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا:

((مَآ أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي))

''جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔''

اگر یہ پوچھا جائے کہ کیا یہ تمام فرقے معروف ومشہور ہیں؟ تو جواب یہ ہے: ہم افتراق اور فرقوں کے اصول و اساسیات کو جانتے ہیں' ان گروہوں میں سے ہر گروہ مزید اپنی ذیلی گروہ بندیوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔ اگرچہ ہم ان گروہوں اور ان کے مذاہب کے سبھی ناموں کا احاطہ نہ بھی کر سکیں تو چنداں مضائقہ کی بات نہیں۔ البتہ ہمارے سامنے ان گروہوں میں سے بنیادی فرقے یہ ہیں: حروریہ' قدریہ' جہمیہ' مرجیہ' رافضہ اور جبریہ۔

بعض اہلِ علم نے یوں بھی وضاحت کی ہے: تمام گمراہ فرقوں کی اصل یہی چھ (۶) فرقے ہیں اور یہی فرقے مزید اپنی اپنی بارہ (۱۲) فرقہ بندیوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں' تو اس طرح بہتر (۷۲) فرقے بن جاتے ہیں۔[1]

حروریہ

حروریہ گروہ مندرجہ ذیل بارہ (۱۲) فرقوں میں تقسیم ہوتا ہے:

① ''ازرقیہ'': یہ کہتے ہیں: ہم کسی کو مومن نہیں جانتے۔ اور انھوں نے ماسوائے ان لوگوں کے جو ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں' باقی تمام اہل قبلہ کو بھی کافر قرار دیا ہے۔

② ''اباضیہ'' یہ لوگ کہتے ہیں: جو ہماری بات کو قبول کرے گا' بس وہی ایمان دار ہے اور جو اس سے اعراض کرے گا' وہ منافق ہے۔[2]

---

[1] ان کے ناموں کو بیان کرنے میں قدرے اختلاف اور تباین ہے۔ اس کے لیے امام اشعری کی ''مقالات الاسلامیین'' اور امام سکسکی حنبلی کی ''البرہان فی معرفۃ عقائد اہل الادیان'' اور دیگر کتب کی طرف رجوع کریں۔

[2] یہ لوگ عصر حاضر میں بھی اپنے افکار پھیلا رہے ہیں' اپنی کتب طبع کر رہے ہیں' اپنے ارکان وممبرز کو مضبوط رکھنے کے لیے سیمینارز منعقد کر رہے ہیں۔

۳ ”ثعلبہ“ یہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی کوئی قضاوقدر نہیں ہے۔

۴ ”حازمیہ“ ان کا کہنا ہے: ہم نہیں جانتے ایمان کیا ہے؟ اور ساری مخلوق معذور یعنی قابل معافی ہے۔

۵ ”خلفیہ“ ان کا خیال وگمان ہے کہ جس مرد وعورت نے بھی جہاد ترک کر دیا اس نے یقیناً کفر کیا۔

۶ ”مکرمیہ“ ان کا کہنا ہے: کسی آدمی کو لائق نہیں کہ کسی دوسرے کو ہاتھ لگائے یا اسے چھوئے' کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ کون طاہر اور کون نجس ہے؟ اور نہ ہی اس کے ساتھ مل کر کھائے پیئے' حتیٰ کہ وہ توبہ کرے اور غسل کرے۔

۷ ”کنزیہ“ یہ کہتے ہیں: کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنا مال کسی دوسرے کو دے کیونکہ بعض اوقات وہ حق دار نہیں ہوتا بلکہ وہ اسے زیر زمین خزانہ بناتا جائے حتیٰ کہ اہل حق کا غلبہ ہو جائے۔

۸ ”شمراخیہ“ ان کا کہنا ہے: اجنبی مستورات کو چھونے میں کوئی حرج نہیں ہے[۱] کیونکہ یہ خوشبو دار پھول ہیں۔

۹ ”اخنسیہ“ یہ کہتے ہیں: میت کو مرنے کے بعد کوئی خیروشر' بھلائی اور برائی نہیں پہنچتی۔

۱۰ ”محکمیہ“ ان کا کہنا ہے جو بھی مخلوق کی طرف فیصلہ لے کر جائے' وہ کافر ہے۔

۱۱ ”معتزلہ“ حروریہ کی ایک شاخ معتزلہ بھی ہے' ان کا کہنا ہے: ہم پر علی اور معاویہ (رضی اللہ عنہما) کا معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے (اس لیے) ہم فریقین سے اظہار براءت کرتے ہیں۔

۱۲ ”میمونیہ“ ان کے بقول ہمارے اہل محبت کی رضا مندی کے بغیر کوئی امام نہیں ہو سکتا۔

---

[۱] دور حاضر میں ”حزب التحریر“ کے ارکان بالکل ان کے مشابہ ہیں۔ یہ لوگ بھی اس حرکت بد کو جائز قرار دیتے ہیں' بلکہ ان سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں۔ میرے رسالے ”المقالة الغرّاء فی حکم مصافحة النساء“ میں اس کی طویل تفصیل موجود ہے۔

قدریہ

قدریہ فرقے کی مندرجہ ذیل بارہ (۱۲) فرقہ بندیاں ہیں:

(۱) ''احمریہ'' یہی وہ فرقہ ہے جس کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عدل کی شرط ہے کہ وہ بندوں کو ان کے اپنے امور و معاملات کا مالک بنا دیتا ہے اور ان کے اور ان کے گناہوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔

(۲) ''ثنویہ'' اس فرقے کا خیال ہے کہ خیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور شر ابلیس کی طرف سے ہوتی ہے۔

(۳) ''معتزلہ'' یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے خلق قرآن کی بات کہی اور دیدار الٰہی کا انکار کیا ہے۔

(۴) ''کیسانیہ'' یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ یہ افعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں یا بندوں کی جانب سے ہیں؟ اور ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ کیا لوگ بعد از مرگ ثواب دیے جائیں گے یا وہ مستوجب سزا ہوں گے؟

(۵) ''شیطانیہ'' یہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے کسی شیطان کو پیدا نہیں کیا۔

(۶) ''شریکیہ'' ان کا کہنا ہے: تمام برائیاں ماسوائے کفر کے سب تقدیر میں لکھی ہوئی ہیں۔

(۷) ''وھمیہ'' ان کے کہنے کے مطابق مخلوق کے افعال اور اقوال کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور نہ ہی نیکی اور بدی کی کوئی حقیقت ہے۔

(۸) ''راوندیہ'' یہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہر کتاب پر عمل کرنا برحق ہے، خواہ وہ ناسخ ہو یا منسوخ۔

(۹) ''بتریۃ'' ان کے گمان کے بموجب جو کوئی گناہ کرنے کے بعد توبہ کرے اس کی توبہ قبول نہیں کی جاتی۔

(۱۰) ''ناکثیہ'' ان کا خیال ہے کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کو توڑ دیا، اس پر کوئی گناہ نہیں۔

⑪ ''قاسطیة'' انہوں نے زہد دنیا پر طلب دنیا کو فضیلت دی ہے۔

⑫ ''نظامیة'' انہوں نے قولِ ذیل میں ابراہیم النظام کی پیروی اختیار کی ہے۔
''جس نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ کوئی شئے ہے' تو وہ کافر ہے۔''

جہمیہ

یہ مندرجہ ذیل بارہ (۱۲) فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں:

1 ''معطلہ'' ان کا گمان ہے کہ ہر ایسی چیز جس کے متعلق انسانی خیال واقع ہو سکے' وہ مخلوق ہے۔ اور ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ جو آدمی اس بات کا دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا جا سکتا ہے' تو وہ کافر ہے۔

2 ''مریسیہ'' یہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی اکثر و بیشتر صفات مخلوق ہیں۔

3 ''ملتزمہ''[1] انھوں نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو ہر مکان و مقام میں سمجھا ہوا ہے۔[2]

4 ''واریہ'' یہ کہتے ہیں: جس نے اپنے رب کی پہچان کر لی وہ آتشِ دوزخ میں داخل نہیں ہو گا اور جو داخل کیا گیا' تو وہ اس سے کبھی بھی باہر نہیں آئے گا۔

5 ''زنادقہ'' یہ لوگ کہتے ہیں: کسی کا حق نہیں بنتا کہ اپنی ذات کے لیے کوئی ''رب'' ثابت کرے' کیونکہ اثبات تو صرف حواس سے ادراک کرنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے' اور جو احاطۂ ادراک میں آ سکتا ہے وہ الٰہ نہیں ہو سکتا' اور جو احاطۂ ادراک سے باہر ہے وہ ثابت نہیں ہو سکتا۔

6 ''حرقیہ'' ان کا خیال ہے کہ کافر کو آتشِ دوزخ صرف ایک مرتبہ ہی جلائے گی پھر وہ اس میں جلا ہوا پڑا رہے گا' آگ کی تپش و حرارت محسوس نہیں کرے گا۔

7 ''مخلوقیہ'' ان کے خیال میں قرآنِ کریم مخلوق ہے۔

---

[1] اس کتاب کے ایک دوسرے نسخے میں ''ملتزقة'' آیا ہے۔

[2] اور یہی عقیدہ آج بھی عوام کی اکثریت اور بعض خاص لوگوں کا بھی ہے..... مقام افسوس ہے' اور یہ انتہائی فساد پر مبنی عقیدہ ہے جبکہ صحیح عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر اپنی مخلوق سے بالاتر ہے۔
ابن الشیخ الحزامین کے رسالہ ''نصیحة الاخوان......'' میں اس کے متعلق عمدہ تفاصیل موجود ہیں۔ میری تحقیق سے مزین ہے' کی طرف رجوع فرمائیں۔

8 ''فانیہ'' ان کے گمان کے مطابق جنت اور جہنم دونوں فانی ہیں۔[1] ان میں سے کچھ کا کہنا ہے: ابھی تک یہ دونوں پیدا بھی نہیں ہوئیں۔

9 ''مغیریہ'' انہوں نے پیغمبروں کا انکار کیا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ وہ صرف حکام تھے۔

10 ''واقفیہ'' ان کا قرآنِ مجید کے متعلق یہ موقف ہے کہ ہم قرآن کریم کو مخلوق کہتے ہیں اور نہ ہی غیر مخلوق۔

11 ''قبریہ'' یہ لوگ عذابِ قبر[2] اور شفاعت کے منکر ہیں۔

12 ''لفظیہ'' ان کا کہنا ہے کہ قرآن پڑھتے ہوئے ہمارے الفاظ مخلوق ہیں۔[3]

مرجیہ

ان کے بارہ (۱۲) فرقے درج ذیل ہیں:

1 ''تارکیہ'' یہ لوگ کہتے ہیں کہ مخلوق کے ذمے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان رکھنے

---

1. دوزخ کے فنا ہونے کے مسئلہ میں اشتباہ اور پیچیدگی پائی جاتی ہے۔ بعض علم کے دعوے داروں اور اہل خواہشات کے پیروکاروں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور آپ کے شاگرد رشید ابن قیم الجوزیہ رحمہما اللہ کے حق میں کفر و ضلالت کی حد تک بلا روک ٹوک اور احتیاط کے بغیر باتیں کی ہیں۔
میں نے ایسے لوگوں کی اپنی کتاب ''حوار الحبشی و مریدیہ'' میں ایک الگ فصل میں تردید کی ہے۔ یہ کتاب زیر طبع ہے۔

2. مثلاً ابوریہ اور جس نے اس کے ساتھ جہالت اور حماقت میں اس کی حمایت اختیار کی ہے۔
میں نے ایک صاحب کو دیکھا جس نے عذاب قبر کے انکار میں اپنی کتاب کے بیسیوں صفحات کالے کر دیے ہیں۔ اس کی ساری کی ساری باتیں ہی اوہام فاسدہ اور ظنون باطلہ پر مبنی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے عمر میں درازی فرمائی تو ان شاء اللہ میں دلیل و برہان سے اس کتاب کا علمی رد پیش کروں گا جو صرف وہم بازی اور عدم تسلیم کی بنیاد ہی پر نہیں ہوگا۔ (مذکورہ تحریر کے تقریباً ایک سال بعد میں نے اسی مصنف کو دیکھا' اللہ تعالیٰ نے اسے ہدایت عطا فرمادی ہے' اس نے خود ہی عذابِ قبر کے اثبات میں ایک رسالہ تالیف کر دیا ہے!!)

3. یہ ایسی عبارت ہے جسے سلف صالحین نے بالکل نہیں کہا' اگرچہ اس عبارت کے ظاہری الفاظ میں کوئی مخالفت تو نہیں ہے!

کے سوا کوئی اور فریضہ نہیں ہے' بس جو کوئی اس پر ایمان لے آئے اور اس کی معرفت حاصل کر لے' اس کے بعد جو چاہے کرتا پھرے۔

۲ "سائبیہ" ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو آزاد چھوڑ دیا ہے تاکہ جو چاہیں عمل کرتے رہیں۔

۳ "راجیہ" ان کے بقول ہم کسی اطاعت گزار کو اطاعت کرنے والا اور کسی عاصی کو نافرمانی کرنے والا نہیں کہہ سکتے کیونکہ ہم اس کے متعلق یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لیے کیا کچھ ہے۔

۴ "شاکیہ" یہ کہتے ہیں کہ اطاعت گزاری ایمان کا حصہ نہیں ہے۔

۵ "بیھسیہ" ان کا کہنا ہے کہ ایمان علم ہے اور جو آدمی باطل سے حق کو اور حرام سے حلال کو نہیں جانتا' وہ کافر ہے۔

۶ "منقوصیہ" ان کے بقول ایمان گھٹتا بڑھتا نہیں ہے۔

۷ "مستثنیہ" انہوں نے ایمان میں استثناء کی نفی کی ہے۔

۸ "مشبھہ" یہ لوگ کہتے ہیں: اللہ کی آنکھ میری آنکھ جیسی اور ہاتھ میرے ہاتھ جیسا ہے۔

۹ "حشویہ" انہوں نے تمام احادیث کا ایک ہی حکم رکھا ہے۔ ان کے نزدیک نفل کا تارک بھی فرض کے تارک کی مثل ہے۔

۱۰ "ظاھریہ" ان لوگوں نے قیاس کی نفی کی ہے۔[۱]

۱۱ "بدعیہ" یہ وہ پہلے لوگ ہیں جنہوں نے اس امت میں بدعات کو شروع کیا ہے۔

(نوٹ: بارہویں فرقے کا کتاب میں ذکر نہیں ہے۔ مترجم)

---

[۱] مذکورہ خصلت کی بنا پر انھیں "مرجیہ" کے گروہوں میں شمار کرنا محل نظر ہے' بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ لوگ اہل سنت میں سے ہیں لیکن انھوں نے بعض مسائل کی جزئیات میں خطا کھائی ہے۔ اس مذہب کے بانی داود ظاہری کے سوانح حیات کے لیے دیکھیں سیر الاعلام النبلاء ۱۳/۹۷' اسی طرح ان کے جھنڈے کو اٹھانے والے اور ان کے حکم کو بلند کرنے والے ابن حزم اندلسی کے حالات زندگی کے لیے "السیر" (۱۸/۱۸۴) ملاحظہ فرمائیں۔

رافضہ

یہ مندرجہ ذیل بارہ فرقوں میں تقسیم ہوتے ہیں:

① ''علویہ'' یہ لوگ کہتے ہیں کہ رسالت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف آئی تھی لیکن سیدنا جبریل علیہ السلام خطا کر گئے ہیں۔

② ''امریہ'' ان کے کہنے کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کام میں شریک ہیں۔

③ ''شیعہ'' ان کے بقول سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں اور آپ کے بعد آپ کے ولی ہیں' اور امت نے آپ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی بیعت کر کے کفر کا ارتکاب کر لیا ہے۔

④ ''اسحاقیہ'' یہ لوگ کہتے ہیں: نبوت قیامت تک متصل اور جاری ہے اور جو آدمی بھی اہل بیت کا علم رکھتا ہے وہ نبی ہے۔

⑤ ''ناووسیہ'' ان کے بقول سیدنا علی رضی اللہ عنہ افضل الامت ہیں۔ جو کوئی کسی دوسرے کو آپ پر فضیلت دے گا تو وہ کافر ہو جائے گا۔

⑥ ''امامیہ'' یہ کہتے ہیں: دنیا کا آل حسین میں سے کسی امام کے بغیر رہنا ممکن نہیں ہے۔ امام کو سیدنا جبریل علیہ السلام جانتے ہوتے ہیں۔ جس وقت وہ فوت ہو جاتا ہے تو سیدنا جبریل اس کی جگہ پر کسی دوسرے کو تعینات کر دیتے ہیں۔

⑦ ''یزیدیہ'' ان کا کہنا ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد نمازوں میں امام ہوگی۔ جب تک ان میں سے کوئی ایک بھی موجود ہوگا' کسی دوسرے کی اقتداء میں نماز جائز نہیں ہوگی' خواہ وہ نیک ہو یا بد۔

⑧ ''عباسیہ'' ان کے خیال کے مطابق سیدنا عباس رضی اللہ عنہ باقی سب کی نسبت خلافت کے زیادہ حق دار ہیں۔

⑨ ''متناسخہ'' یہ کہتے ہیں: روحیں ایک جسم سے نکل کر دوسرے جسم میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اگر وہ نیکوکار ہوتی ہے' تو اس کی روح نکلنے کے بعد کسی ایسی مخلوق میں داخل

ہو جاتی ہے جس کی زندگی کے ساتھ وہ سعادت کے لمحات گزارتی ہے' اور جو بدکار ہوتی ہے' وہ روح نکلنے کے بعد ایسے جسم میں داخل ہو جاتی ہے جس کی زندگی کے ساتھ وہ بدبختی کے لمحات بسر کرتی ہے۔

⑩ ''رجعیہ'' ان کا خیال ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء واپس دنیا میں آئیں گے اور اپنے دشمنوں سے انتقام لیں گے۔

⑪ ''لاعنیہ'' یہ وہ لوگ ہیں جو سیدنا عثمان' سیدنا طلحہ' سیدنا زبیر' سیدنا امیر معاویہ' سیدنا ابوموسیٰ' سیدہ عائشہ وغیرہ رضی اللہ عنہم پر لعنتیں کرتے ہیں۔

⑫ ''متربصہ'' یہ لوگ زاہدوں اور درویشوں جیسا لباس زیبِ تن کر کے ان سے مشابہت اختیار کرتے ہیں' اور ہر دور اور ہر زمانے میں ایک آدمی کو متعین کر کے اس کی طرف امر کو منسوب کرتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ یہی اس امت کا مہدی ہے۔ جب وہ مر جاتا ہے تو اس کی جگہ کسی اور کو تعینات کر لیتے ہیں۔

جبریہ

یہ مندرجہ ذیل بارہ فرقوں میں تقسیم ہیں:

① ''مضطربہ'' یہ لوگ کہتے ہیں کہ آدمی کا کوئی فعل نہیں ہے بلکہ سب کام اللہ تعالیٰ ہی سرانجام دیتا ہے۔

② ''افعالیہ'' ان کا کہنا ہے کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں اپنی مرضی سے نہیں کرتے بلکہ ہم تو ان چوپایوں کی طرح (مجبور) ہیں جنھیں رسّی سے باندھ کر چلایا جاتا ہے۔

③ ''مفروغیہ'' یہ کہتے ہیں: سب اشیاء پیدا ہو چکی ہیں' اب کوئی چیز بھی پیدا نہیں ہو رہی۔

④ ''نجاریہ'' ان کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو اپنے کام کی بنا پر عذاب دے گا' لوگوں کے افعال پر نہیں۔

⑤ ''منانیہ'' ان کا کہنا ہے: دل میں آنے والے ہر خیال پر دھیان رکھو اور جس میں آپ کو خیر و بھلائی نظر آ جائے اسے اختیار کر لو۔

⑥ ''کسبیہ'' یہ کہتے ہیں: بندہ ثواب اور عذاب کچھ نہیں کماتا۔

⑦ ''سابقیہ'' ان کے بقول: جو آدمی چاہے عمل کرے اور جو چاہے نہ کرے کیونکہ نیک بخت کو اس کے گناہ کوئی تکلیف نہیں پہنچائیں گے اور بد بخت کو اس کی نیکی نفع مند نہیں ہوگی۔

⑧ ''محبیہ'' یہ لوگ کہتے ہیں: جو آدمی محبت الٰہی کا جام پی لیتا ہے' اس سے تمام ارکان اور ان کا اہتمام ختم ہو جاتا ہے۔

⑨ ''خوفیہ'' ان کا کہنا ہے: جو اللہ تعالیٰ سے محبت کر لیتا ہے' اسے اللہ تعالیٰ سے بالکل ڈرنا نہیں چاہیے کیونکہ دوست اپنے دوست سے ڈرا نہیں کرتا۔

⑩ ''خشیہ'' ان کے بقول: دنیا تمام بندوں کے درمیان مساوی ہے' جن چیزوں میں ان کے باپ سیدنا آدم علیہ السلام نے انھیں وارث بنایا ہے' ان کے مابین کوئی برتری اور تفاضل نہیں ہے۔

⑪ ''معیہ'' ان کا کہنا ہے: فعل بھی ہماری طرف سے ہوتے ہیں اور استطاعت بھی ہماری ہوتی ہے۔[1]

(نوٹ: بارھویں فرقے کا کتاب میں ذکر نہیں ہے' مترجم)

---

[1] فرقوں کے متعلق تفصیلی مباحث امام شہرستانی کی ''الملل والنحل'' اور علامہ ابن حزم کی ''الفصل'' اور امام شاطبی کی ''الاعتصام'' اور دیگر کتب ملاحظہ فرمائیں۔

باب : ۳

ابلیس کی فتنہ پردازیوں سے بچاؤ

جس وقت انسان کو پیدا کیا گیا' اس میں خواہش اور شہوت کی بھی آمیزش کر دی گئی' تاکہ وہ اس کے ذریعے نفع مند اور سود مند چیزوں کو حاصل کر سکے۔ اور اس میں غصہ بھی رکھا گیا تاکہ اس کے سبب تکلیف دہ کیفیت کو دور کر سکے۔ اور عقل کو بطور معلم رکھا گیا تاکہ خیر کے حصول اور شر سے بچاؤ کے لیے اس کی صحیح راہنمائی کر سکے۔

اور شیطان کو بھی پیدا کیا گیا' جو اسے اشیاء کے حاصل کرنے یا اجتناب کرنے میں اسراف وتبذیر پر ابھارتا ہے۔ اس لیے ایک صاحبِ عقل شخص پر واجب ہے کہ اپنے اس دشمن سے پوری طرح محتاط رہے جس نے اپنی عداوت اور دشمنی کو سیدنا آدم علیہ السلام کے زمانے ہی میں ظاہر کر دیا تھا' اور اپنی پوری عمر اور وجود کو بنی آدم کو گمراہ کرنے میں صرف کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سے باخبر اور محتاط رہنے کا ان الفاظ میں حکم دیا ہے:

﴿ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (البقرہ : ۲/ ۱۶۹)

''شیطانی راہ پر نہ چلو' وہ تمہارا کھلا دشمن ہے' وہ تمہیں صرف برائی اور بے حیائی کا اور اللہ تعالیٰ پر ان باتوں کے کہنے کا حکم دیتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے یوں بھی فرمایا ہے:

﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۝﴾ (البقرہ : ۲/ ۲۶۸)

''شیطان تمہیں تنگدستی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔''

فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۝﴾ (النساء : ۴/ ۶۰)

''شیطان چاہتا ہے کہ انھیں گمراہ کر کے دور پھینک دے۔''

اور یوں بھی فرمایا ہے:

﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝﴾ (المائدہ : ۵/ ۹۱)

''شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمھارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمھیں اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز سے روکے رکھے، پھر کیا تم ان کاموں سے باز آتے ہو؟''

یہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝﴾ (القصص : ۲۸/ ۱۵)

''بلاشبہ وہ گمراہ کرنے والا کھلم کھلا دشمن ہے۔''

اور یہ بھی فرمان الٰہی ہے:

﴿ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝﴾ (فاطر : ۳۵/ ۶)

''بے شک شیطان تمھارا دشمن ہے، تم اسے دشمن ہی جانو، وہ تو اپنے گروہ کو اس لیے بلاتا ہے کہ وہ سب جہنم والے ہو جائیں۔''

فرمان باری تعالیٰ اس طرح بھی ہے:

﴿ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝﴾ (لقمان : ۳۱/ ۳)

''اور کوئی دھوکے باز تمھیں اللہ کے متعلق دھوکے میں نہ ڈالے۔''

یہ فرمان الٰہی بھی ملاحظہ فرمائیں:

﴿ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ

لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ○ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○﴾

(یٰس : ۳۶/ ۶۰)

''اے اولاد آدم! کیا میں نے تمھیں اس بات کی تاکید نہیں کی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا' بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

اس موضوع پر قرآن کریم میں اور بھی بہت سی آیاتِ مبارکہ موجود ہیں۔

فتنۂ ابلیس سے بچاؤ:

ابلیس جسے فریب کاریوں نے مشغول و مصروف رکھا ہے' وہی وہ پہلا ہے جسے حکم الٰہی میں شبہ ہوا تھا اور اس نے سجدہ ریز ہونے والے واضح حکم الٰہی سے روگردانی کی تھی اور فضیلت کے چکر میں پڑ گیا تھا' اور اس نے یہ کہا تھا:

﴿ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ○﴾ (صٓ : ۳۸/ ۷۶)

''تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔''

پھر اس نے حکیم بادشاہ پر ساتھ ہی اعتراض بھی کر دیا:

﴿ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ ز ○﴾ (بنی اسرائیل : ۱۷/ ۶۲)

''کہنے لگا: بھلا دیکھ تو اسے جسے تو نے مجھ پر عزت دی ہے''

اس کا معنی یہ ہے کہ اچھا ذرا مجھے بتانا! کہ تو نے اسے مجھ پر کیوں اور کس لیے برتری دی ہے؟ اس اعتراض نے اسے ہلاکت میں ڈال دیا کہ جو تو نے یہ کام کیا ہے' یہ حکمت پر مبنی نہیں ہے' پھر اس کے بعد اس نے یوں اظہارِ تکبر کیا' بولا:

﴿ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ○﴾ (ص : ۳۸/ ۷۶)

''میں اس سے بہتر ہوں''

پھر وہ سجدہ کرنے سے باز رہا' اور وہ نفس جس کی تعظیم کا اس نے ارادہ کیا تھا' لعنت اور گرفت سے اس نفس کی توہین کر ڈالی۔

اس لیے جب شیطان کسی آدمی کے لیے کوئی کام آراستہ کر لے تو اس انسان کو

چاہیے کہ اس سے پوری طرح بچنے کی کوشش کرے، جب شیطان انسان کو برائی پر آمادہ کرنے لگے تو انسان کو اسے یہ جواب دینا چاہیے کہ تو میری شہوت اور دلی مراد کو حد کمال تک پہنچا کر میری خیر خواہی کا ارادہ رکھتا ہے، لیکن جو اپنی جان اور اپنی ذات کی خیر خواہی نہ کرے اس پر کس طرح یقین کیا جا سکتا ہے کہ وہ کسی دوسرے کی درست رہنمائی اور خیر خواہی کر سکتا ہے؟ پھر میں ایک دشمن کی خیر خواہی پر کس طرح اعتماد اور بھروسا کر سکتا ہوں؟ پیچھے ہٹ، تیری بات کو ماننے کے لیے میرے پاس کوئی راستہ (اور وقت) نہیں ہے!

پھر اس کے لیے نفس سے مدد لیے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں رہ جاتا، کیونکہ شیطان اسے خواہش کے لیے ابھارتا ہے۔ ایسی صورت میں آدمی کو اس گناہ کے نتائج وعواقب میں غور وفکر کرنے کے لیے عقل کو حاضر کر لینا چاہیے۔ شاید توفیق کی مدد اپنے استقامت وعزیمت کے لشکروں کو روانہ فرما دے جن کے آتے ہی خواہش اور نفس کے سپاہی شکست خوردہ ہو جائیں۔

سیدنا عیاض بن حمار المجاشعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے خطبے میں فرمایا:

''لوگو! خبردار! میرے پروردگار نے مجھے اس علم میں سے تمھیں بھی کچھ سکھانے کا حکم دیا ہے جو اس نے مجھے آج ہی سکھایا ہے: جو مال بھی میں نے بندے کو عطا فرمایا ہے وہ حلال ہے، اور بلاشبہ میں نے اپنے تمام بندوں کو موحد پیدا فرمایا ہے لیکن شیاطین نے ان کے پاس آ آ کر انھیں گمراہ کر دیا ہے اور شیاطین نے ان کے لیے وہ چیزیں حرام قرار دے دی ہیں جو میں نے ان کے لیے حلال کی تھیں، اور میں نے انھیں حکم دیا ہے کہ وہ میرے ساتھ شرک نہ کریں جس کی میں نے کوئی دلیل بھی نازل نہیں کی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمام اہل زمین کی طرف دیکھا ہے اور سبھی عرب وعجم والوں سے اظہار بیزاری اور سخت ناراضی کا اعلان کیا ہے، ماسوائے چند اہل کتاب کے باقی ماندہ لوگوں کے...... یہ لمبی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔''[1]

---

[1] صحیح مسلم، الجنة وصفة نعیمها واهلها، باب الصفات التی یعرف بها فی الدنیا اهل الجنة واهل النار، حدیث: ۲۸۶۵۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے پھر وہ اپنی فوجیں روانہ کرتا ہے۔ ان سب میں سے اس کا زیادہ قریبی وہ شیطان ہوتا ہے جو ان میں سب سے بڑا فتنہ پرداز ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک' ابلیس کے پاس واپسی پر حاضر ہوتا ہے اور یوں عرض کرتا ہے: میں نے ایسے ایسے کیا ہے۔ ابلیس جواب میں کہتا ہے: تو نے کچھ بھی نہیں کیا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا:

''ایک اور شیطان حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے: میں نے اسے تب تک نہیں چھوڑا جب تک اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی نہیں ڈال دی۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ابلیس اسے اپنے قریب ترین کرتا ہے' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا:

''اسے اپنے ساتھ چمٹا لیتا ہے'' اور کہتا ہے: ہاں! تو نے اصل کام کیا ہے۔''[1]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' میں نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((اِنَّ الشَّیْطَانَ قَدْ اَیِسَ اَنْ یَّعْبُدَهُ الْمُصَلُّوْنَ فِیْ جَزِیْرَةِ الْعَرَبِ' وَلٰکِنْ فِی التَّحْرِیْشِ بَیْنَهُمْ))[2]

''شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ جزیرۂ عرب میں نمازی اس کی عبادت کریں' لیکن ان کے درمیان صرف فساد کروانے کی کوششیں کر سکتا ہے۔''

شیطان کی فتنہ بازیاں اور فریب کاریاں بہت سی ہیں' ان میں سے ان شاء اللہ موقعہ محل کی مناسبت سے کتاب کے دوران میں کچھ بیان ہوں گی۔

---

[1] صحیح مسلم' صفات المنافقین' باب تحریش الشیطان وبعثہ سرایاہ لفتنۃ الناس......الخ' حدیث : ۲۸۱۳

[2] صحیح مسلم' حوالہ مذکور' حدیث نمبر ۲۸۱۲

شیطان کے فتنوں کی کثرت و بہتات اور ان کے دلوں کے ساتھ وابستہ ہونے کی وجہ سے انسان کو اس کی چال بازیوں سے بچنا انتہائی مشکل ہے، جیسے کہ کوئی آدمی کسی کو مرغوب الطبع چیز پر ابھارتا ہے تو وہ ایسے ہی ہے جیسے کشتی کے لیے پانی کے بہاؤ کی سمت، پھر دیکھا جائے کہ کس تیزی اور سرعت سے کشتی چلتی ہے۔

ہر انسان کے ساتھ شیطان:

نبیٔ اکرم ﷺ کی زوجۂ محترمہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں، رسول اللہ ﷺ ایک رات ان کے پاس سے باہر تشریف لے گئے، آپ فرماتی ہیں: مجھے آپ پر غیرت آئی، آپ تشریف لائے تو آپ نے دیکھا جو کچھ میں کر رہی تھی۔

آپ نے پوچھا: عائشہ! تجھے کیا ہوا ہے؟ کیا تو غیرت کھا رہی ہے؟

میں نے عرض کی: مجھے کون سی چیز آڑے آسکتی ہے کہ میرے جیسی آپ جیسے پر غیرت نہ کھائے؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تیرے پاس تیرا شیطان آ گیا ہے؟

میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میرے ساتھ شیطان ہے؟

آپ نے فرمایا: ہاں!

میں نے عرض کی: کیا ہر انسان کے ساتھ شیطان ہوتا ہے؟

آپ نے جواب دیا: جی ہاں!

میں عرض پرداز ہوئی: یا رسول اللہ! اور آپ کے ہمراہ بھی!!؟

آپ نے فرمایا: ہاں بالکل! لیکن میرے رب نے اس کے مقابلے میں میری مدد فرمائی ہے اور وہ مسلمان بن گیا ہے۔ (یا میں اس سے سلامت رہتا ہوں)[1]

امام خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے: حدیث کے عام راوی کہتے ہیں "فَأَسْلَمَ" فعل ماضی کا صیغہ ہے، یعنی یہ معنی ہوگا: "وہ مسلمان بن گیا ہے" ماسوائے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کے، وہ

[1] صحيح مسلم، صفات المنافقين، باب تحريش الشيطان وبعثه سراياه لفتنة الناس، وأن مع كل انسان قرينا، حديث : ٢٨١٥

فرماتے ہیں: ''فَاَسْلَمُ'' فعل مضارع کا صیغہ ہے' اس صورت میں یہ معنی ہوگا: ''میں اس کے شر سے سلامت رہتا ہوں۔'' وہ فرماتے ہیں کہ شیطان مسلمان نہیں ہوسکتا۔

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کا قول اچھا محسوس ہوتا ہے کیونکہ آپ شیطان کے مقابلے میں ''مجاہدہ'' کے اثر کو ظاہر کر رہے ہیں۔ لیکن سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ابن عیینہ کے قول کو رد کر رہی ہے۔ وہ روایت اس طرح ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ وَكَّلَ اللّٰهُ بِهِ قَرِيْنَهٗ مِنَ الْجِنِّ))

''تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھی جن کو مقرر کر رکھا ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا' یا رسول اللہ! اور آپ کے ساتھ بھی؟ آپ نے جواب دیا:

((وَاِيَّایَ' اِلَّا أَنَّ اللّٰهَ أَعَانَنِیْ عَلَيْهِ فَأَسْلَمَ' فَلَا يَأْمُرُنِیْ اِلَّا بِخَيْرٍ))

''ہاں! میرے ساتھ بھی' مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے میں میری مدد فرمائی ہے اور وہ مطیع بن گیا ہے۔ وہ مجھے خیر کے سوا اور کوئی حکم نہیں دیتا۔''

دوسری روایت میں اس طرح الفاظ ملتے ہیں:

((مَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ وُكِّلَ بِهٖ قَرِيْنُهٗ مِنَ الْجِنِّ' وَقَرِيْنُهٗ مِنَ الْمَلَائِكَةِ))

''تم میں سے ہر کسی کے ساتھ ایک ساتھی جنوں میں سے اور ایک ساتھی فرشتوں میں سے مقرر کر دیا گیا ہے۔''[1]

امام مسلم اس روایت کو بیان کرنے میں منفرد ہیں' اس سے ظاہر تو یہی ہوتا ہے کہ شیاطین اسلام لا سکتے ہیں' اور دوسرے معنی کا بھی احتمال ہے۔

شیطان خون کی طرح گردش کرتا ہے:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیقۂ حیات سیدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

[1] صحیح مسلم' صفات المنافقین' باب تحریش الشیطان وبعثه سرایاه لفتنة الناس' حدیث: ۲۸۱۴۔

نبیٔ اکرم ﷺ اعتکاف کیے ہوئے تھے‘ ایک رات میں آپ کی زیارت کرنے کے لیے حاضر ہوئی‘ میں نے آپ سے باتیں کیں‘ پھر جب میں واپس جانے کے لیے اٹھی تو آپ بھی میرے ساتھ مجھے چھوڑنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی رہائش ان دنوں سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے گھر میں تھی۔ راستے میں دو انصاری گزرے‘ جونہی انھوں نے نبیٔ اکرم ﷺ کو دیکھا‘ تیز تیز قدموں سے چلنے لگے۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: ٹھہرو‘ یہ صفیہ بنت حیی ہے۔ وہ دونوں بولے: یا رسول اللہ! سبحان اللہ!!!...... آپ نے فرمایا:

((إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ‘ وَإِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَقْذِفَ فِي قُلُوبِكُمَا شَرًّا أَوْ قَالَ ”شَيْئًا“))

”یقیناً شیطان انسان کے اندر اس طرح گردش کرتا ہے جس طرح خون گردش کرتا ہے‘ مجھے یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں وہ تمہارے دلوں میں کوئی بُرا خیال“ یا آپ نے یہ فرمایا” کوئی چیز نہ ڈال دے۔“[1]

امام خطابی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو ہر ناپسندیدہ امر سے‘ جس سے دلوں میں خیالات فاسدہ پیدا ہونے کا ڈر ہو‘ محتاط رہنا چاہیے اور اسے شک و شبہ سے اظہار براءت کرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں سے عافیت و سلامتی طلب کرنی چاہیے۔

اسی ضمن میں امام شافعی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں:

”نبیٔ اکرم ﷺ کو ان دونوں کے بارے میں یہ اندیشہ لاحق ہوا تھا کہ کہیں ان کے دلوں میں کوئی ایسی بات نہ آ جائے جس کے باعث وہ دونوں ”حد کفر“ تک پہنچ جائیں۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے یہ جملہ ان دونوں پر شفقت فرماتے ہوئے کہا تھا‘ اپنے متعلق کوئی اعتراض وارد ہونے کی بنا پر نہیں تھا۔“

---

[1] صحیح البخاری‘ بدء الخلق‘ باب صفة ابلیس وجنوده‘ حدیث: ۳۲۸۱‘ صحیح مسلم‘ السلام‘ باب بیان انه یستحب لمن رؤی خالیاً بامرأة ...... حدیث: ۲۱۷۵ مزید ہماری کتاب ”صفة صوم النبی ﷺ فی رمضان“ ص ۹۵ ملاحظہ فرمائیں۔

شیطان مردود سے پناہ:

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی تلاوت کے وقت شیطان مردود سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴾

(النحل : ١٦/ ٩٨)

''قرآن پڑھنے کے وقت مردود شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرو''

اور جادو کے وقت پناہ مانگنے کا کہا اور یوں فرمایا:

﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ○ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴾ (الفلق : ١١٣/ ١، ٢)

''آپ کہہ دیجیے کہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں' ہر اس چیز کی برائی سے جو اس نے پیدا کی ہے......''

ابو التیاح بیان کرتے ہیں: میں نے عبدالرحمن بن خنبش رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: کیا آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میسر آئی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: جی ہاں! میں نے پھر پوچھا: جس رات شیاطین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مکر اور برائی کرنے کا ارادہ کیا تھا تو آپ نے کیا کیا تھا؟ انھوں نے جواب دیا: اس رات شیاطین وادیوں اور پہاڑی گھاٹیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترتے آئے' ان میں ایک ایسا شیطان تھا جس کے ہاتھ میں آگ کا شعلہ بھی تھا' وہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کو جلا دینا چاہتا تھا' جبریل امین علیہ السلام نیچے اترے اور کہنے لگے: یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! پڑھیے۔ آپ نے فرمایا: میں کیا پڑھوں؟ سیدنا جبریل علیہ السلام بولے یہ پڑھو:

((أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَأَ وَبَرَأَ' وَمِنْ شَرِّ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمِنْ شَرِّ مَا يَعْرُجُ فِيهَا' وَمِنْ شَرِّ فِتَنِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ' وَمِنْ شَرِّ كُلِّ طَارِقٍ' إِلَّا طَارِقًا يَطْرُقُ بِخَيْرٍ' يَا رَحْمٰنُ))

''میں اللہ تعالیٰ کے کامل ترین کلمات کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں' ہر اس چیز کی برائی سے جسے اللہ تعالیٰ نے وجود بخشا ہے' جسے اس نے پیدا کیا ہے' جسے اس نے تخلیق

فرمایا ہے' اور ہر اس برائی سے جو آسمانوں سے نیچے اترتی ہے' اور ہر اس برائی سے جو آسمان میں چڑھتی ہے' اور رات اور دن کے فتنوں کی برائی سے اور رات کو آنے والے ہر ایک کی برائی سے' بجز ایسے آنے والے کے جو بھلائی اور خیریت سے آئے' اے رحمٰن!''

صحابی فرماتے ہیں: ان کی آگ بجھا دی گئی اور اللہ تعالیٰ نے انھیں شکست فاش دے دی۔[۱]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''شیطان تم میں سے ایک کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے: تجھے کس نے پیدا کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے: اللہ تبارک وتعالیٰ نے۔ وہ پھر پوچھتا ہے: اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو جس وقت تم میں سے کوئی اس کیفیت کو پائے تو اسے یہ کہنا چاہیے:

((آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ))

''میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا''

تو یقیناً یہ جملہ اس سے وہ کیفیت ختم کر دے گا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو دم کیا کرتے تھے' اور یہ فرمایا کرتے تھے: تمہارے باپ (سیدنا ابراہیم علیہ السلام) انہی الفاظ کے ساتھ اسمٰعیل اور اسحٰق علیہما السلام کو اللہ کی پناہ میں دیا کرتے تھے:

((اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ، مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ، وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ))

---

[۱] مسند احمد ۳/۴۱۹' اور امام سیوطی رحمہ اللہ نے جمع الجوامع (۲/نمبر ۵۱۰۸) (ان کی اپنی ترتیب) میں ابن ابی شیبہ' بزار' حسن بن سفیان' ابوزرعہ' ابن مندہ کی طرف منسوب کیا ہے اور ابونعیم نے اسے ''دلائل'' میں بیان کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے مکحول کی مرسل روایت کے واسطے سے (۳۹۸۰) پر بھی بیان کیا ہے۔ آپ اس کی تخریج تفصیلاً میری کتاب ''کفایۃ المطمئن......'' میں بھی مشاہدہ کر سکتے ہیں' جس کا تذکرہ آنے والا ہے۔

''میں اللہ تعالیٰ کے مکمل ترین کلمات کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں' ہر شیطان اور موذی زہریلے جانور سے' اور ہر نظر بد کے لگنے سے۔''[1]

ابوبکر انباری نے کہا ہے: ''الھامّة'' الھوام کی واحد ہے' اور کہا جاتا ہے: اس سے ہر وہ ذی روح مراد ہے جو برائی کے ساتھ چلتا ہے اور ''اللامّة'' کا معنی ''المُلِمَّة'' ہے یعنی لگنے والی' یہ لفظ ''لامّة'' آپ نے ''ھامة'' کے لفظ سے موافق رکھتے ہوئے بولا ہے' تاکہ زبان پر بولنا ہلکا اور آسان رہے۔

مطرّف رحمہ اللہ نے کہا ہے: میرا نظریہ یہ ہے کہ ابن آدم اللہ تعالیٰ اور ابلیس کے سامنے بے بس پڑا ہوتا ہے' جسے اللہ تعالیٰ بچانا چاہے' اسے بچا لیتا ہے' اور اگر اسے چھوڑ دے تو اسے ابلیس دبوچ لیتا ہے۔

سلف صالحین سے منقول ہے کہ ان میں سے ایک نے اپنے شاگرد سے کہا: جب یہ شیطان تیرے لیے گناہوں کو آراستہ کرے تو تو اس کے ساتھ کیا کرے گا؟ شاگرد بولا: میں اس سے جہاد کروں گا۔ استاد بولا: اگر دوبارہ پلٹے تو؟ شاگرد کہنے لگا: میں اس سے لڑوں گا۔ استاد کہنے لگا: وہ اگر پھر پلٹ آئے؟ شاگرد بولا: میں پھر اس سے لڑائی کروں گا۔ استاد بولا: یہ تو لمبا طرز عمل ہے' ذرا بتا! اگر تو بکریوں کے ریوڑ کے پاس سے گزرے تو اس ریوڑ کا رکھوالا کتا تجھ پر بھونکے یا وہ تجھے گزرنے سے آڑے آئے' تو تو کیا کرے گا؟ شاگرد بولا: میں اس تکلیف و مشقت کو برداشت کروں گا اور اسے اپنی قوت و طاقت سے ہٹانے کی سعی کروں گا۔ استاد کہنے لگا: یہ طرز عمل بھی لمبا ہو جائے گا' تو ایسے کر کہ بکریوں کے مالک سے مدد حاصل کر' وہ تجھے اس کتے سے کافی ہو جائے گا اور تجھے بچا لے گا!

متقی آدمی اور ملے جلے اعمال والے آدمی کے ساتھ ابلیس کی مثال یوں ہے کہ کوئی اپنے سامنے کھانا رکھے ہوئے بیٹھا ہو' اس کے پاس سے کتا گزرے اور وہ اسے دھتکار دے تو وہ کتا چلا جائے۔ وہی کتا دوسرے کے پاس سے گزرے جس کے سامنے کھانا اور

---

[1] صحیح البخاری' أحادیث الانبیاء' باب رقم: ۱۰' حدیث: ۳۳۷۱

گوشت پڑا ہوا ہو تو وہ آدمی جب بھی اس کتے کو دھتکارتا ہے وہ جاتا ہی نہیں ہے۔ پہلی مثال متقی آدمی کی ہے جس کے پاس سے شیطان گزرتا ہے تو اس کا ذکر الٰہی کرنا ہی اسے دھتکارنے کے لیے کافی ہوتا ہے اور دوسری مثال ملے جلے اعمال والے آدمی کی ہے کہ شیطان اس سے جدا ہی نہیں ہوتا کیونکہ اس کی اس سے رقابت ہوتی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شیطان سے پناہ مانگتے ہیں۔

باب : ۴

تلبیس اور غرور کے معانی

''تلبیس'' باطل کو حق کی صورت میں ظاہر کرنا ہے اور ''غرور'' (دھوکہ) جہالت کی ایسی قسم ہے جو فاسد چیز کو صحیح اور ردی چیز کو عمدہ سمجھنے کا اعتقاد واجب کرتی ہے' اس کا سبب کسی شبہ کا وجود ہوتا ہے جو اسے لازم و واجب کر دیتا ہے۔

اور ابلیس لوگوں پر اپنے امکانی غلبے اور ان پر اپنی قدرت رکھنے کے بقدر دخل انداز ہوتا ہے۔ اس کا یہ غلبہ اور قدرت لوگوں کی بیداری و غفلت اور علم و جہالت کے تناسب سے کم اور زیادہ ہوتی رہتی ہے۔

دل ایک قلعہ کی طرح ہے' اس قلعے کی بیرونی دیواریں ہیں اور اس میں دروازے لگے ہوئے ہیں' مزید اس میں شگاف اور رخنے بھی بنے ہوئے ہیں۔ اس قلعے میں عقل رہائش پذیر ہے' اور فرشتے اس قلعے میں بکثرت آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس قلعے کے باہر ایک طرف ایک اور پناہ گاہ بھی موجود ہے' اس میں خواہش رہتی ہے' شیاطین اس پناہ گاہ میں بلا روک ٹوک آتے جاتے رہتے ہیں۔ اہلِ قلعہ اور اہلِ پناہ گاہ کے مابین لڑائی ہوتی رہتی ہے اور شیاطین مسلسل قلعے کے گرد اگرد قلعے کے محافظوں کی غفلت اور کسی شگاف کے ذریعے اندر داخل ہونے کی تلاش و فکر میں چکر لگاتے رہتے ہیں۔ لہٰذا قلعے کے محافظوں کو چاہیے کہ قلعے کے ان تمام دروازوں کی اور تمام شگافوں کی پوری پوری نگہبانی اور حفاظت رکھیں جن کی ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی ہے۔

اور ایک لحظہ اور لمحہ کے لیے بھی پہرے داروں کو پہرے داری اور نگہبانی سے سستی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ دشمن کسی لمحے بھی سستی اور غفلت نہیں دکھا رہا۔

ایک آدمی نے حسن بصری رحمہ اللہ سے دریافت کیا: کیا ابلیس بھی سوتا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا تھا: ''اگر وہ سو جائے تو ہمیں راحت نہ مل جائے؟'' اور یہ قلعہ ذکر سے منور اور ایمان سے روشن رہتا ہے۔ اس میں ایک ایسا پالش شدہ آئینہ نصب ہے جس میں ہر گزرنے والے کی تصویر بآسانی دیکھی جا سکتی ہے۔ شیطان قلعے پر حملہ آور ہونے سے قبل بیرونی پناہ گاہ میں بیٹھ کر دھواں ہی دھواں بنا دیتا ہے جس سے قلعے کی دیواریں کالی سیاہ ہو جاتی ہیں' اور آئینہ دھندلا جاتا ہے۔ کثرتِ غور وفکر سے وہ دھواں ختم ہو جاتا ہے اور ذکرِ الٰہی کی پالش سے آئینہ روشن اور صاف ہوتا ہے۔

دشمن کے حملہ آور ہونے کے مختلف انداز ہیں: بعض اوقات تو وہ حملہ کرتے ہی قلعے میں داخل ہو جاتا ہے لیکن دروازے کے نگہبان اور محافظ اس پر بھرپور جوابی کارروائی کر کے اسے بھاگنے پر مجبور کر دیتے ہیں' اور کبھی وہ قلعے میں داخل ہو کر حیران و سرگرداں ہی کر ڈالتا ہے' اور نگہبان کی غفلت کی بنا پر وہ اندر قیام بھی کر لیتا ہے' اور بعض اوقات دھوئیں کو چلانے اور دھکیلنے والی ہوا ہی تھم جاتی ہے' قلعے کی دیواریں کالی بھجنگ ہو جاتی ہیں' آئینہ دھوئیں سے اٹ جاتا ہے۔ تو ایسی صورتِ حال میں شیطان اس طرح قلعے میں گھس جاتا ہے کہ کسی کو خبر تک بھی نہیں ہوتی۔ اور بعض اوقات محافظ اپنی غفلت اور سستی کی بنا پر زخم خوردہ بھی ہو جاتے ہیں اور قیدی بن کر ان کے آلہ کار بھی بن جاتے ہیں' اور شیطان ادھر قیام کر کے خواہش نفسانی کی موافقت میں کئی نئے حیلے بھی دریافت کرنے لگتا ہے یا اس کی مدد اور اعانت ہی کرنے پر اکتفاء کرتا ہے اور بعض اوقات شر اور شرارت کا فقیہ ہی بن جاتا ہے۔

سلف میں سے کسی نے فرمایا ہے: میں نے شیطان کو دیکھا' اس نے مجھے یوں کہا: پہلے میں لوگوں کو ملتا تھا اور ان کو تعلیم دیا کرتا تھا' اب صورتِ حال اس کے برعکس بن گئی ہے کہ میں لوگوں کو ملتا ہوں لیکن میں خود ان سے سیکھتا ہوں۔

بعض دفعہ شیطان کسی ہوشیار' باخبر' سمجھ دار آدمی پر حملہ آور ہوتا ہے اور اس کے پاس خواہشات کی دلہن ہوتی ہے' جسے اس نے بناؤ سنگھار اور میک اپ کیا ہوتا ہے۔ وہ سمجھ دار

اور ذہین وفطین آدمی اس کو دیکھنے میں مشغول ہو جاتا ہے تو اسی اثنا میں شیطان اسے اپنا قیدی بنا لیتا ہے۔

شیطان کا سب سے مضبوط پھندا جس سے وہ اسیروں اور قیدیوں کو مضبوطی سے باندھتا ہے وہ جہالت ہے درمیانے درجے کا پھندا خواہش نفسانی اور اس کا کمزور ترین حربہ غفلت ہے۔ جب تک ایمان والے پر ایمان کی زرہ رہتی ہے دشمن کا کوئی تیر بھی کارگر نہیں ہوتا بلکہ نشانے پر لگتا ہی نہیں ہے۔

حسن بن صالح رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

''شیطان بندے کے لیے نیکی کے ننانوے دروازے کھولتا ہے۔ ان تمام سے شیطان برائی کا ایک دروازہ کھولنا چاہتا ہے۔''

اعمش رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: ہم سے اس آدمی نے بیان کیا ہے جو جنوں سے باتیں کیا کرتا تھا' ان جنوں کا کہنا تھا: ہمارے لیے سنت کے پیروکار سے بڑھ کر کوئی آدمی زیر کرنا مشکل نہیں ہے۔ رہے یہ خواہش و ہوا کے صاحبان' ہم تو ان سے جیسے چاہتے ہیں کھیلتے رہتے ہیں[1]

[1] چند مہینوں سے میں نے ایک کتابچہ تحریر کرنا شروع کیا ہوا ہے' جس کا نام ''كفاية المطمئن باحكام الجن'' ہے۔ اس میں میں نے وہ اہم ترین موضوعات و مسائل بیان کیے ہیں جنھیں ہم عصر قابل قدر اہل قلم بیان کرنے سے غافل رہے ہیں' اللہ تعالیٰ خیر و عافیت سے اسے پورا کرنے کی آسانی مہیا فرمائے۔

باب : ۵

عقائد و مذاہب اور ابلیس

سوفسطائی:

یہ لوگ ''سوفِسطا'' نامی ایک آدمی کی جانب منسوب کیے جاتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ تمام اشیاء کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اور وہ تمام اشیاء جنھیں ہم بعید خیال کرتے ہیں' ممکن ہے کہ وہی چیزیں ہوں جن کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جیسا ہم دیکھ رہے ہوں' وہ اس طرح نہ ہوں۔

علماء نے ان پر ان الفاظ میں اعتراض کیا ہے: کہ کیا تمہاری اس بات کی بھی کوئی حقیقت ہے یا نہیں؟ اگر تم یہ کہو: اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے' تو جب تم خود ہی اسے باطل مانتے ہو تو پھر کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ تم ایک ایسی بات کی طرف بلا رہے ہو جس کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔ گویا کہ تم خود اس بات کا اقرار کر رہے ہو کہ تمہارے قول اور تمہاری دعوت کو قبول کرنا جائز نہیں ہے۔

اور اگر تم یوں جواب دو کہ اس قول کی حقیقت ہے' تو تم نے اپنے مذہب کو چھوڑ دیا۔

ابو محمد حسن بن موسیٰ نوبختی نے اپنی کتاب ''الآراء والدیانات'' میں اس مذہب کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے:

> ''میں نے بہت سے متکلمین کو دیکھا ہے جو ان لوگوں کے معاملے میں واضح غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں' کیونکہ وہ ان سے بحث و مباحثہ اور جدل و مناظرہ کرتے ہیں' ان کے مذہب کو رد کرنے کے لیے ان کے سامنے حجتیں اور دلائل بیان کرتے ہیں' حالانکہ وہ لوگ حقیقت کو تو مانتے ہی نہیں ہیں' اور نہ ہی وہ مشاہدے

کا اقرار کرتے ہیں لہٰذا یہ لوگ ایسے آدمی سے گفتگو کرتے ہیں جو یہ کہتا ہے: میں نہیں جانتا کہ کوئی مجھ سے گفتگو کر رہا ہے یا نہیں؟ تو ایسے شخص سے مناظرہ کس لیے کرتے ہیں جس کا گمان ہی یہ ہے کہ وہ نہیں جانتا کہ خود موجود ہے یا نہیں؟ وہ کیسے اس آدمی سے باتیں کرتے ہیں جو اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ بولنا اور خاموش رہنا برابر ہے اور صحیح اور غیر صحیح برابر ہے۔''

پھر انھوں نے مزید فرمایا: ''مناظرہ تو اس آدمی سے ہونا چاہیے جو کسی ضرورت کا اقرار کرے یا کسی بات کا اعتراف کرے' اس طرح اس کی اقرار کردہ ضروریات یا اعتراف شدہ بات کو بنیاد بنا کر ایسی بات کو اور ایسے نتیجے کو ثابت کیا جائے جس کا وہ انکاری ہو' کیونکہ جو آدمی کسی بات کو مانتا ہی نہیں ہے' اس سے مناظرہ فضول اور بے کار ہے۔''

ابو الوفاء بن عقیل نے بھی اس قول کا ان الفاظ میں رد پیش کیا ہے: ''کچھ لوگوں نے یہ کہا ہے: ہم ان لوگوں سے کس طرح گفتگو کریں کیونکہ بحث و مناظرہ کرنے والے کا مقصود تو یہ ہوتا ہے کہ معقول بات کو محسوس کے قریب تر لے آئے اور سامنے موجود چیز سے دلیل لے اور پھر اس سے غائب چیز کو ثابت کرے اور اس پر دلیل قائم کرے' جبکہ یہ لوگ محسوسات کے تو قائل ہی نہیں ہیں' تو ان سے گفتگو مناظرہ کس بنیاد پر کیا جائے؟''

اور یہ بھی لکھا ہے: ''یہ بات بے تدبیری اور بے ڈھنگی پر مبنی ہے' ان لوگوں کا مناسب حال علاج کرنا چاہیے کیونکہ جو حالت ان کے درپیش ہے' وہ وسوسے سے زیادہ نہیں ہے' لہٰذا ہمیں ان کا علاج معالجہ کرتے ہوئے ان سے بڑھ کر بے تدبیری نہیں کرنی چاہیے' کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جن کے مزاج کے ٹیڑھے پن نے انھیں حقیقت سے دور پھینک دیا ہے۔ ہماری اور ان کی مثال بس اس آدمی کی سی ہے جسے بھینگا لڑکا عطا ہوا' وہ جب بھی چاند کو دیکھتا' اسے دو چاند نظر آتے۔ بالآخر اسے اس بات پر پختہ یقین ہوگیا کہ آسمان میں چاند ہی دو ہیں۔ اس کے باپ نے کہا: چاند ایک ہی ہے' دراصل خرابی تیری آنکھوں میں ہے۔ ذرا اپنی بھینگی آنکھ کو بند کر کے دیکھ! جب اس نے دیکھا تو بولا: میں تو ایک چاند دیکھ رہا ہوں' کیونکہ میں نے ایک آنکھ تو بند کی ہوئی ہے' اس لیے ایک چاند غائب ہوگیا ہے۔ اب اس

کی اس بات سے دوسرا شبہ لاحق ہو گیا تھا۔ اس پر اس کے باپ نے کہا: اگر بات ایسے ہی ہے جیسے تو نے بیان کی ہے' پھر اپنی درست اور صحیح آنکھ کو بند کر کے دیکھ' چنانچہ اس نے ایسا کیا تو اسے دو چاند نظر آئے۔ اس طریقے سے اسے اپنے باپ کی بات کی صداقت وصحت پر یقین آ گیا۔"

فلاسفہ:

نوبختی نے کہا ہے: "متجاہلوں یعنی مصنوعی جاہلوں کے ایک گروہ کا گمان ہے کہ اشیاء کی اپنی ذات میں کوئی ایک حقیقت نہیں ہے بلکہ ہر چیز کی حقیقت ہر قوم کے اپنے اعتقاد کے مطابق الگ الگ ہے۔ شہد کی مثال لے لو' صفراوی مزاج والا شہد کو کڑوا اور باقی دوسرے اسے میٹھا پاتے ہیں۔"

ان کا کہنا ہے: "عَالَم" یعنی دنیا بھی اسی طرح ہے۔ یہ اس ذہن والے کے نزدیک قدیم ہے جس کا عقیدہ اس کے قدیم ہونے کا ہے اور اس دوسرے کے نزدیک یہ محدث یعنی نیا ہے جس کا عقیدہ اس کی حدوثت کا ہے۔ یعنی جو اسے نیا اور جدید سمجھتا ہے اس کے نزدیک یہ نیا اور جدید ہے اور جو اسے پرانا اور قدیم تصور کرتا ہے اس کے نزدیک قدیم ہے۔ اسی طرح رنگ ہے جو اسے جسم سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک جسم ہے اور جو اسے عرض خیال کرتا ہے اس کے نزدیک عرض ہے۔[1]

یہ لوگ کہتے ہیں' اگر اب ہم معتقدین کو بھی معدوم خیال کریں تو معاملہ معتقدین کے وجود پر موقوف ہو گا۔

یہ لوگ بھی سوفسطائیوں کی جنس میں سے ہیں' جب ان سے دریافت کیا جاتا ہے' کیا تمہارا قول صحیح ہے؟ تو وہ جواب دیتے ہیں: ہمارے نزدیک صحیح اور ہمارے مدِمقابل کے نزدیک باطل ہے۔ ہم کہیں گے: تمہارا اپنے قول کو صحیح قرار دینے کا دعویٰ مردود ہے اور تمہارا

[1] فلاسفہ کے نزدیک "جسم" سے مراد ایسا مادی جوہر ہے جو کسی حیز (محیط شے) میں ہو اور اس میں ثقل وافتدار پایا جائے' اور بقول جرجانی: ایسا جوہر جو ابعاد ثلاثہ (طول' عرض اور عمق) کو قبول کرے۔ "عرض" سے مراد ایسی چیز جو قائم بالغیر ہو اور اس کا اپنا وجود نہ ہو۔ القاموس الوحید (مترجم)

یہ اقرار کرنا کہ تمہارا مذہب تمہارے مدِ مقابل کے نزدیک باطل ہے' تمہارے خلاف دلیل ہے۔ اور جو اپنے قول کے ایک وجہ سے باطل ہونے کی خود شہادت دے' اس نے تو خود اپنے مدِ مقابل کو مواد فراہم کر دیا' جس سے وہ اس کے مذہب کی خرابی کو واضح طور پر بیان کر سکتا ہے۔''

اور ان سے کہی جانے والی باتوں میں سے یہ بات بھی ہے: ''کیا تم مشاہدے کے لیے حقیقت کو ثابت کرتے ہو؟ اگر تو وہ جواب دیں: ''نہیں'' تو وہ پہلوں سے ہی جا ملے اور اگر یوں کہیں: اس کی حقیقت اعتقاد کے حساب سے ہے' تو انھوں نے اس سے حقیقت کا بالذات انکار ہی کر دیا' تو ان کے ساتھ گفتگو کرنا پہلے لوگوں کے ساتھ گفتگو کرنے جیسا ہی ہو گیا۔''

نوبختی نے کہا ہے: ''ان لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں: ''یقیناً عالَم پگھلاؤ اور بہاؤ میں ہے۔''

وہ کہتے ہیں: ''اشیاء میں دائمی اور مسلسل تغیر کی وجہ سے انسان کے لیے ناممکن ہے کہ ایک ہی چیز میں دوبار غور وفکر کرے۔''

تو انھیں جواب یوں دیا جائے گا: یہ کیسے معلوم ہوا جب کہ تم نے اس حقیقت کا ہی انکار کر رکھا ہے جو علم کو واجب کرتی ہے۔ اور یہ بھی تو ممکن ہے کہ جو تم میں سے کوئی آدمی ابھی جواب دے رہا ہے' وہ اس کے علاوہ ہو جو اس نے پہلے گفتگو کی ہو۔

دہریہ:

ابلیس نے خلقِ کثیر کو اس وہم میں مبتلا کر دیا ہے کہ کوئی الٰہ نہیں' یعنی کوئی بنانے والا نہیں ہے' اور یہ سب کی سب اشیاء بغیر کسی بنانے والے کے بن گئی ہیں۔ ان لوگوں نے جب صانع کا اپنی حس سے ادراک نہیں کیا اور انھوں نے اس کی معرفت حاصل کرنے کے لیے عقل کو بھی استعمال نہیں کیا' تو انھوں نے اس کا انکار ہی کر دیا۔

کیا کوئی صاحبِ عقل' صانع کے وجود میں شک کر سکتا ہے؟ اگر کوئی انسان کسی خالی جگہ یا میدان سے گزرے جس میں کوئی عمارت وغیرہ نہ ہو' اور پھر کبھی ادھر سے گزرے اور

وہاں پر کوئی دیوار بنی ہوئی دیکھے تو وہ سمجھ جائے گا کہ لازماً کوئی بنانے والا ہو گا جس نے اسے بنایا ہے۔ تو یہ بچھا ہوا زمین کا بچھونا' آسمان کی بلند و بالا چھت اور یہ عجیب وغریب بناوٹیں اور حکمت کے ساتھ جاری و ساری قوانین فطرت' کیا یہ سب چیزیں کسی صانع کا پتا نہیں دیتیں؟!

عرب میں سے کسی نے کیا ہی اچھی بات کہی ہے:

''ایک مینگنی اونٹ پر دلالت کرتی ہے' تو ایسی لطافت کے ساتھ بنا ہوا یہ اوپر کا عظیم ڈھانچہ (یعنی آسمان) اور ایسی کثافت کے ساتھ ترکیب دیا ہوا یہ زیریں مرکز (یعنی زمین) کیا کسی باریک بین اور باخبر پر دلالت نہیں کرتے؟!''

پھر اگر انسان اپنے وجود ہی پر غور وفکر کرلے تو بطور دلیل یہی کافی ہے' کسی بیمار ذہن کی تشفی کے لیے یہی لاجواب دلیل ہے۔ اس وجود کے اندر اتنی حکمتیں موجود ہیں جن کا ذکر کسی کتاب میں نہیں سما سکتا۔ جو آدمی دانتوں کی تیزی پر غور کرے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ تیزی اس لیے ہے تاکہ وہ چیزوں کو کاٹ لیں' اسی طرح ڈاڑھوں کی کترن' تاکہ وہ پیس لیں' اور زبان کی لپیٹ تاکہ چبائی ہوئی چیز کو الٹ پلٹ کر دے' اور کھانے پر جگر کو قدرت وغلبہ دیا تاکہ اسے پکائے' پھر غذا کو جسم کے ہر عضو کی طرف بقدر ضرورت بھیجے' انگلیوں کے اندر یہ جوڑ اور پور رکھے تاکہ انھیں کھولا اور بند کیا جا سکے اور ان سے کام کاج کرنا ممکن ہو' یہ مسلسل کام کی وجہ سے کھوکھلی نہیں ہوتیں' اگر یہ اندر سے کھوکھلی ہوتیں تو کسی طاقت ور چیز کے ٹکرانے سے یہ ٹوٹ جاتیں' پھر ان انگلیوں کو ایک دوسری سے لمبا اور دراز بنایا گیا ہے تاکہ جب یہ ملائی جائیں تو برابر ہو جائیں' اور پھر پورے بدن میں ایسی چیز پوشیدہ رکھی گئی ہے جس کے باعث بدن قائم رہتا ہے یعنی روح' جب وہ نکل جاتی ہے تو وہ عقل جو اچھے اور برے کی رہنمائی کرتی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے' یہ سب اشیاء پکار پکار کر منادی کر رہی ہیں:

﴿ أَفِي اللَّهِ شَكٌّ ۝ ﴾ (ابراھیم: ۱۴/ ۱۰)

''کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں (تمھیں) شک ہے؟''

ذات الٰہی کا انکار کرنے والا تو خبطی اور دیوانہ ہوتا ہے' کیونکہ وہ اسے حس کے ذریعے طلب کرتا ہے۔ لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو سرے سے اس کا انکار ہی کر دیتے ہیں' کیونکہ جب وہ اس کے وجود کو اختصار سے ثابت کرے گا تو وہ اس کا تفصیل سے ادراک نہیں کر پائے گا۔ بس اسی وجہ سے اس نے اصل وجود ہی کا انکار کر دیا ہے۔ اگر یہ اپنی فکر کو استعمال میں لے آتا تو اسے سمجھ آ جاتی کہ ہمارے قرب و جوار میں بہت سی اشیاء ایسی ہیں جن کا ادراک بجز اختصار کے نہیں ہوتا' یعنی ان کی تفصیل بالکل نہیں ملتی' مثلاً روح' عقل وغیرہ' لیکن کبھی کسی نے ان کے وجود کا انکار نہیں کیا۔ مخلوق کو اختصار کے ساتھ ثابت کرنے کے سوا اور کوئی مقصد بھی نہیں ہے۔ پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ کیسا ہے؟ یا وہ کیا ہے؟ نہ اس کی کیفیت بیان کی جا سکتی ہے اور نہ ہی ماہیت!

اس کے وجود پر قطعی اور یقینی دلائل میں سے ''عالم'' کا حادث ہونا بھی ہے' اس دلیل سے کہ یہ حوادث سے خالی نہیں ہے' اور ہر وہ چیز جو حوادث سے خالی نہ ہو' وہ حادث ہوتی ہے اور اس حادث کے حدوث کے لیے کوئی مسبب تو ضرور ہونا چاہیے' بس وہی خالق' اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ہے۔

ملحدین کا ہمارے اس قول پر کہ ''ہر بنی ہوئی چیز کے لیے کسی نہ کسی بنانے والے کا ہونا لازمی ہے'' بڑی ڈھٹائی کے ساتھ یہ اعتراض ہے کہ تم اس معاملے میں ایک دلیل کے ساتھ چمٹے ہوئے ہو اور اس دلیل کے ساتھ ہم تمہارا مقدمہ پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: جس طرح کسی صنعت کے لیے کسی نہ کسی صانع کا ہونا لازمی ہے' بالکل اسی طرح صانع کی بنی ہوئی صورت کے لیے کسی نہ کسی مادہ (مواد) کا ہونا بھی لازمی ہے' جس سے صورت معرضِ وجود میں آتی ہے۔ مثلاً دروازے کی صورت کے لیے لکڑی اور کلہاڑے کی صورت کے لیے لوہا۔

وہ کہتے ہیں: تمہاری یہ دلیل جس سے تم صانع کے وجود کو ثابت کرتے ہو' عالم کے قدیم ہونے کو واجب قرار دیتی ہے۔

تو جواب یہ ہے: ہمیں مادے (خام مال) کی بھی حاجت وضرورت نہیں ہے بلکہ ہم

یوں کہیں گے: صانع نے اشیاء کو خود ہی ایجاد کر لیا ہے کیونکہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ جسم میں صورتیں اور شکلیں بدلتی رہتی ہیں جس طرح کہ وزن اٹھانے والی چرخی ہے' ان کے لیے مادے کی ضرورت نہیں حالانکہ کسی نے تو ان صورتوں کو ایجاد کیا ہے اور ان کے لیے کوئی نہ کوئی مصور تو ضرور ہوگا۔ ہم نے تمھیں ایسی صورت دکھا دی ہے جو ایک چیز ہے اور یہ کسی چیز سے نہیں بنی۔ اور تم ہمیں کوئی ایسی چیز نہیں دکھا سکتے کہ کوئی چیز صانع کے بغیر وجود میں آئی ہو! یہ تمہارے بس میں ہی نہیں ہے!!

طبعیات پرست[1]

جب ابلیس نے دیکھا کہ صانع کے انکار پر اس کی موافقت بہت کم ہے' کیونکہ عقلیں اس بات پر شہادت دے رہی ہیں کہ اتنی حسین اور خوبصورت مخلوق کے لیے کوئی حسین و جمیل خالق لازمی ہونا چاہیے' اتنی بہترین کاریگری کے لیے کوئی انتہائی ماہر کاریگر بھی یقیناً ہونا چاہیے۔ ابلیس نے پھر یہ کہا کہ جو بھی چیز معرضِ وجود میں آتی ہے' وہ صرف چار طبائع کے باہمی اجتماع سے وجود میں آتی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہی چار طبائع ہی ''قوت فاعلی'' ہیں!

اس کا جواب ہم یوں دیں گے: ان طبائع کا اجتماع ان چیزوں کے وجود پر تو دلیل ہے لیکن ان کے فعل پر دلیل نہیں ہے۔ پھر یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ یہ چاروں طبائع اجتماع کے بغیر اور باہم ملے بغیر کچھ نہیں کر سکتیں' اور باہم امتزاج کے بعد نتیجہ ان کی اپنی طبیعت کے برخلاف اور برعکس ہوتا ہے' تو یہ اس امر کی دلیل ہوئی کہ وہ فاعل نہیں بلکہ مفعول ہیں۔

اس طرح انھوں نے تسلیم کر لیا ہے کہ یہ اشیاء اپنی ذات کے اعتبار سے زندہ ہیں' نہ عالم اور نہ ہی قادر' اور یہ بات تو معلوم ہے کہ کائنات کے نظم و نسق پر مبنی نظام صرف کسی حکیم و علیم ہستی ہی کے کنٹرول میں ہے' لہٰذا جو خود عالم و قادر نہیں وہ نظام کیسے چلا سکتے ہیں!!

[1] یہ وہ لوگ ہیں جو اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ ساری مخلوق بلکہ تمام اشیاء کی اصل یہ چار چیزیں ہیں: مٹی' پانی' آگ اور ہوا۔

منکرین بعث:

ابلیس نے ایک خلقِ کثیر کو باطل، حق کے روپ میں دکھایا ہے اور انھوں نے مرکر دوبارہ اٹھنے ہی کا انکار کر دیا ہے۔ انھوں نے بوسیدہ ہو جانے کے بعد دوبارہ اسی حالت میں لوٹ آنے کو ناممکن سمجھ لیا ہے۔ ابلیس نے ان کے سامنے دو شبہے رکھے ہیں:

- مادہ کی کمزوری اور ضعف۔
- زمین کی گہرائیوں میں متفرق اجزاء کا ملنا۔

وہ کہتے ہیں: ایک حیوان دوسرے حیوان کو کھا جاتا ہے، تو اس کا اعادہ کس طرح ہو سکے گا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کا شبہ قرآن مجید میں بیان کیا ہے، پہلے شبہے کے متعلق فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ أَيَعِدُكُمْ أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا أَنَّكُم مُّخْرَجُونَ ۝ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ ﴾ (المومنون : ۲۳/ ۳۵،۳۶)

"کیا یہ تمھیں اس بات سے دھمکاتا ہے کہ جب تم مرکر صرف خاک اور ہڈی رہ جاؤ گے تو تم پھر زندہ کیے جاؤ گے، نہیں نہیں! دور اور بہت دور ہے، وہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہو۔"

اور دوسرے شبہے کے متعلق یوں فرمایا:

﴿ أَءِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَءِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴾

(السجدة : ۳۲/ ۱۰)

"کیا جب ہم زمین میں کھوئے جائیں گے کیا پھر نئی پیدائش میں آ جائیں گے؟"

اکثر اہل جاہلیت کا یہی مذہب تھا، ان میں سے ایک کہنے والے نے یوں کہا ہے:

يُخْبِرُنَا الرَّسُوْلُ بِأَنَّ سَنَحْيٰى
وَ كَيْفَ حَيَاةُ أَصْدَاءٍ وَّ هَامِ

"رسول ہمیں خبریں دیتا ہے کہ عنقریب ہم زندہ ہوں گے، مٹی میں گم نام افراد اور ان کی کھوپڑیوں کی زندگی کس طرح ممکن ہے؟"

ابوالعلاء معری نے یوں کہا ہے:

حَیَاۃٌ ثُمَّ مَوْتٌ ثُمَّ بَعْثٌ
حَدِیْثُ خُرَافَۃٍ[1] یَا اُمَّ عَمْرٍو

''زندگی' پھر موت اور پھر دوبارہ اٹھنا' اے ام عمرو (عمرو کی ماں)! یہ تو دیوانگی کی باتیں ہیں۔''

ان کے پہلے شبہے کا جواب: دوسری بار پیدا کرنے میں مادہ یعنی مٹی کی کمزوری والے شبہے کو تو پیدائشِ اول یعنی نطفہ (قطرۂ منی) سے' پھر علقہ (جمے ہوئے خون) سے' پھر مضغہ (گوشت کے لوتھڑے) سے' یہ ترتیب ہی اس شبہے کو ختم کر دیتی ہے۔

پھر تمام آدمیوں کی اصل یعنی سیدنا آدم علیہ السلام تو مٹی سے ہیں' اس سے بھی بڑی بات کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بھی خوبصورت چیز کمزور اور بودے سے مادے کے سوا پیدا نہیں کی۔ غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو نطفے (قطرۂ منی) سے' مور کو گندے اور خراب انڈے سے' اور سرسبز جھاؤ کے درخت کو متعفن دانے سے نکالا ہے' اس لیے نظر اور فکر تو فاعل کی قوت اور قدرت کی طرف جانی چاہیے نہ کہ مادہ کی کمزوری اور ضعف کی طرف۔

اور اس کی قدرت کی طرف نظر کرنے سے دوسرے شبہے کا جواب خود بخود حاصل ہو جاتا ہے۔ بکھری ہوئی اور پراگندہ چیزوں کو اکٹھا کرنے کی بے شمار مثالیں اور انھیں جمع کرنے کے بیشتر نمونے اس نے ہمیں دکھائے ہوئے ہیں: مثلاً بہت سی مٹی میں ملا ہوا سونے کا برادہ (سونے کے گرے ہوئے ذرات اور ریزے) جب اس پر تھوڑا سا پارہ ڈالا جاتا ہے تو سونے کا برادہ بکھرا ہوا ہونے کے باوجود ایک جگہ جمع ہو جاتا ہے۔ پھر قدرت الٰہی کے بارے میں کیا خیال ہے کہ جس کی تاثیر سے وہ چیزیں جو پہلے کچھ بھی نہیں تھیں پیدا ہو گئیں۔

اس سے مزید آگے چلیے۔ ان بدنوں اور جسموں کو' جس حالت میں یہ بن چکے ہیں' اگر ہم انھیں واپس مٹی کی طرف لانا چاہیں تو واپس نہیں لا سکتے کیونکہ آدمی فی الحال روح کے ساتھ ہے صرف بدن کے ساتھ نہیں ہے۔ یہ کبھی دبلا' کبھی موٹا اور کبھی لاغر اور کمزور ہوتا

---

[1] اس کی تفصیلی وضاحت آگے آئے گی۔

ہے۔ اسی طرح پہلے چھوٹا ہوتا ہے پھر آہستہ آہستہ بڑا ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

دوبارہ اٹھنے پر بہترین اور عجیب دلائل میں سے وہ معجزات ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیائے کرام کے ہاتھوں ظاہر فرمایا ہے' مثلاً لاٹھی سانپ کی شکل اختیار کر گئی' چٹان سے اونٹنی برآمد ہوگئی' بلکہ عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر تو اس کو اور زیادہ واضح کر دیا کہ وہ مردہ کو اللہ کے حکم سے زندہ کر دیتے تھے۔

بت پرستی:

ابلیس نے کئی اقوام پر تلبیسی حملے کیے ہیں' حالانکہ انھوں نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ خالقِ کائنات کی قدرت کا مشاہدہ بھی کر لیا تھا' پھر اس نے ان کے سامنے وہی دونوں شبہے پیدا کیے جن کا ذکر ہم نے سطورِ بالا میں کیا ہے۔ اس طرح وہ دوبارہ جی اٹھنے کے بارے میں متردد ہو گئے۔ کسی نے یوں کہا:

﴿ وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴾

(الکہف : ۱۸/ ۳۶)

''اگر بالفرض میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو یقیناً میں لوٹنے کی جگہ اس سے بھی زیادہ بہتر پاؤں گا۔''

عاص بن وائل[1] بولا:

﴿ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴾ (مریم : ۱۹/ ۷۷)

''کہ مجھے تو مال اور اولاد ضرور ہی دیے جائیں گے۔''

انھوں نے یہ باتیں اپنے شک کی بنیاد پر کہی تھیں۔ ابلیس نے ان پر اس ضمن میں فریب اور دھوکے سے کام لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: اگر بالفرض ضرور اگر دوبارہ اٹھنا ہوا' تو

---

[1] عاص بن وائل کا قصہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب البیوع: باب ذکر القین و الحداد' حدیث نمبر ۲۰۹۱ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے کتاب صفات المنافقین' باب سوال الیھود النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الروح......الخ حدیث نمبر ۲۷۹۵ میں سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ مزید دیکھیں تفسیر ابن کثیر (۳/۲۱۸) اور ''الصحیح المسند من اسباب النزول'' (ص:۸۸)

ہماری پھر بھی خیر ہی خیر ہو گی کیونکہ جس نے ہمیں دنیا میں بے شمار مال عنایت فرما رکھا ہے وہ آخرت میں ہمیں اس سے محروم نہیں کرے گا۔

یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ یہ عطاء اور نوازشات بطور استدراج اور ڈھیل (یعنی دیتے رہنے کے بعد اچانک گرفت میں لے لینا) یا بطور عذاب بھی ہو سکتی ہیں۔ اور انسان بعض اوقات اپنے لختِ جگر کو بچائے رکھتا ہے اور اپنے غلام کو دل پسند شہوات میں کھلی چھٹی دے دیتا ہے۔

تناسخ کے قائلین:[1]

ابلیس نے کئی لوگوں پر اس طرح تلبیسی حملے کیے ہیں کہ انھوں نے تناسخ یعنی روحوں کے ایک جسم سے نکل کر دوسرے جسم میں ظاہر ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے' ان کا کہنا ہے کہ اہل خیر کی روحیں جب نکلتی ہیں تو بہتر بدنوں میں داخل ہو جاتی ہیں اور انھیں راحت اور سکون ملتا ہے' اور اہل شر کی روحیں جب نکلتی ہیں تو شریر بدنوں میں داخل ہو جاتی ہیں اور انھیں مشقتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ یہ مذہب فرعونِ موسیٰ کے زمانے میں ظاہر ہوا تھا۔

ابوالقاسم بلخی نے ذکر کیا ہے کہ تناسخ کے قائلین نے جب بچوں' درندوں اور جانوروں کی تکلیف کو دیکھا' تو ان کو یہ ناممکن اور محال نظر آیا کہ ان کی تکالیف کے ساتھ کسی دوسرے کا امتحان مقصود نہ ہو' یا کسی اور کو بدلہ دینا منظور ہو' یا اس لیے تکلیف دے رہا ہو کہ وہ اس کے قبضے میں ہیں' لہٰذا ان کے نزدیک یہی درست اور صحیح ہوا کہ یہ تکلیف ان کے ان سابقہ گناہوں کے سبب ہی ہے جو ان کی گزشتہ حالت میں ہوئے تھے۔

ان چالبازیوں اور فریب کاریوں پر نظر ڈالیں جنھیں ابلیس نے ان کے لیے ترتیب دیا ہوا ہے' جو کسی دلیل سے سہارا نہیں لیتا۔

---

[1] ہم آج بھی اپنے ماحول میں ایسے لوگوں کو دیکھتے ہیں جن پر ابلیس نے یہ عقیدہ خلط ملط کر دیا ہے اور اس کے باوجود وہ یہ گمان کیے ہوئے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں!! اب ان لوگوں کے نزدیک اس کا نام و تقمص یعنی غوطے لگانا اور پلٹیاں کھانا ہے فَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (برے عقیدے سے بچنے کی طاقت اللہ کی توفیق کے بغیر کسی کے پاس نہیں ہے۔)

ابوالحسن علی بن نظیف متکلم بیان کرتے ہیں: بغداد میں ہمارے ساتھ امامیہ فرقے کا شیخ جو ابوبکر فلاس کے نام سے معروف تھا' حاضر ہوا کرتا تھا۔ اس نے ہمیں ایسے آدمی کے متعلق بات بیان کی جو اہل تشیع کی نسبت سے مشہور تھا۔ وہ اس کے پاس گیا تو معلوم ہوا کہ وہ تناسخ کے عقیدے کا علمبردار بن گیا ہے۔ ابوبکر فلاس کہتے ہیں: میں نے اسے اس حال میں پایا کہ اس کے سامنے ایک کالی بلی تھی' وہ اسے ہاتھ پھیر رہا تھا اور اس کی آنکھوں کے درمیان کھجلی کیے جا رہا تھا۔ میں نے بلی کو دیکھا کہ وہ آنسو بہا رہی تھی' جیسے کہ بلیوں کی عادت ہوتی ہے۔ وہ آدمی بھی زاروقطار روتا جا رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھ ہی لیا: تو کیوں رو رہا ہے؟ وہ بولا: تیری بربادی ہو! کیا آپ اس بلی کو روتے ہوئے نہیں دیکھ رہے؟ جونہی میں ہاتھ پھیرتا ہوں یہ روتی ہے! یہ بلاشک میری ماں ہے اور یہ صرف مجھ پر حسرت اور افسوس کے باعث اشک بہا رہی ہے۔

اور وہ اس سے اس انداز سے گفتگو کر رہا تھا جیسے کہ وہ اس کی باتوں کو سمجھتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ بلی نے آہیں اور سسکیاں بھرنا شروع کر دیں' میں نے اس سے دریافت کیا: کیا یہ بلی تیری گفتگو کو سمجھتی ہے؟ وہ بولا: جی ہاں! میں نے پھر پوچھا: کیا تو اس کی سسکیوں کو سمجھ رہا ہے؟ کہنے لگا: نہیں! میں بولا: تب تو منسوخ[1] ہے اور یہ بلی انسان ہے!!

عقائد اور مذاہب کے معاملات میں اثرات تلبیس:

ابلیس اس امت پر عقائد بگاڑنے کے لیے دو راستوں سے داخل ہوا ہے:

❀ آباء و اجداد اور اسلاف کی تقلید

❀ ایسی باتوں کی کرید کرنا جن کی گہرائی تک پہنچا ہی نہیں جا سکتا' ان کی نچلی سطح تک رسائی کرید کرنے والے کے بس میں ہی نہیں۔ اس قسم کے اصحاب کو ابلیس نے ایسے ہی خلط ملط فنون میں ڈال رکھا ہے۔

---

[1] یعنی روح تو تیرے اندر داخل لگتی ہے اور وہ تیرے اندر غوطہ زنی کر رہی ہے۔

پہلا راستہ

ابلیس نے مقلدین کے لیے یہ بات آراستہ کر دی ہے کہ دلائل میں اشتباہ آ سکتا ہے' حق وصواب کبھی کبھار مخفی اور پوشیدہ رہ جاتا ہے' اس لیے تقلید ہی سلامتی کی راہ ہے۔ اس سوچ کی وجہ سے بہت زیادہ خلقت گمراہ ہو گئی ہے اور اسی سے عوام الناس کی ہلاکت اور تباہی ہے۔ یہود ونصاریٰ بھی اپنے آباء و اجداد اور اپنے علماء کی اندھی تقلید کے باعث ہی گمراہ ہوئے تھے اور بالکل اسی طرح اہل جاہلیت بھی۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ جس سبب سے انھوں نے تقلید اختیار کی ہے اس سبب اور علت سے اس کی مذمت بھی بیان ہو رہی ہے کیونکہ جب دلائل میں شبہ آ سکتا ہے اور حق وصواب مخفی رہ سکتا ہے تو اسی سے ثابت ہوا کہ تقلید کو چھوڑنا ہی واجب اور لازم ہے تاکہ آدمی کو گمراہی میں نہ ڈال دے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آباء و اجداد اور بڑے بزرگوں کی تقلید اختیار کرنے والوں کے موقف کی تردید فرمائی ہے' فرمان الٰہی ہے:

﴿ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ○ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴾ (الزخرف : ۴۳/ ۲۲-۲۴)

"نہیں نہیں بلکہ یہ تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک مذہب پر پایا ہے اور ہم انھی کے قدموں پر راہ یافتہ ہیں۔ اس طرح آپ سے پہلے بھی ہم نے جس بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا' وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے یہی جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر اور ایک دین پر پایا اور ہم تو انھی کے نقش قدم کی پیروی کرنے والے ہیں۔ نبی نے کہا: اگرچہ میں اس سے بہت زیادہ مقصود تک پہنچانے والا طریقہ لے کر آیا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا۔"

اس کا معنی یہ ہے: کیا پھر بھی انہی کی پیروی اختیار کیے رہو گے؟

اللہ تعالیٰ نے مزید یوں فرمایا:

﴿ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ۝ فَهُمْ عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴾

(الصافات: ۳۷/ ۶۹، ۷۰)

''یقین مانو کہ انھوں نے اپنے باپ دادوں کو بہکا ہوا پایا اور یہ انہی کے نشان قدم پر دوڑے بھاگے چلتے رہے۔''

مقلد کو اپنی تقلیدی بات میں اعتماد و وثوق نہیں ہوتا' اور تقلید میں عقل کا کوئی فائدہ نہیں رہتا' کیونکہ عقل تو صرف غور وفکر اور تامل و تدبر کرنے کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ اس آدمی کی کتنی بڑی برائی اور قباحت ہے جسے روشنی حاصل کرنے کے لیے کوئی شمع دی جائے اور وہ اسے بجھا دے اور اندھیرے ہی میں چلتا رہے!

دراصل بات یہ ہے کہ مذاہب کے پیروکاروں کے دلوں میں کسی شخص کی عظمت جاگزیں ہوتی ہے' اور پھر اس کی کہی ہوئی بات کا بلا سوچے سمجھے اتباع کرنے لگتے ہیں اور یہ طرز عمل عین گمراہی ہے' کیونکہ نظر تو صرف بات اور قول پر ہونی چاہیے نہ کہ قائل اور بات کہنے والے کی طرف' جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حارث بن حوط سے فرمایا تھا' جب انھوں نے آپ سے یہ بات دریافت کی تھی: آپ کا کیا گمان ہے ہم طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کو باطل پر گمان کرتے ہیں؟ آپ نے حارث کو مخاطب کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا: اے حارث! تم پر یہ معاملہ واضح نہیں رہا' کیونکہ حق مردوں کے ساتھ نہیں پہچانا جاتا بلکہ اگر تو حق کو پہچان لے تو اہلِ حق کو خود بخود پہچان لے گا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''آدمی کے کم علم ہونے کی دلیل ہے کہ وہ اپنے اعتقادی معاملے میں کسی آدمی کی تقلید اختیار کرے۔''

دوسرا راستہ

جب ابلیس نے ان غبی اور کند ذہن لوگوں پر قابو پا لیا اور انھیں تقلید کے جنجال میں الجھا اور پھنسا دیا تو پھر انھیں چوپایوں کی طرح ہانکنے لگا' پھر اس نے کچھ لوگوں کو اہل عقل و

فکر دیکھا تو ان پر اتنا قابو پالیا جتنا اس کے بس میں تھا اور انھیں برائی کی طرف لے گیا۔

وہ اس طرح کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے تقلید پر جمود اختیار کرنے کو برا سمجھا' اور شیطان نے انھیں غور وفکر کرنے کا حکم دیا' پھر ان تمام لوگوں کو اپنی فنکاری سے ضلالت کی گہرائیوں تک لے گیا۔

اور ان میں سے کچھ لوگوں کو اس نے یہ سمجھایا کہ شریعت کے ظاہری احکامات پر عمل پیرا رہنا کمزوری ہے۔ اس طرح وہ انھیں فلاسفہ کے مذہب کی طرف کھینچ کر لے گیا۔ اور اس طرح ان کے ساتھ چمٹا رہا حتیٰ کہ انھیں دائرہ اسلام سے ہی باہر لے گیا۔

اور کچھ لوگوں کو یہ تصور دکھانے لگا کہ بس اسی چیز کا عقیدہ رکھو جس کا حواس سے ادراک ہو سکے۔

ایسے لوگوں سے دریافت کیا جائے: کیا تم نے اپنے قول اور مؤقف کی صحت کو حواس کے ذریعے ہی جانا ہے؟ اگر تو وہ جواب دیں: جی ہاں! تو انھوں نے بغض وعناد سے کام لیتے ہوئے غلط خبر دی' کیونکہ ہمارے حواس ان کی کہی بات کا ادراک نہیں کر پا رہے' کیونکہ جو چیز حواس سے معلوم ہو سکتی ہے اس میں اختلاف نہیں ہوتا بلکہ سب کو یکساں طور پر نظر آ جاتی ہے اور اگر وہ یہ جواب دیں: بغیر حواس کے ہم نے یہ بات کہہ دی ہے' تو انھوں نے اپنے مؤقف کو خود ہی توڑ ڈالا۔

ان میں سے بعض لوگوں کو ابلیس نے تقلید سے متنفر ہی کر ڈالا ہے اور ان کے لیے علم کلام میں بحث وکرید کرنے اور فلاسفہ کے حالات میں نظر رکھنے کو ہی ان کے لیے آراستہ کر دیا تاکہ وہ اپنے زعم اور گمان سے عوام الناس کے ہجوم سے نکل آئیں۔

متکلمین کی انتہا

متکلمین کے احوال مختلف انداز کے ہیں۔ علم کلام نے ان کی اکثریت کو شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیا ہے' حتیٰ کہ ان میں سے بعض کو الحاد تک پہنچا دیا ہے۔ اس امت کے قدیم فقہائے عظام علم کلام سے اس لیے خاموش نہیں رہے کہ وہ عاجز و قاصر تھے بلکہ ان کا یہ یقین تھا کہ یہ علمِ کلام شدید پیاس کو ختم نہیں کر سکتا بلکہ یہ تو تندرست اور صحیح شخص کو الٹا بیمار

اور علیل بنا دیتا ہے' اسی لیے وہ اس سے باز رہے اور اسی لیے انھوں نے اس میں بحث و خوض کرنے سے بھی منع فرمایا حتیٰ کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

''اگر کوئی بندہ ماسوائے شرک کے باقی تمام گناہوں میں مبتلا ہو جائے تو اس کے لیے علم کلام میں غور و فکر کرنے سے بہتر ہے۔''

اور فرماتے ہیں: جب تو کسی آدمی کے متعلق سنے کہ وہ یوں کہہ رہا ہے: اسم وہی مسمّٰی ہے یا مسمّٰی کے علاوہ کچھ اور ہے تو آپ گواہی دے دیں کہ یہ شخص اہل کلام میں سے ہے' اس کا کوئی دین نہیں ہے۔

مزید فرماتے ہیں: علمائے علم کلام کے متعلق میرا فیصلہ یہ ہے کہ انھیں چھڑی سے سزا دی جائے اور انھیں خاندانوں اور قبیلوں میں گھمایا اور پھرایا جائے اور ساتھ ساتھ یہ اعلان کروایا جائے ''یہ اس آدمی کی سزا ہے جو کتاب و سنت کو چھوڑ کر علمِ کلام کو اپنا لے''

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:

''صاحب کلام کبھی بھی فلاح نہیں پا سکتا اور علمائے کلام زندیق (بے دین) ہیں[1] میری رائے میں ان کی مذمت کیوں بیان نہ کی جائے' جبکہ اس علم کلام نے معتزلہ کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو تو جانتا ہے لیکن ان کی تفاصیل کو نہیں جانتا۔''

جہم بن صفوان نے کہا ہے:

''اللہ تعالیٰ کا علم' اس کی قدرت اور اس کی حیات سب محدث ہیں یعنی یہ سب صفات نوخیز ہیں' اللہ تعالیٰ کی ذات کی مثل ازلی اور ابدی نہیں ہیں۔''

ابو محمد نوبختی نے جہم کا یہ قول نقل کیا ہے:

''اللہ تعالیٰ کوئی شے نہیں ہے۔''

ابو علی جبائی' ابو ہاشم اور ان کے متبعین اہل بصرہ کا کہنا ہے:

---

[1] اس موضوع پر امام سیوطی رحمہ اللہ کی ضخیم کتاب بنام ''صون المنطق والکلام عن فن المنطق والکلام'' ہے۔ انھوں نے ایسے اقوال کو اس میں جمع بھی کیا ہے اور ان کی تخریج بھی کی ہے' کتاب قابلِ مطالعہ ہے!!

''معدوم شئے ذات' نفس' جوہر' سفیدی' زردی' سرخی سب کچھ ہوتی ہے لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ ذات کو ذات بنانے پر' عرض کو عرض بنانے پر اور نہ جوہر کو جوہر ہی بنانے پر قادر ہے' بلکہ وہ تو صرف کسی ذات کو عدم سے وجود میں لانے ہی پر قدرت رکھتا ہے۔''

قاضی ابویعلی نے کتاب ''المقتبس'' میں لکھا ہے' مجھے علاف معتزلی نے کہا: ''اہل جنت کی نعمتیں اور اہل دوزخ کا عذاب ایسا معاملہ ہے جسے دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بطور صفت الٰہی بیان نہیں کیا جا سکتا'' تو ایسی صورتِ حال میں ان کی طرف رغبت وشوق اور دوزخ کے عذاب سے ڈر اور خوف کیسے درست ہو سکتا ہے؟ کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ خیر پر کوئی قدرت رکھتے ہوں گے اور نہ ہی کسی شر پر' نہ کسی نفع پر اور نہ ہی کسی نقصان پر۔

اس نے مزید یہ بھی کہا: ''اہل جنت بالکل جمود وسکوت کے ساتھ رہیں گے' ان کی زبانوں سے کوئی ایک لفظ بھی نہیں نکلے گا' اور نہ ہی کسی قسم کی کوئی حرکت ہی کر سکیں گے اور وہ اور ان کا رب مذکورہ کسی فعل اور کسی شئے پر قدرت ہی نہیں رکھتے ہوں گے' کیونکہ تمام حوادث کا لازماً ایک نہ ایک انتہائی آخری مقام ہوتا ہے جہاں پر پہنچنے پر وہ رک جاتے ہیں' اس کے بعد کوئی شئے بھی نہیں ہوگی!''

اللہ تعالیٰ ایسی تمام فضولیات سے بلند وبرتر ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ ابوالقاسم عبداللہ بن احمد بن محمد بلخی نے کتاب ''المقالان'' میں ذکر کیا ہے کہ ابوہذیل جس کا نام محمد بن ہذیل العلاف ہے' اس اکیلے ہی نے یہ کہا ہے ''اہل جنت کی تمام حرکات ختم ہو جائیں گی اور وہ دائمی اور ابدی سکون وسکوت کی حالتوں میں بدل جائیں گے۔''

اور وہ یہ بھی کہا کرتا تھا: ''اللہ تعالیٰ کا علم بھی اللہ ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بھی اللہ ہے۔''

ابوہاشم نے یوں کہا ہے: ''جس نے کہا: میں نے ہر شئے سے توبہ کر لی مگر اس نے شراب کا ایک گھونٹ نوش کر لیا' تو اسے اہلِ کفر کے عذاب کی مثال دائمی عذاب ہوتا

رہے گا۔"

نظام نے یہ کہا ہے:

"اللہ تعالیٰ شر کی کسی چیز پر بھی قدرت نہیں رکھتا اور ابلیس خیر وشر دونوں پر قدرت رکھتا ہے۔"

ہشام الفوطی نے یہ کہا ہے:

"اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ بات بیان نہیں کی جا سکتی کہ وہ ہمیشہ سے ہی جاننے والا ہے۔"

بعض معتزلہ نے یوں کہا:

"اللہ جھوٹ بول سکتا ہے' لیکن یہ کبھی اس سے سرزد نہیں ہوا۔"

مجبرہ نے کہا:

"آدمی کے پاس کوئی قدرت نہیں ہے بلکہ یہ تو جماد کی مانند ہے جو اختیار اور کچھ کرنے کی قوت سے عاری ہے"۔

مرجیہ نے یوں کہہ دیا: "جس نے بھی شہادتین کا اقرار کر لیا' اور پھر تمام گناہ اور معصیات بھی کرتا رہا' وہ کبھی بھی جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔"

ان لوگوں نے ان تمام صحیح احادیث کی مخالفت کر دی جو نافرمان اور عاصی مؤحدین کے آتشِ دوزخ میں داخل ہونے اور پھر اس سے نکالے جانے سے متعلق ہیں۔[1]

ابن عقیل نے فرمایا ہے:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ مرجیہ فرقے کا بانی زندیق ہے' کیونکہ دنیا کی صلاح اور بہتری وعید کو ثابت رکھنے اور جزا کا عقیدہ اختیار کرنے سے منسلک ہے' لیکن

---

[1] یعنی وہ تمام احادیثِ شفاعت جو متواتر ہیں' اگرچہ دور حاضر کے بدعتی یعنی روافض' اباضیہ اور اہل تکفیر وغیرہ اور ان کے ہم نوا اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے لوگ ان احادیث کے متواتر ہونے کے سرے ہی سے انکاری ہیں۔

اس سلسلے میں الشیخ الفاضل مقبل بن ہادی الوادعی کی تالیف "الشفاعۃ" ملاحظہ فرمائیں' انھوں نے اس کتاب میں ان تمام احادیث و روایات کو یکجا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو نفع بخش بنائے۔

مرجئہ فرقے والوں سے جب صانع اور خالق کا انکار بن نہ پڑا' کیونکہ اس سے لوگوں نے متنفر ہونا تھا اور یہ خلافِ عقل دعویٰ ہونا تھا' انھوں نے اثبات کے فائدے یعنی خشیت اور مراقبے ہی کو بے سود قرار دے دیا اور انھوں نے شرعی سیاست کو گرا دیا' تو یہ گروہ اسلام کے حق میں انتہائی برا گروہ ثابت ہوا ہے۔"

میں کہتا ہوں: ابوعبداللہ بن کرّام نے تمام مذاہب میں سے ردی ترین مذہب کو اختیار کیا' ضعیف ترین احادیث کو اپنا مؤقف بنایا' اور تشبیہ کے عقیدے کی جانب مائل ہوا' اور اس نے حوادث کا حلول اور دخول ذاتِ باری تعالیٰ میں جائز قرار دیا[1] اور اس نے یوں کہا:

"اللہ تعالیٰ اجسام اور جواہر کو لوٹانے پر بالکل قدرت نہیں رکھتا بلکہ وہ تو صرف انھیں شروع کرنے ہی پر قادر ہے۔"

اور سالمیہ نے یوں کہا ہے: "اللہ تعالیٰ بروز قیامت ہر ایک کے سامنے اسی شکل و صورت میں جلوہ افروز ہوگا جو دیکھنے والے کی ہوگی' یعنی آدمی اسے آدمی اور جن اسے جن ہی دیکھے گا!"

اور کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے لیے ایک مخفی راز ہے' اگر وہ اسے ختم کر دے تو تدبیر ہی باطل ہو جائے۔

میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں ایسے نظریات اور ایسے علوم سے جن سے یہ قبیح مذاہب جنم لے رہے ہیں۔

---

[1] "اللہ تعالیٰ کی ذات میں حوادث کا حلول اور دخول' یہ نیا ایجاد کردہ عقیدہ ہے' اس کے متعلق کتاب و سنت میں کوئی حرمت موجود نہیں ہے۔ اگر کوئی آدمی اس سے یہ معنی مراد لے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی چیز میں حلول کرتے ہیں تو یہ باطل اور منکر' بلکہ کفر ہے اور اگر کوئی اس عبارت سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی صفات فعلیہ کو مراد لیتا ہے' تو اس کی مراد کیا ہی خوبصورت ہے' لیکن اس کا انداز و اسلوب اور اس کے الفاظ کی ترکیب مبنی بر خطا ہے۔

اس مسئلہ کی کافی تفصیل ہے جسے میں نے اپنی کتاب "منهاج التاسيس في الرد على اهل البدع والتلبيس" القسم الاول میں سپرد قلم کر دیا ہے۔

ارباب کلام کا یہ گمان اور خیال بھی ہے کہ ایمان پورا ہی نہیں ہو سکتا جب تک کوئی ان کی ترتیب شدہ باتوں کی معرفت حاصل نہ کرے۔

یہ لوگ غلطی اور خطا پر ہیں' کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے تو ایمان لانے کا حکم دیا ہے' آپ نے متکلمین کی بحثوں اور صحابہ کرام کی درجہ بندی کا تو حکم نہیں دیا' وہ صحابہ جن کے متعلق ایمان پر قائم ہونے کے باوصف شارع علیہ السلام کی خیر الناس [1] ہونے کی شہادت موجود ہے۔

مذکورہ گزارشات میں علم کلام کی مذمت پر ہم نے چند اشارے ذکر کر دیے ہیں۔

بعض متکلمین اور اس علم کا پرچار کرنے والوں کے سابقہ نظریات سے باز آ جانے کے متعلق بھی ہمیں معلوم ہوا ہے' کیونکہ انھوں نے اس کے بگاڑ اور اس کی قباحتوں کو سمجھ لیا تھا۔

احمد بن سنان نے کہا ہے: ''ولید بن ابان کرابیسی میرا ماموں تھا' جب اس کا وقتِ مرگ آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا: کیا تم مجھ سے بڑھ کر کوئی علمِ کلام کا ماہر واستاد جانتے ہو؟ وہ بولے: نہیں! اس نے پھر دریافت کیا' کیا تم مجھے اس پر موردِ تہمت ٹھہراتے ہو؟ انھوں نے کہا: بالکل نہیں۔ وہ کہنے لگا: میں تمھیں وصیت کرنا چاہتا ہوں' کیا تم قبول کر لو گے؟ وہ بولے: جی ہاں! کہنے لگا: وہ مذہب اپنے اوپر لازم قرار دے لو جس پر اصحاب الحدیث کاربند ہیں کیونکہ میں نے حق کو ان کے ساتھ دیکھا ہے۔

ابوالمعالی جوینی نے کہا:

''میں نے اہل اسلام اور ان کے علوم کو خوب گھوم پھر کر دیکھا ہے' میں اس بحر اعظم پر سواری کر چکا ہوں' اور میں نے ایسی ایسی جگہوں پر غوطہ زنی کی ہے جہاں سے لوگوں نے روکا ہوا تھا' یہ سب کچھ میں نے حق کی طلب وجستجو اور تقلیدی بندھن سے

---

[1] اس سے مندرجہ ذیل فرمان رسول کی جانب اشارہ ہے:

((خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم......)) امام شوکانی کی کتاب: ''التحف فی مذاھب السلف'' (ص۴۴) پر ہماری تعلیقات کے ضمن میں اس کی تخریج موجود ہے۔ یہ کتاب مکتبہ ابن الجوزی سے طبع شدہ ہے۔

چھٹکارا پانے کے لیے کیا تھا اور اب میں نے تمام اطراف سے منہ موڑ کر کلمۂ حق کی طرف رخ کر لیا ہے' لہٰذا تم بھی بوڑھوں کے دین کو (یعنی سلف صالحین کے دین کو) لازم پکڑ لو' اگر مجھے حق نے اپنی لطیف نیکی کے ساتھ سنبھالا نہ دیا اور میں بوڑھوں کے دین پر ہی نہ مرا اور دنیا سے وقتِ رحلت اگر حق نے کلمۂ اخلاص کے ساتھ میری عاقبت کو نہ سنوارا تو پھر ابن الجوینی کی ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔"

وہ اپنے ساتھیوں سے کہا کرتا تھا: اے ہمارے ساتھیو! علم کلام میں مشغول نہ ہوا کرو۔ اگر مجھے قبل ازیں معلوم ہو جاتا کہ علم کلام نے مجھے اس مقام پر پہنچا دینا ہے جہاں تک اس نے مجھے پہنچا چھوڑا ہے' تو میں کسی صورت میں بھی اس میں مشغول نہ ہوتا۔

ابوالوفا ابن عقیل نے اپنے ایک ساتھی سے کہا تھا:

"میں قطعی طور پر بیان کرتا ہوں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دنیا سے فوت ہوئے تو وہ جوہر اور عرض کو بالکل نہیں جانتے پہچانتے تھے' اگر تو بھی پسند کرے کہ ان جیسا ہی بن جائے تو بن جا' اور اگر تو خیال کرے کہ متکلمین کا طریقہ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما سے افضل و بہتر ہے تو تیری رائے بہت بری ہے۔"

مزید یوں فرماتے ہیں:

"علم کلام نے اپنے معتقدین کو شکوک و شبہات میں لا پھینکا ہے' بلکہ ان کی کثیر تعداد کو الحاد ہی میں دھکیل دیا ہے' الحاد کی بو متکلمین کے کلام کی لغزشوں سے سونگھی جا سکتی ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اتنی مقدار پر قناعت نہیں کی جس پر شریعت نے قناعت کی ہے' بلکہ یہ لوگ حقیقتوں کو طلب کرنے نکل کھڑے ہوئے' حالانکہ کسی کی عقل میں اس حقیقت کا ادراک آ ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ ان چیزوں کی حقیقت کے ادراک اور حکمت کو اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی ذات کے ساتھ خاص کیا ہے اور مخلوق میں سے کسی کے سامنے بھی اس کو ظاہر نہیں کیا۔"

مزید فرماتے ہیں:

"پہلے پہل تو میں نے بھی اس میں اپنی عمر دراز گزار لی ہے پھر میں بھی وہاں

سے ایڑیوں کے بل واپس چلتے ہوئے کتابوں کے مذہب کی طرف پلٹ آیا ہوں۔''

وہ لوگ اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ بوڑھوں کا مذہب (یعنی اسلاف کا مذہب) ہی سلامتی والا ہے کیونکہ جب وہ کسی نظریے کی انتہائی تحقیق کی حدوں تک پہنچ جاتے ہیں تو ایسی تعلیلات اور تاویلات جن کی عقل نفی کرتی ہے وہاں وہ کچھ نہیں دیکھتے تو بالآخر وہ شرعی رسوم اور شرعی آداب سے موافقت کرتے ہیں' لیکن اس بات کی کوئی تعلیل کرتے ہوئے اس سے پہلو تہی کر لیتے ہیں' جب کہ عقل اس حقیقت کو مان لیتی ہے کہ اس سے اوپر صرف حکمت الٰہی ہی کارفرما ہے' اس طرح وہ سلامت رہتی ہے اور اسے سلامت رکھتی ہے۔

امت کے عقائد اور تلبیس ابلیس

کچھ لوگ صرف ظاہری چیزوں ہی پر رک جاتے ہیں اور انھیں حواس کے تقاضوں پر محمول کرنے لگتے ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا ہے: یقیناً اللہ تعالیٰ جسم ہے! اللہ تعالیٰ اس بات سے بلند و برتر ہے۔

یہ ہشام بن حکم' علی بن منصور' محمد بن خلیل اور یونس بن عبدالرحمٰن کا مذہب ہے' اس کے بعد ان میں اختلاف رونما ہو گیا' ان میں سے ایک نے کہا: دوسرے اجسام کی مثل جسم ہے! اور ان میں سے ایک نے یوں کہا: دوسرے اجسام کی مثل نہیں ہے!!

پھر مزید اختلاف پیدا ہوا اور ایک نے یوں کہا: وہ نور ہے' اور ان میں سے ایک نے کہا: وہ دھات کے کسی لمبے سفید ٹکڑے کی شکل کا ہے۔ ہشام بن حکم یہی کہا کرتا تھا' اور یہ بھی کہا کرتا تھا: اللہ اپنی ذاتی بالشت کے سات بالشتوں کے برابر ہے۔[1] اللہ تعالیٰ ان باتوں سے بہت زیادہ بلند ہے۔

اس قول سے یہ لازم آتا ہے کہ اس کی کوئی کیفیت بھی ہو گی جبکہ یہ ماننا توحید کے

---

[1] یہ بات تو عین کفر ہے' والعیاذ باللہ۔ نعیم بن حماد کی بات کتنی خوبصورت ہے:

((مَنْ شَبَّهَ اللّٰهَ بِخَلْقِهٖ' كَفَرَ......))

''جس نے اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق سے مشابہت دی' اس نے کفر کیا......''

سیر اعلام النبلاء (۱۳/۲۹۹-۳۰۰) میں اس سنہری جملے پر امام ذہبی کی توضیح کو لازماً دیکھیں۔

برعکس ہے' اور یہ امر متفق علیہ ہے کہ ماہیت صرف اس کی ہوتی ہے جو جنس ہوں اور اس جیسے ہوں۔ پھر اس کو ان میں سے پہچاننے کی ضرورت ہوگی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ذی جنس ہے اور نہ اس کی کوئی نظیر ومثال ہی ہے۔

آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ آدمیوں کے بجائے کس طرح اللہ تعالیٰ کے لیے قدیم ہونے کو ثابت کرتے ہیں' پھر کیوں اپنے مؤقف کے مطابق اس کے لیے وہ سب چیزیں جائز نہیں سمجھتے جو آدمیوں کے لیے جائز مانتے ہیں یعنی بیماری اور ختم ہونا وغیرہ؟

پھر آپ سے کہا جائے گا: جس نے تجسیم کا دعویٰ کیا تو اس نے دلیل کے ساتھ اجسام کے حادث ہونے کو ثابت کیا۔ اس طرح وہ تجھے اس بات کے ساتھ رہنمائی دے گا کہ الٰہ جس کے متعلق تیرا عقیدہ ہے کہ وہ جسم ہے' وہ محدث ہے قدیم نہیں ہے' جسم اور غیر قدیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا جسم ہونے کا عقیدہ رکھنے والے لوگوں کی ایک بات یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ کہنا جائز ہے کہ اسے چھوا جا سکتا ہے اور اس پر ہاتھ پھیرا جا سکتا ہے۔

پھر انہیں یہ جواب دیا جا سکتا ہے: تمہارے اس قول کے مطابق یہ کہنا بھی جائز ہے کہ اسے چھوا جا سکتا ہے' اس پر ہاتھ پھیرا جا سکتا ہے اور اس سے معانقہ بھی کیا جا سکتا ہے!

ان میں سے ایک نے یوں کہا ہے: وہ جسم ہے اور ایسا جسم ہے کہ وہ فضا ہی ہے اور دیگر تمام اجسام اس میں پائے جاتے ہیں۔

اور بیان بن سمعان یہ گمان رکھتا تھا کہ اس کا معبود پورے کا پورا نور ہے' لیکن وہ ایک آدمی کی شکل وصورت پر ہے' اور وہ اپنے تمام اعضاء کو ہلاک کر دے گا' ماسوائے اپنے چہرے کے! تو خالد بن عبداللہ نے اسے قتل کر دیا تھا۔

اور مغیرہ بن سعد عجلی یہ گمان رکھتا تھا کہ اس کا معبود نور سے بنا ہوا ایک شخص ہے' اس کے سر پر نور کا ایک تاج ہے' اس کے اعضاء بھی ہیں اور ایسا دل بھی ہے جس سے حکمت پھوٹتی رہتی ہے' اور اس کے جسمانی اعضاء حروف تہجی کی شکل کے ہیں۔

اور زرارہ بن اعین یوں کہا کرتا تھا: ''وہ ذاتِ باری تعالیٰ شروع میں قادر' حی اور عالم

نہ تھی، حتیٰ کہ اس نے ان صفات کو اپنی ذات کے لیے بعد میں تخلیق کیا۔''

اللہ تعالیٰ ایسی باتوں سے بلند تر ہے۔

ان ظاہر پرستوں کے عجیب وغریب احوال میں سے سالمیہ کا یہ قول ہے کہ میت قبر میں کھاتی پیتی اور نکاح کرتی ہے، کیونکہ انھوں نے نعمتوں کے متعلق سنا ہوا ہے اور وہ مذکورہ نعمتوں کے سوا اور نعمتوں کو جانتے ہی نہیں۔[1] اگر یہ لوگ ان آثار واحادیث پر قناعت کر لیتے جو کتبِ احادیث میں موجود ہیں کہ ''مومنوں کی روحیں پرندوں کے پوٹوں میں رکھ دی جاتی ہیں جو جنتی درختوں سے کھاتی رہتی ہیں''[2] تو اس طرح وہ اس بات سے بچ جاتے لیکن انھوں نے ان چیزوں کو جسم و بدن کی طرف منسوب کر دیا۔

ابن عقیل نے کہا:

''اس مذہب کو ویسی ہی بیماری لاحق ہے جو زمانہ جاہلیت کے لوگوں کو بطورِ عقیدہ اور رواج لاحق ہو چکی تھی۔ وہ مردہ جسموں اور لاشوں کے متعلق کہا کرتے تھے، ان لوگوں سے گفتگو صرف اسی طرز پر ہونی چاہیے کہ ان کو بتایا جا سکے۔ مناظرہ کی طرز

پر ان سے گفتگو نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ ان سے مقابلہ بازی کرنا انھیں مزید خراب کرتا ہے۔ ابلیس نے انھیں شرعی اور عقلی دلائل میں رہتے ہوئے تاویل و تشریح کرنے سے باز رکھ کے دھوکا اور فریب دیا ہے۔ کیونکہ جب میت کے متعلق نعمتوں اور عذابوں کا ذکر ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ہی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جسموں اور قبروں کی نسبت بطور عرف ہوتی ہے۔ گویا کہ معنی مراد یہ ہوتا ہے، اس قبر اور اس روح والا یعنی جو اس جسم میں رہا کرتی تھی، وہ جنتی نعمتوں کے

---

[1] انتہائی افسوس کی بات ہے کہ بعض مذاہب اربعہ اور ان کی تقلید سے نسبت رکھنے والے حضرات بھی یہی بات کہتے ہیں۔

[2] اخرجه احمد (۳/ ۴۵۵) والنسائی (۱/ ۲۹۲) وابن ماجه (۴۲۷۱) و الترمذی (۱/ ۳۹) عن کعب وسنده صحیح

ساتھ انعام یافتہ یا عذابِ دوزخ کے ساتھ گرفتارِ عذاب ہے۔"

اس سے راہ نجات

اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ آپ نے اصول کے معاملے میں متکلمین اور مقلدین کی تردید کردی ہے تو اس ضمن میں ابلیس کے وار سے محفوظ و سلامت راستہ کون سا ہے؟

تو جواب یہ ہے:

وہ راستہ جس پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور احسان کے ساتھ ان کا اتباع کرنے والے یعنی سلف صالحین گامزن رہے ہیں' یعنی اللہ خالق کائنات کا اثبات' قرآن و سنت میں موجود آیات اور احادیث کے مطابق صفات کا اثبات بغیر کسی تمثیل یعنی ان کی کیفیت بیان کیے اور ایسی بحث کیے جو انسانی ادراک سے بالاتر ہے' اور یہ عقیدہ رکھنا کہ قرآن کلام ہے جو مخلوق نہیں ہے' آیات میں بیان کردہ مضمون سے ہم تجاوز نہیں کریں گے اور ان کے متعلق ہم اپنی رائے زنی نہیں کریں گے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس بات سے بھی روکا کرتے تھے کہ آدمی یوں کہے: قرآن کے ساتھ میرے الفاظ مخلوق ہیں یا غیر مخلوق' تاکہ وہ مذہب سلف کی اتباع سے بدعت کی طرف نہ نکل جائے۔[1]

جعفر بن زبرقان بیان کرتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے خواہشات کے متعلق سوال کرنے والے ایک آدمی سے فرمایا تھا: "تو تصنیفات و تالیفات اور مضمون نگاروں میں چھوٹے بچے اور اعرابی کے دین کو لازم پکڑ لے' اور ان دونوں کے سوا باقی تمام سے پناہ حاصل کر' یعنی زیادہ گہرائی میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے: "جب تم کسی قوم کو اپنے دین کے معاملات میں ایسی چیز میں سرگوشیاں کرتے پاؤ جو عوام الناس کی سوچوں سے بالاتر ہو تو یہ

---

[1] یہ چند باتیں ہیں جن کے لیے ہم نے اپنی قلموں کے خول اتارے ہیں جب کہ ہمارے نفوس اس کو نہیں چاہتے' اے اللہ! تو ہماری مدد فرما اور ہمیں راہ حق کی توفیق عطا فرما' اس کے برعکس ہمارا دین ہے جو کہ الحمدللہ ظاہر اور جلی ہے' جس میں کوئی پہلو مخفی نہیں ہے' جس میں کوئی چھپاؤ ہے اور نہ ہی کوئی کتمان اور نہ ہی کوئی انفرادی راز' جس طرح کہ حزبیون کرتے ہیں۔ یہ تو گمراہی کا دروازہ ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ

جان لو کہ وہ گمراہی کی بنیادیں کھود رہے ہیں۔"[1]

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے ایک گورنر کو لکھا: "میں تجھے اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے اور اس کے رسول ﷺ کی سنتِ مبارکہ کی پیروی کرنے کی اور آپ کے بعد بدعتیوں نے جو نئی نئی چیزیں ایجاد کر لی ہیں' حالانکہ وہ ایسی سب باتوں کی مشقت میں پڑنے سے بچا لیے گئے تھے' ایسی سب باتوں کو چھوڑ دینے کی نصیحت کرتا ہوں۔ اور یہ بھی جان لو کہ جس نے نئی راہیں شروع کیں جب کہ وہ جانتا بھی ہو کہ ان میں یہ خطا' لغزش اور گہرائی ہے اور سلف صالحین ایسی راہوں اور ایسے علم سے کنارہ کش رہے ہیں اور ایسی راہوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے سے بھی بچائے گئے تھے۔"

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ایک دوسری روایت میں یوں بیان کرتے ہیں: "یقیناً وہ اسلاف ایسے امور سے پردہ اٹھانے پر زیادہ قوت رکھتے تھے' اور نیا راستہ صرف اسی آدمی نے نکالا ہے جس نے ان کو چھوڑ کر کسی اور راستے کو اختیار کیا ہے۔ کچھ لوگ اس سے ڈرتے رہے اور کچھ نے نیا راستہ اختیار کرنے کی جرأت کر لی۔ کچھ لوگ تو ان کے پیچھے ہی رہے' ان سے آگے نہ بڑھے تو وہ نئی راہ نکالنے سے ڈرتے رہے' اور کچھ دوسروں نے ان سے کنارہ کشی کر لی تو انھوں نے نئی راہیں نکال لیں!"

خوارج پر تلبیسی حملے

خوارج میں سے پہلا سب سے بری حالت والا شخص "ذوالخویصرۃ" ہے۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک رنگین کھال میں سونا بھیجا جو ابھی مٹی سے صاف نہیں کیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرما دیا: عیینہ بن بدر' اقرع بن حابس' زید الخیل' چوتھے عامر یا علقمہ ہیں۔ صحابہ میں سے ایک آدمی نے کہا: ہم اس کے زیادہ حقدار تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا:

[1] رواہ احمد فی "الزھد" (ص۴۰۸)

((أَلَا تَأْمَنُونِی وَأَنَا أَمِینُ مَنْ فِی السَّمَاءِ یَأْتِینِی خَبَرُ السَّمَآءِ صَبَاحًا وَّمَسَاءً؟))

''کیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے حالانکہ میں اس ذات کا امین ہوں جو آسمان میں ہے' میرے پاس صبح و شام آسمان کی خبریں آتی ہیں؟''

پھر ایک ایسا آدمی کھڑا ہوا جو گہری اور دھنسی آنکھوں' ابھرے رخساروں' بڑھی ہوئی پیشانی' گھنی ڈاڑھی' اونچے ازار اور منڈے ہوئے سر والا تھا۔ وہ بولا: یا رسول اللہ! اللہ کا خوف کھائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے سر مبارک کو اوپر اٹھایا اور فرمایا:

((وَیْحَكَ أَلَیْسَ أَحَقَّ النَّاسِ أَنْ یَّتَّقِیَ اللّٰهَ أَنَا؟))

''تیری ہلاکت ہو! کیا یہ بات درست نہیں کہ سب لوگوں سے زیادہ میں ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں؟!''

پھر وہ آدمی واپس چل دیا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بولے: یا رسول اللہ! کیا میں اس کو قتل نہ کر دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں' شاید کہ وہ نمازیں پڑھتا ہو۔ خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((وَکَمْ مِنْ مُّصَلٍّ یَقُولُ بِلِسَانِهٖ مَا لَیْسَ فِی قَلْبِهٖ))

''کتنے ہی نمازی ایسے ہیں جو اپنی زبان سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتا۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنِّی لَمْ أُوْمَرْ أَنْ أَنْقُبَ قُلُوبَ النَّاسِ وَلَا أَشُقَّ بُطُونَهُمْ))

''مجھے لوگوں کے دلوں کی کھوج لگانے کا حکم نہیں دیا گیا اور نہ اس بات کا حکم ملا ہے کہ میں ان کے پیٹوں کو چاک کروں۔''

پھر نبی اکرم ﷺ نے اس کو جاتے ہوئے دیکھ کر فرمایا:

((إِنَّهٗ یَخْرُجُ مِنْ ضِئْضِئِ هٰذَا قَوْمٌ یَّتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ رَطْبًا' لَا یُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ كَمَا یَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِیَّةِ))

''اس کی نسل سے ایک ایسی قوم نکلے گی جو کتاب اللہ کی انتہائی خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کرے گی، وہ ان کے حلقوم سے آگے نہیں جائے گا، وہ لوگ دین اسلام سے ایسے گزر جائیں گے جس طرح تیر شکار سے آر پار ہو جاتا ہے۔''[1]

اس آدمی کو ''ذوالخویصرہ تمیمی'' کہا جاتا ہے۔ یہ سب سے پہلا خارجی ہے جو دائرۂ اسلام سے نکل گیا تھا۔ اس کی تباہی کا سبب یہ تھا کہ وہ اپنی رائے ہی پر راضی ہو بیٹھا تھا، اور اگر وہ کتاب و سنت پر توقف کرتا تو جان جاتا کہ رسول اللہ ﷺ کی رائے سے بڑھ کر کسی کی رائے نہیں ہے اور اس آدمی کے پیروکاروں ہی نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے لڑائی کی تھی۔

ان کی طویل داستانیں ہیں، عجیب و غریب مذاہب ہیں، جنھیں میں تفصیل سے بیان نہیں کروں گا، کیونکہ ہمارا مقصود تو صرف اتنا ہے کہ ابلیس کی حیلہ سازیوں اور ان بے وقوفوں اور احمقوں پر اس کی تلبیس کاریوں پر نگاہ ڈالنی ہے جنھوں نے اپنی ہی کہانیوں اور واقعات پر عمل کیا ہے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھ ساتھ مہاجرین و انصار خطا پر ہیں اور خود وہ راہِ راست پر ہیں۔ ان لوگوں کی حالت یہ تھی کہ انھوں نے بچوں کے قتل کو تو مباح اور حلال جانا لیکن کسی درخت کے پھل کو بلا قیمت کھانا حرام سمجھا۔ عبادات میں اپنے آپ کو تھکا لیتے، رات آنکھوں میں گزار لیتے لیکن مسلمانوں پر تلواریں سونتے رکھتے تھے۔

ان لوگوں کو اپنے علم و معرفت اور اپنے اعتقادات کے ساتھ مطمئن ہونے پر مجھے چنداں تعجب نہیں ہے، کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ بزعم خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ علم و عرفان والے ہیں۔ ذوالخویصرہ نے تو رسول اللہ ﷺ سے یہ کہہ دیا تھا:

''اِعْدِلْ فَمَا عَدَلْتَ!''

''آپ عدل کریں، آپ نے عدل نہیں کیا۔'' (نعوذ باللہ)

---

[1] صحیح البخاری، المغازی، باب بعث علی بن ابی طالب و خالد بن الولید رضی اللہ عنہما الی الیمن ...... حدیث: ۴۳۵۱ و صحیح مسلم، الزکاۃ، باب ذکر الخوارج و صفاتھم، حدیث: ۱۰۶۴

ان ذلتوں اور رسوائیوں کی طرف خود ابلیس بھی راہ نہیں پاتا۔ ہم ذلتوں سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے خود سنا ہے:

((يَخْرُجُ فِيكُمْ قَوْمٌ تَحْقِرُونَ صَلَاتَكُمْ مَعَ صَلَاتِهِمْ وَصِيَامَكُمْ مَعَ صِيَامِهِمْ وَعَمَلَكُمْ مَعَ عَمَلِهِمْ وَيَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ))[1]

"تمہارے اندر سے ایک ایسی قوم نکلے گی کہ تم ان کی نمازوں کے مقابلے میں اپنی نمازوں کو حقیر سمجھو گے، اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابلے میں اور اپنے اعمال کو ان کے عملوں کے مقابلے میں کم تر سمجھو گے۔ اور وہ لوگ قرآن پڑھیں گے جو ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا۔ وہ دین اسلام سے اس طرح گزر جائیں گے جس طرح تیر شکار میں سے گزر جاتا ہے۔"

سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((اَلْخَوَارِجُ كِلَابُ أَهْلِ النَّارِ))

"خوارج اہل دوزخ کے کتے ہوں گے۔"[2]

---

[1] صحیح البخاری: فضائل القرآن، باب اثم من راءی بقراءة القرآن او تاکل به او فجر به، حدیث: ۵۰۵۸ وصحیح مسلم، الزکاة، باب ذکر الخوارج و صفاتھم، حدیث: ۱۰۶۴

[2] اخرجه احمد (۴/۳۵۵) اور آپ کے صاحبزادے عبداللہ نے "السنة" میں ذکر کیا ہے، ابن ماجہ نے حدیث نمبر ۱۷۳ میں، ابن صاعد نے "مسند ابن ابی اوفی" (نمبر ۳۹) میں "اسحق الازرق عن الاعمش عن ابن ابی اوفیؓ" کے طریق سے بیان کیا ہے۔ اس میں انقطاع ہے۔ اعمش نے ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے سماعت نہیں کی۔ اس روایت کا ایک دوسرا طریق بھی ہے جسے امام احمد نے (۴/۳۸۲-۳۸۳) میں اور طیالسی نے (حدیث نمبر ۸۲۲) میں اور حاکم نے (۳/۵۷۱) میں ذکر کیا ہے جو کہ "حشرج بن نباتة عن سعید بن جمھان عن ابن ابی اوفیؓ" کے طریق سے بیان کیا ہے، اس کی سند ان شاء اللہ "حسن" ہے۔

خوارج کی رائے

خوارج کی رائے یہ ہے کہ امامت کسی شخص کے ساتھ مختص نہیں ہوتی' الا کہ اس میں علم اور زہد جمع ہو جائیں۔ جب یہ دونوں اوصاف اس میں جمع ہو جائیں' تو وہ امام ہوتا ہے' اگرچہ نبطی یعنی اوباش آدمیوں میں سے ہی ہو!

انہی لوگوں کی رائے سے معتزلہ نے عقل سے تحسین و تقبیح کا معاملہ نکالا ہے اور ان کی رائے میں عدل وہ ہے جس کا عقل تقاضا کرتی ہے۔

پھر عہدِ صحابہ ہی میں قدریہ ظاہر ہو گئے۔ معبد جہنی' غیلان دمشقی اور جعد بن درہم نے تقدیر پر بات کی۔ پھر واصل بن عطاء نے بھی معبد جہنی کی کھڈی پر اپنا تانا بُنا' پھر اسی کے ساتھ عمرو بن عبید بھی آملا۔

پھر اسی دور میں مرجئہ کا طریقہ بھی سامنے آ گیا جو یہ کہتے تھے: ایمان کے ساتھ کوئی نافرمانی نقصان دہ نہیں ہے' جس طرح کہ کفر کے ساتھ کوئی اطاعت و نیکی نفع مند نہیں ہے۔

پھر مامون کے زمانے میں ابو ہذیل العلاف' نظام' معمر اور جاحظ وغیرہ معتزلہ نے فلاسفہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا' انھوں نے ان سے ایسی ایسی باتیں نکالیں جن کو انھوں نے بعد میں شرعی امور کے ساتھ خلط ملط کر دیا' جیسے جوہر' عرض' زمان' مکان اور کون وغیرہ!

اور سب سے پہلے جو مسئلہ انھوں نے پیش کیا' وہ خلق قرآن کا قول تھا' پھر اس کے پیچھے انھوں نے مسائل الصفات مثلاً علم' قدرت' حیات' سمع اور بصر کے معاملات کو شروع کر دیا۔

ایک قوم نے یوں کہا: ''یہ ایسے معانی ہیں جو ذات الٰہی پر زائد ہیں۔''

اور معتزلہ نے ان صفات کا سرے سے انکار ہی کر دیا اور یوں کہنے لگے: ''وہ اپنی ذات کے لیے عالم ہے اور وہ اپنی ذات کے لیے قادر ہے۔''

اور ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ پہلے پہل تو مذہب جبائی پر تھے' پھر صفات کو ثابت کرنے والوں کی طرف ہو گئے۔[1]

---

[1] پھر وہ سلف صالحین کے مذہب کی جانب ہی رجوع کیے رہے جس طرح کہ ہم نے اپنی کتاب ''عقیدتنا قبل الخلاف وبعده في ضوء الكتاب والسنة'' میں تفصیلاً ذکر کیا ہے' اس کی طرف رجوع فرمائیں۔

پھر وہ تشبیہ اور نزول کے بارے میں اثباتِ انتقال[1] کے عقیدے میں صفات کو ثابت رکھنے والے بعض لوگوں کے ہم نوا بن گئے۔ اللہ ہی جسے چاہے' ہدایت سے سرفراز فرمانے والا ہے۔

رافضہ پر شیطانی حملہ:

جس طرح ابلیس نے ان خوارج کو باطل حق بنا کر دکھایا حتیٰ کہ انھوں نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے جنگ بھی کی' اسی طرح کچھ لوگوں کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں غلو بیانی پر ابھارا' انھوں نے آپ کو آپ کی حد سے آگے بڑھا دیا۔ ان میں سے کسی نے یوں کہا: ''آپ الٰہ ہیں'' کوئی یہ کہتا ہے: ''وہ تو انبیاء سے بھی افضل ہیں'' اور ان میں سے کچھ لوگوں کو شیطان نے سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کو گالی گلوچ کرنے پر بھی آمادہ کر لیا' حتیٰ کہ بعض نے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو کافر تک کہنا شروع کر دیا۔ اس طرح ان کے بہت سے اقوال ہیں جن کے ذکر میں سوائے وقت ضائع کرنے کے اور کوئی فائدہ نہیں۔ ہم بقدر ضرورت بعض کی جانب اشارے ہی کریں گے۔

خطیب بغدادی نے کہا ہے: ابومحمد حسن بن یحییٰ نوبختی کی کتاب جو اس نے غالیوں کی تردید میں تصنیف کی تھی میرے ہاتھ لگی' یہ نوبختی امامیہ شیعہ کے متکلمین میں سے تھا۔ اس نے ان غالیوں کے مقالات کی چند اصناف ذکر کی ہیں' حتیٰ کہ اس نے یہ بھی لکھا ہے:

''جن لوگوں کو جنون نے غلو بیانی میں کھینچ لیا ہے' ان میں سے ایک دور حاضر کا اسحاق بن محمد' جو کہ الاحمر کے لقب سے معروف ہے' بھی ہے۔ وہ گمان رکھتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی اللہ عزوجل ہے' اور وہ ہر وقت ظاہر ہی رہتا ہے' ایک وقت میں وہ حسن رضی اللہ عنہ کے روپ میں ہے اور اسی طرح وہ حسین رضی اللہ عنہ ہے' اور اسی نے ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے!''

---

[1] انتقال کا لفظ ایک نیا ایجاد شدہ لفظ ہے' کتاب اللہ یا سنتِ رسول اللہ میں یہ لفظ وارد نہیں ہے' تو ایسے الفاظ کے متعلق جن کے بارے میں شریعت میں کوئی لفظ وارد نہ ہو' سکوت و خاموشی ہی اصل ہونی چاہیے۔

میں کہتا ہوں: رافضہ کی ایک جماعت کا عقیدہ ہے کہ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما دونوں ہی کافر تھے۔[1]

ان میں سے کچھ نے کہا ہے کہ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد (نعوذ باللہ) مرتد ہو گئے تھے' اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسروں پر تبرا بازی کرتے ہیں۔ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ شیعہ نے زید بن علی سے مطالبہ کیا تھا کہ جو علی رضی اللہ عنہ کی امامت میں اختلاف کرتے ہیں' ان پر تبرا بازی کریں' لیکن انھوں نے نہ مانا' تو انھوں نے ان کا انکار کر دیا۔ اسی بنا ان کا نام رافضہ یعنی انکار کرنے والے پڑ گیا۔

ان میں سے کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ امامت موسیٰ بن جعفر کے پاس تھی' پھر ان کے بیٹے علی کے پاس' پھر محمد بن علی کے پاس' پھر علی بن محمد کے پاس' پھر حسن بن محمد عسکری کے پاس' پھر ان کے بیٹے کے پاس اور وہی بارہواں امام' امام منتظر ہے جس کے متعلق وہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ فوت نہیں ہوا بلکہ وہ آخر زمانے میں پھر لوٹ کر آئے گا اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا![2]

ابومنصور عجلی' محمد بن علی الباقر کے انتظار کی بات کیا کرتا تھا اور یہ دعویٰ بھی کرتا تھا کہ یہی خلیفہ ہے' اسے آسمان کی طرف معراج بھی کروایا گیا ہے اور اللہ رب العزت نے اس کے سر پر ہاتھ بھی پھیرا ہے۔

---

[1] ہمارے زمانے کے رافضیوں نے ایک خاص دعا بنام ''دعائے صنمی قریش'' ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر کفر کے فتوے لگانے کے لیے اور ان پر تبرا بازی کرنے کے لیے گھڑ رکھی ہے۔ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ

[2] اور اسے ''مہدی'' کا نام دیتے ہیں۔ یہ وہ مہدی نہیں ہے جس کا ذکر صحیح احادیث نبویہ میں وارد ہے' بلکہ یہ تو ان کا وہ جھوٹا اور من گھڑت مہدی ہے جسے ان کی عقلوں نے جنا اور ان کی خواہشات نے ایجاد کیا۔
اور شاید کہ اللہ تعالیٰ کسی اہل علم اور طلب گارِ علم کو آسانی میسر فرمائے کہ وہ اس اہم ترین مسئلہ میں ''مہدی السنۃ'' اور ''مہدی الشیعہ'' میں تفریق کرنے کے لیے کوئی کتاب تصنیف کرے اور ان کے بہتان' ان کی ضلالت' ان کی جہالت اور ان کے صریح جھوٹ کا رد کر دے۔ (''ظہور امام مہدی ایک اٹل حقیقت'' کے نام پر یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔ ثاقب)

اور اس کا یہ گمان بھی ہے کہ آسمان سے گرنے والا ٹکڑا بھی یہی ہے۔[1]

رافضہ کا ایک طائفہ ''جناحیہ'' بھی ہے جو عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر ذوالجناحین (یعنی دو پروں والے) کے اصحاب و رفقاء ہیں۔ وہ کہتے ہیں: معبود کی روح انبیاء اور اولیاء کی پشتوں میں گھومتی رہی' جو بالآخر عبداللہ تک آن پہنچی۔ وہ مرے نہیں ہیں اور وہی المنتظر ہیں۔

ان کا ایک طائفہ جسے ''غرابیہ'' کہا جاتا ہے' وہ نبوت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شراکت کو ثابت کرتے ہیں۔

ان کے ایک گروہ کو ''مفوضہ'' کہا جاتا ہے' وہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تخلیق فرمایا' پھر تخلیقِ کائنات کو آپ کے سپرد کر دیا۔

اور ایک گروہ کو ''ذمامیہ'' کہا جاتا ہے' جو سیدنا جبریل علیہ السلام کی مذمت کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر اترنے کے مامور تھے لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتر آئے۔

ابن عقیل نے کہا ہے: ظاہر یہی ہے کہ جس نے بھی مذہب رافضہ کو وضع کیا ہے' اس کا اصل ارادہ دین اور نبوت میں طعن کرنے کا ہی لگتا ہے' اور وہ تمام چیزیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں وہ ہم سے غائب ہو جائیں' جب کہ اس ضمن میں ہم اسلاف سے منقول باتوں ہی پر اعتماد کرتے رہیں گے' اور ان میں سے عمدہ نظریہ رکھنے والوں کے نظریات ہی پر بھروسا کرتے رہیں گے۔

حب علی رضی اللہ عنہ میں رافضیوں کے غلو نے انھیں آپ کے فضائل میں موضوع احادیث گھڑنے پر ابھارا۔ ان میں سے چند میں نے ''موضوعات'' کتاب میں بھی ذکر کی ہیں۔[2]

---

[1] یعنی جو سورۃ الطور کی آیت نمبر ۴۴ میں مذکور ہے:
﴿وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ﴾
''اور اگر وہ آسمان سے کوئی ٹکڑا گرتا ہوا دیکھ لیں گے تو کہہ دیں گے کہ یہ تہ بہ تہ بادل ہے۔''

[2] الموضوعات لابن الجوزی ۱/ ۳۳۸-۴۰۱

ان میں سے ایک یہ روایت ہے: سورج غروب ہو گیا تھا' سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نمازِ عصر فوت ہو گئی' تو آپ کی خاطر آفتاب کو واپس لوٹایا گیا۔[1]

یہ روایت نقل کے اعتبار سے ''موضوع'' یعنی من گھڑت ہے' اسے کسی ثقہ راوی نے روایت نہیں کیا' اور یہ روایت معنی کے اعتبار سے بھی موضوع ہے کیونکہ وقتِ نماز تو گزر چکا تھا' اور سورج کو واپس لانا تو از سرِ نو ہوا' اس طرح بھی وقت کو تو واپس نہ لایا گیا۔

اس طرح انھوں نے یہ روایت بھی گھڑ رکھی ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے خود غسل فرمایا' پھر فوت ہو گئیں' اور یہ وصیت فرما گئیں کہ انھیں یہی غسل کافی ہے۔[2]

یہ بھی نقل و روایت کے اعتبار سے جھوٹ ہے اور گھڑنے کے اعتبار سے بھی قلت فہم کا بین ثبوت ہے' کیونکہ غسل تو موت کے حادثہ کی بنا پر ہوتا ہے تو وہ قبل از موت کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟!

پھر ان کے پاس ایسی ایسی خرافات ہیں جنھیں کسی مستند کتاب کی طرف اسناد و منسوب بھی نہیں کرتے۔ ان کے ہاں فقہ میں ایسے ایسے مذاہب ہیں جو انھوں نے ایجاد کر رکھے ہیں' اور ایسی خرافات ہیں جو اجماع امت کے ہی خلاف ہیں۔

ابن عقیل کے حوالے سے میں نے ان میں سے چند مسائل کا بیان کیا ہے' میں نے انھیں کتاب ''المرتضیٰ فی ما انفردت بہ الامامیہ'' سے نقل کیا ہے:

❀ ایسی چیز پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے جو زمین ہو اور نہ ہی زمینی نباتات ہو' رہا معاملہ بھیڑ کی اون' حیوانات کے چمڑے اور اونٹ کی اون کا' تو ان پر بھی نماز نہیں ہوتی۔

---

[1] مصنف رحمہ اللہ نے اسے ''موضوعات'' (۱/۳۵۶) میں بیان کیا ہے اور فرمایا ہے "موضوع بلا شك وقال الجوزقانی: هذا حديث منكر مضطرب" اس حدیث پر ہمارے شیخ علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اپنی عمدہ ترین کتاب "سلسلة الاحاديث الضعيفة" (۲/۳۹۵-۴۰۱) میں اتنی وضاحت سے گفتگو فرمائی ہے جس سے زیادہ شاید ممکن نہ ہو' اسے ملاحظہ فرمائیں اور انھوں نے سخاوی رحمہ اللہ کی "المقاصد الحسنه" (نمبر ۵۱۹) کے ساتھ موازنہ بھی کیا ہے۔

[2] مصنف رحمہ اللہ نے ''موضوعات'' (۳/۲۷۷) میں اسے روایت کیا ہے اور سند اور متن دونوں اعتبار سے اس کا رد پیش کیا ہے۔ (سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نے ان کی وصیت کے مطابق غسل دیا تھا۔ ثاقب)

❀ پیشاب کرنے کے بعد ڈھیلے استعمال کرنے ناکافی ہیں بلکہ وہ تو خاص پاخانے کے لیے ہیں۔

❀ سر کے مسح کے لیے صرف وہ تری ہی کام آئے گی جو ہاتھوں میں ہوگی۔ اگر اس نے سر کے مسح کے لیے الگ طور پر تری لے لی تو وہ اسے کفایت نہیں کرے گی، حتیٰ کہ اگر اس کے ہاتھ سے تری خشک ہو جائے تو اسے از سر نو پوری طہارت کی ضرورت ہوگی۔

❀ ایسی خاتون جس سے کسی نے زنا کر لیا، وہ اپنے خاوند کے نکاح میں آنے کے باوجود اس زانی پر حرام رہے گی اور اگر اس کا شوہر اسے طلاق دے دے تو اس سے زنا کاری کرنے والے کے لیے پھر بھی کبھی حلال نہیں ہو سکتی۔

❀ اہل کتاب کی خواتین سے نکاح حرام ہے۔

❀ کسی شرط کے ساتھ معلق طلاق واقع نہیں ہوتی، اگرچہ اس کی شرط بھی پوری ہو جائے۔

❀ دو عادل گواہوں کی موجودگی کے بغیر طلاق واقع ہی نہیں ہوتی۔[1]

❀ جو آدمی نماز عشاء سے قبل سو جائے، حتیٰ کہ نصف شب گزر جائے تو جب بھی بیدار ہو، اس پر قضا واجب ہوگی اور اس کوتاہی کا مرتکب ہونے کی بنا پر صبح بطورِ کفارہ روزہ بھی رکھے۔

❀ عورت اگر اپنے بال کاٹ لے تو اس کے ذمے قتل خطا کے برابر کفارہ آئے گا، اور جس نے اپنے لختِ جگر یا اپنی زوجہ کی موت پر اپنے کپڑے پھاڑ لیے، اس کے ذمے قسم کا کفارہ ہوگا۔

❀ جو کسی شادی شدہ خاتون سے شادی کر لے اور اسے معلوم تک نہ ہو تو اس پر پانچ درہم صدقہ لازم آئے گا۔

---

[1] ان کے لیے اس معاملے میں فضل و برتری ہے، اس مسئلہ میں قدیم سے اختلاف چلا آ رہا ہے، اس سلسلے میں جمال الدین قاسمی کی کتاب "الاستئناس فی تصحیح انکحۃ الناس" (ص ۵۱) میری تحقیق سے آراستہ ملاحظہ فرمائیں، اور علامہ احمد شاکر کی کتاب "نظام الطلاق فی الاسلام" (ص: ۱۱۸-۱۲۱) بھی دیکھی جائے۔

❀ شراب خور کو جب دوسری مرتبہ حد لگا دی جائے تو تیسری مرتبہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔[1]

ایسے بے شمار مسائل ہیں جن کا سلسلہ طویل تر ہے' انھوں نے ان میں اجماع گھڑ رکھا ہے۔ ابلیس نے ان کے لیے ایسی خرافات کو وضع کرنا اس انداز سے آراستہ کر دیا ہے کہ انھیں کسی اثر کی طرف منسوب کرتے ہیں اور نہ ہی کسی قیاس کی جانب' بلکہ صرف واقعات پر اعتماد کرتے ہیں۔

رافضہ کی بے حد وحساب برائیاں

وہ نماز سے محروم ہیں' اس لیے کہ وہ وضو میں پاؤں نہیں دھوتے اور جماعت سے بھی محروم ہیں' اس لیے کہ امام معصوم کی تلاش میں ہیں' اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سب وشتم کرنے میں مبتلا کر دیے گئے ہیں۔

صحیحین میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہیں:

((لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِیْ' فَلَوْأَنَّ أَحَدَکُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَھَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِھِمْ وَلَا نَصِیْفَهٗ))

''تم میرے صحابہ کو گالی مت دو' اگر تم میں سے کوئی ایک احد پہاڑ کے برابر سونا بھی (اللہ کی راہ) خرچ کر دے پھر بھی ان میں سے کسی ایک کے ایک مد یا نصف مد کے ثواب کو نہیں پہنچ سکتا۔''[2]

سوید بن غفلہ بیان کرتے ہیں: میں شیعہ کی ایک جماعت کے پاس سے گزرا جو سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کی شان میں زبان درازی کر رہے تھے اور ان کی تنقیص بیان کر رہے تھے' میں فوراً علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا اور عرض پرداز ہوا:

---

[1] اہل سنت کے ہاں اس کی اور تفصیل ہے' اس ضمن میں ''كلمة الفصل فی قتل مدمن الخمر'' علامہ شیخ احمد شاکر کی تالیف کی طرف رجوع فرمائیں۔

[2] صحيح البخاري' فضائل اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم' باب بعد باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لوكنت متخذًا خليلاً' حديث: ۳۶۷۳ و صحيح مسلم' فضائل الصحابة' باب تحريم سب الصحابة رضي الله عنهم' حديث: ۲۵۴۰_۲۵۴۱

''یا امیر المومنین! میں آپ کے چند ساتھیوں کے پاس سے گزرا ہوں جو سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کا ایسے الفاظ سے ذکر کر رہے تھے جن کے وہ دونوں ہی مستحق نہ تھے' شاید وہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ آپ بھی ان حضرات کے لیے ویسے ہی تاثرات وخیالات رکھتے ہیں جن الفاظ سے وہ علانیہ باتیں کر رہے ہیں' وگرنہ انھیں ایسا کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں (دوبار فرمایا)'' میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں ان دونوں حضرات کے لیے کوئی مخفی کینہ رکھوں سوائے ان فرمودات اور ارشادات کے جن کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے امین بنایا ہے۔[1] جو ان دونوں کے بارے میں حسن ظن اور اچھا خیال رکھنے کے سوا کچھ اور سینے میں چھپا کر رکھے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ وہ دونوں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی تھے' دونوں ہی آپ کے ساتھی تھے دونوں ہی آپ کے وزیر تھے۔''

پھر آپ اشکبار آنکھوں کے ساتھ روتے ہوئے میرے ہاتھ کو تھامے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے' یہاں تک کہ آپ مسجد میں داخل ہوئے' منبر پر چڑھے' اس پر اچھی طرح تشریف فرما ہوئے' آپ اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں لیے ہوئے تھے اور اس کی طرف دیکھتے جا رہے تھے' جب کہ وہ سفید ہو چکی تھی۔ جب لوگ اکٹھے ہوگئے تو آپ کھڑے ہوئے اور انتہائی مختصر لیکن بلیغ خطبہ پڑھا' پھر یوں گویا ہوئے:

''ان لوگوں کا کیا حال ہے جو قریش کے دونوں سرداروں اور مسلمانوں کے دونوں باپوں کا ایسے الفاظ سے ذکر کرتے ہیں جن سے میں انھیں پاک اور منزہ سمجھتا ہوں اور ان کی کہی ہوئی باتوں سے میں بری الذمہ اور بیزار ہوں۔ بلکہ

---

[1] اس سے مراد ان دونوں کی آپ پر فضیلت اور برتری ہے جس طرح صحیح سند کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ اس ضمن میں امام احمد بن حنبل نے فضائل الصحابہ (۷۶/۱-۸۴) میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس ضمن میں مروی روایات کے لیے ایک الگ فصل قائم کی ہے' اس کی طرف رجوع فرمایا جائے۔

میں تو ایسی باتیں کرنے والوں کو سزا دوں گا۔ خبردار! مجھے اس ذاتِ کبریا کی قسم! جس نے دانے کو پھاڑا ہے اور جان کو پیدا فرمایا ہے' ان دونوں سے صرف مؤمن متقی ہی محبت کرتا ہے اور ان دونوں سے کوئی فاجر شقی ہی بغض رکھتا ہے' ان دونوں نے صدق و وفا کے پیمانوں پر رسول اللہ ﷺ کی محبت اختیار کی تھی' وہ دونوں امر و نہی کرتے' غضب ناک ہوتے اور سزائیں بھی دیتے تھے' لیکن وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی رائے اور فیصلے سے تجاوز نہیں کرتے تھے' اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کی رائے ان کی رائے کے مخالف ہوتی تھی' اور آپ تو ان دونوں کی محبت کی مانند کسی اور سے محبت بھی نہ رکھتے تھے' رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ ان دونوں ہی سے راضی تھے اور وہ دونوں اس جہان فانی سے گئے تو ایمان والے ان دونوں سے راضی تھے۔

انھیں یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے مومنوں کی نماز کا امام نامزد فرمایا تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں نو دن مسلمانوں کو نمازیں پڑھائیں' پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی روح کو قبض فرمالیا اور آپ کے لیے ان چیزوں (اور انعامات و اکرامات) کو پسند فرمایا جو ان کے پاس تھیں' تب مومنوں نے انھیں ہی اپنا والی اور خلیفہ بنالیا' مال زکوٰۃ انھیں کے حوالے کیا' پھر سبھی نے اطاعت شعار بنتے ہوئے بلا اکراہ آپ کی بیعت بھی کر لی' اور میں بنی عبدالمطلب میں سے پہلا فرد تھا جس نے اس نیک عمل کی بنیاد رکھی تھی' حالانکہ وہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) اسے یعنی خلیفہ بننے کو ناپسند خیال کر رہے تھے' وہ تو یہ پسند کرتے تھے کہ ہم میں سے کوئی ایک اس منصب کے لیے اسے کفایت کر جائے' حالانکہ وہ اللہ کی قسم! باقی لوگوں میں سب سے بہترین اور سب سے زیادہ رحیم تھے' سب سے بڑھ کر مہربان' نرم دل اور متقی تھے' از روئے اسلام اور بلحاظ عمر سب سے بڑے تھے' وہ سیرت رسول ﷺ پر چلتے رہے' حتیٰ کہ اسی پر گامزن رہتے ہوئے جہان لافانی کو سدھار گئے' اللہ آپ پر رحم فرمائے!

پھر اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے اور میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جو آپ کی خدمت سے راضی اور خوش تھے۔ انھوں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی کے منہج پر قائم رکھا۔ آپ ان دونوں کے نقش قدم کی پیروی ہی کرتے رہے جس طرح کہ اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے نقش پا کی پیروی کرتا ہے۔ آپ ......اللہ کی قسم...... کمزوروں کے ساتھ انتہائی رحم دل اور ان کے لیے مہربان تھے' آپ ظالموں کے مقابلے میں مظلوموں کے حامی و ناصر تھے' آپ کو اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا کوئی اندیشہ اور خطرہ نہیں ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان حق بیان پر حق کو جاری فرما دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے صداقت کو آپ کی شان بنا دیا تھا' حتیٰ کہ ہم یہ گمان کیا کرتے تھے کہ کوئی فرشتہ آپ کی زبان سے گفتگو کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اسلام لانے کے سبب اسلام کو سربلندی عطا فرمائی اور آپ کی ہجرت کو دین کی مضبوطی کا باعث بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے دلوں میں آپ کی ہیبت ڈال دی تھی اور مومنوں کے دلوں میں آپ کی محبت رکھ دی تھی۔ آپ دشمنان دین کے لیے سخت گیر اور سخت گو تھے۔

تمہارے پاس ان دونوں کے ہم پلہ اور کون ہے؟ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحمت کی بارش برسائے' اور ہمیں ان دونوں کے راستے پر گامزن رکھے۔ اب جو مجھ سے محبت رکھتا ہے' اسے چاہیے کہ ان دونوں سے محبت رکھے' اور جو ان دونوں سے محبت نہ رکھے گا تو بلاشبہ اس نے مجھ سے بھی بغض رکھا اور میں اس سے بری الذمہ ہوں۔

اگر میں نے ان دونوں کے حوالے سے قبل ازیں ہدایات دی ہوتیں تو یقیناً میں اس جرم پر سخت ترین سزائیں دیتا۔ خبردار! اس کے بعد اگر کوئی ایسی فضولیات بکتا میرے پاس لایا گیا تو اسے وہی سزا ملے گی جو کسی تہمت لگانے والے کی ہوتی ہے۔ سن لو! اس امت میں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما

افضل الامت ہیں پھر میں جانتا ہوں کہ ان کے بعد بہترین کون ہے اور وہ کہاں ہے؟ یہ تھی میری گفتگو اب میں اپنے واسطے اور تمہارے واسطے اللہ تعالیٰ سے بخشش کا سوال کرتا ہوں۔"

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"آخر زمانے میں ایک قوم ظاہر ہو گی جن میں بڑے عیب ہوں گے (بڑے بداخلاق اور کمینے ہوں گے) انھیں "رافضہ" کہا جائے گا' ہمارے شیعہ ہونے کے دعویدار ہوں گے اور درحقیقت وہ ہمارے شیعہ میں سے نہیں ہوں گے' ان کی علامت و پہچان یہ ہوگی کہ وہ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیتے ہوں گے' تم انھیں جہاں کہیں بھی پاؤ' انھیں انتہائی بے دردی سے قتل کر دینا' کیونکہ وہ مشرک ہوں گے۔"

باطنیہ پر ابلیس کی فریب کاریاں

باطنیہ ایسی قوم ہے جنھوں نے اپنے آپ کو اسلام کے پردے میں چھپایا اور رفض کی جانب مائل رہے۔ ان کے عقائد اور اعمال اپنی اصلیت کے اعتبار سے اسلام کے برعکس اور متضاد ہیں۔ ان کے اقوال کا ماحصل خالق کو معطل سمجھنا' نبوت اور عبادات کا ابطال اور انکار بعث ہے' لیکن وہ ان تمام عقائد کا اظہار ابتدائے معاملہ ہی میں نہیں کر دیتے بلکہ وہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ برحق ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور دین صحیح ہے' لیکن وہ کہتے ہیں کہ اس کا ایک پوشیدہ راز ہے۔

ابلیس ان لوگوں کے ساتھ خوب کھیلا ہے اور اس نے ان کے لیے مختلف مذاہب آراستہ کر دیے ہیں' ان کے تقریباً آٹھ نام ہیں:

---

۱ جس طرح کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً صحیح طور پر مروی ہے۔ اسے امام احمد نے (۹۵/۲) میں' ترمذی نے (۶۶۷/۵) میں' ابن حبان نے (۵۳۶) میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس کے بہت سے اور طرق بھی ہیں۔

باطنیہ

ان کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن و حدیث کے ظاہر کا باطن بھی ہے جو ظاہر کے ساتھ بالکل اسی طرح پیوستہ ہے جس طرح چھلکے کے ساتھ مغز ہوتا ہے' یہ احکامِ ظاہری جاہلوں کو تو صرف اپنی ظاہری اور نمایاں صورت ہی دکھاتے ہیں' جب کہ عقل و بصیرت والوں کے ہاں مخفی حقائق تک پہنچنے کے لیے یہ رموز و اشارات ہیں' اور بے شک جس آدمی کی عقل ان اسرار' مخفی امور' باطنی حالات اور اندرونی کیفیات تک رسائی پانے سے قاصر رہے تو وہ انہی طوقوں کے نیچے دبا رہے گا جنھیں شرعی تکلّفات کہتے ہیں' اور جو باطنی علم تک رسائی پالے اس سے ظاہری تکلّفات زائل ہو جاتے ہیں اور وہ ان کے بوجھوں سے آرام و راحت پالیتا ہے۔

یہ لوگ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے فرمان ذیل میں یہی لوگ مراد ہیں:

﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ (الاعراف : ۷/ ۱۵۷)

''اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے' ان کو دور کرتے ہیں۔''

ان کی منشاء اور مراد یہ ہے کہ ایسے عقائد سے' جو ظاہری حالتوں کو واجب کرتے ہیں' ان سے باز اور دست کش رہیں تا کہ اپنے باطل دعویٰ کی آڑ میں شرائع اسلام کو باطل قرار دینے میں قدرت پا سکیں۔

اسماعیلیہ

یہ لوگ اپنے بڑے کی طرف منسوب ہیں جنہیں محمد بن اسماعیل بن جعفر کہا جاتا ہے۔ یہ گمان رکھتے ہیں کہ امامت کی باری انہی پر آ کر ختم ہو جاتی ہے کیونکہ وہ ساتویں نمبر پر ہیں' اور وہ دلیل دیتے کہ آسمان سات ہیں' زمینیں سات ہیں' ہفتے کے ایام بھی سات ہیں' تو یہ اس امر کے دلائل ہیں کہ امامت کی باری بھی سات کے عدد پر پوری ہو جاتی ہے۔

ابوجعفر طبری نے اپنی تاریخ میں ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: علی بن محمد نے اپنے باپ سے روایت کی ہے' راوندیہ[1] کا ایک آدمی جسے ابلق کہا جاتا تھا' (کیونکہ اسے پھلبہری کا مرض لاحق تھا)' وہ ایک بلند جگہ پر چڑھ کر رونے لگا۔ اس نے راوندیہ کو اپنے پاس بلایا' اور اپنا گمان سب کے سامنے پیش کیا کہ وہ روح جو سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہما السلام میں تھی' وہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف آ گئی ہے' پھر ائمہ کرام میں یکے بعد دیگرے آتی رہی ہے حتیٰ کہ بالآخر ابراہیم بن محمد تک آن پہنچی ہے۔ انھوں نے حرام رشتوں کو حلال ٹھہرایا' ان میں سے ایک آدمی ایک جماعت کو اپنے گھر بلاتا' انھیں کھلاتا پلاتا اور انھیں اپنی بیوی پر سوار کرتا! یہ بات اسد بن عبداللہ تک پہنچی تو اس نے انھیں قتل کیا اور سولی پر لٹکایا' لیکن یہ بیماری آج تک ان میں جاری و ساری ہے۔

وہ لوگ کھجور کی ٹہنیوں پر چڑھ جاتے اور پھر اپنے جسموں کو یوں ڈال دیتے گویا کہ پرواز کر رہے ہیں' اور زمین پر پہنچنے تک ہلاک ہو چکے ہوتے۔

ان کی ایک جماعت مسلح ہو کر لوگوں پر نکلی اور انھوں نے یوں چلانا شروع کر دیا:

''اے ابوجعفر! تو ہی' تو ہی!''

سبعیہ

دو امور کی بنا پر ان کا یہ لقب رکھا گیا:

پہلا: امامت کا سلسلہ اور دور سات سات ہے' جیسا کہ ہم نے قبل ازیں بیان کیا ہے' اس کی انتہا سات پر ہے اور یہ اس سلسلے کا آخری مہرہ ہے' قیامت سے یہی مراد ہے' یہ ادوار یکے بعد دیگرے ہیں' اب اس کا کوئی اخیر نہیں ہے۔

دوسرا: ان کے اس قول کی وجہ سے کہ عالم زیریں کی تدبیر سات ستاروں کے ساتھ بندھی ہوئی اور منسلک کی گئی ہے' اور وہ سات ستارے یہ ہیں: زحل' مشتری' مریخ' زہرہ'

---

[1] یہ ''ابن راوندی'' باطنی ملحد کی جانب نسبت ہے' اس کی جانب کچھ اشارے اور دور حاضر میں اس کی تصویر (سلمان رشدی) کے متعلق میری کتاب ''دلائل التحقیق لابطال قصة الغرانیق'' (ص۱۵) ملاحظہ فرمائیں' جو دار الھجرۃ الامام سے نشر ہو چکی ہے۔

سورج، عطارد اور پھر چاند۔

بابکیہ

یہ ان میں سے ایک گروہ کا نام ہے، انھوں نے ایک بابک خرمی نامی آدمی کی پیروی کی تھی۔ یہ آدمی باطنیہ میں سے تھا، اور اصل میں یہ ولدالزنا تھا۔ ۲۰۱ھ میں آذربائیجان کے ایک طرف ایک پہاڑ پر نمودار ہوا، لوگوں کا ایک جم غفیر اس کے پیچھے جا پہنچا، ان کا معاملہ انتہائی سخت اور سنگین ہو گیا، اس نے ان کے لیے ممنوعات و محرمات کو مباح اور جائز قرار دے دیا۔ اس کی اپنی حالت یہ بن گئی کہ جب اسے معلوم ہو جاتا کہ کسی کے ہاں خوبرو بیٹی یا خوبصورت بہن ہے، اسے منگوا لیتا۔ اگر تو وہ اسے بھیج دیتا تو ٹھیک، وگرنہ اسے قتل کروا کر اپنی مطلوبہ لڑکی منگوا لیتا۔ تقریباً بیس سال اس کا معاملہ ایسے ہی رہا، اور اس نے اسّی ہزار اور ایک قول کے مطابق ساڑھے پچپن ہزار انسان قتل کیے تھے۔"

سلطان نے اس سے لڑائی کی لیکن اس نے لشکروں کی ایک بڑی تعداد کو شکست دے دی، بالآخر معتصم نے اس سے لڑائی کے لیے افشین[1] کو روانہ کیا۔ وہ بابک اور اس کے بھائی کو ۲۲۳ھ میں گرفتار کر کے لے آیا، جونہی یہ دونوں دربار میں داخل ہوئے، بابک کے بھائی نے اس سے کہا: اے بابک! تو نے ایسا کام کیا ہے جو کسی نے نہیں کیا، اب صبر بھی ایسا کرنا کہ کسی نے ویسا صبر بھی نہ کیا ہو، بابک بولا: ابھی تو میرا صبر مشاہدہ کر لے گا۔

معتصم نے اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کاٹنے کا حکم صادر کیا، جب انھوں نے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے، اس نے خون اپنے چہرے پر مل لیا۔ معتصم نے پوچھا: تو تو اتنا شجاع ہے، تجھے کیا بنا کہ تو نے اپنے چہرے پر خون مل لیا ہے! کیا موت سے گھبراتے ہوئے؟ بولا: نہیں، بات یہ ہے کہ جب میرے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے گئے اور خون کے زیادہ بہنے نے کمزوری پیدا کر دی تو مجھے اس بات کا خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں میری بابت یہ نہ کہا جائے کہ موت سے گھبرانے کی وجہ سے اس کا چہرہ زرد ہو گیا ہے، بس میرا تو یہ خیال تھا، اس لیے میں نے اپنے چہرے پر خون مل لیا ہے تاکہ یہ رنگ کی زردی اور پیلاہٹ نظر ہی نہ آ سکے!

---

[1] یہ اس کے ایک گورنر کا لقب ہے، ملاحظہ فرمائیں تاریخ طبری (۵۴۶/۸ اور اس کے بعد)

اس کے بعد اس کی گردن اڑا دی گئی اور اسے آگ میں جلایا گیا پھر اس کے بھائی کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا گیا۔ دونوں میں سے کوئی چلایا اور نہ ہی کسی نے آہ وزاری کی اور نہ ہی کسی نے بے صبری اور گھبراہٹ کا اظہار کیا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر لعنت کرے!

بابکیہ کی ایک جماعت باقی رہ گئی' کہا جاتا ہے: ان کی سال میں ایک رات ہوتی ہے' اس میں ان کے مرد عورتیں اکٹھے ہوتے ہیں' چراغ بجھا دیتے ہیں' پھر عورتوں کے لیے باہم مقابلہ کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں' ان میں سے ہر آدمی ایک ایک عورت پر کود پڑتا ہے اور یہ گمان کرتے ہیں کہ جس کسی نے جو عورت قبضے میں کر لی' وہ اس کے لیے شکار کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے لیے وہ عورت حلال ہے' کیونکہ شکار مباح ہوتا ہے!!

محمرہ

ان کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ انھوں نے بابک کی زندگی میں اپنے کپڑوں کو سرخ رنگ سے رنگ لیا تھا اور پھر انھیں پہنا کرتے تھے۔

قرامطہ

مؤرخین نے ان کے اس نام کی دو توجیہیں لکھی ہیں:

❶ خوزستان کے علاقے سے ایک شخص اندرون کوفہ آیا' اس نے زہد دنیا کے پردے میں اہل بیت رسول ﷺ میں سے ایک امام کی طرف دعوت پیش کی اور ایک آدمی کے پاس قیام پذیر ہوا جسے کرمیہ کہا جاتا تھا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی کی بنا پر اسے یہ لقب دیا گیا تھا' اور نبطی لہجے میں اس کا معنی آنکھوں کی سوجن اور آنکھوں کا غصہ ہے۔ اس علاقے کے امیر نے اسے گرفتار کر کے قید کر دیا' اور قید خانے کی چابی اپنے سر کے نیچے رکھ لی اور سو گیا' ایک ننھی بچی کو اس پر ترس اور رحم آ گیا' اس نے چابی پکڑی' دروازہ کھول کر اسے باہر نکال دیا' اور چابی دوبارہ اسی جگہ رکھ دی۔ جب اسے امیر کے بلانے پر طلب کیا گیا تو وہ ادھر نہ ملا' اس سے لوگ اور زیادہ فتنے میں مبتلا ہو گئے' پھر وہ ملک شام کی جانب نکل گیا۔ اس آدمی کی وجہ سے' جس کے گھر میں وہ قیام پذیر ہوا تھا اسے بھی ''کرمیہ'' ہی کہا جانے لگا' پھر

اس لفظ میں کچھ تخفیف کر دی گئی تو ''قرمط'' کہا جانے لگا' پھر اس کے بعد اس کے گھر والے اور اس کے بیٹے اس کے جانشین بن گئے۔

❷ اس قوم کا یہ لقب ایک آدمی کی نسبت سے رکھا گیا ہے جسے حمدان قرمط کہا جاتا تھا' ابتداء میں یہ ان کا ایک داعی تھا' پھر ایک جماعت نے اس کی دعوت پر لبیک کہا' اس کے نام پر سبھی قرامطہ یا قرمطیہ کہلانے لگے۔

یہ آدمی اہل کوفہ میں سے تھا اور زہد و ورع کی طرف میلان رکھتا تھا' وہ ایک بستی کی جانب جا رہا تھا کہ راستے میں باطنیہ کے داعیوں اور مبلغوں میں سے ایک سے اس کا آمنا سامنا ہو گیا۔ اس کے آگے گائیں تھیں جنھیں وہ ہانک رہا تھا۔ حمدان نے اس داعی سے کہا جبکہ وہ اسے جانتا پہچانتا نہیں تھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے حمدان کی بستی کا ذکر کیا۔ حمدان نے اسے کہا: اس گائے پر سوار ہو جا' تاکہ تو تھکے نہ۔ داعی نے کہا: مجھے اس بات کا حکم نہیں ملا۔ حمدان نے دریافت کیا: گویا کہ تو کوئی کام بھی حکم کے بغیر نہیں کرتا؟ حمدان نے کہا: جی ہاں' داعی نے پوچھا: کس کے حکم سے تو کام کرتا ہے؟ داعی بولا: اپنے مالک اور تیرے مالک اور دنیا اور آخرت کے مالک کے حکم سے۔ حمدان بولا: وہ تو پھر اللہ رب العالمین ہے۔ داعی نے جواب دیا: تو نے سچ کہا۔ حمدان نے دریافت کیا: جس بستی میں جانے کا تیرا قصد ہے وہاں تجھے کیا غرض ہے؟ حمدان نے جواب دیا: مجھے حکم ملا ہے کہ میں وہاں کے باسیوں کو جہالت سے علم کی طرف' ضلالت سے ہدایت کی جانب' اور شقاوت سے سعادت کی طرف دعوت دوں' اور میں انھیں ذلت کے گڑھوں اور فقر کے کھڈوں سے بچا لوں' اور میں انھیں ایسا ملکہ اور قابلیت عطا کروں جس سے وہ اس محنت و کاوش سے بے نیاز ہو جائیں۔

حمدان نے اس سے کہا: آپ مجھے بھی بچا لیں' اللہ تعالیٰ آپ کو بچائے' آپ مجھ پر ایسے علم کا فیضان فرمائیں جس سے آپ مجھے زندگی عطا کر دیں' ایسے آدمی یا ایسے علم کی مجھے انتہائی ضرورت اور حاجت تھی۔ اس داعی نے جواب دیا: مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا کہ میں اس مخفی خزانے کو ہر کسی کے سامنے ظاہر کروں' الا کہ اس پر مکمل اعتماد ہو جائے اور وہ عہد و پیمان دے دے۔ حمدان نے کہا: اپنا عہد نامہ بیان کر' میں اس کا پورا پورا التزام کروں

گا' اس داعی نے اسے کہا: تو میرے اور امام کے لیے اپنے آپ پر اللہ تعالیٰ کا عہد و پیمان اور پختہ میثاق مان لے کہ اس امام کا راز' جس کا تذکرہ میں تیرے سامنے کروں گا' تو کسی کے آگے افشا کرے گا اور نہ ہی تو میرا راز فاش کرے گا۔

حمدان نے اس کا عہدو پیمان قبول کر لیا' پھر داعی اسے اپنے فنون جہالت سکھانے کے لیے ہمہ تن مصروف ہو گیا حتیٰ کہ اسے بہکانے میں کامیاب ہو گیا۔ حمدان نے اس کی بات کو قبول کر لیا' پھر اسے دعوت پھیلانے کے لیے مقرر کر دیا گیا' تو بالآخر یہ بھی اس بدعت کے مرکزی کرداروں میں سے ایک بن گیا۔ اس طرح اس کے متبعین قرامطہ اور قرمطیہ کہلانے لگے۔

پھر اس کے بیٹے اس کی جگہ اس کے وارث بنتے رہے' ان میں سے ایک ابوسعید نامی آدمی سخت جنگجو تھا جو ۲۸۶ھ میں ظاہر ہوا۔ اس کی پوزیشن کافی مستحکم ہو گئی تھی۔ اس نے لاتعداد مسلمانوں کو قتل کیا' مساجد کو ویران کیا' قرآن مجید کے نسخے نذر آتش کیے' حجاج کرام کو دھوکے سے مار ڈالا۔ اس نے اپنے اہل خانہ' ہم نشینوں اور رفقاء کے لیے چند اصول وضع کیے تھے اور انھیں مشکل و محال امور کی خبریں دیتا تھا۔ جب وہ لڑائی کرتا تو یوں کہا کرتا تھا:

''اسی وقت میری مدد کا وعدہ کیا گیا ہے۔''

جس وقت وہ مرا' تو انھوں نے اس کی قبر پر ایک قبہ[1] بنایا' اس قبے کے اوپر چونے کا ایک پرندہ بنایا' اور یہ کہنے لگے: جب یہ پرندہ پرواز کرے گا تب ابوسعید اپنی قبر سے باہر نکلے گا۔ مزید انھوں نے قبر کے پاس ایک گھوڑی اور لباس فاخرہ اور اسلحہ تیار رکھا۔ ابلیس نے اس جماعت کے لیے یہ عقیدہ بھی آراستہ کر دیا کہ جو آدمی مر جائے اور اس کی قبر کے پاس گھوڑا ہو تو وہ سواری کی حالت میں میدان حشر کو جائے گا اور جس کے پاس گھوڑا نہ ہوا تو وہ پیادہ میدان محشر کو حاضر ہو گا۔

ابوسعید کے ساتھی اور اصحاب اس کا تذکرہ آنے پر تو درود پڑھا کرتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ پر درود نہیں پڑھتے تھے۔ جب یہ لوگ کسی شخص کو رسول اللہ ﷺ پر درود

---

[1] آج کل بھی بہت سے لوگ ان کی مشابہت کرتے ہیں۔ وہ قبروں' مشہدوں اور مساجد پر قبے بناتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

پڑھتا سنتے' تو اسے یہ کہا کرتے تھے' تو رزق تو ابوسعید کا کھاتا ہے اور درود ابوالقاسم[1] محمد (ﷺ) پر پڑھتا ہے؟!

پھر اس کے بعد اس کا بیٹا ''طاہر'' جانشین بنا' اس نے بھی اسی جیسے کام کیے' بلکہ اس نے تو خانہ کعبہ پر دھاوا بول دیا اور وہاں موجود قیمتی اشیاء لے گیا' حتیٰ کہ حجر اسود بھی اکھاڑ کر اپنے شہر منتقل کروا دیا تھا۔ اس نے لوگوں کو یہ تصور دیا تھا کہ اللہ عزوجل وہ خود ہی ہے۔

خرمیہ

''خرم'' ایک عجمی لفظ ہے جو ہر ایسی پیاری اور لذیذ چیز کے متعلق استعمال ہوتا ہے جس سے انسان کو راحت میسر آئے۔

اس نام سے مقصود لوگوں کو لذتوں کی پیروی اور شہوت پرستی پر ابھارنا ہے' خواہ وہ کیسے بھی حاصل ہو۔ شرعی تکلفات کی بساط لپیٹ کر رکھ دینی اور بندوں سے شرعی تکالیف کو ختم کر دینا ان کی منزل مراد تھی' اور یہی نام مزدکیہ کا بھی لقب تھا' جو مجوسیوں میں سے انتہا پسند لوگ تھے' جن لوگوں نے قباذ کے ایام میں مہارت و کمال حاصل کیا تھا۔ انھوں نے محرم خواتین (ماں۔ بیٹی) کو (نکاح کے لیے) مباح اور حلال قرار دیا اور ہر ممنوع چیز کو حلال کہہ دیا۔ ان لوگوں کو مذہب کی انتہاء پسندی میں ان سے مشابہت کی بنا پر یہ نام رکھا گیا' اگرچہ بعض تمہیدات میں یہ ان کے برعکس تھے۔

تعلیمیہ

ان کا یہ لقب اس لیے پڑا تھا کیونکہ ان کے مذہب کی ابتداء رائے کو باطل قرار دینے اور عقلوں کے تصرف کو ختم کرنے پر تھی اور یہ لوگوں کو امام معصوم سے تعلیم حاصل کرنے کی دعوت دیتے کہ علوم کا حصول تعلیم کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

باطنیوں کی گمراہی کے اسباب

اس پوری قوم نے دین سے خفیہ طور پر ہٹ جانے کا ارادہ کیا تھا' انھوں نے مجوسیوں کی ایک جماعت مزدکیہ' ثنویہ اور بے دین فلاسفہ سے اس امر پر مشورے لیے کہ کوئی

---

[1] ابوالقاسم رسول اللہ ﷺ کی کنیت ہے۔ (مترجم)

ایسی خفیہ تدبیر نکالی جائے جس کے باعث اہل دین جو ان پر چڑھائی کر رہے ہیں' حتیٰ کہ انھیں ان کے سابقہ اعتقادات یعنی انکار صانع' تکذیب رسل' انکار بعث و قیامت میں گونگا کر دیا' اس میں کچھ کمی ہو جائے اور ان کے اس اعتقاد پر کہ انبیاء قبولِ حق میں حقائق پر پردے ڈالا کرتے تھے اور خود ہی حق کی تکذیب کیا کرتے تھے۔

ان لوگوں نے دیکھا کہ محمد ﷺ کا دین تو چہار دانگ عالم میں پھیل رہا ہے اور یہ لوگ اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز آ گئے ہیں' تو انھوں نے سوچا کہ ہمارا راستہ ایسا ہونا چاہیے کہ ہم ان میں سے ایک ایسے فرقے کا عقیدہ ظاہراً اپنالیں جو عقل کے لحاظ سے ذہین تر' رائے کے اعتبار سے عمدہ تر' ناممکنات کو زیادہ قبول کرنے والے' جھوٹی من گھڑت قصے کہانیوں کی تصدیق کرنے والے ہوں' اور وہ روافض تھے' اور انھوں نے سوچا کہ ان کی طرف انتساب کر کے اپنے آپ کو مستحکم و مضبوط بنا سکتے ہیں' اور آل محمد ﷺ پر ہونے والے ظلم وستم اور ان کے نام پر اظہار حزن و ملال سے ان کی محبتیں حاصل کر سکتے ہیں' تا کہ ہم ان پر سب وشتم کے تیر چلا سکیں جن کے ذریعے شریعت آگے منتقل ہوئی ہے' جنھوں نے مسائلِ شریعت کو آگے منتقل کیا ہے۔ اور ان کے کردار پر دھبے لگا سکیں۔ جب ان کے ہاں وہ لوگ ہی حقیر و ذلیل ٹھہریں گے تو کوئی ان کی نقل کردہ باتوں کی طرف ملتفت اور متوجہ نہیں ہوگا۔ اس طرح رفتہ رفتہ دین سے برگشتہ کرنا ان کے لیے ممکن اور آسان ہوتا جائے گا۔ اگر پھر بھی کوئی قرآن وحدیث کے ظاہر کو مضبوطی سے تھامنے والا رہا تو ہم اسے اس وہم میں مبتلا کر دیں گے کہ ان ظاہری حکموں کے باطن اور اسرار ہوتے ہیں۔ ان ظاہری احکامات سے دھوکا کھانے والا تو احمق ہوتا ہے۔ عقل مندی اور فطانت و ذہانت تو ان کے باطنی احکامات پر اعتقاد رکھنے میں پوشیدہ ہے۔ پھر اس راستے سے ہم ان میں اپنے عقائد پھیلانے کی کوشش و سعی کریں گے' اور ہم ایسا تاثر دیں گے کہ تمھارے ظاہری معانی مراد لینے سے یہی مراد ہے۔ اس طریق سے ہم ان کو ساتھ ملا کر بکثرت پھیل جائیں گے' اور پھر آہستہ آہستہ بتدریج دوسرے فرقوں پر بھی چڑھائی کرنا کافی سہل اور آسان ہو جائے گا۔

پھر انھوں نے یہ بھی کہا: ہمارا طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ ہم کسی ایسے آدمی کا انتخاب بھی کریں جو مذہب کے معاملہ میں مددگار بن سکے اور وہ اہل بیت میں سے ہونے کا دعویدار

بھی ہو اور پوری خلقت پر اس کی متابعت و پیروی کرنا بھی واجب و لازم ہو اور یہ دعویٰ کیا جائے کہ اس کی سب حضرات پر اطاعت گزاری ضروری ہے کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے غلطی اور لغزش سے معصوم ہے' پھر یہ بھی یاد رہے کہ جس خلیفہ کا نام استعمال کر کے اس دعوت کو عام کرنا ہے وہ قرب و جوار میں نہیں ہونا چاہیے کیونکہ گھر کی قربت و نزدیکی پردوں کو چاک کر دیتی ہے' اور جب فاصلہ بعید اور مسافت طویل ہوگی تو دعوت کو قبول کرنے والا امام کے حالات کی تحقیق اور تفتیش کے لیے وہاں پہنچنے کی قدرت نہ پائے گا یا حقیقت واقعہ سے مطلع ہونے کی ہمت نہ کرے گا۔

مذکورہ تمام باتوں سے ان کا اصل مقصود بادشاہی پر قبضہ کرنا' لوگوں کے مالوں پر قبضہ جمانا اور ان سے انتقام لینا تھا' کیونکہ انھوں نے بھی تو ان کے خون بہائے تھے اور زمانۂ قدیم میں ان کے مال لوٹے تھے' ان کا اول و آخر یہی ایک مقصد ہے۔

باطنیوں کے حیلے

اس قوم کے پاس لوگوں کو بہکانے کے لیے بڑے حیلے ہیں' یہ اول تو اس بات میں امتیاز کیا کرتے ہیں کہ کون سا شخص اس میں طمع رکھتا ہے اور کون سا طمع نہیں رکھتا۔ جب کسی شخص میں طمع کی امید دیکھتے ہیں تو پھر اس کی طبیعت پر نظر ڈالتے ہیں۔ اگر وہ زہد و تقویٰ کی طرف مائل ہوتا ہے تو اسے امانت داری' صداقت پسندی اور ترکِ شہوات کی دعوت دیتے ہیں' اور اگر وہ آوارگی اور خواہشات کی طرف مائل ہوتا ہے تو اسے یہ باور کراتے ہیں کہ عبادت کرنا بے وقوفی اور تقویٰ اختیار کرنا حماقت ہے۔ اصل سمجھ داری اور فطانت تو اس دنیائے فانی میں لذتوں کی پیروی میں ہے۔

ہر مذہب والے کے پاس ایسی باتیں ثابت کرتے ہیں جو اس کے مذہب کے لائق ہوتی ہیں پھر اپنے اعتقاد کے مطابق اس میں شک و شبہے پیدا کرنے لگتے ہیں' تو اس طرح ان کی بات کو وہ آدمی قبول کر لیتا ہے۔ یہ قبول کرنے والا یا تو خود احمق اور بے عقل ہوتا ہے' یا وہ آدمی کاہل اور نکمے لوگوں میں سے ہوتا ہے یا مجوسیوں کی اولاد میں سے ہوتا ہے جن کے باپ دادا کی حکومت' اسلامی حکومت کے ہاتھوں ختم ہو چکی ہے یا ایسا آدمی ہوتا ہے جو

غلبے کے خواب دیکھنے کی جانب مائل ہوتا ہے لیکن زمانہ اس کا دست و بازو نہیں بن رہا ہوتا' تو ایسے آدمی کو اس کی امیدیں برلانے کے وعدے دیتے ہیں یا ایسا شخص ہوتا ہے جو عوامی مقامات سے اوپر اٹھنا چاہتا اور اپنے زعم کے مطابق حقائق پر جھانکنا چاہتا ہے یا کوئی رافضی ہوتا ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی گلوچ کرنے کو اپنا دین و ایمان سمجھتا ہے یا فلاسفہ' ثنویہ اور دینی مسائل میں متحیر لوگوں میں سے کوئی ملحد و بے دین ہوتا ہے یا جس آدمی پر لذات کی محبت غالب آ چکی ہوتی اور شرعی امور کی پابندی اس پر ثقیل و گراں ہوتی ہے۔

کتنے ہی زندیق اور بے دین ایسے ہیں جن کے دلوں میں اسلام کا بغض مخفی ہوتا ہے اور وہ اپنے دعووں کو خوب ملمع کر کے اپنے مصاحب کے سامنے پیش کرتے ہیں جس سے ان کا مقصود محض دین سے دوری' لذات کا حصول اور ممنوعہ چیزوں کو حلال کرنا ہوتا ہے۔

اور ان میں سے کئی ایسے بھی نکلے جو ٹھوکر لگنے پر بھی نہ سنبھل سکے اور ان کی دنیا اور آخرت دونوں ہی خراب ہو گئیں مثلاً ابن راوندی۔

علی بن محسن تنوخی نے کہا ہے: ابن راوندی رافضیوں اور اہل الحاد سے چمٹا رہنے والا شخص تھا لیکن جس وقت اسے سزا دی گئی تو کہنے لگا: میں تو صرف ان کا مذہب پہچاننا چاہتا تھا' پھر وہ کھل کر بحث و مناظرہ کرنے لگا۔

حالانکہ جس نے ابن راوندی کے حالات پر غور و تامل کیا' وہ اسے کبار ملحدین میں سے پائے گا۔ اس نے ''الدامغ'' نامی کتاب بھی تصنیف کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس کے ذریعے اسلامی شریعت کو کچل دے گا' لیکن پاک ہے وہ ذات جس نے اسے ہی کچل دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اس حال میں دبوچ لیا جب کہ وہ شباب کی عمر میں تھا۔ وہ قرآن پاک پر اعتراض کیا کرتا تھا اور اس میں تناقض و تضاد کے دعوے کیا کرتا اور اس میں عدم فصاحت کے الزام لگایا کرتا تھا حالانکہ وہ یہ بات بخوبی جانتا تھا کہ فصحائے عرب اس قرآن کو سننے پر حیرت زدہ ہو جایا کرتے تھے' تو ایک عجمی اور غیر قادر الکلام آدمی کی کیا حیثیت ہے؟!

زمانہ ان کے ناخلفوں سے کبھی خالی نہیں رہا' البتہ اتنا فرق پڑا ہے کہ تیز زبان والوں کے انگارے اور شعلے ...... الحمد للہ ...... بجھ چکے ہیں۔ اب تو کوئی پوشیدہ باطنی یا کوئی پوشیدہ فلسفی ہی ہو سکتا ہے اور وہ سب سے زیادہ خوار اور سب سے زیادہ مصیبت زدہ زندگی بسر کرتا ہے۔

باب : ۶

فنونِ علم اور علماء پر ابلیسی حملہ

ابلیس چالبازی اور مکاری کے لیے لوگوں پر مختلف راہوں سے داخل ہوتا ہے ان میں سے کچھ راستے بالکل واضح ہوتے ہیں' لیکن انسان اپنی خواہشات کو ترجیح دینے کی وجہ سے مغلوب ہو جاتا ہے' پھر وہ علم ہونے کے باوجود گناہ کرتا ہے جو اسے ذلیل و بے وقعت بنا دیتا ہے۔ اور ان میں سے کچھ راہیں پوشیدہ ہوتی ہیں' جو پوشیدہ ہونے کی وجہ سے بے شمار علماء پر بھی مخفی رہتی ہیں!

ہم آئندہ سطور میں شیطان کی چالوں کے حوالے سے چند فنون کی جانب اشارے کرتے ہیں انھی سے باقی مخفی حصوں کو پہچان لیا جائے کیونکہ تمام راستوں اور فنون کا احاطہ کرنا بحث کو طوالت کا باعث ہوگا۔

قراء پر حملہ

کوئی قاری صاحب شاذ قراءت کو حاصل کرنے' انہی کو جمع کرنے' پھر انھیں تصنیف کرنے اور پڑھانے ہی میں اپنی اکثر عمر فنا کر دیتا ہے۔ اور یہ مصروفیت اسے فرائض اور واجبات کی معرفت سے مشغول کیے رکھتی ہے۔ کئی بار آپ نے ایسے امام مسجد بھی دیکھے ہوں گے جو صرف پڑھانے ہی کے درپے رہتے ہیں حالانکہ وہ نماز کو فاسد کرنے والے امور سے بے خبر ہوتے ہیں' اور بعض اوقات مسند صدارت پر بیٹھنے اور اپنی قوم سے آگے آگے رہنے کی حرص و محبت انہیں اس حال تک لے جاتی ہے کہ علم سے کورا ہونے کے باوجود وہ یہ خیال بھی نہیں کرتے کہ علمائے کرام کے سامنے بیٹھیں اور ان سے کسب علم ہی کر لیں۔ اگر وہ کچھ غور و فکر کر لیتے تو جان لیتے کہ حفظ قرآن سے مراد تو قرآن کو یاد کرنا' اس

کے الفاظ کی درستی' اس کا فہم' اس پر عمل پیرا ہونا اور اس سے اصلاحِ نفس کرنے والے ایسے امور کو بجا لانا ہے جو اس کے اخلاق کی طہارت کر دیں' اور ایسے علوم میں مشغول ہونا مراد ہے جو زیادہ اہم ہیں۔

اور ایک واضح ترین غلطی یہ بھی ہے کہ غیر اہم امور میں وقت ضائع کیا جائے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

قرآن کریم تو اس لیے اتارا گیا ہے کہ اس پر عمل کیا جائے لیکن لوگوں نے صرف اس کی تلاوت ہی کو عمل قرار دے رکھا ہے۔ یعنی انھوں نے صرف تلاوت کرنے ہی پر اکتفاء کر لیا ہے اور اس پر عمل کرنے کو چھوڑ رکھا ہے۔

❀ ان میں سے ایک صاحب اپنے حجرے اور محراب میں بیٹھا شاذ قراءتوں ہی کو پڑھتا رہتا ہے اور مشہور متواتر قراءت کو ترک ہی کر دیتا ہے۔

علمائے کرام کے نزدیک صحیح مؤقف یہ ہے کہ شاذ قراءت کے ساتھ نماز درست نہیں ہو گی۔ اس قاری صاحب کا مقصود ہی عجیب وغریب الفاظ کا اظہار ہوتا ہے' تاکہ لوگوں کی مدح سرائی حاصل کرے' لوگ جوق در جوق اس کے پاس حاضر ہوں اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ قرآن کے ساتھ مشغول ہے۔

❀ اور ان میں کچھ ایسے ہوتے ہیں جو قراءت ہی کو جمع کرتے رہتے ہیں اور یوں کہتے ہیں: مَلِكِ، مَالِكِ، مَلَّاكِ ...... یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس طرح قرآن کو اس کے نظم و ترتیب سے باہر نکالنا لازم آتا ہے۔

❀ اور ان میں سے ایک سجدات' تہلیلات اور تکبیرات کو جمع کرتا رہتا ہے۔ یہ مکروہ ہے۔ اب تو کچھ لوگ ختم قرآن کے موقعہ پر بہت زیادہ روشنیوں اور چراغوں کا اہتمام کرنے لگے ہیں' اس طرح وہ مال ضائع کرنے کے ساتھ ساتھ مجوس سے مشابہت کرنے والے اعمال کو اکٹھا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ ان لمحات میں مردوں اور عورتوں کو خرابیوں کے لیے جمع کرنے کا سبب بنتے ہیں اور ابلیس انھیں یہ باور کرواتا ہے کہ اس میں عزتِ اسلام اور خدمتِ اسلام ہے۔

یہ شیطان کی بہت بڑی مکاری اور تلبیسی عمل ہے کیونکہ شریعت کی عزت وعظمت تو مشروع عمل کو اختیار کرنے میں ہوتی ہے۔

❀ اور ان میں سے یہ بات بھی ہے کہ کوئی کسی ایسے استاد کا نام لے کر بلند بانگ دعویٰ کرنے میں جھجک سے کام نہیں لیتا جس سے اس نے پڑھا بھی نہیں ہوتا' بلکہ بعض اوقات اس کے پاس اس کی طرف سے سند ہوتی ہے' پھر وہ یوں کہتا ہے: ''أَخْبَرَنَا'' اس نے ہمیں خبر دی۔ گویا وہ ظاہر کرتا ہے کہ اس نے اس استاد سے براہ راست پڑھا ہے۔ اس طرح وہ عمل تدلیس کا ارتکاب کرتا ہے' اور وہ یہ خیال کیے ہوتا ہے کہ یہ معاملہ بالکل معمولی سا ہے' کیونکہ وہ صرف قراءت کی روایت ہی کر رہا ہے اور اسے عملِ خیر تصور کرتا ہے' جبکہ وہ اس حقیقت کو بالکل فراموش کر بیٹھتا ہے کہ یہ تو جھوٹ ہے' اسے جھوٹ بولنے والوں کا گناہ لازم آ رہا ہے۔

❀ اور ان امور میں سے یہ بات بھی ہے کہ عمدہ تجوید والی قراءت کا ماہر استاد دو یا تین استادوں سے سیکھ لیتا ہے اور اپنے پاس آنے والوں سے باتیں کرتا ہے' اور جھوٹے دعوے کرتا رہتا ہے پھر وہ اپنے ہاتھ سے تحریر کر کے یہ جھوٹا دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے فلاں قاری صاحب سے فلاں کی قراءت کو پڑھا ہے۔

اور بعض محققین کا یہ بھی کہنا ہے کہ ایسے ہونا چاہیے کہ دو یا تین آدمی اکٹھے ہو کر کسی ایک کو استاد بنا لیں اور اس سے علم سیکھیں۔

❀ اور ان امور میں سے یہ بات بھی ہے کہ قاری حضرات کی کچھ جماعتیں کثرت قراءت پر مقابلے بھی کرتی ہیں۔ اور میں نے کچھ ایسے مشائخ دیکھے ہیں جو لوگوں کو جمع کر لیتے ہیں اور پھر ایک قاری صاحب کو کھڑا کر دیتے ہیں جو دن بھر میں تین مرتبہ قرآن پاک پڑھنے کا پابند ہوتا ہے۔[1] اگر تو وہ ہدف سے پیچھے رہ جائے تو معیوب ٹھہرتا ہے اور اگر پورا

---

[1] ایسا عمل نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کے برعکس اور مخالف ہے کیونکہ آپ کا فرمان ہے:

((لَا يَفْقَهُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ))

''وہ آدمی قرآن کو نہیں سمجھتا جس نے تین دنوں سے کم میں اسے پڑھا''

(ابو داود' شهر رمضان' باب تحزيب القرآن' حديث : ۱۳۹۴ و جامع الترمذي' القراءات' باب في كم اقراء القرآن حديث : ۲۹۴۹)

کرے تو قابلِ ستائش قرار پاتا ہے' اور اس اجتماع میں عوام الناس کو جمع کیا جاتا ہے جو اس کی حوصلہ افزائی اور تحسین کرتے ہیں۔ ابلیس انھیں یہ دکھاتا ہے کہ کثرت تلاوت ہی میں ثواب ہے حالانکہ یہی اس کی دھوکا بازی ہے' کیونکہ قراءت تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہونی چاہیے نہ کہ اس پر تحسین و شاباش لینے کے لیے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ ﴾ (بنی اسرائیل : ۱۷/ ۱۰۶)

''کہ آپ اسے بہ مہلت لوگوں کو سنائیں''

اللہ عزوجل نے یوں بھی فرمایا ہے:

﴿ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ﴾ (المزمل : ۷۳/ ۴)

''اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر صاف پڑھا کر''

❀ اور انہی امور میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ قاریوں کی ایک جماعت نے قراءت ترنم بھی ایجاد کر لی ہے حالانکہ یہ قراءت اس وقت صرف ابتدائی حد تک محدود تھی یعنی اس میں زیادہ ترنم نہ تھا' اسی لیے اس قراءت کو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ وغیرہ نے مکروہ سمجھا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

''حدی خوانی کا سننا (یعنی اونٹوں کو ہانکنے کا گیت سن لینا) اور اعرابیوں کا گیت سننا' اس میں کوئی حرج نہیں ہے' اور ترنم والی قراءت اور اسی طرح آواز کی تحسین کے سماع میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔''

معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس جانب اشارہ فرمایا ہے جو ان کے زمانے میں تھے۔ ہوسکتا ہے وہ قدرے کم ترنم کرتے ہوں۔ رہا معاملہ آج کا' انھوں نے تو قرآن گانوں کے طریقے پر بنا دیا ہے۔ اور یہ جوں جوں گانے کی مشابہت سے قریب تر ہوتی جائے گی اسی طرح ہی اس کی کراہت زیادہ ہوتی جائے گی۔ اگر قرآن کریم اپنی حد وضع سے نکالا جائے تو یہ حرام ہے۔

❀ اور ان امور میں سے یہ بات بھی ہے کہ قراء کی ایک قوم بعض خطاؤں سے چشم پوشی کرنے میں وسعت پسندی سے کام لیتے ہیں مثلاً بعض ہم مرتبہ اور اہل فن کی غیبت کرنا' بلکہ بعض اوقات تو اس سے بھی بڑے گناہوں کا ارتکاب کر جاتے ہیں اور ان باتوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حفظ قرآن ان سے عذاب الٰہی کو رفع کر دے گا۔ اس پر نبی اکرم ﷺ کے فرمان ذیل سے حجت لیتے ہیں:

((لَوْ جُعِلَ الْقُرْآنَ فِیْ اِھَابٍ مَّا اَحْتَرَقَ))[1]

''اگر قرآن کریم کو کسی کھال میں لپیٹ کر رکھا جائے تو اسے آگ نہیں لگے گی''

یہ ان پر ابلیس کی مکاری اور تلبیسی حملے کی کارستانی ہے کیونکہ جو جانتا ہے اس کا عذاب اس آدمی کی نسبت زیادہ ہوگا جو نہیں جانتا' کیونکہ علم کی زیادتی حجت کو مزید مضبوط بنا دیتی ہے۔ قاری قرآن کا تب تک احترام نہیں ہوگا جب تک وہ دوسرے گناہوں سے پرہیز نہیں رکھے گا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿ اَفَمَنْ یَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ الْحَقُّ کَمَنْ ھُوَ اَعْمٰی ﴾ (الرعد : ۱۳/ ۱۹)

''کیا وہ شخص جو یہ علم رکھتا ہو کہ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے جو اتارا گیا ہے وہ حق ہے' اس شخص جیسا ہوسکتا ہے جو اندھا ہو؟''

اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے متعلق یہ فرمایا ہے:

﴿ مَنْ یَّاْتِ مِنْکُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ یُّضٰعَفْ لَھَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ ﴾ (الاحزاب : ۳۳/ ۳۰)

''تم میں سے جو بھی بداخلاقی کرے گی' اسے دہرا عذاب دیا جائے گا''

---

[1] رواہ الطبرانی فی "الکبیر" (۱۷/ ۱۶۹) وابن عدی فی "الکامل" (۶/ ۲۰۴۱) عن عصمة بن مالك۔ اس میں ضعف ہے' البتہ اس کا شاہد موجود ہے جسے امام دارمی نے اپنی ''مسند'' (۲/ ۴۳۰) میں عقبہ بن عامر سے روایت کیا ہے' اس کی سند حسن ہے۔ اس لیے مذکورہ حدیث "صحیح لغیرہ" بن جاتی ہے۔

حدیث پڑھنے پڑھانے والوں پر ابلیسی حملہ

کثرت سفر

ایک قوم نے حدیث سننے کے لیے سفر کرنے اور کثرتِ طرق کو جمع کرنے[1] اسناد عالیہ کے طلب کرنے اور متون غریبہ کے حاصل کرنے ہی میں اپنی زندگیاں گزار دی ہیں۔

یہ لوگ دو قسم کے ہیں:

پہلی قسم

وہ لوگ جنہوں نے ضعیف و سقیم روایات سے صحیح احادیث کی معرفت حاصل کر کے شریعت کی حفاظت کا ارادہ کیا۔ یہ حضرات اس ارادے پر شکریے کے حق دار ہیں، مگر ابلیس نے انھیں اس طرح اپنے چکر اور فریب میں مشغول کیا کہ انھیں اس میں مشغول کر کے اس فرض عین کی معرفت حاصل کرنے سے روک دیا جو ان پر واجب تھا، اور انھیں لازم امور کی ادائیگی میں اجتہاد کرنے اور حدیث میں سمجھ بوجھ اور تفقہ حاصل کرنے کے بجائے دوسری طرف ہی مصروف رکھا۔

ایک سوال

اگر کہنے والا یہ کہے کہ سلف صالحین کی ایک جماعت نے بھی تو ایسے ہی کیا ہے، مثلاً یحییٰ بن معین، ابن المدینی، بخاری و مسلم وغیرہ رحمہم اللہ!

جواب

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں نے دین اور اس کی سمجھ میں اہم ترین امور کی معرفت اور طلب حدیث دونوں کاموں کو ایک ساتھ پورا کیا ہے، اس کے علاوہ چھوٹی سندوں اور حدیث کی قلت نے ان کی معاونت کر دی تھی، اس طرح مذکورہ دونوں کاموں کے لیے ان کا زمانہ کافی رہا۔

---

[1] صرف زیادہ کرنے کے لیے، نہ کہ زیادہ فائدے کے لیے، اور یہی ضروری اور اہم چیز ہوتی ہے!

رہا معاملہ دورِ حاضر کا، اب تو حدیث کے طرق طول پکڑ چکے ہیں اور اس فن میں کتب بہت زیادہ ہو چکی ہیں، اس لیے یہ شاذ و نادر ہے کہ کوئی ان دونوں امور کو یکجا جمع کر لے۔ آپ ایسے محدث کو بھی دیکھیں گے جو پچاس سال تک احادیث لکھتا اور سنتا رہا اور کتابیں جمع کرتا رہا، لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ ان میں کیا ہے؟ اگر اسے نماز میں کوئی حادثہ رونما ہو جائے تو اپنے سامنے بیٹھ کر پڑھنے والے اور سماع حدیث کرنے والے نوخیز سمجھ بوجھ رکھنے والوں سے دریافت کرنے کا حاجت مند ہو گا۔[1]

ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے زبان طعن دراز کرنے والوں کو محدثین پر طعن کرنے کا موقعہ ملتا ہے اور وہ کہتے ہیں: کتابوں کا بوجھ اٹھانے والے (اونٹ) ہیں جو نہیں جانتے کہ ان کے اوپر کیا ہے۔[2]

اور اگر ان میں سے کوئی ایک کامیاب ہو جائے اور اپنی حدیث ہی میں نظر رکھے تو بعض اوقات وہ منسوخ حدیث ہی پر عمل پیرا رہتا ہے اور کبھی وہ حدیث سے ویسا ہی مفہوم سمجھتا ہے جو ایک جاہل اور عام آدمی سمجھتا ہے اور وہ اسی پر کاربند اور عمل پیرا رہتا ہے حالانکہ وہ چیز حدیث سے مراد نہیں ہوتی۔ امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ہمارے شیوخ میں سے ایک شیخ یہ حدیث مبارکہ روایت کرتے تھے:

---

[1] یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اس جیسا اگر واقعی ہو تو وہ تو صرف اپنے نفس کی بات ہی بیان کر سکے گا، البتہ رہا معاملہ کسی محدث برحق کا، تو حدیث اور سنت کا علم اسے فقہ کی معرفت اور احکام شرعیہ کو ان کے اصلی متوقع مقامات سے طلب کرنے کی طرف پہنچا دے گی اور اس کی درست طریق سے اس تک رسائی ہو گی۔

[2] اس سلسلے میں ان کے ایک شاعر نے یوں کہا ہے:

زَوَامِلٌ لِلْاَسْفَارِ لَا عِلْمَ عِنْدَهُمْ
بِجَيِّدِهَا إِلَّا كَعِلْمِ الْاَبَاعِرِ

''اور کتابوں کا بوجھ اٹھانے والے ہیں جنھیں کوئی علم نہیں ہے کہ ان کتابوں میں کیا اچھی اچھی اور عمدہ عمدہ باتیں لکھی ہیں، بس اتنا ہی علم ہے جتنا بار برداری کے قابل اونٹوں کو ہوتا ہے۔''

((نَهٰی عَنِ التَّحَلُّقِ قَبْلَ الصَّلَاةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ))[1]

''نبی اکرم ﷺ نے جمعہ کے روز نماز سے پہلے حلقہ بندی کر کے بیٹھنے سے روکا ہے۔''[2]

اور ہمارے شیخ صاحب اس کا معنی کرتے تھے ''حجامت بنوانے سے منع فرمایا۔''

امام خطابی فرماتے ہیں' اس شیخ نے مجھے بتایا کہ تقریباً عرصہ چالیس سال سے اس نے نماز سے قبل اپنے سر کی حجامت نہیں بنوائی یعنی استرے سے سر صاف نہیں کیا' میں نے بڑے ادب سے گزارش کی کہ یہ لفظ ''حِلَق'' ہے جو ''حَلَقَه'' کی جمع ہے' نبیِ اکرم ﷺ نے نماز جمعہ سے قبل علم اور مذاکرے کے لیے حلقے باندھ کر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے' اور اس بات کا حکم دیا ہے کہ نماز نفل میں مصروف رہا جائے اور خطبہ سماعت کرنے کے لیے خاموش رہا جائے تو شیخ نے فرمایا: آپ نے تو مجھ پر وسعت و فراخی کر دی ہے' حالانکہ میرے وہ شیخ صالحین میں سے تھے۔

ہم نے اپنے زمانے میں ایسے آدمی بھی دیکھے ہیں جو کتابیں جمع کرتے ہیں اور سماع حدیث بکثرت کرتے ہیں لیکن انھیں فہم نہیں کہ انھوں نے کیا حاصل کر لیا ہے!!

اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جو قرآن کریم کو حفظ بھی نہیں کرتے اور نہ ہی ارکان نماز کو پہچانتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے گمان کے مطابق فرض عین کے بجائے فرض کفایہ کے ساتھ مشغول رہتے ہیں اور غیر اہم کاموں کو اہم ترین کاموں پر ترجیح دینا صرف ابلیس کی چالبازیوں ہی کا نتیجہ ہے۔

---

[1] ابوداود' الصلاۃ' باب التحلق یوم الجمعة قبل الصلاۃ' حدیث : ۱۰۷۹ والترمذی' الصلاۃ' باب ما جاء فی کراهية البيع والشراء ......الخ حدیث : ۳۲۲ والنسائی' المساجد' باب النهی عن البيع والشراء فی المسجد......الخ حدیث : ۷۱۵ من طريق عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده

[2] اس کی سند حسن ہے' ہمارے فاضل بھائی محمد موسیٰ نصر کا ''نماز جمعہ سے قبل درس وغیرہ کے لیے حلقہ باندھنے'' کے مسئلہ میں ایک رسالہ ہے' جو زیر طبع ہے۔

دوسری قسم

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے حدیثیں تو بہت سنیں لیکن ان کا مقصود صحیح تک پہنچنا نہیں تھا اور نہ ہی جمع طرق سے ان کا ارادہ غیر صحیح سے صحیح کی معرفت ہی تھی۔ ان کی مراد و مقصود صرف اسناد عالیہ اور متون غریبہ کو جمع کرنا تھا۔ انھوں نے شہروں کے چکر لگائے تاکہ یہ دعویٰ کر سکیں: میں فلاں سے ملا' میرے پاس ایسی ایسی اسانید ہیں جو میرے سوا کسی کے پاس نہیں ہیں' میرے پاس ایسی ایسی احادیث ہیں جو بجز میرے کسی کے ہاں موجود نہیں ہیں۔[1]

ہمارے ہاں بغداد میں کچھ حدیث پڑھنے والے ایسے بھی آئے کہ ان میں سے ایک اپنے شیخ کو لے جا کر ''رِقہ'' یعنی دریائے دجلہ کے کنارے واقع باغ میں بٹھا لیتا' وہ اس پر حدیث کی قراءت کرتا اور پھر یہ اپنے مجموعہ حدیث میں یوں کہتا:

((حَدَّثَنِیْ فُلَانٌ وَفُلَانٌ بِالرَّقَّةِ))

''مجھے فلاں اور فلاں نے ''رِقہ'' میں حدیث بیان کی''

اس سے وہ لوگوں پر یہ ظاہر کرتا کہ اس سے مراد وہ شہر ہے جو ملکِ شام میں واقع ہے[2] تاکہ وہ گمان کریں کہ اس نے طلب حدیث میں کتنے دور دراز کے سفروں میں مشقتیں اٹھائی ہیں۔

اور وہ اپنے شیخ کو دریائے عیسیٰ اور دریائے فرات کے درمیان بٹھا لیتا اور پھر یوں کہتا:

((حَدَّثَنِیْ فُلَانٌ مِنْ وَّرَآءِ النَّهْرِ))

''اس نے مجھے وراء النہر میں حدیث بیان کی''

اس سے وہ یہ وہم دلاتا ہے کہ اس نے طلبِ حدیث میں خراسان کا دریا بھی عبور کیا ہے۔[3]

---

[1] بالکل یہی بات ہے جو میں نے قبل ازیں متعدد تعلیقات میں اشارۃً بیان کی ہے۔ عصر حاضر میں حدیث میں مشغول رہنے والوں کو بھی یہ کام کرنا چاہیے یعنی فہم حدیث' اس پر غور و تامل اور پھر اس پر عمل۔

[2] دیکھیے یاقوت حموی کی ''معجم البلدان'' (۳/۵۹-۶۰)

[3] یہ مذموم عمل ہے' علمائے اصول حدیث اسے ''تدلیس البلدان'' کا نام دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں ''الباعث الحثیث'' (ص ۵۶) اور اس پر شیخ احمد شاکر کی تعلیق۔

اور بعض دفعہ یوں بھی کہا کرتا تھا:

((حَدَّثَنِیْ فُلَانٌ فِیْ رِحْلَتِی الثَّانِیَةِ وَ الثَّالِثَةِ))

''اس نے مجھے یہ حدیث دوسرے سفر کے دوران اور تیسرے سفر کے دوران بیان کی۔''

تا کہ لوگوں کو یہ معلوم کروائے کہ طلب حدیث میں اس کی مشقتیں کس قدر تھیں' لیکن اس کی زندگی میں برکت نہ ہوئی اور وہ زمانۂ طالب علمی ہی میں وفات پا گیا!

یہ سب کچھ اخلاص سے خالی ہے۔ ان کا مقصود صرف حصولِ سرداری اور فخر و مناظرہ ہے' اسی لیے وہ شاذ اور غریب احادیث کی تتبع اور ٹوہ میں رہتے تھے۔ اور بعض اوقات اسے کوئی ایسا جزء اور کتابچہ ہاتھ لگ جاتا جس میں اس کے مسلمان بھائی کا سماع ہوتا' تو وہ اسے مخفی رکھتا' تا کہ وہ اس روایت میں منفرد ہی رہے۔ بعض اوقات وہ اسے روایت کیے بغیر ہی مر جاتا' تو اس طرح دو شخصوں کو فوت کر دیتا۔ اور بعض اوقات کسی ایسے شیخ کی طرف' جس کے نام کا ابتدائی حرف ''قاف'' یا ''کاف'' ہو' اس لیے سفر کرتا تا کہ اسے اپنے اساتذہ میں شمار کرے۔

عیب جوئی اور غیبت

اصحاب الحدیث پر تلبیس ابلیس میں سے یہ امر بھی ہے کہ ان میں سے بعض کسی دوسرے پر اپنے غصے کو تسکین دینے کے لیے عیب جوئی اور اتہام بازی سے بھی کام لیتے ہیں' اور یہ باتیں جرح و تعدیل کے ضمن میں کرتے ہیں' جس فن کو اسلاف اور قدمائے امت شریعت سے دفاع کرتے ہوئے استعمال کرتے تھے۔ ان کے مقاصد کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے۔

ان لوگوں کے برے مقصد کی دلیل یہ ہے کہ یہ اپنے آپ سے روایت بیان کرنے والے کے متعلق تو خاموشی اختیار کرتے ہیں' جب کہ قدمائے امت اور سلف صالحین ایسا نہیں کرتے تھے۔ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ اپنے باپ سے روایت لیتے جو کہ ضعیف تھا' پھر ساتھ ہی یہ بھی فرما دیتے:

((وَفِی حَدِیْثِ الشَّیْخِ مَا فِیْهِ))[1]

''اس شیخ کی روایت میں علت ہے۔''

یوسف بن حسین کہتے ہیں: میں نے محاسبی سے غیبت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا: اس سے بچ کر رہ کیونکہ یہ بری کمائی ہے۔ ایسی چیز کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے جو تیری نیکیاں چھین لے' اور تیرے بدخواہوں اور دشمنوں کو راضی کر دے؟ جس سے تو دنیا میں ناراض رہتا ہے' اپنے اس مخالف و مقابل سے تو کس طرح راضی ہوگا جو تیری نیکیاں لے جائے گا اور تو اس کی برائیاں لے لے گا؟ کیونکہ وہاں تو کوئی درہم و دینار نہیں ہوں گے' لہٰذا اس غیبت سے پوری طرح بچنے کی کوشش کر' اس کے منبع اور سرچشمہ سے بھی واقفیت حاصل کر' کیونکہ بیوقوفوں اور جاہلوں کے ہاں غیبت کا سرچشمہ غصہ' حمیت' حسد اور بدظنی سے شفاء پانا ہوتا ہے اور ایسی غیبت بالکل ظاہر ہوتی ہے جو کسی طرح پوشیدہ اور مخفی نہیں رہتی۔

رہی علماء کی غیبت' تو اس کا سرچشمہ اور منبع خیر خواہی کے پردے میں نفس کی دھوکا دہی ہے۔ وہ ایک غیر صحیح بات سے تاویل کرتے ہیں' لیکن اگر وہ صحیح بھی ہو پھر بھی غیبت کے لیے معاون نہیں ہوتی۔ اس سے ان کی مراد آپ کا یہ فرمان ہے:

((أَتَرِعُوْنَ عَنْ ذِكْرِهِ؟ أُذْكُرُوْهُ بِمَا فِيْهِ' لِيَحْذَرَهُ النَّاسُ))[2]

''کیا تم اس کے ذکر کرنے سے احتیاط سے کام لیتے ہو؟ اس میں موجود بات کو

---

[1] اور یہی بات دوسروں میں اس سے بھی زیادہ خطرناک اور ناروا ہے۔
دیکھیے ابن حجر کی ''تہذیب التہذیب'' (۵/۱۷۴-۱۷۶)

[2] یہ بات ایسے ہی ہے جس طرح مصنف رحمہ اللہ نے فرمایا ہے' مزید آپ نے اسے ''العلل المتناہیہ'' نمبر ۱۳۰۰ میں بھی ذکر کیا ہے اور اس کے راویوں کے طعن کے حوالے سے ائمہ جرح و تعدیل کا کلام بھی ذکر کیا ہے اور خاص طور پر جارود نیساپوری کا ذکر کیا ہے اور وہ ''وضاع'' یعنی بہت زیادہ حدیثیں گھڑنے والا تھا۔

اسی طرح سے ابن حبان نے ''المجروحین'' (۱/۲۱۵) میں اور بیہقی نے ''السنن'' (۱۰/۲۱۵) میں اور خطیب نے ''التاریخ'' (۱/۳۸۲' ۳/۱۸۸) میں اور دوسرے علماء نے اسے بیان کیا ہے۔

بیان کرو تا کہ لوگ اس سے بچ جائیں۔''

اگر بات صحیح بھی ہو تب بھی کسی مسلمان کے متعلق اس وقت تک بات نہیں کرنی چاہیے جب تک کوئی نہ پوچھے۔ ہاں اگر کوئی رہنمائی کے طور پر پوچھنے آئے[1] تو اسے بتا دینا چاہیے مثلاً اگر کوئی آپ سے پوچھتا ہے کہ میں اپنی بیٹی کا فلاں سے نکاح کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں' اگر اس کے متعلق آپ کو کسی بدعت کا علم ہو یا مسلمانوں کی عزتیں اس سے محفوظ نہ ہوں تو سائل کو احسن انداز سے اس سے باز رکھیں۔ یا آپ کے پاس کوئی دوسرا آدمی آتا ہے اور یوں کہتا ہے: میں فلاں شخص کے پاس مال بطور امانت رکھنا چاہتا ہوں جب کہ وہ آدمی امین بنائے جانے کا اہل نہ ہو تو اسے اچھے طریقے سے اس سے روک دیں۔ یا کوئی آدمی یہ کہتا ہے: میں فلاں آدمی کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتا ہوں یا میں اسے کسی علم میں اپنا امام بنانا چاہتا ہوں تو اسے احسن لہجے میں اس سے دور رکھیں لیکن اس کی غیبت کر کے اپنے غیظ و غضب کو ٹھنڈا نہ کریں۔

رہی قراء اور عابدوں کی غیبت' تو یہ خود پسندی کے ذریعے بھائی کی خامی اور عیب کو ظاہر کرنے سے ہوتی ہے' پھر اس کی عدم موجودگی میں اس کے لیے مصنوعی اور کھوکھلی دعائیں کرتا ہے۔ اول تو اپنے مسلمان بھائی کے گوشت سے جی بھرتا ہے' پھر دور سے اس کے لیے

---

[1] بطور مثال' وگرنہ اس کی مثالیں ان تمام مقامات کے حوالے سے دی جا سکتی ہیں جنھیں علمائے کرام نے وضاحت سے بیان کیا ہے اور بعض نے تو اس طرح نظم بھی کر دیے ہیں:

اَلْقَدْحُ لَيْسَ بِغِيْبَةٍ فِيْ سِتَّةٍ
مُتَظَلِّمٍ وَ مُعَرِّفٍ وَ مُحَذِّرِ

''چھ افراد کا عیب جوئی کرنا غیبت نہیں ہے' ظلم کی شکایت کرنے والا' تشہیر کرنے والا' آگاہ کرنے والا'

وَ مُجَاهِرٍ فِسْقًا وَّ مُسْتَفْتٍ وَ مَنْ
طَلَبَ الْإِعَانَةَ فِيْ إِزَالَةِ مُنْكَرٍ

فسق و فجور کو علانیہ بیان کرنے والا' فتویٰ طلب کرنے والا اور جو کسی برائی کے ختم کرنے میں مدد طلب کرنے والا ہو''

اس سلسلے میں امام شوکانی رحمہ اللہ کے رسالہ ''رفع الريبة عما يجوز وما لا يجوز من الغيبة'' بھی ملاحظہ فرمائیں۔

دعائیں کر کے خود ہی آراستہ اور مزین ہوتا ہے۔

رہا معاملہ اساتذہ اور رؤساء کے غیبت کرنے کا تو یہ رحمت وشفقت کے پردے میں کرتے ہیں۔ ایک کہتا ہے: فلاں مسکین ہے' اس طرح کی آزمائش میں مبتلا کر دیا گیا ہے' اس طرح امتحان میں پھنس گیا ہے' ہم اللہ تعالیٰ سے ایسی ذلت وخواری سے پناہ مانگتے ہیں۔ اول تو اس بھائی کے لیے رحمت وشفقت کے مصنوعی جذبات کا اظہار کرتا ہے' پھر اپنے بھائیوں کے پاس بیٹھے ہوئے اس کے لیے مصنوعی دعائیں بھی کرتا ہے اور کہتا ہے: میں نے یہ باتیں تمہارے سامنے اس لیے کی ہیں کہ تم بھی زیادہ سے زیادہ اس کے حق میں دعائیں کرو۔

ہم ہر طرح کی غیبت کرنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں' لہٰذا غیبت سے بچنا چاہیے قرآن کریم نے اس کی ناپسندیدگی کا اعلان کیا ہے۔[1] اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

﴿ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ﴾

(الحجرات : ۴۹/ ۱۲)

''کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو اس سے گھن آئے گی''

اس کے متعلق نبی اکرم ﷺ سے بہت سی صحیح احادیث ثابت ہیں۔

علمائے محدثین پر ابلیس کی فریب کاریوں میں سے موضوع حدیث کو اس کی علت وضع بیان کیے بغیر روایت کرنا بھی ہے[2] اور یہ ان کی شریعت پر بدعنوانی اور جرم ہے' اس سے ان کا مقصد اپنی احادیث کی ترویج واشاعت اور کثرت روایات ہوتا ہے' حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

---

[1] ناپسندیدگی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔

[2] اور مصنف رحمہ اللہ کی اس باب میں ایک منفرد کتاب ہے جس کا نام ''الموضوعات'' ہے' البتہ اتنی بات ہے کہ کچھ صحیح اور کچھ قدرے ضعیف احادیث پر ''موضوع'' کا حکم لگاتے ہیں' اسی لیے علمائے اصول حدیث نے انھیں ''حکم وضع'' لگانے میں متشدد کہا ہے۔

اس سلسلے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی کتاب ''القول المسدد فی الذب عن المسند'' بھی ملاحظہ فرمائیں۔

((مَنْ حَدَّثَ عَنِّیْ بِحَدِیْثٍ یُرٰی اَنَّہٗ کَذِبٌ فَھُوَ اَحَدُ الْکَاذِبِیْنَ))[1]

''جس نے میری نسبت سے کوئی ایسی حدیث بیان کی' جس کو سمجھ رہا ہے کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ دو جھوٹوں میں سے ایک ہے یا سب جھوٹوں میں سے ایک ہے۔''

اس فن میں ایک عمل ''تدلیس'' کرنا یعنی استاد کا نام چھوڑ کر اس کے استاد کو ذکر کر دینا بھی شامل ہے' یعنی کوئی کہے: فلان عن فلان یا پھر قال فلان عن فلان' وہ یہ وہم پیدا کرتا ہے کہ اس نے فلاں سے الگ طور پر سماعت کی ہے حالانکہ اس نے سماعت نہیں کی ہوتی۔ یہ انتہائی قبیح بات ہے کیونکہ وہ متصل کے مرتبے میں ایک منقطع روایت کو رکھ رہا ہے۔ اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو ضعیف اور کذاب راویوں سے روایت بیان کرتے ہیں اور ان کا نام ختم کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات ان کے نام کے علاوہ کوئی اور نام لے لیتے ہیں یا ان کی کنیت بیان کر دیتے ہیں یا راوی کو اس کے دادا کی جانب منسوب کر کے بیان کر دیتے ہیں تاکہ پہچان نہ لیا جائے۔ یہ شرع پر الزام ہے کیونکہ وہ ایک ایسا حکم ثابت کر رہا ہے جو اس سے ثابت نہیں ہو سکتا۔[2]

اگر ''مروی عنہ'' یعنی راوی کا استاد اور شیخ ثقہ ہو تو اسے دادے کی طرف منسوب کر دے یا صرف اس کی کنیت ذکر کرنے پر اکتفاء کرے تاکہ یہ ظاہر نہ ہونے پائے کہ اس نے اسی سے بار بار روایت کی ہے' یا پھر ''مروی عنہ'' راوی کے مرتبہ ہی میں ہوتا ہے' تو راوی اس کا ذکر کرنے سے حیا محسوس کرتا ہے' یہ بھی طریقہ درست نہیں ہے' لیکن اگر راوی ثقہ ہے تو یہ عمل مکروہ ہے۔ (پہلے طریقوں کی طرح حرام نہیں ہے۔)

---

[1] صحیح مسلم' مقدمۃ' باب وجوب الروایۃ عن الثقات وترک الکذابین'...... حدیث : ۱' و احمد (۵/ ۱۴) عن سمرۃ بن جندب

[2] یہی تدلیس ہے اور یہ مذموم ہے' ائمہ اصول حدیث نے کہا ہے: التدلیس اخو الکذب'' تدلیس جھوٹ کا بھائی ہے' اور یہ بھی کہتے ہیں لان یزنی الرجل احب الینا من ان یدلس ''آدمی کا زنا کر لینا ہمارے نزدیک تدلیس سے اچھا ہے''

اس سلسلے میں ملاحظہ فرمائیں ''مقدمہ ابن الصلاح'' (ص ٦٦) اور ''الشذ الفیاح من علوم ابن الصلاح'' (ص ۷۵) جو میری تحقیق سے مزین ہیں۔

فقہاء پر تلبیسی اثرات

زمانۂ قدیم میں فقہاء ہی قرآن و حدیث والے ہوتے تھے' پھر معاملہ زوال پذیر ہوتا رہا' حتیٰ کہ متاخرین نے کہا: ہمیں اتنا ہی کافی ہے کہ ہم قرآن کریم سے آیات احکام ہی کو پہچان لیں اور حدیث کے علم میں کسی مشہور کتاب ہی پر اعتماد کر لیں جیسے کہ ''سنن ابی داود'' وغیرہ۔

پھر بعد میں انھوں نے اسے بھی خاطر میں نہ لایا یعنی سستی اور غفلت سے کام لینے لگے' حتیٰ کہ حالت ایسی بن گئی کہ ایک فقیہہ ایک قرآنی آیت سے استدلال کرتا لیکن خود اس کا مفہوم نہیں سمجھتا اور ایسی حدیث سے حجت پکڑتا جس کے صحیح اور ضعیف ہونے کے متعلق اسے بھی علم نہیں ہوتا تھا۔

اور بعض اوقات علم نقل میں رسوخ نہ ہونے کی وجہ سے ایسے قیاس پر بھی اعتماد اور بھروسا کر لیتا ہے جو ''صحیح حدیث'' سے معارض اور متصادم ہوتا ہے اور اسے علم بھی نہیں ہوتا' حالانکہ فقہ تو کتاب وسنت سے مسائل استخراج کرنے کا نام ہے' اور وہ کسی چیز سے مسائل کیسے اخذ کر سکے گا جسے وہ جانتا ہی نہیں ہے؟!

❀ ایک پہلو یہ بھی ہے کہ کسی ایسی حدیث پر حکم کی بنیاد رکھی جائے جسے وہ جانتا ہی نہیں کہ یہ صحیح ہے یا نہیں؟

یقیناً اس حقیقت سے شناسائی مشکل معاملہ تھا' انسان کو دور دراز کے سفر کرنے پڑتے تھے' مشقتیں برداشت کرنا پڑتی تھیں پھر کہیں جا کر اسے یہ معلوم ہوتا تھا۔ پھر کتابیں تصنیف کر دی گئیں' قوانین و مصطلحات بنائے گئے' صحیح وضعیف کی پہچان ہوئی' لیکن متاخرین پرستی اور کاہلی ایسی غالب آتی گئی کہ وہ علمِ اصولِ حدیث کا مطالعہ کرنے سے بھی جاتے رہے' حتیٰ کہ میں نے بعض اکابر فقہاء میں ایسے بھی دیکھے ہیں جو اپنی ایک تصنیف کردہ کتاب ''کتب صحاح'' میں وارد الفاظ کے متعلق یوں کہتے ہیں:

---

۱ ہمارے دور حاضر کے مفتیان حضرات کا بھی یہی حال ہے جو شیوخ عظام ہونے کے دعویدار ہیں' یہ دور حاضر کا سانحہ ہے فالی اللہ المشتکی

"یہ بات درست نہیں ہو سکتی کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا ہو"

اور میں نے اس صاحب کو بھی دیکھا ہے کہ ایک مسئلہ میں دلیل دیتے ہوئے یوں کہتے ہیں:

"اس ضمن میں ہمارے لیے دلیل وہ ہے جس کو کسی نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے اس طرح فرمایا ہے۔"

اور یہی اس صحیح حدیث کے متعلق جس سے ان کے مد مقابل اور حریف نے استدلال کیا ہے' یہ جواب دیتے ہیں:

"یہ حدیث معروف نہیں ہے"

ایسی سب باتیں اسلام پر ظلم ہیں۔¹!

❀ فقہاء پر تلبیس ابلیس کے اثرات میں سے یہ امر بھی ہے کہ ان کا سارا زور "علم مناظرہ" سیکھنے ہی پر ہوتا ہے۔ وہ اپنے گمان کے مطابق "حکم" پر دلیل کی صحت' شرع کی باریکیاں اور مذہب کی علتیں استنباط کرتے رہتے ہیں۔ اگر ان کا یہ دعویٰ صحیح اور خالص ہوتا تو وہ دین کے تمام مسائل میں مشغول ہوتے۔ وہ تو صرف بڑے بڑے (اختلافی اور متنازع) مسائل ہی میں مصروف رہتے ہیں تاکہ ان میں گفتگو کو وسعت دے دیں۔

پھر ایسا مناظر عوام الناس کے سامنے بھی مناظرانہ انداز میں دلائل پیش کرتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا مقصد مناظرے کو ترتیب دینا اور متنازع مسائل میں تفتیش کرنا صرف مقابلے بازی اور برتری کے حصول کے لیے ہی رہتا ہے' حالانکہ بعض اوقات وہ ایک عام مشہور مسئلے سے ناواقف ہوتا ہے۔

کلام فلاسفہ اور علم مناظرہ

ان لوگوں پر ابلیسی چالوں میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ یہ واضح دلیل بننے والی

---

¹ لگتا ہے کہ جب مصنف رحمہ اللہ یہ عبارتیں تحریر کر رہے تھے اور ان کے پیش نظر ہمارے اس دور اور زمانے کے تالیف کے دلدادہ مؤلفین ہوں گے جو بغیر علم کے ہی لکھتے جا رہے ہیں' بلا مقصد ہی تالیفات کے ڈھیر لگائے جا رہے ہیں۔ اگر میں اس موضوع پر مثالیں ذکر کرنا شروع کر دوں جتنا مجھے علم ہے تو موضوع کافی لمبا ہو جائے گا۔ فلا قوۃ الا باللہ

حدیث پر بھی قیاس کو ترجیح دیتے ہیں' تاکہ مناظرہ کرتے ہوئے میدان جدل کو وسیع کیا جائے اور اگر کوئی حدیث سے استدلال کرتا ہے تو اسے حقیر و بے وقعت سمجھا جاتا ہے حالانکہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ استدلال کرنے میں حدیث کو مقدم رکھا جائے۔[1]

اور ایک مصیبت یہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنا شغل صرف مناظرے ہی کو بنا لیا ہے اور پھر اس شغل میں انھوں نے اس چیز کو ملانا اور شامل کرنا گوارہ ہی نہیں کیا جس سے دلوں میں رقت پیدا ہوتی ہے یعنی قراءت قرآن کریم' سماع حدیث' سیرت رسول کریم ﷺ اور سیرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

اور یہ بات معلوم شدہ ہے کہ صرف نجاستوں کو زائل کرنے سے اور متغیر پانی کے مسائل سنتے رہنے سے دلوں میں خشوع وخضوع اور خشیتِ الٰہی نہیں آ سکتی بلکہ انھیں مواعظ حسنہ اور پند ونصائح کی بھی اشد حاجت رہتی ہے' تاکہ یہ طلبِ آخرت کے لیے مستعد ہو سکیں۔

اختلافی مسائل اگرچہ علم شرع سے ہیں لیکن یہی مسائل پورے مطلوب ومقصود کو حاصل کرنے کا بیڑا نہیں اٹھا سکتے۔ اور جو آدمی سلف صالحین کی سیرتوں کے اسرار کی اطلاع ومعرفت نہیں پاتا اور اپنے اختیار کردہ مسلک و مذہب کی حالت پر غور نہیں کرتا' وہ کبھی بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نہیں پا سکتا۔

اور یہ بھی معلوم کر لینا چاہیے کہ ''انسانی طبع'' تو چور ہے' جونہی اسے اہل زمانہ کے

---

[1] بلکہ یقیناً یہی واجب ہے' کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

اَلْعِلْمُ قَالَ اللّٰهُ وَ قَالَ رَسُوْلُهٗ
قَالَ الصَّحَابَةُ لَيْسَ بِالتَّمْوِيْهِ

''علم وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے' اور جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے وہ بھی باطل اور جھوٹ نہیں ہے''

مَا الْعِلْمُ نَصْبَكَ لِلْخِلَافِ سَفَاهَةً
بَيْنَ الرَّسُوْلِ وَبَيْنَ رَأْيِ فَقِيْهٖ

''علم یہ نہیں کہ تو رسول اللہ ﷺ اور فقیہ کی رائے کے درمیان اظہار حماقت کرتے ہوئے دونوں کے درمیان اختلاف ہی کو قائم رکھے''

ساتھ چھوڑ دیا جائے تو ان کی طبیعتوں کی چوری کرتی ہے اور پھر ان جیسی ہی بن جاتی ہے' لیکن اگر اسلاف اور پہلے لوگوں کی سیرتوں پر نگاہ رکھی جائے تو ان سے مزاحمت کرتی ہے اوران کے اخلاق سے آراستہ ہو جاتی ہے۔

بعض بزرگ تو یوں بھی کہا کرتے تھے:

"ایسی ایک حدیث جس کے سامنے میرا دل رقیق ونرم ہو جائے' قاضی شریح[1] کے ایک سو فیصلوں سے مجھے زیادہ محبوب ہے"۔[1]

اس نے یہ بات صرف اس لیے کہی تھی کیونکہ دل کی نرمی تو مقصود ہے اور اس کے لیے چند اسباب ہوتے ہیں۔

ان شیطانی چالوں میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ انھوں نے صرف مناظرہ کرنے پر اکتفاء کرلیا ہے اور مذہب کی حفاظت اور باقی شرعی علوم سے اعراض و روگردانی کر لی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ایک مفتی اور فقیہہ صاحب سے کسی آیت یا کسی حدیث کے متعلق دریافت کیا جاتا ہے لیکن وہ صاحب نہیں جانتے ہوتے۔

یہ دھوکا دہی ہے۔ اتنی بڑی کوتاہی اور تقصیر پر خودداری اور غیرت کہاں گئی؟!

حالانکہ بحث و مناظرہ اور جدل و مباحثہ تو اس لیے شروع ہوا تھا تاکہ صحیح راستہ اور قولِ حق واضح ہو جائے۔ اور سلف صالحین کا مقصد اس طریقے سے خیر خواہی کرنے کے ساتھ ساتھ اظہارِ حق کا بھی تھا۔ اسی لیے وہ ایک دلیل سے دوسری دلیل کی جانب منتقل ہوتے تھے' اور جب کسی ایک پر کوئی چیز مخفی رہتی' تو کوئی دوسرا اسے آگاہ و خبردار کر دیا کرتا تھا' کیونکہ مقصود تو صرف اظہارِ حق ہوتا تھا' تو یہ لوگ اس طرح بن گئے کہ جب کوئی فقیہہ ایسی علت کے سبب' جسے وہ درست خیال کرتا ہو' کسی اصل شرعی حکم پر قیاس کرتا تو اس سے پوچھا جاتا: اس پر کون سی دلیل ہے کہ اس اصل میں اسی علت کے سبب یہی حکم ہے؟ تو وہ جواب دیتا: بس میرے لیے تو یہی ظاہر ہوا ہے' اگر تمہارے سامنے اس سے بہتر کوئی چیز

---

[1] قاضی شریح مشہور قاضیوں میں سے ایک ہیں' آپ ۷۸ھ میں فوت ہوئے' "اخبار القضاۃ" (۲/۱۸۹-۴۰۲) میں ان کے حالات دیکھے جا سکتے ہیں۔

ظاہر ہوتی ہے، تو اسے تم ذکر کر دو، کیونکہ معترض اسے ذکر کرنا مجھ پر لازم قرار نہیں دے سکتا۔

یقیناً وہ اس امر میں سچا اور حق بجانب ہے کہ معترض اسے لازمی تو قرار نہیں دے سکتا لیکن یہ نظر خیر خواہی اور اظہار حق اس چیز کو تجھ پر لازم قرار دیتا ہے۔

اور انہی امور میں سے یہ بھی ہے کہ ایک حریف و مخالف کے سامنے راہِ حق اور قول صواب ظاہر بھی ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی وہ اپنے مؤقف سے رجوع نہیں کرتا ہے بلکہ اس بات پر اس کا دل تنگی محسوس کرتا ہے کہ اس کے حریف کے لیے حق کیونکر ظاہر ہو گیا ہے۔ اور بعض اوقات اس کی تردید کرنے کے لیے مزید اجتہاد اور کوششیں کرتا ہے، باوجود یہ جان لینے کہ معاملہ تو یہی حق اور سچ ہے۔ یہ طرزِ عمل انتہائی برا اور قبیح ہے، کیونکہ مناظرہ تو صرف بیانِ حق اور سچ کو واضح کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

''میں نے جس کسی سے بھی مناظرہ کیا اور پھر اس نے حجت اور دلیل کا انکار کر دیا تو وہ میری نظر سے گر گیا۔ اور جس نے دلیل و حجت کو قبول کر لیا، میں اس سے ڈرنے لگا۔ میں نے جب بھی کسی سے مناظرہ کیا تو مجھے کوئی پروا نہیں ہوئی کہ دلیل کس کی حامی بنے گی، اگر دلیل اس مدِ مقابل کے پاس ہوتی تو میں اسی کی طرف پلٹ جاتا تھا یعنی وہی مؤقف قبول کر لیتا تھا۔''

❀ اور انہی امور میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ مناظرے کے ذریعے سے جاہ و مرتبہ اور دنیوی رتبے کا حصول ان کے دلوں میں مخفی جاہ و مرتبہ کی محبت کو مزید بھڑکا دیتا ہے۔ تو جب کوئی اپنے مدِ مقابل کے سامنے اپنے کلام اور گفتگو میں کمزوری دیکھتا ہے جو مدِ مقابل کے اس پر غالب ہونے کا باعث ہو سکتی ہے تو وہ ایسی گفتگو کرتا ہے جو مد مقابل کو غصہ دلاتی ہے اور جب مد مقابل کی حمیت جاگتی ہے تو وہ گالی گلوچ پر اتر آتا ہے اور مناظرہ لڑائی جھگڑے میں بدل جاتا ہے۔

❀ اور پھر انہی امور میں سے یہ بات بھی ہے کہ مناظرے کی روئیداد بیان کرنے

کے نام پر انھوں نے غیبت کی بھی رخصت دے رکھی ہے' ان میں سے ایک یوں کہتا ہے:

''میں نے فلاں سے گفتگو کی ہے تو اسے کوئی جواب تک نہیں آیا' اور ایسی گفتگو کرتا ہے جس سے اس مدِمقابل کے معاملے میں تشفی حاصل ہو جائے۔''

❀ اور انہی باتوں میں سے یہ بات بھی ہے کہ ابلیس نے انھیں یہ دھوکا دیا ہے کہ صرف فقہ ہی علم شرع ہے' اس کے ہم پلہ اور کوئی علم نہیں ہے۔ اگر ان کے حضور کسی محدث کا تذکرہ کیا جائے تو کہتے ہیں: وہ تو کچھ بھی نہیں سمجھتا اور اس حقیقت کو فراموش ہی کر جاتے ہیں کہ حدیث ہی تو اصل ہے۔

اگر ان کے سامنے دل کو نرم کرنے والی کسی بات کا ذکر کیا جائے تو یہ کہتے ہیں:

''یہ تو واعظین کا کلام ہے۔''

❀ ان باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ فتویٰ صادر کرنے کے مرتبے پر پہنچنے سے پہلے ہی فتویٰ دینا شروع کر دیتے ہیں' اور بعض اوقات تو صرف اپنے ہی واقعات کے ساتھ جو شرعی نصوص کے برعکس ہوتے ہیں' فتوے صادر کرتے رہتے ہیں' حالانکہ اگر وہ ایسے مشکل مسائل میں توقف اختیار کر لیتے تو یہ زیادہ بہتر ہوتا۔

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں:

''میں نے ایک سو بیس (۱۲۰) اصحابِ رسول ﷺ کو پایا' ان میں سے کسی سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ دوسرے کی طرف مسئلے کو لوٹا دیتا اور یہ اس سے دوسرے کی طرف' حتیٰ کہ اسی طرح مسئلہ واپس پہلے کی طرف پلٹ آتا۔''

دوسری روایت میں انہی سے مروی ہے' کہتے ہیں:

''میں نے اسی مسجد میں ایک سو بیس (۱۲۰) انصار صحابہ رسول ﷺ کو پایا تھا' ان میں سے ہر کوئی حدیث بیان کرنے کے معاملے میں یہی چاہتا ہوتا کہ اس کا بھائی ہی اس کی جگہ پر بیان کر دے' اور اسے کافی ہو جائے۔ اور اگر کسی سے کوئی فتویٰ پوچھا جاتا وہ یہی چاہتا کہ اس کا کوئی بھائی ہی اس فتوے سے کفایت کر جائے' یعنی وہ ہی بیان کر دے۔''

ابراہیم نخعی سے ہمیں یہ روایت ملی ہے کہ کسی آدمی نے ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا:

''کیا یہ مسئلہ دریافت کرنے کے لیے آپ کو میرے سوا کوئی نہیں ملا؟''

سیدنا مالک بن انس رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: میں نے اس وقت تک کوئی فتویٰ نہیں دیا جب تک کہ میں نے ستر شیوخ عظام سے پوچھ نہیں لیا تھا: ''کیا آپ مجھے فتویٰ دینے کا اہل دیکھتے ہیں؟'' سب نے کہا: جی ہاں!

آپ سے دریافت کیا گیا: اگر وہ شیوخ آپ کو روک دیتے؟

فرماتے ہیں: اگر وہ مجھے روک دیتے تو میں رک جاتا۔

یہ تھی اسلاف کی عادت اور ان کا امتیازی وصف' اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف رکھنے کی وجہ سے۔ اور جو بھی ان کے طریقے پر نگاہ رکھے گا' وہ ادب سیکھ لے گا۔

امراء اور سلاطین کا قرب حاصل کرنا

فقہاء پر تلبیس ابلیس کے اثرات میں سے یہ بھی ہے کہ امراء اور سلاطین کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں اور ان کی چاپلوسی کرتے ہیں' اور قدرت و ہمت رکھنے کے باوجود ان کی کوتاہیوں اور غلطیوں پر انکار نہیں کرتے بلکہ بعض اوقات تو انھیں ایسے امور میں رخصتیں بھی دے دیتے جن میں کوئی رخصت اور رعایت نہیں ہوتی' تاکہ یہ اپنی دنیا کی سہولتوں کو پا سکیں۔ ایسے طرز عمل سے تین شخصیتوں سے فساد واقع ہوتا تھا:

اول

امیر کے اعتبار سے' وہ کہتا تھا: اگر میں سیدھے راستے پر نہ ہوتا تو فقیہ مجھ پر اعتراض کرتا اور مجھے ٹوک دیتا۔ میں کس طرح راہ حق پر نہیں ہوں جب کہ وہ میرا مال بھی کھا رہا ہے؟!

دوم

عوام کی طرف سے' ان میں سے ایک آدمی کہتا: اس امیر پر' اس کے مال پر اور اس

کے افعال و کردار پر کوئی اعتراض نہیں ہے' کیونکہ وہ فلاں فقیہہ صاحب اس کے دربار میں ہمہ وقت حاضر رہتے ہیں۔

سوم

فقیہہ کی جہت سے' کیونکہ اس طرز عمل سے اس کا دین خراب ہو جاتا تھا۔

ابلیس نے ان لوگوں کو سلطانِ وقت کے درباری بننے پر بھی دھوکا دیا ہے اور فقیہہ صاحب کو یہ تصور دلایا کہ وہ تو کسی مسلمان کی حمایت کرنے اور سفارش کرنے کے لیے وہاں گیا تھا۔[1]

یہ شیطانی چال اس طرح کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ کوئی دوسرا بادشاہِ وقت کے پاس آ کر سفارش کرے تو اسے یہ اچھا نہیں لگتا' بلکہ بعض اوقات اس شخص کے عیوب بھی بیان کر آتے ہیں کیونکہ اس وقت یہ سلطانِ وقت کے پاس خلوت میں ہوتے ہیں۔

ابلیس کی دھوکا بازیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کا مال کھانے میں ابلیس یہ دھوکا دیتا ہے کہ ''آپ کا ان مالوں میں حق بنتا ہے۔''

اور یہ بات معلوم ہے کہ اگر تو یہ مال حرام ہے تو اس فقیہہ کے لیے بالکل حلال نہیں ہے اور اگر یہ مال شبہے والا ہے تو پھر اس کا ترک کرنا زیادہ بہتر ہے' اور اگر وہ مال حلال اور مباح ہے تو پھر بھی اسے اپنے مقام و منزلت کے بقدر لینا جائز ہے نہ کہ اپنی دنیوی رعونت

---

[1] فسادات اور خرابیوں سے ڈرتے ہوئے ہی اسلاف سلطانِ وقت کے دروازوں کے قریب نہیں ہوا کرتے تھے' بلکہ انہی سلف صالحین میں سے ایک نے تو یہاں تک فرمایا ہے: جب تم کسی عالمِ دین کو سلطانِ وقت کے دروازوں پر دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ چور ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ نے یوں فرمایا ہے:

((اِیَّاکُمْ وَاَبْوَابَ السُّلْطَانِ' فَاِنَّہٗ قَدْ اَصْبَحَ صَعْبًا ھَبُوْطًا))

''تم خاص طور پر سلطان وقت کے دروازوں سے بچے رہو' کیونکہ جس نے بھی اس طرح کیا وہ انتہائی ذلت و پستی میں جا پڑا۔''

اور یہ حدیث حسن ہے۔ اس کی تخریج میں نے کتاب ''اربعین الدعوۃ والدعاۃ'' (نمبر ۳۱) کے تحت کی ہے۔ اس کے علاوہ ضیاء مقدسی کی ''نصیحۃ الملك الاشرف'' میری تحقیق سے مزین بھی دیکھ لیں' اس میں تفصیل کا ایک اور رنگ ہے۔

اور اوچھے پن کو قائم رکھنے کے لیے بنام خرچہ لیتا رہے۔ اور بعض اوقات تو عوام الناس اس کے فعل کی اقتداء کرتے ہوئے ایسا کرنا شروع کر دیتے ہیں اور ایسے مال کو مباح سمجھنے لگتے ہیں جو ان کے لیے مباح نہیں ہوتا۔

ابلیس نے علماء کی ایک جماعت کو یوں بھی دھوکے میں جکڑا ہے کہ وہ سلطان وقت سے بالکل منقطع ہی ہو جاتے ہیں اور صرف اپنی عبادت گزاری اور دین داری پر دھیان دیتے ہیں۔ ابلیس ایسے علماء کے لیے' ان علماء کی غیبت کرنے کو آراستہ کر دیتا ہے جو سلطانِ وقت کے دربار میں حاضری دیتے ہیں۔ اس طرح ابلیس ان کے لیے دو طرح کی آفتیں جمع کر دیتا ہے:

لوگوں کی غیبت اور اپنی ذات کی مدح وستائش۔

قصہ مختصر' سلاطین اور حکمرانوں کے پاس حاضری دینا عظیم خطرات سے بھرپور ہے' کیونکہ ابتداء میں نیت اچھی اور نیک ہوسکتی ہے پھر ان کے انعامات وعنایات کے باعث رفتہ رفتہ بدلتی جاتی ہے' یا پھر ان میں طمع و لالچ رکھنے سے متغیر ہو جاتی ہے اور ان کی چاپلوسی کرنے اور ان کے اعمال ناپسندیدہ پر اعتراض کرنے کے معاملے میں ضبط وثبات قائم نہیں رہتا۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''مجھے ان کی طرف سے اپنی توہین کا اندیشہ اور خوف نہیں ہے' مجھے تو صرف خطرہ ان کے اکرام وانعام دینے پر ہے' کیونکہ اس طرح میرا دل ان کی طرف مائل ہو جائے گا۔''

علمائے سلف' امراء اور حکمرانوں کے ظلم و جور کی وجہ سے ان سے دور ہی رہا کرتے تھے۔ اس وقت امراء خود ان کو بلاتے تھے اور ان سے فتوے طلب کرتے تھے پھر کچھ ایسے لوگ پیدا ہوگئے جن کی دنیوی حرص و ہوس بڑھتی گئی' انھوں نے ایسے علوم وفنون کو سیکھنا شروع کر دیا جو امراء کے مفاد میں تھے۔ وہ ان علوم کو امراء کی خدمت میں پیش کرتے تا کہ اپنے دنیوی مفادات حاصل کر لیں۔

یہ بات آپ کو اس طرح بخوبی سمجھ آ جائے گی کہ یہ علماء خود ان کے پاس گئے حالانکہ پہلے وقت میں امراء اور حکمران طبقہ کے لوگ اصول میں دلائل و براہین سننے کی طرف میلان طبع رکھتے تھے' تو لوگوں نے علم الکلام ایجاد کر لیا۔ امراء کا طبقہ فقہی مسائل میں مناظرے سننے کی طرف مائل ہوا تو لوگ علم مناظرہ کی طرف لپک پڑے۔ بعض امراء اور حکمران پند و نصائح سننے کی جانب متوجہ ہوئے تو لوگوں کی بہت سی تعداد ان پند و نصائح کو سیکھنے لگی۔ جس وقت عوام کی اکثریت ان قصوں اور کہانیوں کی طرف مائل ہو گئی تو قصہ گو لوگوں کی بہتات اور فقہاء کی قلت ہوتی گئی۔

فقہائے کرام پر ابلیس کی فریب کاریوں میں سے یہ بھی ہے کہ ان میں سے کچھ مدرسے کی وقف املاک میں سے کھاتے پیتے رہتے ہیں' حالانکہ وہ اشیاء تو صرف علم میں مصروف و مشغول ہونے والوں کے لیے وقف کی گئی ہوتی ہیں' تو یہ فقیہہ صاحب سالہا سال وہیں قیام پذیر رہتے ہیں جبکہ حصول علم میں بھی مشغول نہیں ہوتے' بس اپنے معلوم شدہ علم ہی پر قناعت کیے رہتے ہیں' یا علم میں حد انتہا تک پہنچے ہوتے ہیں' اس طرح اس مالِ وقف میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا' کیونکہ وہ تو صرف علم سیکھنے والوں کے لیے وقف کیا گیا ہوتا ہے' یا ایسے شخص کے لیے جو علم کا اعادہ کرنے والا ہو یا استاد ہو' کیونکہ اس کا علمی شغل تو مسلسل قائم و دائم ہے۔

اور ان امور میں سے یہ بات بھی ہے جو انہوں نے حرام اور ممنوع چیزوں میں وسعت پیدا کر دی ہے' بعض فقہاء اور امراء نے ریشمی لباس پہننا اور سونا استعمال کرنا شروع کر دیا' اس کے علاوہ دیگر معاصی و محارم کا ارتکاب بھی کرنے لگے۔

ان لوگوں کی وسعت و کشادگی پیدا کرنے کے اسباب مختلف ہوتے تھے:

ان میں سے کچھ تو دینی لحاظ سے فاسد العقیدہ ہوتے ہیں' وہ اس لیے فقاہت کا لبادہ اوڑھتے ہیں تاکہ اپنی ذات کو چھپائے رکھیں' یا وقف املاک سے مستفید ہو سکیں' یا چودھراہٹ اور سرداری کو پا سکیں یا مناظرے کرتے رہیں۔

ان میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو صحیح العقیدہ ہوتے ہیں لیکن ان پر

خواہشات نفسانیہ غالب آ جاتی ہیں اور وہ بھی حرص وہوس کے بندے بن جاتے ہیں۔ انھیں ان خواہشات اور طمعوں سے پھیرنے والا کوئی نہیں ہوتا کیونکہ جدل و مناظرے کا علم تو بذات خود کبر وغرور اور خود پسندی کی طرف ابھارتا ہے۔ نفس کی تربیت کرنے کے ساتھ ہی انسان راہ راست پر رہ سکتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ سلف صالحین کی سیرتوں کا مطالعہ اسے استقامت بخشتا ہے۔ لیکن ان لوگوں کی اکثریت ان امورِ تربیت اور اصلاحی عناصر سے دور ہی رہتی ہے۔ ان کے پاس تو بس ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو نفس کو اونچا رکھنے کے لیے معاون و مددگار ہوتی ہیں' تو ایسی صورتِ حال میں خواہشات بآسانی بے قابو ہو جاتی ہیں۔

اور ان میں سے بعض لوگوں پر ابلیس نے اس طرح حملہ کیا کہ اسے باور کروایا کہ تم عالم اور مفتی ہو اور علم اپنے ارباب واصحاب کا دفاع کر لے گا۔

کتنی دور کی سمجھائی' کہاں لا پھینکا! کیونکہ علم تو بے عمل صاحب علم کے خلاف جھگڑے گا اور اس کے عذاب میں اضافے کا باعث ہوگا۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: فقیہہ تو صرف وہ آدمی ہے جو اللہ عزوجل سے ڈر ڈر کر رہتا ہے۔

ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میں نے ایک خراسانی فقیہہ کو دیکھا جس نے ریشمی لباس اور سونے کی انگوٹھیاں پہنی ہوئی تھیں' میں نے اس سے دریافت کیا' یہ کیا ہے؟ وہ بولا: سلطان وقت کی خلعتیں ہیں اور دشمنوں کو رنجیدہ کرنے والی چیزیں ہیں۔ میں نے اسے جواب دیا: اگر تو مسلمان ہے تو تیرے اس عمل سے دشمنانِ دین کی خوشی ہے' کیونکہ ابلیس تیرا دشمن ہے اور جب وہ اس درجے تک پہنچ چکا ہے تو اس نے تجھے یہ چیزیں پہنوا دی ہیں جو خلاف شرع ہیں' تو یقیناً تو نے اپنی ذات وشخصیت سے اسے خوش کر دیا ہے' کیا سلطان کی خلعتیں رحمٰن کی منع کردہ چیز کو جائز ومباح کر سکتی ہیں؟

اے مسکین! سلطان نے تجھے خلعت کیا پہنائی' تو اس کی وجہ سے ایمان کی خلعت سے محروم ہو گیا' حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ سلطان تیری وجہ سے خود فسق کا لباس اتار دیتا اور تجھے تقویٰ کا لباس پہناتا۔

اللہ تعالیٰ تمہیں اسی طرح ذلیل وخوار کرے جس طرح تم نے اس کے حکم کی توہین کی ہے' کاش کہ تو یہ جواب دیتا: یہ تو طبع کی شیخیاں اور گھمنڈ ہیں۔ اب تو تیری آزمائش مکمل ہو چکی ہے' کیونکہ تیری ظاہری زیادتی اور شرعی خلاف ورزی تیرے فساد باطن کی غماز اور کھلی دلیل ہے۔

اس کی دھوکا پر مبنی چالوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ واعظوں کو ان کی نگاہ میں حقیر جاننا بڑا خوبصورت بنا کر دکھاتا ہے اور ان کے مواعظ ونصائح میں شریک وحاضر ہونے سے روکے رکھتا ہے' اور یہ لوگ یوں کہہ دیتے ہیں' جانتے ہو بھلا یہ کون لوگ ہیں؟ چھوڑو انھیں' یہ تو قصہ گو لوگ ہیں!

اور ابلیس کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ یہ کسی ایسی جگہ حاضر نہ ہوں جہاں دل نرم ہوتے ہوں اور ان میں خشیت الٰہی پیدا ہو سکتی ہو۔ اور قصہ گو واعظوں کی صرف اس نام کی بنیاد پر مذمت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اقدس کے متعلق بھی یہ لفظ استعمال فرمایا ہے:

﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ ﴾ (یوسف: ۱۲/ ۳)

''ہم آپ کے سامنے بہترین (قصے) بیان پیش کریں گے''

دوسرے مقام پر نبی اکرم ﷺ کو اس طرح فرمایا:

﴿ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ ﴾ (الاعراف: ۷/ ۱۷۶)

''سو آپ اس حال کو بیان کر دیجیے''

ان قصہ گو حضرات کی مذمت اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ یہ لوگ عموماً اور غالباً قصوں کو وسعت وطوالت سے بیان کرتے ہیں اور مفید علمی گفتگو بیان ہی نہیں کرتے۔ ان کے بیان کا غالب حصہ دوسرے مواد کو بھی خلط ملط کر دیتا ہے' بلکہ بعض اوقات تو وہ ایسی باتوں پر اعتماد کرتے ہیں جن کا اکثر حصہ ناممکن اور محال ہوتا ہے۔

لیکن اگر قصہ اور کہانی کا بیان حقیقت وصداقت پر مبنی وعظ ونصیحت پر مشتمل ہو تو وہ قابل تعریف ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

''لوگوں کو سچے قصوں کی بہت زیادہ حاجت ہے''

واعظین اور قصہ گو حضرات پر شیطانی حملے

زمانہ قدیم میں واعظین، علماء اور فقہاء ہوا کرتے تھے، عبید بن عمیر[1] کی مجلس میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی حاضر ہوتے تھے اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ایک قصہ گو کی مجلس میں شریک ہوا کرتے تھے۔

پھر یہ ہنر کم درجہ اور بے وقعت ہوتا گیا اور جاہلوں کا طبقہ اس کے درپے ہو گیا، تو ایسے لوگوں کے پاس صاحبانِ شرف وفضلیت آنے کم ہوتے گئے، حتیٰ کہ بالکل ہی دور ہو گئے، جبکہ عورتیں اور عوام الناس ان سے جڑتے گئے، وہ علم میں مشغول نہ ہوئے بلکہ قصوں، کہانیوں اور جاہلوں کی دل پسند باتوں کی طرف ہی بڑھتے چلے گئے، پھر اس طرح اس ہنر و فن میں مختلف انداز کی بدعات جنم لیتی گئیں۔

❀ ہم نے ان کی آفات ومصائب کو کتاب ''القصاص والمذکرین''[2] میں ذکر کیا ہے، البتہ ہم چند ایک کا یہاں ذکر کیے دیتے ہیں:

ان لوگوں میں ایک ایسی قوم بن گئی جو ترغیب وترہیب کی احادیث وضع کرنے لگے، ابلیس نے انھیں یوں دھوکا دیا کہ ہم تو صرف لوگوں کو نیکی پر آمادہ اور برائی سے متنفر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، جبکہ ان کی طرف سے یہ جسارت شریعت پر پیش قدمی تھی، کیونکہ ان کے طرز فکر اور انداز عمل سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ شریعت ناقص و نامکمل ہے جو تکمیل و اتمام کی محتاج ہے، پھر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اقدس بھی فراموش کر بیٹھے:

((مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ))[3]

---

[1] عبید بن قتادہ بن سعید، ان کی ثقاہت پر اتفاق ہے۔ یہ اپنے زمانے میں اہل مکہ کے قاضی اور کبار تابعین میں سے تھے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تشریف لا کر یوں فرمایا کرتے تھے: ''ابو قتادہ کی خوبی اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے، کتنی خوب باتیں کرتے ہیں۔ (تہذیب: ۷/۷۱)

[2] یہ کتاب ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر محمد لطفی الصباغ حفظہ اللہ کی تحقیق سے مزین زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔

[3] صحیح بخاری، العلم، باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۱۱۰
صحیح مسلم، المقدمۃ، باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث: ۳ ←

"جس نے دانستہ مجھ پر جھوٹ باندھا[۱] اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے"

❀ اور ان امور میں سے ایک یہ ہے کہ ان لوگوں نے ایسی باتوں کی آمیزش کی ہے

← یہ حدیث مبارکہ متواتر احادیث میں سے ہے۔ امام طبرانی رحمہ اللہ نے اس کے تمام طرق کو ایک خاص جزء میں یک جا کر دیا ہے۔ میں اس کی تحقیق اور تخریج سے کچھ عرصہ قبل ہی فارغ ہوا جو کہ زیر طبع ہے۔

امام ابن جوزی رحمہ اللہ کے بقول تقریباً اٹھانوے (۹۸) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے روایت کیا ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں' اور یہ مقام و مرتبہ کسی دوسری روایت میں نظر نہیں آتا' ابن دحیہ نے ذکر کیا ہے کہ تقریباً چار صد طریقوں سے اس کی تخریج ہوگئی ہے' ان میں سے ایک روایت کے الفاظ اس طرح بھی ہیں:

"مَنْ نَقَلَ عَنِّيْ مَا لَمْ اَقُلْهُ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ فِي النَّارِ"

ملاحظہ فرمائیں:

کشف الخفا للعجلونی (۲/ ۳۶۱۔ ۳۶۲)' فتح الباری (۱/ ۲۴۵۔ ۲۴۶)

[۱] یہ جملہ ہر جھوٹے آدمی کے لیے عام ہے' اور یہ کذب اور دروغ گوئی کی ہر نوع و قسم کے لیے مطلق ہے۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ اقدس "عَلَيَّ" (مجھ پر) کا کوئی اور مفہوم نہیں ہے کیونکہ آپ کے مطلق طور پر جھوٹ بولنے سے منع کرنے کی بنا پر اس امر کا تصور نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی آپ کی خاطر جھوٹ گھڑ لے۔

جاہلوں کی ایک قوم نے اس سے دھوکا کھایا ہے' انھوں نے "ترغیب و ترہیب" میں احادیث وضع کرنا شروع کر رکھی ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ ہم آپ پر جھوٹ تو نہیں باندھ رہے بلکہ ہم تو یہ عمل آپ کی شریعت مبارکہ کی تائید ہی میں کر رہے ہیں۔ انھیں اتنی بھی سمجھ نہیں رہی کہ آپ کا نام لے کر بات کرنی جو آپ نے نہ فرمائی ہو اس کا صاف اور کھلا مطلب تو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے کیونکہ یہ تو احکام شرعیہ میں سے کسی حکم کو ثابت کرنا ہی ہوتا ہے' خواہ اس کا تعلق کسی واجب یا مندوب سے ہو اور خواہ اسی طرح ان کے مقابلے میں ہو' یعنی حرام یا مکروہ امر سے اس کا تعلق ہو۔

اس سلسلے میں خلاف ورزی کرنے والوں "کرامیہ" کا چنداں اعتبار نہیں کیا جائے گا جیسے کہ انھوں نے "ترغیب و ترہیب" کے مسائل میں دروغ گوئی اور جھوٹ کو دانستہ گھڑنے کو جائز رکھا ہے' صرف ان مسائل میں جو قرآن و سنت میں وارد ہیں' تاکہ ان کی مزید مضبوطی اور تائید ہو سکے۔ اور یہ لوگ اس بات سے حجت لیتے ہیں کہ یہ آپ کی خاطر جھوٹ ہے' آپ پر جھوٹ نہیں ہے۔ یہ بات تو عربی لغت سے جاہل ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔

اور ان میں سے بعض نے غیر ثابت شدہ الفاظ سے تمسک کرتے ہوئے یہی انداز اپنایا ہے جو الفاظ بزار نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے طریق سے اس طرح نقل کیے ہیں: ←

جو نفوس کو بے قرار و بے چین کرتی ہیں' اور دلوں کو مستی کی طرف کھینچتی ہیں' اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انھوں نے مختلف انواع کی باتیں گھڑی ہیں' آپ ان کو دیکھیں گے کہ عشق میں مدہوش ہو کر عشقیہ غزلیں اور پر کشش اشعار گاتے ہیں اور ابلیس نے انھیں یوں فریب کے جال میں پھنسا لیا ہے کہ جی ہم تو محبت الٰہی کی جانب اشارہ کرنے کا قصد رکھتے ہیں۔

اور یہ بات معلوم شدہ ہے کہ ان کی محافل و مجالس میں عام شرکاء نا سمجھ ہی ہوتے ہیں جن کے باطن خواہشاتِ دنیا سے لبریز ہوتے ہیں' تو اس طرح یہ قصہ گو خود بھی گمراہ ہوتے

← ''مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ لِيُضِلَّ بِهِ النَّاسَ''

''جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا تاکہ اس کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کر دے۔''

اس روایت کے موصول اور مرسل ہونے میں اختلاف ہے۔ امام دارقطنی اور امام حاکم نے اس کے مرسل ہونے کو راجح قرار دیا ہے' جبکہ امام دارمی نے ضعیف سند کے ساتھ یعلی بن مرہ کی حدیث نقل کی ہے لیکن اس کے ثابت ہونے کی صورت میں اس میں ''لام'' علت کے لیے نہیں ہوگا بلکہ صیرورت کے لیے ہوگا جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان گرامی کی تفسیر کی گئی ہے:

← ﴿ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ ﴾ (الانعام: ۶/ ۱۴۴)

''تو اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹی تہمت لگائے تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے۔''

تو اس کا معنی و مطلب یہ ہے کہ انجام کار یہ لوگوں کو گمراہی کی جانب لیے جا رہا ہے یا پھر اسے ذکر کرنے سے مقصود اس کے عموم سے بعض اجزاء کی تخصیص ہو سکتی ہے' تو ایسی صورت میں اس کا کوئی بھی مفہوم نہیں ہوگا جس طرح کہ درج ذیل ارشاد ربانی میں ہے:

﴿ لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ﴾ (آل عمران: ۳/ ۱۳۰)

''بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ''

اور یہ فرمان باری تعالیٰ:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ﴾ (الانعام: ۶/ ۱۵۱)

''اور اپنی اولاد کو افلاس کے سبب قتل مت کرو''

ان آیات مبارکہ میں گمراہی' بڑھا چڑھا کر سود کھانا اور اولاد کو قتل کرنا صرف معاملے کی تاکید کے لیے ہے حکم کی خصوصیت کے لیے نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں فتح الباری: ۱/ ۲۴۱

ہیں اور انھیں بھی گمراہ کرتے ہیں۔

ان واعظین میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنے دل میں موجود کیفیت وجد اور مقدار خشوع سے بڑھ کر ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور عوام الناس کی کثرت و بہتات ان جھوٹے اور مصنوعی اوصاف کو مزید بڑھاتی ہے تو دل زیادہ آہ و بکا اور مصنوعی خشوع و خضوع کے ساتھ سکون پاتا ہے۔ ان حضرات میں سے جو اپنے دعوے میں جھوٹا ہے یقیناً اس نے اپنی آخرت کو تباہ و برباد کر لیا' اور جو سچا ہے اس کی صداقت بھی ریا کاری کی آمیزش سے سلامت نہیں رہے گی۔

اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو نامناسب حرکات کرنے لگتے ہیں مثلاً پڑھنے کے بجائے گانے لگتے ہیں۔ ان کے موجودہ راگ بالکل گانا گانے کے مشابہ ہیں' جو مکروہ نہیں بلکہ حرام ہونے کے زیادہ قریب ہیں۔ ان میں پڑھنے والا جھومتا ہے اور قصہ گو ہاتھوں سے تالیاں بجانے اور قدموں کے ٹھمکے لگانے کے ساتھ غزلوں کو سُر لگا کر پڑھتا ہے جو کسی مدہوش سے بالکل ملتی جلتی حرکات کر رہا ہوتا ہے۔ ان حرکات اور سُروں سے انسانی طبائع میں انگیخت اور بشری نفوس میں ہیجان کا انگڑائی لینا لازمی نتیجہ ہے۔ مرد اور عورتیں نعرہ بازی اور شور و غوغا پر اتر آتے ہیں' حتیٰ کہ کپڑے پھاڑنے تک نوبت بھی آ جاتی ہے' اس لیے کہ تمام نفوس میں خواہشات و شہوات خوابیدہ اور پنہاں ہوتی ہیں' پھر یہ سامعین یوں کہتے ہوئے باہر نکلتے ہیں: ''یہ جلسہ تو خوب کمال کا تھا'' اس خوبی اور کمال سے ان کا اشارہ فقط انھی ناجائز اور نازیبا حرکات کی جانب ہی ہوتا ہے۔

اور ان میں سے کوئی اسی انداز کو اپناتے ہوئے جس کی ابھی ہم نے وضاحت کی ہے' اس مقام پر آ پہنچتا ہے کہ وہ فوت شدگان کے مرثیے پڑھنا شروع کر دیتا ہے' ان پر بیتے ہوئے آلام و مصائب کو بیان کرتے ہوئے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتا ہے' ان کی غریب الوطنی اور بے بسی کے تذکرے کرتا ہے' بالخصوص جو اس بے کسی اور غریب الدیاری میں چل بسا ہو' اس کے مرثیے گاتا ہے' جن کے باعث وہ عورتوں کو رلاتا ہے' تو اس طرح وہ جلسۂ وعظ اور محفلِ بیان ماتم کدہ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ ان پیاروں کی جدائی پر تلقینِ صبر ہوتی' نہ کہ جذبات کو بھڑکا

کر جزع وفزع کا سماں پیدا کیا جاتا۔

اور انہی واعظین میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو زہد دنیا اور حق تعالیٰ کی محبت کے دقائق اور باریکیوں کو موضوعِ گفتگو بناتے ہیں۔ ابلیس انہیں اس طرح دھوکا دینے میں کامیاب ہو جاتا ہے کہ تو خود بھی انہی باکمال زاہدوں اور محبت الٰہی میں مستغرق لوگوں میں سے ایک ہے' کیونکہ تو اس موضوع کو اس لیے بیان کر رہا ہے کہ تجھے اس کی معرفت نصیب ہوگئی ہے' وگرنہ تو اس کی استطاعت نہیں پا سکتا تھا۔ جو کچھ تو عوام الناس کے سامنے بیان کر رہا ہے' اس بات کی دلیل ہے کہ تو خود اس راہ وفا کا سالک اور راہرو بن چکا ہے۔

اس دھوکا دہی کو یوں عیاں کیا جا سکتا ہے کہ زبانی جمع خرچ ایک علم ہے جبکہ اس راہ وفا کا سالک ہونا علم کے بغیر ایک اور درجہ ہے' یعنی عامل ہونا اور مجاہدہ کا خوگر ہونا یہ الگ کام ہے' بقول شخصے:

ع کہنے کی وفا اور ہے کرنے کی وفا اور

اور ان میں سے بعض خلافِ شرع اقوال کو موضوع بنا لیتے ہیں اور عشقیہ اشعار کو بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں۔ ان کا مقصود اور مدعا صرف اور صرف اپنی مجلس میں نعرہ بازی اور چیخ و پکار کروانا ہوتا ہے' اگرچہ خلافِ شرع اور فضول کلام کے ذریعے ہی ہو۔

اور ان میں سے کتنے ہی ایسے ہیں جو عبارتوں کو ملمع سازی اور سجع کلامی کے قالبوں میں ڈھالتے ہیں' جو باعتبار معنیٰ مہمل ہوتی ہیں' عصرِ حاضر میں ان کی بیان بازی کا اکثر و بیشتر موضوع سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اور کوہ طور یا پھر سیدنا یوسف علیہ السلام اور زلیخا کے واقعات اور قصص ہی ہوتے ہیں' فرائضِ اسلام کا تذکرہ برائے نام بھی نہیں کرتے اور نہ ہی کسی گناہ سے روکنے کو موضوعِ گفتگو بناتے ہیں۔

تو اس اندازِ وعظ اور طرزِ بیان سے بھلا ایک زانی کب تائب ہو گا؟ ایک سود خور کب پلٹے گا؟ ایک بیوی کب اپنے شوہر کے حقوق سے شناسا ہو گی؟ اور کب اپنی نمازوں کی حفاظت شروع کرے گی؟

کتنی عجیب بات ہے!!

ع بہ بیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا

ان لوگوں نے شریعتِ محمدی کو تو پس پشت ڈال رکھا ہے' بس اسی لیے تو ان کی مانگ ہے اور ان کا بازار خوب گرم ہے' کیونکہ حق گراں اور بھاری لگتا ہے اور قبولِ باطل بالکل ہلکا بلکہ خوشگوار محسوس ہوتا ہے۔

اور ان میں سے بعض زہدِ دنیا' ترکِ لذتِ دنیا' شب بیداری اور سحر خیزی پر ابھارتے ہیں اور عوام الناس کے سامنے ان امور کی اصلیت اور مقصد کو عیاں نہیں کرتے' تو بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ سامعین میں سے کوئی آدمی گوشۂ خلوت اختیار کر لیتا ہے یا کسی پہاڑ کا رخ کر لیتا ہے اور اس کے پیچھے اس کی اولاد کسمپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہے' کیونکہ وہ تہی دست اور خالی دامن ہوتے ہیں۔[1]

ان میں سے بعض قصہ گو اور واعظ ایسے بھی ہیں جو رحمت الٰہی کے عناوین ہی پر زور آزمائی کرتے رہتے ہیں' بجائے اس کے کہ ان موضوعات کے ساتھ خوف وخشیت الٰہی پیدا کرنے والے تذکرے بھی شاملِ بیان کر لیں۔ اس طرح وہ لوگوں کو مزید گناہ کرنے کی جرأت دیتے ہیں' پھر شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ والی سواریوں اور ملبوسات فاخرہ کے تذکروں سے میلانِ طبع کو مزید تقویت دیتے ہیں۔ حقیقت میں یہ حضرات اپنے قول وفعل سے دلوں کی تباہی کا سامان بہم پہنچا رہے ہیں۔

واعظین اور قصہ گو حضرات کا طرز عمل

بعض اوقات واعظ سچا اور خیر خواہی کرنے والا بھی ہو سکتا ہے مگر اتنا اندیشہ پھر بھی لاحق ہے کہ اس کے دل میں دنیا اور جاہ طلبی کی حرص موجزن ہو جس کے باعث وہ اس بات کو چاہتا ہو کہ اس کی تعظیم بجا لائی جائے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ جب کوئی دوسرا واعظ اس کی نیابت کرنا چاہے یا اس کارِ خیر میں اس کا تعاون کرنا چاہے تو یہ اسے ناپسند کرتا ہے۔ اگر اس کا ارادہ صحیح اور جذبہ صادق ہوتا تو مخلوق کی اصلاح کے لیے اسے کبھی بھی ناپسند نہ ٹھہراتا۔

[1] گزرا ہوا کل آج کے کس قدر مشابہ ہے؟! دورِ حاضر میں بھی بعض اسلام کی دعویدار جماعتیں اسی راس المال اور اسی تگ و دو ہی پر چل رہی ہیں' یعنی گھروں سے نکل کھڑے ہونا' اہل وعیال کو ترک کر دینا اور اسی طرح کے دیگر کام اور معمولات وغیرہ۔ ذرا غور فرمائیں!

ان قصہ گو حضرات میں سے ایسے بھی دیکھے گئے ہیں جو اپنی مجلس میں مردوں اور عورتوں کو اکٹھے جمع کر لیتے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ عورتیں وجد میں آ کر زیادہ غل غپاڑہ اور شور و غوغا کرتی ہیں۔ یہ صاحب زیادہ لوگوں کو جمع کرنے کی غرض سے انھیں ذرا بھر بھی نہیں روکتا' بلکہ ہمارے زمانے میں تو کچھ قصہ گو اس طرز کے بھی ظاہر ہو چکے ہیں جو ابلیس کے اس حملے کے تحت بھی نہیں آتے' کیونکہ انھوں نے تو علانیہ طور پر قصہ گوئی کو ذریعہ کمائی اور حصولِ معاش کا بہانہ بنا لیا ہے۔ وہ حکمرانوں' رئیسوں اور ظالموں کے ہاں سے عطیات طلب کرتے' محصول لینے والوں سے مال بٹورتے اور شہر شہر قریہ قریہ جا کر اسی بہانے مال سمیٹتے ہیں۔ ان لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو قبرستانوں میں جا کر دنیا کی بے ثباتی اور اشیائے عالم کی بوسیدگی' احباء و اعزہ کی جدائی و فراق کو موضوع بنا لیتے ہیں اور عورتوں کو صبر و حوصلہ کی تلقین کرنے کے بجائے رلاتے ہیں۔

اور بسا اوقات ابلیس محقق (باعلم اور باعمل) واعظ کو بھی دھوکے میں ڈال دیتا ہے اور اسے یوں کہتا ہے: تیرے جیسے کو وعظ نہیں کرنا چاہیے' وعظ کرنا تو بیدار مغز اور ہوشیار لوگوں کا کام ہے' تو اس طرح اس کے ہونٹوں پر مہر سکوت لگا دیتا ہے اور اسے وعظ سے بے تعلق بنا دیتا ہے۔ یہ اندازِ فکر ابلیس کی فریب کاریوں ہی سے ہے' کیونکہ وہ تو عملِ خیر اور فعل صلاح سے روکتا ہے' اور کبھی یوں بھی کہنے لگتا ہے: تو تو اپنے بیان کردہ واقعات سے خود لذت و سرور پاتا ہے اور تجھے راحت و اطمینان نصیب ہوتا ہے' تو اس طرح تیرے بیان میں ریا کاری کا عمل دخل ہو سکتا ہے' لہٰذا گوشۂ تنہائی ہی گوشۂ عافیت ہے۔ ایسی وسوسہ اندازی سے اس کا مقصود خیر و بھلائی کے دروازوں کو بند کرنا ہے۔

اہل لغت و ادب پر شیطان کی چالبازیاں

ان میں سے بیشتر کو شیطان نے اس طرح اپنے دامِ فریب میں پھنسایا کہ انھیں علومِ نحو اور زبان دانی کی گتھیاں سلجھانے میں مشغول کر دیا[1] اور ان امور لازمہ سے دور رکھا جو ان

[1] اس کے دقائق اور فروعات میں گم ہو جاتا ہے' صرف زبان درست کے علم پر اکتفاء نہیں کرتا۔

پر فرض عین تھے جیسے کہ ان عبادات کو جاننا پہچاننا جن کی معرفت و پہچان ان کے ذمے لازم تھی' اور آدابِ نفوس اور اصلاح قلوب جن کا انھیں زیادہ اہتمام کرنا چاہیے تھا' بلکہ تمام علوم میں سے افضل ترین علوم یعنی تفسیر قرآن' فہم حدیث اور تفقہ فی الدین سے ابلیس نے انھیں دور رکھا۔ انھوں نے اپنی پوری پوری عمریں ایسے علوم میں لگا دی ہیں جو مقصود بالذات نہیں تھے بلکہ انھیں تو قرآن و حدیث کے فہم کے لیے پڑھا جاتا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جب انسان نے ایک بات سمجھ لی ہے تو اسے اس کے مطابق عملی میدان میں پیش رفت کرے' کیونکہ عمل ہی کے لیے تو علم حاصل کیا جاتا ہے۔ آپ ان ادبی اور نحوی گتھیاں سلجھانے والوں میں سے ایسے بھی پائیں گے جو ماسوائے چند باتوں کے شرعی آداب سے نابلد اور فقہی مبادیات سے ناآشنا ہی ہوں گے' جن کا ذاتی تزکیہ نفس اور اصلاح قلب کی جانب التفات بھی نہیں ہوتا۔

باوجود اس علمی کوتاہ قامتی کے' ان میں کبر و غرور اور فخر و نخوت پایا جاتا ہے۔ ابلیس نے انھیں یہ تخیل دے رکھا ہے کہ تمہیں علمائے اسلام ہو' کیونکہ عربی گرائمر اور الفاظ لغات بھی تو اسلامی علوم میں سے ہیں۔ انھی کی بدولت ہی تو قرآن عزیز کے معانی و مطالب سمجھے جا سکتے ہیں۔

قسمیہ بات ہے' ان مذکورہ علوم کو حاصل کرنے سے انکار نہیں کیا جا سکتا' لیکن صرف نحو کی معرفت اتنی مقدار میں ہونی چاہیے جتنی اصلاحِ زبان کے لیے لازم ہے۔ تفسیر قرآن اور فہم حدیث کے لیے جتنی لغت کی معرفت ضروری ہے وہ تو مختصر سا معاملہ ہی ہے اور اتنا لازمی بھی ہے' اور جو اس بقدر حاجت سے زائد ہے' اس کی تو ضرورت بھی نہیں ہے۔ اور اس زائد اور فاضل چیز کے حصول ہی میں عمر دراز صرف کر دینی جبکہ اس سے اہم ترین چیز چھوٹ رہی ہو تو یہ طرزِ عمل غلط ہے۔ اور اس علم کو زیادہ نفع مند چیز اور رتبے میں زیادہ اعلیٰ شے یعنی حدیث اور فقہ پر ترجیح دینا تو دھوکا کھانا ہے۔ اگر مذکورہ تمام چیزوں کی معرفت حاصل کرنے کے لیے عمر دراز ہوتی' پھر تو بہت اچھی بات تھی' لیکن عمر تو انتہائی محدود اور قلیل ہے' لہٰذا اس میں اہم ترین اور افضل ترین چیز ہی کو ترجیح دینی چاہیے۔

یہ لوگ جاہلیت کے اشعار پڑھنے پڑھانے میں مصروف رہے' اور ان اشعار نے انہیں حدیث و سیرت سے محروم رکھا جس کا اثر ان کی طبیعتوں پر نمایاں ہے۔ آپ ان لوگوں میں سے بہت ہی قلیل تعداد کو تقویٰ اور پرہیز گاری میں مشغول دیکھیں گے یا قابل طمع چیز پر نظر رکھنے والا پائیں گے۔ نحو کے زیادہ تر طالبِ حکمران اور سلاطین ہی ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ نحوی حضرات ان کے مال حرام سے کھاتے ہیں' جس طرح کہ ابو علی الفاسی[1] سلطان عضد الدولہ[2] وغیرہ کے زیر سایہ رہا ہے۔

اور یہ لوگ کسی چیز کو اپنی قلت فقہ اور کم علمی کے باعث جائز گمان کرتے ہیں حالانکہ وہ ناجائز ہوتی ہے' جس طرح کہ ابو اسحاق ابراھیم بن سری الزجاج[3] کی مشہور بات ہے۔ خود کہتا ہے:

''میں قاسم بن عبد اللہ کو ادب پڑھایا کرتا تھا اور میں اس سے یہ بھی کہا کرتا تھا کہ اگر تو اپنے والد ماجد کے عہدہ تک پہنچ جائے اور وزارت کا قلم دان تجھے مل جائے تو میری کیا خدمت بجالائے گا؟

وہ جواب دیتا: جو آپ پسند کریں گے۔ میں اسے جواب دیتا: مجھے بیس ہزار دینار عنایت کرنا۔ یہ میری سب سے بڑی خواہش تھی۔

چند سال ہی گزرنے پائے تھے کہ قاسم وزیر بنا دیا گیا۔ میں ابھی تک اس سے منسلک تھا بلکہ اب تو میں اس کا مشیر خاص بن گیا تھا۔ ایک بار میرے دل نے اسے کیا ہوا وعدہ پورا کرنے پر آمادہ کرنا چاہا لیکن میں ڈر سا گیا۔ ابھی وزارت کا قلم دان سنبھالے ہوئے تیسرا روز ہی ہوا تھا کہ اس نے بذات خود مجھے بلایا اور کہا: ابو اسحاق! آپ نے مجھے وہ وعدہ یاد ہی نہیں کروایا؟ میں نے عرض کی: اللہ تعالیٰ آپ کی تائید فرمائے' میں نے آپ کی نظرِ کرم پر اعتماد اور بھروسا کرتے ہوئے ایسا نہیں کیا' اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ ایسے

---

1. اس کے حالات زندگی کے لیے دیکھیے زرکلی کی ''اعلام'' (۲/۱۷۹۔۱۸۰)
2. اس کے سوانح حیات ''البدایۃ و النھایۃ'' (۱۱/۲۹۹۔۳۰۱) میں ملاحظہ فرمائیں
3. اس کے حالات زندگی کے لیے ملاحظہ فرمائیں ''البدایۃ و النھایۃ'' (۱۱/۱۴۹۔۱۴۹)

فرض شناس خادم کے معاملے میں اس وعدے کو یاد کروانے کی چنداں حاجت بھی نہیں ہے۔ تو اس نے مجھے یوں جواب دیا: اس وقت حکمران اور سلطان معتضد ہے' اگر وہ نہ ہوتا تو اتنی رقم ایک ہی بار آپ کو دے دینا میرے لیے کچھ مشکل نہ تھا' لیکن مجھے اندیشہ ہے کہیں اس معاملے میں میری اس کے ساتھ کوئی بات نہ ہو جائے' لہٰذا آپ از راہ کرم اسے متفرق طور پر یعنی تھوڑی تھوڑی کر کے وصول کر لیں۔ میں نے عرض کی: ٹھیک ہے۔

اس نے مجھے حکم دیا کہ لوگوں کی خاطر ادھر بیٹھ جائیں' یعنی میرے پی اے کی حیثیت سے' اور ان کی بڑی بڑی حاجات وضروریات کی درخواستیں وصول کریں اور ان پر انھیں اکسائیں اور ترغیب دلائیں (کہ موقعہ کو غنیمت جانو اور اپنے کام نکلوا لو) اور ان کی کوئی حاجت وضرورت جس کے متعلق آپ ان سے بات کریں' خواہ ممکن الحصول ہو یا محال' مجھ سے دریافت کرنے سے نہ ہچکچائیں' حتیٰ کہ آپ کا مطلوبہ نذرانہ پورا نہ ہو جائے۔ چنانچہ میں نے ایسا کرنا شروع کر دیا۔ میں روزانہ اس کے سامنے لوگوں کی حاجات اور درخواستیں پیش کرتا اور وہ ان پر دستخط کر دیتا۔ بعض اوقات وہ مجھ سے دریافت کرتا کہ اس میں آپ کو کتنے مال کی ضمانت دی گئی ہے' میں بتاتا کہ اتنا اتنا مال' وہ مجھے کہتا کہ اس میں آپ کو خسارہ رہا ہے' اس پر تو اتنا اتنا مال درکار تھا' کام کا معاوضہ بڑھوا لیں' تو اس طرح میں لوگوں سے مزید اضافے کا مطالبہ کرتا۔ میں ان سے مسلسل رقم میں اضافے کا کہتا جاتا اور وہ مجھے زیادہ دینے کا وعدہ کرتے جاتے' حتیٰ کہ وہ اشارہ کردہ رقم تک پہنچ جاتے' جس کا موصوف نے مجھے اشارہ کیا ہوتا تھا۔

ابو اسحاق کہتا ہے: ایک بار میں نے اس کے سامنے ایک بہت بڑی درخواست یعنی کسی بڑے کام کی درخواست پیش کی جس سے مجھے بیس ہزار دینار حاصل ہوئے' اور اتنی لمبی مدت میں جو حاصل ہوا تھا وہ تو اس سے بھی زیادہ تھا۔ چند ماہ گزرنے کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا: اے ابو اسحاق! کیا نذرانے کا مال پورا ہو چکا ہے؟ میں نے جواب دیا: نہیں! تو وہ خاموش سا ہو گیا اور پھر میں برابر اس کے حضور درخواستیں اور رقعے وغیرہ پیش کرتا رہا۔ پھر وہ ایک ماہ کے دوران کم وبیش ایک دو بار خود پوچھا کرتا: کیا مطلوبہ مال حاصل ہو چکا

ہے؟ تو میں بس کمائی اور ذریعہ آمدنی کے منقطع ہو جانے کے خوف سے یہی جواب دیتا' کہ نہیں' حتیٰ کہ میرے پاس مطلوبہ رقم کا دوگنا یعنی چالیس ہزار دینار جمع ہو چکے تھے۔ ایک دن اس نے پھر دریافت کیا۔ اس دفعہ مجھے مسلسل جھوٹ بولنے سے شرم اور جھجک محسوس ہوئی۔ میں نے جواب دیا: وزیر صاحب کی سعادت و نیک بختی سے مطلوبہ رقم بندہ کو مل چکی ہے' تو کہنے لگا: واللہ! آپ نے میرا فکر و غم دور کر دیا ہے' آپ کی مطلوبہ رقم ملنے تک میرا دل بے قرار ہی رہا ہے۔

ابوسحاق کہتا ہے: پھر اس نے قلم دوات پکڑی اور بیت المال کے خزانچی کو ازراہ صلہ رحمی مبلغ تین ہزار دینار مجھے دینے کے لیے تحریر مع دستخط جاری کر دی۔ میں نے وہ بھی لے لیے۔ اس کے بعد میں اس کے حضور درخواستیں پیش کرنے سے خود بخود ہی باز آ گیا' اور اب میں نہیں جانتا تھا کہ کس طرح ایسی درخواستوں کو اس کے حضور پیش کروں گا۔ جب اگلا دن آیا تو میں اس کے پاس حاضر ہوا اور حسب دستور اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اس نے مجھے اشارہ کیا اور کہا: آپ کے پاس کوئی درخواست وغیرہ ہے تو لائیں۔ وہ حسب معمول درخواست لانے کا کہہ رہا تھا۔ میں نے عرض کی: میں نے تو کسی سے کوئی درخواست وصول نہیں کی' کیونکہ نذرانے کی رقم تو مکمل ہو چکی ہے اور اب میں نہیں جانتا کہ وزیر موصوف سے کس طرح دستخط کرواؤں گا؟ وہ بولا: سبحان اللہ! آپ کا کیا خیال ہے کہ میں آپ سے وہ چیز ختم کر دوں گا جس کی آپ کو عادت ہو چکی ہے اور لوگوں کو بھی اس طریقِ کار کا علم ہو چکا ہے اور اس طریقے سے آپ کا لوگوں کے ہاں عزت و مرتبہ بن چکا ہے' لوگ صبح و شام آپ کے دروازے پر حاضر ہوتے ہیں' اور اس عہدے یعنی پی اے کے منصب سے الگ ہونے کے متعلق لوگوں کو کوئی وجہ بھی معلوم نہیں' تو اس طرح لوگ آپ کے مرتبہ کے کم ہو جانے کا گمان کریں گے یا آپ کے مقام کی تبدیلی کا خیال کریں گے' لہٰذا حسب معمول ان کی درخواستیں پیش کرتے رہیں اور ان سے بلاحساب وصول کرتے رہیں۔

میں نے اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اگلے ہی روز علی الصبح درخواستیں لیے حاضر خدمت ہو گیا' اور پھر اس طرح روزانہ اس کے حضور رقعے اور درخواستیں پیش کرتا رہا' حتیٰ

کہ وہ دار فانی سے کوچ کر گیا۔ میں نے اپنا یہ مال اس طرح جمع کیا ہے۔

دیکھ لو! فقہ کی کمی کیا گل کھلا رہی ہے؟ بلاشبہ یہ آدمی علم نحو اور علم لغت میں کتنے عظیم مرتبے پر فائز تھا۔ اگر اسے معلوم ہوتا کہ جو ذریعۂ آمدنی اس کے لیے جاری کر دیا گیا ہے' وہ اس کے لیے شرعاً جائز نہیں ہے' تو وہ اسے بیان کرتا اور نہ اس پر نازاں و فرحاں ہوتا' کیونکہ ظلم سے ہتھیایا ہوا مال حق دار تک پہنچانا واجب ہوتا ہے' اور ایسی درخواستوں پر رشوت وصول کرنا جائز ہے اور نہ ہی کسی ایسی چیز پر رشوت لینا جائز ہے جس کے لیے وزیر کو امور سلطنت میں سے کسی امر پر تعینات کیا گیا ہو۔ اس مثال سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی کہ فقہ کا مرتبہ دوسرے مراتب پر کس قدر بلند ہے۔

شعراء پر حملہ

ابلیس انھیں یہ باور کراتا ہے کہ وہ اہل ادب میں سے ہیں' اور انھیں ذہانت و فطانت سے ایسا امتیازی مقام عطا کیا گیا ہے جو اوروں کو نصیب نہیں ہوا' اور پھر انھیں یہ یقین دہانی بھی کروا دی ہے کہ جس ذات نے انھیں یہ امتیازی خصوصیت عطا فرمائی ہے' وہی ان کی لغزشوں اور کوتاہیوں سے درگزر کرے گی۔ اسی لیے آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ جھوٹ' بہتان' ہجو گوئی' ہتک عزت اور بے حیائیوں کے اعتراف گویا کہ تمام وادیوں میں سرگرداں پھرتے ہیں۔ شاعر جب کسی کی مدح سرائی کرتا ہے تو وہ ممدوح اس سے خائف ہوتا ہے کہ کہیں اس کی ہجو گوئی ہی نہ کر دے' تو اس کی برائی اور شرارت سے بچنے کے لیے وہ اسے کوئی نہ کوئی تحفہ' عطیہ' نذرانہ ضرور دیتا ہے' یا لوگوں کے مجمع عام میں اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے کی کوشش کرتا ہے' تو وہ موصوف حاضرین کے سامنے مارے شرم کے کچھ نہ کچھ ضرور دے دیتا ہے۔

یہ دونوں ہی کسی سے زبردستی مال ہتھیانے کی صورتیں ہیں۔

آپ شعراء اور اہل ادب کی ایک بڑی تعداد کو دیکھیں گے کہ وہ ریشمی ملبوسات پہننے سے بھی پرہیز نہیں کرتے اور حدوں کو عبور کرتے ہوئے مدح وستائش میں کذب بیانی سے بھی نہیں بچتے۔ ان کے اجتماعات فسق و فجور اور مئے نوشی وغیرہ پر مبنی ہوتے ہیں' حتیٰ کہ ان

میں سے کہنے والے علانیہ یوں بھی کہتے ہیں: میں اور ادباء و بلغاء کی اتنی تعداد فلاں جگہ جمع ہوئے تھے' وہاں ہم نے ایسے ایسے کام کیے!!

ادھر ادیب ہونے کی باتیں اور ادھر شریعتِ اسلامیہ کی یہ خلاف ورزی؟ کتنی دوری! جبکہ ادب تو اللہ تعالیٰ کے حضور تقویٰ و پرہیز گاری پیش کرنے کا نام ہے اور دنیوی امور میں اس ذہانت و فطانت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے' اور ایسی عبارت آرائی اور سجع کلامی کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی اہمیت نہ ہوگی جب تک کہ اس میں تقویٰ نہ ہو۔

جمہور ادباء اور عام شعراء کا یہ حال ہے کہ رزق کی تنگی کے ایام میں بگڑ جاتے ہیں کفریہ کلمات بکتے ہیں' حتیٰ کہ نوشتۂ تقدیر پر ملامت کرنے لگ جاتے ہیں۔ بطور مثال ملاحظہ ہو:

لَئِنْ سَمَتْ هِمَّتِي فِي الْفَضْلِ عَالِيَةً
فَإِنَّ حَظِّي بِبَطْنِ الْأَرْضِ مُلْتَصِقُ

''اگرچہ فضیلت و برتری میں میری ہمت مقام بلند تک بھی جا پہنچے' پھر بھی میری قسمت اور میرا نصیبہ زمین کے ساتھ ہی چمٹا ہوتا ہے۔''

كَمْ يَفْعَلُ الدَّهْرُ بِي مَا لَا أُسَرُّ بِهِ
وَ كَمْ يُسِيءُ زَمَانٌ جَائِرٌ حَنِقُ

''زمانہ کب تلک میرے ساتھ ایسا ناروا سلوک کرتا رہے گا' جس پر میں نالاں رہتا ہوں اور یہ ظالم کینہ پرور زمانہ کب تک میرے ساتھ اس نازیبا رویے کو جائز رکھے گا۔''

یہ لوگ اس حقیقت کو فراموش کر بیٹھے ہیں کہ ان کی معاصی نے ان کے گزران کو تنگ کر دیا ہے۔ انھوں نے بزعمِ خویش اپنے آپ کو عطیات و انعامات کا مستحق سمجھ رکھا ہے' اور بلاؤں اور مصیبتوں سے سلامت رہنے کو اپنا حق خیال کر رکھا ہے۔ اس کے برعکس شرعی اوامر اور دینی احکامات کی بجا آوری کو اپنے اوپر پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں دیتے۔ بس اسی غفلت میں ان کی یہ ذہانت و فطانت گم ہو چکی ہے۔

کامل علماء پر ابلیسی چالبازیاں

چند حوصلہ مند لوگوں نے علومِ شریعت یعنی قرآن و حدیث اور فقہ و ادب کو حاصل کیا۔ ابلیس ان کے پاس انتہائی پوشیدہ انداز سے آیا' انھیں ان کی شخصیات کو خودنمائی کے چشمے میں بڑی بڑی آنکھوں سے دکھایا کہ انھوں نے کس قدر علوم اور فنونِ شریعت حاصل کر لیے ہیں اور کس قدر عوام الناس کو فیض یاب کر رہے ہیں۔ ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جن کے لیے ابلیس یہ خوش فہمی پیدا کر دیتا ہے کہ طلب علم میں تو پوری زندگی گھر سے باہر رہا ہے۔ اب ابلیس اس کے لیے دنیوی لذتوں اور مادی سہولتوں کو آراستہ کرتا ہے اور زبان حال سے یوں مخاطب ہوتا ہے: یہ مصائب و آلام اور یہ مشقتیں اور تھکاوٹیں کب تلک برداشت کرتا رہے گا؟ اب ان مصائب اور تھکاوٹوں سے اپنے اعضائے بدن کو کچھ تو آرام دے لے' اور نفس کی چاہتوں کو کچھ تو پورا کر لے۔ اگر اس سلسلے میں تو کوئی لغزش اور غلطی بھی کر بیٹھے گا تو تیرا علم تیری سزا کو تجھ سے دور کر دے گا! اور علمائے کرام کی فضیلت و منزلت کو ابلیس اس کے سامنے قدرے نمایاں کرتا ہے۔ پھر اگر تو یہ آدمی بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا' یعنی توفیق الٰہی سے محروم رہ گیا اور اس نے ابلیسی فریب کاری کو قبول کر لیا' تو ہلاک ہو جائے گا' اور اگر توفیق ربانی نے اس کی ڈھارس بندھائی تو اسے یہ کہنا چاہیے' کہ تیرا جواب تین جہتوں سے دیا جا سکتا ہے:

① علماء کی فضیلت و شان تو ایسے علم کی وجہ سے ہے جس کے ساتھ عمل ہو۔ اگر اس کے ساتھ عمل شامل نہ ہو تو ایسا علم بے معنی ہے۔ اور جب میں نے بھی حاصل کردہ علم پر عمل نہ کیا تو میں بھی ایسا ہی ہو جاؤں گا جس نے اپنے مقصود کو سمجھا ہی نہیں' تو میری مثال اس آدمی کی سی ہو جائے گی جس نے خورد و نوش کی اشیاء کے انبار لگا لیے اور بھوکے لوگوں کو کھلانا شروع کر دیا اور خود کچھ بھی نہ کھایا' تو اتنا ڈھیروں مال اس کی بھوک کو کیا فائدہ دے سکے گا؟

② وہ دلائل پیش کرتے ہوئے اس سے مقابلہ اور معارضہ کرے جو ایسے لوگوں کی مذمت میں وارد ہیں جو علم کے مطابق عمل نہیں کماتے' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر وہ اس

طرح گھومے گا جس طرح گدھا چکی پیتا ہے۔ دوزخ کے لوگ اس کے چاروں طرف جمع ہو جائیں گے اور کہیں گے: اے فلاں! کیا تم نیکیوں کا حکم کرتے اور برائیوں سے روکا نہیں کرتے تھے؟ وہ شخص کہے گا کہ میں اچھی بات کے لیے کہتا تو ضرور تھا لیکن خود نہیں کرتا تھا اور بری بات سے روکتا بھی تھا لیکن خود کیا کرتا تھا۔[1]

سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو آدمی علم نہیں جانتا اس کے لیے ایک بار ہلاکت و تباہی ہے' اور جو علم جانتا ہے لیکن اس کے مطابق عمل نہیں کرتا اس کے لیے سات بار ہلاکت و تباہی ہے۔[2]

۳ علم کے مطابق عمل چھوڑنے والے علماء کا تذکرہ کرے' ان کی ہلاکت اور ان کی سزا کو بیان کرے جیسا کہ ابلیس وغیرہ ہیں۔ ایک بے عامل عالم دین کی مذمت کے لیے یہ فرمان الٰہی ہی کافی ہے:

﴿ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا ﴾ (الجمعة : ٦٢/ ٥)

''ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہو۔''

علمائے کاملین کے مسالک

ابلیس نے علم و عمل میں راسخ اور پختہ علم والوں پر ایک دوسری طرف سے دام فریب ڈالا۔ ان کے لیے علم پر کبر و غرور کرنے' اپنے ہم مرتبہ علماء سے حسد رکھنے اور طلب ریاست اور دنیوی مرتبہ کے حصول کے لیے ریا کاری کو مستحسن قرار دیا۔ کبھی تو انھیں یہ باور کراتا ہے کہ ان مذکورہ اشیاء کا حصول ان کا واجبی حق ہے' کوئی اور ان کا حقیقی حقدار ہے ہی نہیں' اور کبھی ان کے لیے ان اشیاء کی محبت کو مزید مؤکد انداز سے پیش کرتا پھر وہ اسے ترک کرنے کا خیال بھی نہیں کرتے' حالانکہ انھیں یہ بخوبی علم بھی ہوتا ہے کہ یہ کام غلط ہیں۔

ان امور کا علاج اس آدمی کے لیے' جسے توفیق خاص مل چکی ہے' یہ ہے کہ کبر و غرور'

---

[1] صحیح البخاری' الفتن' باب الفتنة التی تموج کموج البحر' الحدیث : ۷۰۹۸ ومسلم الزھد' باب عقوبة من یامر بالمعروف ولا یفعله' الحدیث' ۲۹۸۹ عن اسامة بن زید رضی اللہ عنہ

[2] اس کی سند صحیح ہے۔

حسد بازی اور ریا کاری کے گناہوں اور عواقب پر گہری نگاہ رکھے اور دل میں یہ یقین پیدا کر لے کہ علم ان اعمالِ بد اور غلط حرکات کے برے نتائج سے بچاؤ نہیں کر سکے گا' بلکہ علم تو ان کے عذاب کو مزید دوچند کروا دے گا' کیونکہ اس کے پاس دلائل بھی تو دو چند ہی تھے۔ اور جو آدمی اسلاف میں سے باعمل علماء کے سوانح حیات کو پیش نظر رکھے گا' وہ یقیناً اپنے آپ کو حقیر و کم تر جانے گا اور تکبر کو قریب نہ آنے دے گا۔ اور جو آدمی معرفتِ الٰہی حاصل کر لے گا' وہ ریا کاری سے بچنے کی مکمل کوشش کرے گا۔ اور جو آدمی تقدیر کے متعلق یہ سمجھے گا کہ اللہ کے ارادے کے مطابق چل رہی ہے' وہ حسد کی لعنت سے محفوظ رہے گا۔

اور بعض اوقات ابلیس ان کامل علماء کو ایسے تیز طرار انداز سے شبہات میں مبتلا کرتا ہے اور ان سے یوں مخاطب ہوتا ہے: تمہارا مقامِ بلند اور مرتبۂ رفیع کو طلب کرنا یہ تکبر تو بنتا ہی نہیں ہے' کیونکہ تم لوگ شریعت کے نواب اور نمائندے ہو' اور تم لوگ تو دین کی سربلندی کے متمنی اور اہل بدعت کی سرکوبی کے خواہش مند ہو' اور ان حاسدانِ باطن کے متعلق تمہاری لب کشائی دراصل شریعت کی خاطر غصہ نکالنے والی بات ہے' اور جو آدمی اس شرعی غصے کا اظہار کرے گا تو حاسدان تیرہ باطن نے تو اس کی مذمت کرنی ہی ہے' اور جسے تم ریا کاری سمجھتے ہو' حقیقت میں یہ ریا کاری بھی نہیں ہے' کیونکہ تم میں سے جو آدمی بہ تکلف خشوع اور بناوٹی گریہ اختیار کرے گا تو لوگ اس کی اقتداء اور پیروی کریں گے' جس طرح لوگ طبیب و حکیم کے تجویز کردہ نسخے سے زیادہ اس چیز سے پرہیز کرتے ہیں جس سے وہ طبیب و حکیم خود پرہیز کرتا ہے۔

اس شیطانی چال کا پردہ اس طرح چاک ہوتا ہے کہ اگر ان علماء میں سے کوئی دوسروں پر اظہارِ تکبر کرے اور کسی مجلس میں وہ اس سے اعلیٰ نشست پر براجمان ہو' یا کوئی حاسد اس کے متعلق کوئی بات کہہ دے' تو یہ عالم اس بات پر چنداں غضب ناک نہیں ہو گا جس طرح کہ اپنی ذات کے لیے غضب ناک ہو سکتا ہے' اگرچہ وہ عالم مذکور بھی تو انہی شریعت کے نوابوں اور نمائندوں میں سے ایک ہے۔ اس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ اپنی ذات کے لیے غضب ناک نہیں ہوا' بلکہ اپنے علم کے لیے غضب ناک ہوا ہے۔

رہا معاملہ ریا کاری کا، تو اس میں کسی کو بھی کوئی رو رعایت نہیں ہے، اور اس ضمن میں لوگوں کو ریا کاری کی طرف آمادہ کرنے کے لیے کوئی بھی راستہ اور کوئی بھی طریقہ جائز قرار دینا جائز نہیں ہے۔ محدث عظیم ایوب سختیانی رحمہ اللہ جب بھی کوئی حدیثِ مبارکہ بیان کرتے تو ان کی رقتِ قلب دیکھنے کے قابل ہوتی۔ اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے اور فرماتے: تیز زکام لگا ہوا ہے۔

مذکورہ تمام احتیاطوں کو اختیار کرنے کے بعد یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ اعمال کا دارو مدار تو نیتوں پر ہے، اور تنقید کرنے والا خود بھی دیکھ رہا ہوتا ہے۔ کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو مسلمانوں کی غیبت کرنے سے خود تو خاموش رہتے ہیں، لیکن اگر ان کے پاس غیبت کی جائے تو ان کے دل فرحت وخوشی محسوس کرتے ہیں۔ ایسے حضرات بھی تین اعتبار سے گناہ گار بنتے ہیں:

اول: اظہار خوشی، کیونکہ یہ غیبت کرنے والے کے گناہ سے حاصل ہوئی ہے۔

دوم: مسلمانوں کی عیب جوئی اور مذمت کاری سے خوش ہونے کی بنا پر۔

سوم: یہ اسے روک ٹوک نہیں رہا۔

پھر ابلیس نے ان کامل علوم والوں پر اس طرح دام تلبیس پھینکا ہے کہ وہ رات بھر جاگتے ہیں اور دن بھر علوم کی خدمات یعنی تالیفات وتصنیفات میں مصروف مشقت رہتے ہیں۔ ابلیس انھیں یہ باور کرواتا ہے کہ اصل مقصود تو اشاعتِ دین ہے، جبکہ درپردہ ان کے باطن میں مقاصد ذیل پنہاں ہوتے ہیں: ان کا نام بلند ہو، ان کی شہرت چہار دانگِ عالم میں پھیلے، ان کی ناموری کا چرچا ہو، اور لوگ آفاقِ عالم سے مصنف کی جانب رخت سفر باندھ کر حاضر ہوں۔

یہ شیطانی چال اس طرح کھلتی ہے کہ لوگ اگر اس کی خدمت میں حاضر ہوئے بغیر ہی اس کی تصنیفات سے فیض یاب ہوں، یا اس کے کسی علمی ہم مرتبہ عالم دین کے سامنے بیٹھ کر اس کتاب کی قراءت کریں تو اس کو برا محسوس ہوتا ہے۔ اگر اس کی غرض صرف اشاعتِ علم دین ہی ہوتی تو لازماً اس سے وہ خوش ہو جاتا۔

اسلاف میں سے ایک[1] نے یوں بھی کہا ہے: جتنا علم مجھے معلوم ہے' اس میں میرا دل یہی پسند کرتا ہے کہ لوگ اس سے اس طرح مستفید ہوں کہ اسے میری جانب منسوب بھی نہ کریں۔

اور ان میں سے کچھ علماء ایسے بھی ہیں جو پیروکاروں کی کثرت سے خوش ہوتے ہیں' اور ابلیس اس طرح انھیں دھوکے میں مبتلا کرتا ہے کہ یہ خوشی صرف طلباء کی کثرت کی بنا پر ہے' جبکہ اندرون خانہ دلی مقصود یہ ہے کہ اس کے شاگردوں کی تعداد زیادہ ہے اور اس کی نیک نامی کا طوطی بولتا ہے۔

اور انھی باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنی باتوں پر اور اپنے علم پر نازاں اور خود پسند بھی ہو جاتے ہیں' اور ابلیس کی یہ چال اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ اگر ان شاگردوں میں سے کوئی شاگرد کسی اور بڑے عالم فاضل کی خدمت میں چلا جائے اور اسے چھوڑ جائے تو اس کا چلا جانا اس کے لیے گراں ہوتا ہے۔

تعلیم دینے کے معاملے میں کسی مخلص کی یہ شان نہیں ہونی چاہیے' کیونکہ ایک مخلص کی مثال بالکل مخلص طبیب اور ڈاکٹر صاحب کی ہوتی ہے' جو رضائے الٰہی کے حصول کے لیے مریضوں کا علاج معالجہ کرتے ہیں۔ جب کسی مریض کو ایک طبیب کے ہاتھوں صحت مل جاتی ہے تو دوسرا خوشی کا اظہار کرتا ہے۔

شیطان کی کچھ پوشیدہ چالیں

بہت سے کامل علماء ابلیس کی ان ظاہری فریب کاریوں اور دھوکا بازیوں سے بچ جاتے ہیں' تو پھر ابلیس ان کے اوپر مخفی وار کرنے شروع کر دیتا ہے۔ انھیں یوں کہتا ہے: میں نے آج تلک تیرے جیسا نہیں دیکھا اور میں نے تجھ سے بڑھ کر میری آمد و رفت کے ذرائع اور راستوں کو جاننے والا کوئی نہیں پایا۔ اگر وہ عالم دین انھی باتوں پر مطمئن ہو گیا تو بوجہ خود پسندی ہلاک ہو گیا' اور اگر اس کی باتوں میں پھنسنے سے بچ گیا تو سلامتی پا گیا۔

---

[1] یہ امام شافعی رحمہ اللہ ہیں۔

سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ [1] نے فرمایا ہے: اگر کوئی شخص کسی ایسے باغ میں داخل ہو جس میں اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہر نوع کا درخت موجود ہو اور پھر ان درختوں پر ہر قسم کے تمام پرندے جنھیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے موجود ہوں اور یہ آدمی ہر پرندے سے اس کی زبان اور اس کے لہجے میں گفتگو کر سکتا ہو اور ہر پرندے کی زبان پر یہی نغمہ ہو: اے اللہ کے ولی! تجھ پر سلامتی ہو!! اور اس سے یہ آدمی قلبی طور پر مطمئن ہو جائے تو یہ ان کے ہاتھوں میں قیدی بن گیا۔

اللہ تعالیٰ ہی ہادی ہے جس کے سوا کوئی الٰہ و معبود نہیں ہے۔

---

[1] کبار مشائخ صوفیاء میں سے ایک ہیں جو امام کرخی کے مشہور شاگرد تھے۔ انھوں نے ہشیم بن عیاش اور یحییٰ بن یمان وغیرہ سے حدیث بیان کی ہے، اور پھر آپ سے آپ کے بھانجے جنید اور ابو الحسن نوری نے روایت لی ہے۔ جنید کا کہنا ہے: میں نے سری سقطی سے بڑھ کر کوئی عبادت گزار نہیں دیکھا۔ آپ پر عمر کی اٹھانویں بہاریں آئیں لیکن ماسوائے مرض الموت کے انھیں کسی وقت لیٹے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ ۲۵۳ھ میں فوت ہوئے تھے۔ دیکھیے البدایه و النهایه (۱۱/ ۱۳)

باب : ۷

والیانِ سلطنت اور حکمران

ان لوگوں پر ابلیس نے کئی راہوں سے حملے کیے ہیں۔ ہم ان میں سے زیادہ اہم کا ذکر کرنے ہی پر اکتفاء کریں گے:

پہلا راستہ

ابلیس انھیں یہ یقین دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے۔ اگر معاملہ یوں نہ ہوتا تو وہ انھیں زمین میں حکمرانی عطا فرماتا اور نہ ہی اپنے بندوں پر انھیں اپنا نائب اور نمائندہ مقرر فرماتا۔

تو یہ تلبیسی چال اس طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اگر یہی لوگ درحقیقت نائبانِ الٰہی ہوتے تو یہ اس کی بھیجی ہوئی شریعت کو نافذ کرتے اور اس کی رضا مندی کے حصول میں بے تاب رہتے۔ ایسی صورت میں وہ ان کی اطاعت کی بنا پر انھیں اپنا محبوب بنائے رکھتا۔

رہی بات دنیوی حکومت اور عارضی سلطنت کی' یہ تو اس نے اپنی بہت سی ایسی مخلوق کو بھی عطا فرمائی تھی جن سے وہ ناراض اور ناخوش بھی تھا' اور اس نے دنیوی مال و متاع کی ایسے لوگوں پر فراوانی بھی کر رکھی ہے جن کی طرف اس نے بہ نظرِ رحمت التفات بھی نہیں فرمایا' بلکہ ایسے لوگوں کی ایک جماعت کو اس نے اپنے اولیاء اور صالحین پر بھی تسلط دیے رکھا' جنہوں نے انھیں قتل کیا' ان پر جبر و قہر کیا' تو یہ دنیوی حکومتیں ان کے لیے وبالِ جان ثابت ہوں گی' باعث رحمت نہیں بنیں گی' بلکہ ایسے لوگ تو اس فرمانِ گرامی کے ذیل میں آئیں گے:

﴿ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوٓا إِثْمًا ﴾ (ال عمران : ۳/ ۱۷۸)

''یہ مہلت تو اس لیے ہے کہ وہ گناہوں میں اور بڑھ جائیں۔''

دوسرا راستہ

ابلیس ان سے یوں کہتا ہے: منصبِ حکمرانی رعب و ہیبت کا محتاج ہے۔ اس بنا پر یہ لوگ طلبِ علم کے مقابلے میں راہ تکبر اختیار کرتے ہیں' علمائے کرام کی ہم نشینی کو باعثِ عار خیال کرتے ہیں' نتیجتاً اپنی جاہلانہ آراء پر عمل پیرا رہتے ہیں اور دینِ الٰہی کو برباد کرتے اور اسلامی اقدار کو بے قدر بناتے ہیں۔ اور یہ حقیقت معلوم شدہ ہے کہ انسانی طبع پاس بیٹھنے والوں کی خصلتوں اور عادتوں کی چوری کرتی ہے' یعنی ان کو اختیار کرتی ہے۔ تو جب دنیا کو ترجیح دینے والوں اور شرع کے جاہلوں سے ہم نشینی رہی تو ان کی طبائع نے بھی ان کی عادتوں اور خصلتوں کو اختیار کیا' جب کہ ان کی اپنی طبیعتوں میں بھی یہ باتیں موجود تھیں' پھر انھیں کوئی بھی ایسا نہ ملا جو روک ٹوک کرتا' اور ان کو ایسی حرکات و عادات سے ڈانٹتا' نتیجتاً وہ راہ ہلاکت ہی پر گامزن ہو گئے۔

تیسرا راستہ

ابلیس ان پر دشمنوں کا خوف طاری کرتا ہے اور انھیں سختی کے ساتھ دور رکھنے کی غرض سے پہریداروں کی فوج ظفر موج رکھنے کا حکم دیتا ہے' جو مظلوم افراد کو بھی پاس نہیں آنے دیتے۔

ابو مریم اسدی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ وَلَّاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ شَيْئًا مِّنْ اَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ، فَاحْتَجَبَ دُوْنَ حَاجَتِهِمْ وَخَلَّتِهِمْ وَفَقْرِهِمْ اِحْتَجَبَ اللّٰهُ عَنْهُ دُوْنَ حَاجَتِهٖ وَخَلَّتِهٖ وَفَقْرِهٖ))

''جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے معاملات میں سے کسی معاملے کی ذمہ داری سونپ دی پھر اس نے ان کی حاجت و ضرورت' طلب و خواہش اور فقر و محتاجی کے سامنے پہریدار کھڑے کر دیئے' تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی حاجت' خواہش

اور محتاجی کے سامنے بھی آڑ کھڑی کر دے گا۔"[1]

چوتھا راستہ

سلاطین و امراء ایسے لوگوں کو اپنے گورنر اور نائب مقرر کرتے ہیں جو علم و تقویٰ سے عاری اور اس منصب کے لیے غیر مناسب ہوتے ہیں' اور لوگوں پر ظلم و ستم کر کے حکمرانوں کے لیے لوگوں کی بددعاؤں کا ذریعہ بنتے ہیں۔ یہ لوگ حرام خرید و فروخت کے ذریعے لوگوں کو حرام کھلاتے ہیں اور ایسے لوگوں پر حدود شرعی جاری کر دیتے ہیں جن پر حد جاری ہی نہیں ہوتی۔ بادشاہ اور حکمران طبقہ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ ہم نے گورنر اور قاضی کی گردن پر یہ ذمہ داری ڈال دی ہے' لہٰذا خود اللہ کے ہاں بچ جائیں گے۔

کتنی بعید از عقل بات ہے۔ کتنا سادہ سا مسئلہ ہے کہ جب زکوۃ کا عامل مالِ زکوۃ جمع کرنے کے بعد فاسقوں کو اس کی تقسیم پر مامور کر دے جو اس میں خیانت کے مرتکب ہوں تو والی اس کا ضامن ٹھہرے گا۔

پانچواں راستہ

ابلیس انھیں اپنی رائے کے مطابق فیصلے کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس طرح وہ لوگ ایسے شخص کا بھی ہاتھ کاٹ دیتے ہیں جس کا کاٹنا جائز ہی نہیں ہوتا' اور ایسے افراد کو بھی قتل کر ڈالتے ہیں جن کا قتل حلال نہیں ہوتا۔ شیطان انھیں یہ وہم دلاتا ہے کہ یہ کاروبارِ سیاست ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس معاملے میں شریعت ناقص ہے' جو ابھی تکمیل کی

---

[1] سنن ابی داود' الخراج' باب فیما یلزم الامام من امر الرعیة' حدیث: ۲۹۴۸۔
سنن ترمذی' الاحکام' باب ما جاء فی امام الرعیة' حدیث: ۱۳۳۲
اسے ابو داود نے حدیث نمبر (۲۹۴۸) اور امام حاکم نے (۹۴/۴) کے تحت ذکر کیا ہے۔ دولابی نے الکنی (۵۴-۵۳/۱) میں اور طبرانی نے "الکبیر" (۳۳۱/۲۲) میں بھی روایت کیا ہے' اور مسند الشامیین (۱۴۰۴) میں یزید بن ابی مریم عن القاسم بن مخیمرہ عن ابی مریم کے طریق سے روایت کی ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ ملاحظہ فرمائیں صحیح الجامع (۹۵۹۵)۔ "یزید لا باس بہ" امام حاکم نے فرمایا ہے: "اسنادہ شامی صحیح ووافقہ الذهبی" اور ہمارے شیخ محترم نے بھی "الصحیحة" (۲۰۶/۲) میں ان دونوں کی متابعت کی ہے۔

محتاج ہے' اور ہم اپنی آراء سے اس کو مکمل کر رہے ہیں۔

یہ شیطان کی انتہائی گھناؤنی سازش ہے' کیونکہ شریعت تو سیاستِ الٰہی ہے' اور یہ بات قطعی ناممکن اور محال ہے کہ معبودِ برحق کی سیاست ایسی ادھوری اور نامکمل ہو جسے مخلوق کی سیاست کی حاجت ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (الانعام: ۶/ ۳۸)

''ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی۔''

اور ایک مقام پر یوں فرمایا ہے:

﴿لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ﴾ (الرعد: ۱۳/ ۴۱)

''کوئی اس کے احکام پیچھے ڈالنے والا نہیں۔''

ایسی سیاست کا دعویدار شریعت میں خلل اور نقص کا دعویدار ہے' اور یہ کفر کے قریب قریب ہے۔ ہمیں یہ روایت ملی ہے کہ عضد الدولہ ایک لونڈی کی طرف میلانِ طبع رکھتا تھا جو اس کی دل لگی کا سامان کرتی رہتی تھی۔ اس نے لونڈی کو دریا برد کرنے کا حکم جاری کر دیا' تا کہ اس لونڈی کی وجہ سے امور سلطنت میں کوتاہی نہ کرنے لگے۔

یہ تو انتہائی دیوانگی اور جنون ہے' کیونکہ کسی مسلمان کا بلا جرم قتل قطعی حرام ہے' اور جو اس کے جواز کا اعتقاد رکھے تو یہ کفر ہوگا' اور اگر اسے ناجائز تو خیال کرے لیکن از راہ مصلحت اسے مناسب سمجھے تو یہ یاد رکھیں کہ شریعت کی مخالفت میں کوئی مصلحت ہے ہی نہیں۔

چھٹا راستہ

ابلیس ان کے لیے مالوں میں ہاتھ کشادہ کرنے کو اچھا قرار دیتا ہے جس کے باعث وہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ یہ مالِ سرکار بس انہی کے حکم سے ہے۔

شیطان کی یہ فریب کاری اس طرح کھل جاتی ہے کہ اپنے ذاتی مال میں فضول خرچی کرنے والے پر ''حجر'' یعنی مالی تصرفات کی پابندی واجب ہو جاتی ہے' جبکہ یہ دوسرے کے مال کے محافظ و نگران اور بطور ملازم کام کرنے والے ہیں' ان کے لیے یہ کام جائز ہو؟ جبکہ

یہ اس حکمران کے لیے تو اتنا مال لینا جائز ہے جتنا وہ کام کرتا ہے۔ ہاتھ کی کشادگی سے خرچ کرنے کے جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

ابن عقیل نے کہا ہے: حماد شاعر نے ولید بن یزید (اموی خلیفہ) کو چند اشعار سنائے تو اس نے خوش ہو کر پچاس ہزار درہم اور دو لونڈیاں اسے عطیہ میں دے دیں!

یہ انعامات ان لوگوں کے لیے بطور تعریف بیان کیے جاتے ہیں' حالانکہ یہ تو ان کے لیے ملامت کا باعث ہیں' کیونکہ یہ مسلمانوں کے بیت المال میں فضول خرچی اور اسراف ہے۔ اور ابلیس بعض حکمرانوں کو حقدار لوگوں کو نہ دینے پر اکساتا ہے' تو یہ بھی فضول خرچی کی مثل دوسرا گناہ ہے کہ حقدار کو اس کا حق نہ دیا جائے۔

ساتواں راستہ

ابلیس انھیں نافرمانیوں اور برائیوں میں کھلے دل سے خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور انھیں اس طرح دھوکے میں مبتلا کرتا ہے کہ تمہارا راستوں کی حفاظت کرنا اور شہروں میں امن و امان قائم رکھنا تم سے عذاب الٰہی کو ٹال دے گا۔

ابلیس کی فریب کاری کا جواب ان کے لیے اس طرح ہے کہ تم شہروں کی حفاظت کرنے اور راستوں کو محفوظ بنانے کے لیے ہی تو حکمران بنائے گئے ہو اور یہ ذمہ داری کے اعمال پورے کرنے تم پر واجب تھے' جبکہ شرع میں منع کردہ معاصی پر دل کھول کر خرچ کرنا تمہارے لیے منع تھا' لہٰذا کسی طور بھی تم سے عذاب نہیں ٹل سکے گا۔

آٹھواں راستہ

ابلیس بہت سے امراء وسلاطین پر اس طرح حملہ کرتا ہے کہ تم نے اپنے ذمے واجب الادا کاموں کو کماحقہ پورا کر لیا ہے' کیونکہ تم نے ملک کے ظاہری حالات کو بالکل ٹھیک اور درست بنا رکھا ہے۔ لیکن اگر وہ بغور دیکھتے تو انھیں بہت سی خرابیاں اور کمزوریاں نظر آ جاتیں۔

نواں راستہ

ابلیس کچھ امراء اور والیانِ حکومت کے لیے مال بٹورنا اور لوگوں پر سختی کرتے ہوئے

ان سے مال نکلوانا اچھا کام ظاہر کرتا ہے' اور خائن (خیانت کرنے والا) کا پورا مال بحقِ سرکار ضبط کرنے اور اس سے قسم اٹھوانے کو قابل تعریف کام شمار کرواتا ہے' جبکہ طریق کار تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ خائن کے خلاف دلیل مانگی جاتی اور حجت قائم کی جاتی۔

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ ایک لڑکے نے ان کو لکھا: ایک قوم نے اللہ کے مال میں خیانت کی ہے اور میں ان سے وہ خیانت شدہ مال واپس چھڑوانے کی سوائے انھیں سزا دینے کے طاقت نہیں پاتا' تو آپ نے اسے جواباً تحریر بھیجی: یہ لوگ اپنی خیانت کے ہمراہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں تو یہ مجھے زیادہ محبوب ہے اس بات سے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کے خون میں ہاتھوں کو رنگین کر کے پیش ہوں۔[1]

دسواں راستہ

ابلیس ان کے لیے مال غصب کرنے کے بعد صدقہ وخیرات کرنے کو مستحسن عمل باور کرواتا ہے اور انھیں یہ دکھاتا ہے کہ یہ عمل ان کی برائی کو مٹا دیتا ہے اور انھیں یہ بات کہتا ہے کہ صدقے کا ایک درہم غصب شدہ دس درہموں کے گناہ کو محو کر ڈالتا ہے۔

یہ محال اور ناممکن ہے' کیونکہ غصب کا گناہ تو بدستور باقی ہے اور صدقے کا ایک آدھ درہم جو غصب شدہ میں سے ہو' وہ تو قبول ہی نہیں ہوتا' اور اگر صدقہ مالِ حلال میں سے ہو پھر بھی وہ غصب کے گناہ کو زائل نہیں کرے گا' کیونکہ کسی محتاج وفقیر کو کچھ دے دینا کسی دوسرے کے حق کا خیال رکھنے سے منع تو نہیں کرتا۔

گیارھواں راستہ

ابلیس انھیں گناہوں اور برائیوں میں مبتلا رہنے کے ساتھ ساتھ صالحین کی ملاقات اور زیارت کرنے کو اور ان سے اپنے حق میں طلب دعا کو خوشنما عمل دکھاتا ہے' اور انھیں یوں سمجھاتا ہے کہ ان کا یہ طرز عمل اپنا لینا ان کے گناہوں میں تخفیف کروا دے گا' حالانکہ یہ

[1] یہ طرز عمل انتہاء درجے کا عدل وانصاف اور ورع وتقویٰ کی چوٹی ہے۔

عملِ خیر اس عملِ شر کو دور نہیں کر رہا۔

بارہواں راستہ

بعض گورنر اور چھوٹے عہدے کے افسر بڑے حکمرانوں کے لیے کام کرتے ہیں۔ وہ انھیں ظلم روا رکھنے کا حکم دیتا ہے تو وہ ظلم کرتے ہیں اور ابلیس انھیں یہ دھوکا اور چکمہ دیتا ہے کہ یہ گناہ صرف امیر اور حکمران ہی پر ہوگا' تجھ پر نہیں ہوگا۔

جبکہ یہ سوچ غلط اور باطل ہے' کیونکہ وہ ظلم کرنے میں اس کا معاون و مددگار ہے اور عملِ گناہ پر مدد کرنے والا بھی گناہ گار ہوتا ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے شراب کے معاملے میں دس افراد پر لعنت فرمائی ہے۔[1] اور رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے' سود کھلانے والے' اس کی تحریر لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر بھی لعنت فرمائی ہے۔[2]

اور اس قسم میں سے یہ عمل بھی ہے کہ افسران بالا کے لیے مال بٹورتا ہے' حالانکہ اسے بخوبی علم ہوتا ہے کہ وہ افسر بالا یہ مال اللے تللے کاموں میں صرف کرتا ہے اور عمل خیانت میں شہرت رکھتا ہے۔ امام مالک بن دینار رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: ''آدمی کے خائن ہونے کے لیے یہی عمل کافی ہے کہ وہ خیانت کرنے والوں کا امین اور مددگار ہو۔''

سیدھے راستے کی راہنمائی کرنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

---

[1] سنن ابی داود' الاشربۃ' باب العصیر للخمر' حدیث: ۳۶۷۴۔
سنن ابن ماجہ' الاشربۃ' باب لعنت الخمر علی عشرۃ اوجہ' حدیث: ۳۳۸۰۔
امام حاکم نے مستدرک (۳۲/۲) میں' امام احمد نے (۷۱/۲) میں' امام طیالسی نے (۱۹۵۷) میں' امام طحاوی نے مشکل الآثار (۳۰۶/۴) میں اور امام بیہقی نے (۲۸۷/۸) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے' اور یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کے لیے ملاحظہ فرمائیں' صحیح الجامع (۵۰۹۱)

[2] صحیح مسلم' المساقاۃ' باب لعن اکل الربا و موکلہ' حدیث: ۱۵۹۸

باب : ۸

عبادت گزاروں پر شیطانی ڈاکے

سب سے بڑا دروازہ جس کے ذریعے سے ابلیس لوگوں پر داخل ہوتا ہے' وہ جہالت ہے۔ وہ بڑے آرام سے سے جاہلوں کے پاس آ جاتا ہے' البتہ علمائے کرام پر پوشیدہ طریقوں سے داخل ہوتا ہے۔ ابلیس نے کم علم عبادت گزاروں کو اپنے دامِ فریب میں پھنسا رکھا ہے' کیونکہ ان لوگوں کی کثیر جماعت صرف عبادت گزاری ہی میں مشغول رہتی ہے اور علمِ دین کی طرف متوجہ ہو کر اسے محکم و پختہ نہیں کرتے۔

ان لوگوں پر ابلیس کا پہلا حملہ تو یہی ہے کہ وہ علم پر عبادت گزاری کو ترجیح دیے ہوئے ہیں' حالانکہ علم نوافل کی ادائیگی سے افضل ہے۔ ابلیس نے انھیں یہ نقشہ دکھایا ہے کہ علم سے مقصود بھی تو عمل ہی ہوتا ہے' اور عمل سے مراد ان لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اعضائے جسمانی کی ظاہری حرکات و سکنات ہی عمل ہے۔ انھیں یہ حقیقت معلوم ہی نہیں ہوئی کہ عمل تو دل کا کام ہے اور دل کا عمل ظاہری اعضائے بدن کے عمل سے افضل ہے۔

مطرز بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے:

((فَضۡلُ الۡعِلۡمِ خَيۡرٌ مِّنۡ فَضۡلِ الۡعِبَادَةِ))

''علمی فضیلت عبادت کی فضیلت سے بہتر ہے۔''[1]

یوسف بن اسباط نے فرمایا ہے: ''علم کا ایک باب جسے تو سیکھ لے' ستر لڑائیوں میں شریک ہونے سے افضل ہے۔''

معافی بن عمران[2] نے کہا ہے: ''صرف ایک حدیث مبارکہ کا لکھ لینا میرے نزدیک

---

[1] اسے ابوخیثمہ نے ''العلم'' (نمبر۱۳) میں آپ سے روایت کیا ہے' اور یہ مرفوعاً بھی صحیح سند سے ثابت ہے۔

[2] یہ نویں درجے کے کبار فقہاء میں سے ہیں۔ ثقہ عابد اور فقیہ تھے' دیکھیے تقریب التہذیب (۲/۲۵۸)

پوری رات کی نماز سے زیادہ محبوب ہے۔"

جب ابلیس کی یہ چال ان عبادت گزاروں پر کارگر ہو گئی اور انھوں نے ظاہری جسمانی اعضاء سے عبادت کرنے کو حصولِ علم پر ترجیح دے دی' تو ابلیس عبادت گزاری کے دوسرے مراحل میں انھیں فریب دینے میں اور ان پر قابو پانے میں کامیاب ہوتا گیا۔

طہارت میں شیطانی حربہ [۱،۲]

شیطانی فریب کاریوں میں سے ایک یہ ہے کہ انھیں کافی دیر تک بیت الخلاء میں

---

۱ عربی لفظ "الاستطابة" کا معنی پانی یا پتھروں کے ساتھ استنجاء کرنا یعنی پاکی حاصل کرنا ہے۔ کہا جاتا ہے "استطاب" اور "اطاب" یعنی اس نے استنجاء کیا' اسے استطابة اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ نجاست وخباثت کو زائل کرتے ہوئے جسم کو پاک بناتا ہے۔ ایک شاعر نے ایک آدمی کی ہجوگوئی کرتے ہوئے یوں کہا ہے:

یا رضما قاط علی عرقوب يعجل كف الخادی امطیب

استنجاب باب استفعال ہے جو "نجوت الشجرة" سے بنایا گیا ہے' یعنی میں نے درخت قطع کیا' تو استنجاء کا معنی گویا کہ اس نے اپنے آپ سے گندگی کاٹ ڈالی' اور امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے یہ "نجوة" سے ماخوذ ہے' اور نجوۃ اس زمین کو کہتے ہیں جو بلند ہو' کیونکہ جو آدمی قضائے حاجت کا ارادہ رکھتا ہے وہ اس جگہ کے ساتھ وہ کرتا ہے اور اس کی اوٹ میں چھپتا ہے اور دوسرا لفظ "استجمار" ہے جو کہ الجمار سے باب استفعال ہے اور یہ وہ چھوٹے چھوٹے سنگریزے ہوتے ہیں جنھیں پلیدی صاف کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں المغنی لموفق الدین (۱/۱۴۰)

۲ لفظ حدث' لغت میں نئے حادث یعنی نئے وجود والی چیز کو کہتے ہیں۔ دیکھیے: القاموس المحیط (۱/۱۶۴) اور شرعی اعتبار سے تین معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے:

1. ایسے اسباب جن کے ساتھ حالت طہارت ختم ہوتی ہے۔
2. ایسی اعتباری حالت جس کی موجودگی میں صحت نماز درست نہ ہو یعنی اس کو ادا کرنے کی رخصت نہ ہو۔
3. ایسی رکاوٹ جو حدث پر مترتب ہو۔

دیکھیے "الاقناع لجل الفاظ ابی شجاع" (۱/ ۱۶) حاشیه القلیوبی علی المنهاج (۱/ ۱۸) اور یہاں سے مراد دوسرا درمیانی معنی ہے اور اس معاملے میں تلبیس ابلیس سے مقصود یہ ہے کہ اسے ختم کرتے وقت' جس طرح کہ مصنف رحمہ اللہ کے کلام میں اس کی تفصیل آ رہی ہے۔ واللہ اعلم۔

بٹھائے رکھتا ہے۔ حالانکہ یہ طرزِ عمل جگر کے لیے تکلیف دہ ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہاں تھوڑی دیر کے لیے ہی بیٹھتے۔

اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو پیشاب کرنے کے بعد کھڑے ہوکر چند قدم چلتے ہیں اور بہ تکلف کھانسنے کی کوشش کرتے ہیں' ایک قدم کو اوپر اٹھاتے اور دوسرے کو زمین پر پٹختے ہیں۔ ان کے نزدیک اس طرح بہتر طہارت حاصل ہوتی ہے اور پیشاب کے قطرات کا خروج بڑھتا جاتا ہے۔

تفصیل اس معاملے کی یوں ہے کہ پانی مثانہ کی جانب ٹپکتا اور بہتا رہتا ہے اور اس میں ذخیرہ ہوتا جاتا ہے۔ جب انسان پیشاب کرنے کے لیے خود کو تیار کر لیتا ہے تو جو جمع شدہ پیشاب ہوتا ہے باہر نکل آتا ہے۔ جب وہ چلتا اور کھانستا ہے اور کبھی رکتا ہے تو مزید نیا پانی ٹپکتا ہے اور یہ نیا بہاؤ اور ٹپکاؤ مسلسل جاری رہتا ہے جو منقطع نہیں ہوتا۔ اس کو بس اتنا ہی کافی تھا کہ اپنی دو انگلیوں سے اپنی شرمگاہ کو دباتا اور نچوڑ لیتا' پھر اس کے بعد پانی استعمال کر لیتا۔

اور ان لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جن کے لیے ابلیس پانی کے کثرت استعمال کو اچھا بنا کر دکھاتا ہے۔ حالانکہ تمام مذاہب میں سے سخت ترین مذہب کے مطابق بھی نجاست عین کو زائل کرنے کے بعد سات بار پانی کا استعمال کافی ہے۔ اور اگر اس نے ڈھیلوں سے صفائی کرنا تھی تو اگر جائے پاخانہ کے ادھر ادھر گندگی نہ لگی ہو تو صفائی کے لیے صرف تین ڈھیلے ہی اسے کافی تھے' اور جو شریعت کے موافق اس تعداد پر قناعت نہ کرے تو ایسا شخص شرع کا پیروکار ہونے کے بجائے مبتدع یعنی بدعتی ہوگا۔

دوران وضو[1] ابلیسی چال

ان لوگوں میں سے بعض کو ابلیس نیت کے معاملے میں مبتلائے فریب کرتا ہے۔ آپ دیکھیں گے' وہ زبان سے کہتا ہے: میں حدث کو دور کرتا ہوں' پھر کہتا ہے: میں نماز کو مباح

---

1 لغت میں وضو "نظافت" کو کہتے ہیں' کیونکہ یہ لفظ اصل میں "وضاءۃ" سے ماخوذ ہے جس کا معنی نضارۃ (چمک دمک) اور حسن ہے۔ دیکھیے "صحاح" (۸۱/۱) "النھایہ فی غریب الحدیث (۱۸۵/۱) اور شرعی معنی "مخصوص اعضائے بدن پر پانی کا استعمال کرنا' نیت سے شروع کرتے ہوئے" دیکھیے مغنی المحتاج (۴۷/۱)

کرنے لگا ہوں' پھر دوبارہ یوں کہتا ہے: میں حدث کو دور کرنے لگا ہوں!

اس تلبیس کی وجہ شرع سے جاہل ہونا ہے کیونکہ نیت دل کا عمل ہے زبان کے قول کا نہیں ہے۔ زبان سے اس طرح کے الفاظ بولنے کی چنداں حاجت نہ تھی۔ پھر اس کے علاوہ الفاظ کے تکرار کی بھی کوئی ضرورت نہ تھی۔

اور ان لوگوں میں سے بعض کو ابلیس وضو کرنے والے پانی میں غور کرنے کے معاملے میں چکر دیتا ہے اور یوں کہتا ہے: کیا تجھے یقین ہوگیا ہے کہ یہ پانی طاہر و پاک ہے' غرضیکہ دور دراز کے احتمالات اس کے ذہن میں لاتا ہے' جبکہ شرعی فتویٰ جو اس کے لیے کافی تھا' وہ یہی تھا کہ پانی اصل میں پاک ہے' لہٰذا اصل کو احتمال کے ساتھ مت ترک کرے۔

اور ان لوگوں میں سے بعض کو پانی کے کثرت استعمال کے ساتھ دھوکے میں رکھتا ہے۔ ایسا آدمی چار مکروہ اشیاء کو یکبار جمع کر لیتا ہے:

① پانی میں اسراف کرنا۔

② قیمتی عمر کو ضائع کرنا' اور وہ بھی ایسے عمل میں جو نہ واجب ہے اور نہ ہی مندوب (مستحب)۔

③ شریعت سے پیش قدمی کرنا' چونکہ اس نے اس مقدار پر قناعت نہیں کی جتنی قلیل پانی کی مقدار پر شریعت نے قناعت کا سبق دیا ہے۔

④ تین بار سے زائد پانی استعمال کرنے سے یہ شرع کی منع کردہ حد میں داخل ہو جاتا ہے اور بعض اوقات تو وہ اتنا طویل وضو کرتا ہے کہ نماز کا وقت نکل جاتا ہے یا نماز کا اول وقت گزر جاتا ہے جو کہ وقت فضیلت تھا' یا اس کی باجماعت نماز ہی فوت ہو جاتی ہے۔

ابلیس اسے اس معاملے میں یوں دھوکا دیتا ہے کہ تو بھی تو عمل عبادت میں مصروف ہے' کیونکہ جب تک وضو درست نہیں ہوگا نماز بھی درست نہیں ہوگی۔ اگر وہ خود ہی اس معاملے کی حقیقت پر غور و فکر کرے تو یقیناً وہ جان لے گا کہ وہ شریعت کی خلاف ورزی اور کوتاہی کا ارتکاب کر رہا ہے۔ ہم نے کئی ایسے افراد کو دیکھا ہے جو مذکورہ وساوس میں تو نگاہ

رکھتے ہیں، لیکن اپنے خورد و نوش کی پروا نہیں کرتے اور نہ ہی چغل خوری سے اپنی زبان کی حفاظت کرتے ہیں۔ کاش کہ وہ اپنے اس معاملے کو برعکس کر لیتے۔

حدیث مبارکہ میں یوں آتا ہے: سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے جو وضو فرما رہے تھے، تو آپ نے فرمایا:

((مَاهٰذَا السَّرَفُ يَا سَعْدُ؟))

''اے سعد! یہ اسراف کیسا ہے؟''

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟

آپ نے ارشاد فرمایا:

((نَعَمْ وَاِنْ كُنْتَ عَلٰى نَهْرٍ جَارٍ))

''جی ہاں! اگرچہ تو بہتے دریا پر بھی ہو۔''[1]

ابو نعامہ بیان کرتے ہیں، سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے کو دعا میں یہ الفاظ کہتے ہوئے سنا:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْفِرْدَوْسَ وَأَسْأَلُكَ الْقَصْرَ الْأَبْيَضَ عَنْ يَمِيْنِ الْجَنَّةِ اِذَا دَخَلْتُهَا))

''اے اللہ! بے شک میں تجھ سے جنت الفردوس کا سوال کرتا ہوں، اور میں تجھ سے جنت میں داخل ہونے پر داہنی جانب سفید محل کا سوال کرتا ہوں۔''

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کر اور آگ سے پناہ مانگ، کیونکہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا:

---

[1] سنن ابن ماجه، الطهارة، باب ما جاء فی القصد فی الوضوء، حديث : ۴۲۵ و مسند احمد (۲/ ۲۲۱) عن قتیبه بن سعید عن ابن لهيعة عن حيي المعافری عن ابی عبد الرحمن الحُبَلِی عن ابن عمرو۔ اس کی سند حسن ہے ان باتوں کی بنیاد پر جو ''حیي'' کے متعلق کہی گئی ہیں۔

میں نے کسی دوسرے موقعہ پر یہ بات ذکر کی ہے کہ ''قتيبة عن ابی لهيعة'' بڑا صاف ستھرا اور شستہ سلسلہ ہے اور یہ ان شاء اللہ صحیح ہے، ہمارے شیخ محترم نے آخر میں اسے ہی قبول فرمایا تھا۔ وللہ الحمد۔

((سَیَکُوْنُ فِیْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ یَعْتَدُوْنَ فِی الدُّعَآءِ وَالطُّهُوْرِ))
''اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو دعا مانگنے اور طہارت کے حصول میں تجاوز کریں گے''[1]

ابن شوذب کہتے ہیں: حسن بصری رحمہ اللہ پانی میں اسراف کرنے والوں پر اعتراض کرتے ہوئے یوں کہا کرتے تھے: ان میں سے ایک چھوٹے مشکیزے (یا مٹی کی صراحی) سے وضو کرتا ہے اور پکھال (چمڑے کا بڑا مشکیزہ جو بھر کر جانور پر لادا جاتا ہے) سے غسل کرتا ہے' آہستہ آہستہ جسم پر پانی ڈالتا جاتا اور بدن کو ملتا جاتا ہے' اور بلا ضرورت اپنی جان کو مشقت میں رکھتا ہے اور اپنے نبی ﷺ کی سنت مبارکہ کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

ابو الوفاء ابن عقیل کہا کرتے تھے: عقل مندوں کے نزدیک بہترین کمائی وقت کا درست استعمال ہے[2] اور اس میں کم ترین عبادت پانی کا درست استعمال ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ کے اخلاقِ حسنہ میں عبادت سمجھتے ہوئے زیادہ پانی استعمال کرنا ثابت نہیں ہے۔

اذان[3] میں شیطانی دھوکا

کچھ لوگ اذان کو سُر اور ترنم سے پڑھتے ہیں۔ امام مالک بن انس رحمہ اللہ اور

---

[1] سنن ابی داود' الطهارة' باب الاسراف فی الماء' حدیث : ٩٦
سنن ابن ماجه' الدعاء' باب کراهیة الاعتداء فی الدعا' حدیث : ٣٨٦٤۔
و اسناده صحیح

[2] میرے رسالے "الموتمن فی بیان قیمة الزمن" میں اس مسئلے کی تفصیل اور مسلمان کے نزدیک وقت کی قدر و قیمت پر تفصیلی بحث موجود ہے۔

[3] ''اذان'' لغت میں ''اذن'' سے اطلاع و اعلام کے لیے ہے جو آلہ سماعت (اذن) سے ٹکرانے والی آواز کو سننے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ گویا کہ کوئی چیز اس میں ڈالی جا رہی ہو۔ دیکھئے لسان العدة (١/٥١)' اور شریعت میں ''نماز کے وقت کے آ جانے پر اطلاع کرنے کے لیے مخصوص الفاظ کے ساتھ مشروع اعلان کو اذان کہتے ہیں۔''
قاضی عیاض نے اسی طرح فرمایا۔ یہ ایمان کے عقیدہ پر مشتمل چند الفاظ کا مجموعہ ہے جو عقلیات اور سمعیات دونوں انواع پر مشتمل ہے۔ سب سے اول تو اثبات ذات اور کمال و تنزیہہ پر مبنی الفاظ ہیں یعنی اللہ ←

دوسرے علمائے کرام نے اسے انتہائی کراہت سے دیکھا ہے' کیونکہ یہ انداز' اذان کو مقامِ عظمت سے نکال کر گانے کے مشابہ بنا دیتا ہے۔

کچھ لوگ اذان فجر کے ساتھ ذکر اذکار' تسبیح وتحمید اور پند ونصائح کو شامل کر دیتے ہیں[1] اور اذان کو ان چیزوں کے درمیان میں لے آتے ہیں (یا ان چیزوں کو آخر میں لے جاتے ہیں) تو اس طرح اذان دیگر اوراد وظائف کے ساتھ خلط ملط اور گھل مل جاتی ہے۔ علمائے کرام نے اذان کے ساتھ ہر طرح کے اضافے کو مکروہ خیال کیا ہے۔[2]

ہم نے ایسے افراد کو بھی دیکھا ہے جو رات کا کافی حصہ منارۂ مسجد پر کھڑے وعظ و نصیحت کرتے رہتے ہیں۔ اور بعض لوگ ایسے پائے جاتے ہیں جو بآواز بلند قرآن کریم کی سورت کو پڑھنا شروع کر دیتے ہیں جو لوگوں کی نیند میں خلل انداز ہوتے ہیں' بلکہ تہجد گزاروں پر قراءت مشکل بنا دیتے ہیں۔ یہ اور ان جیسے دوسرے امور منکرات میں سے ہیں۔

مسائل طہارت میں شیطانی حربہ

عبادت گزاروں میں سے بعض کو شیطان نے اس طرح دھوکے میں مبتلا کیا کہ وہ پہنے ہوئے کپڑوں کی وجہ سے وسوسے میں پڑ گئے ہیں۔ آپ ان میں سے کئی حضرات کو

← اکبر' پھر اس کے بعد اثبات وحدانیت اور شراکت کی نفی ہے' اس کے معاً بعد اپنے نبی مکرم سیدنا محمد ﷺ کی رسالت ونبوت کا اثبات ہے' پھر نماز کے لیے دعوت ہے' اس دعوتِ نماز کو اثبات رسالت کے معاً بعد اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ اس کے وجوب ولزوم کی معرفت بذریعہ رسالت ہی ہوئی ہے بذریعہ عقل نہیں ہوئی۔ اس کے بعد فلاح وکامرانی کی جانب دعوت ہے اور فلاح دراصل دائمی نعمتوں میں بقائے دوام اور فوز المرام کا نام ہے اور اسی لفظ میں امور آخرت مثلاً بعث اور جزاء وغیرہ کا شعور دیا گیا ہے۔ پھر نماز کے قیام کے لیے شروع والے الفاظ کو مکرر لایا گیا ہے اور یہ تاکید ایمان کے پہلو کو بھی متضمن ہے۔ دیکھئے شرح المہذب (۸۱/۳) وسبل السلام (۱۶۵/۱)

[1] جس طرح کہ ہمارے شہروں میں حال بن چکا ہے۔ ان برے حالات سے ہم اللہ تعالیٰ سے ہی اپنا شکوہ بیان کرتے ہیں۔

[2] میرے رسالے "الایذان بمهمات مسائل الاذان" میں مصنف کے اجمال کی تفصیل موجود ہے۔

دیکھیں گے کہ پاک صاف کپڑے کو بھی بار بار دھوئے جائیں گے' بلکہ بعض اوقات کسی مسلمان کے چھو لینے سے بھی اسے دھونے لگتے ہیں' اور ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو دریائے دجلہ میں اپنے کپڑوں کو دھوتا ہے' گھر پر انھیں دھونے کو کافی خیال نہیں کرتا' اور کوئی ایسا بھی ہے جو اپنے کپڑوں کو کنویں میں لٹکاتا ہے جس طرح یہودی کیا کرتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یوں نہیں کیا کرتے تھے' بلکہ انھوں نے تو ملک فارس کو فتح کر لینے کے بعد ان فارسیوں کے کپڑوں میں بھی نماز ادا کر لی تھی۔ مزید برآں ان کی اوپر اوڑھنے والی اور نیچے بچھائی جانے والی چادریں بھی استعمال کی تھیں۔

ان وسوسہ زدہ لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی دیکھے گئے ہیں جو کپڑے پر پانی کا ایک قطرہ ٹپک جانے پر سارا کپڑا ہی دھو ڈالتے ہیں بلکہ بعض اوقات صرف اس بنا پر نماز باجماعت سے بھی پیچھے رہ جاتے ہیں۔

کچھ ایسے بھی پائے گئے ہیں جو معمولی بارش کی وجہ سے نماز باجماعت کو ترک کر دیتے ہیں کہ کہیں ان کے کپڑوں پر پانی کی چھینٹیں نہ پڑ جائیں۔

کوئی بدباطن یہ گمان نہ کر بیٹھے کہ میں طہارت و نظافت اور ورع وتقویٰ سے روک رہا ہوں۔ میں تو اسے صرف حد شرع سے خارج مبالغہ آمیزی اور وقت کو ضائع کرنے والے امور سے روک رہا ہوں جن سے ہمیں شرع میں منع کیا گیا ہے۔

ابلیسی چالبازیوں میں سے ایک نیت نماز میں حملہ بھی ہے۔ ان میں سے ایک کہنے والا یوں بولتا ہے: میں فلاں نماز پڑھنا چاہتا ہوں' پھر وہ انھیں الفاظ کو دوبارہ دہراتا ہے' صرف یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس نے نیت توڑ دی ہے' حالانکہ نیت تو ٹوٹتی ہی نہیں ہے اگرچہ لفظی موافقت نہ بھی ہو۔

ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ اکبر کہتے ہیں' پھر اسے توڑ دیتے ہیں' پھر ازسر نو تکبیر تحریمہ کہتے ہیں' پھر اسے توڑ دیتے ہیں' حتیٰ کہ جب امام رکوع میں چلا جاتا ہے تو یہ وسوسے کے ڈسے ہوئے اللہ اکبر کہتے ہوئے اس کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جاتے ہیں۔ کاش! مجھے معلوم ہو جائے کہ اس نے اس وقت میں کس طرح نیت کو حاضر کر لیا ہے؟! اور تو

کوئی چیز سمجھ میں نہیں آتی' بجز اس کے کہ ابلیس نے اسے فضیلت سے محروم رکھنا چاہا ہے۔ اور ان وسوسہ زدہ لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ کے نام کی قسم بھی کھا لیتے ہیں کہ صرف اب کے بار میں نے اللہ اکبر کہا ہے۔ اور بعض لوگ اپنے مال سے دست بردار ہونے کی' یا بیوی کو طلاق دینے کی قسم بھی کھا لیتے ہیں۔

یہ اور ایسی دیگر باتیں سبھی شیطانی چالیں ہیں۔ جب کہ شریعتِ اسلامیہ تو انتہائی فیاض' سہل و آسان اور ایسی آفتوں سے سلامت رکھنے والی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے لیے ایسی کوئی بات اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ایسی کوئی گنجلک واقع ہوئی۔

ابو حازم سے ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے تو ابلیس نے انھیں یہ وسوسہ ڈالا کہ آپ تو بلا وضو نماز پڑھیں گے' انہوں نے فرمایا: ابھی تیری خیر خواہی اس درجے تک نہیں پہنچی!

اس تلبیسی معمے کا حل یہ ہے کہ اس وسوسہ زدہ آدمی سے یہ کہا جائے: اگر تو تو نیت کا استحضار چاہتا ہے تو نیت تو پہلے ہی سے حاضر ہے' کیونکہ تو نماز کی ادائیگی کے لیے کھڑا ہو چکا ہے اور یہی نیت ہے' اور نیت کا محل قلب ہے الفاظ نہیں ہیں۔[1] اگر تو وہ الفاظ کو صحیح تلفظ کے ساتھ ادا کرنا چاہتا ہے تو الفاظ کی ادائیگی تو ضروری ہی نہیں' پھر دوسری بات یہ ہے کہ الفاظ بھی تو نے صحیح ہی کہے تھے' پھر دہرانے کا کیا معنی اور کیا وجہ؟

بعض بزرگوں نے مجھے ابن عقیل کے بارے میں ایک عجیب و غریب حکایت بیان کی ہے: ایک آدمی ان سے ملنے آیا' اس نے دریافت کیا: میں ایک عضو بدن کو دھوتا ہوں لیکن مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں نے اسے نہیں دھویا۔ میں اللہ اکبر کہتا ہوں لیکن دل میں یہ خیال کرتا ہوں کہ میں نے اللہ اکبر نہیں کہا۔ ابن عقیل نے اس شخص سے کہا: تو نماز چھوڑ دے کیونکہ یہ تجھ پر فرض نہیں ہے!

---

[1] بہت سے عوام حتیٰ کہ ''سند یافتہ'' حضرات میں سے کئی لوگوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ سے قبل وہ نیت کے استحضار کے لیے کچھ مبہم سے کلمات کو گنگناتے ہیں ...... اور ...... یہ سب باتیں بے سرو پا ہیں جن کی کوئی اصلیت نہیں ہے' جس طرح کہ مصنف رحمہ اللہ نے تذکرہ فرمایا ہے۔

کسی نے سوال کیا: آپ یہ فتویٰ کس طرح دیتے ہیں؟
انھوں نے جواب دیا: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے' تین طرح کے لوگ مرفوع القلم ہیں:
((رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ : عَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰی يَعْقِلَ أَوْ يُفِيْقَ))[1]
''مجنون سے قلم اٹھالیا گیا ہے' حتیٰ کہ اسے افاقہ اور ہوش آ جائے''۔

اور جو آدمی اللہ اکبر کہتا ہے اور یوں خیال کرتا ہے کہ میں نے اللہ اکبر نہیں کہی وہ صاحب عقل نہیں' اور ایسے مجنوں دیوانے پر نماز فرض ہی نہیں ہے۔

حالانکہ ''نیت کے وسوسے'' کا سبب عقل میں فتور وخبط اور شرع سے عدم واقفیت اور جہل ہے' اور یہ بات معلوم ہے کہ جس آدمی کے پاس کوئی عالم دین تشریف لائے اور وہ اس کے لیے تکریماً کھڑا ہو کر یوں کہنے لگے: میں اس عالم دین کی تشریف آوری پر تعظیماً سیدھا کھڑا ہو رہا ہوں' صرف اس کے علمی مرتبے کے پیش نظر ایسا کرتا ہوں' اپنا چہرہ بالکل اس کی جانب رکھتا ہوں' تو یہ باتیں اس کی کم عقلی اور بے وقوفی کی غماز ہیں' حالانکہ یہ سب تصوراتی باتیں ہیں جو عالم دین پر نظر پڑتے ہی اس کے پردۂ ذہن ابھر آتی ہیں۔[2]

کسی بھی انسان کا فرض نماز کی ادائیگی کے لیے کھڑا ہونا اس کے دل و دماغ میں ایک ایسا تصور ہے جو فی الفور ہی آ جاتا ہے' اس میں کوئی لمبا زمانہ درکار نہیں ہوتا۔ البتہ ان

---

[1] سنن ابی داود' الحدود' باب فی المجنون یسرق او یصب حدا' حدیث : ۴۳۹۸' ۴۴۰۱
سنن نسائی' الطلاق' باب من لا یقع طلاقه من الازواج' حدیث : ۳۴۶۲۔
سنن ابن ماجه' الطلاق' باب طلاق المعتوه والصغیر والنائم' حدیث : ۲۰۴۱۔
اسود عن عائشہ کے طریق سے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ دیکھیے ''صحیح الجامع'' (۳۵۱۲) اس باب میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات موجود ہیں۔ اس کے لیے نصب الرایہ (۱۶۲/۴) ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

[2] آنے والے کے لیے کھڑے ہونے کا مسئلہ' جس کی مصنف رحمہ اللہ نے مثال بیان کی ہے' ایک قدیم اختلافی مسئلہ ہے۔ ہمارے نزدیک اس کا مکروہ ہونا راجح ہے' الا کہ کسی مسافر کا استقبال کرنے کے لیے اٹھنا یا کسی مہمان کو اس کی شان ومنزلت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس کی مناسب جگہ پر بٹھانا پیش نظر ہو۔ اس میں وہ چیز اور پہلو داخل نہیں ہے جس کے باعث لوگ عموماً کھڑے ہوتے ہیں۔

الفاظ کو زبان سے ادا کرنے میں وقت زیادہ لگتا ہے۔ ان الفاظ کو ادا کرنا لازم ہی نہیں' اور ایسے وساوس کا خیال رکھنا محض جہالت ہے۔

ایسا وسوسہ زدہ آدمی اپنے آپ کو اس مشقت میں ڈالتا ہے کہ اپنے دل میں نماز ظہر' وقت پر اس کی ادائیگی' فریضہ کی بجا آوری وغیرہ' سبھی کیفیات کو الفاظ کے ساتھ ساتھ ادا کرنے کے ساتھ بالتفصیل ایک ہی وقت میں حاضر کرنا چاہتا ہے' اور پھر بغور ان کا جائزہ لیتا ہے' تو یہ محال امر ہے۔ اگر ان سبھی باتوں اور کیفیات کا ایک عالم دین کی تشریف آوری پر اہتمام کرنے کے لیے اپنے نفس کو تکلیف دے گا تو اس کے بس کی بات نہ ہو گی۔ جس نے یہ حقیقت جان لی' اسے نیت کی سمجھ آ گئی۔

پھر یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ تکبیر تحریمہ سے کچھ وقت قبل بھی نیت کرنی جائز ہے' جب تک کہ اسے فسخ نہ کرے' تو پھر کیا وجہ ہے کہ نیت کو تکبیر تحریمہ کے بالکل متصل رکھنے کی زحمت اٹھاتا ہے؟ جب اس نے نیت پختہ کر لی' پھر اسے فسخ نہیں کیا' تو جب بھی تکبیر تحریمہ بولے گا' نیت اور تکبیر باہم مل جائیں گی۔

مسعر رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے: معن بن عبدالرحمٰن نے میرے سامنے ایک کتاب پیش کی اور پروردگار عالم کی قسم کھاتے ہوئے کہا کہ یہ ان کے والد بزرگوار کی تحریر ہے۔ اس میں یہ بھی لکھا ہوا تھا: عبداللہ نے فرمایا: ''اس ذاتِ اقدس کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی اور کو تکلف کرنے والوں پر سختی کرنے والا نہیں دیکھا' اور آپ کے بعد میں نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی اور کو ایسے لوگوں پر سخت گیر نہیں پایا' اور میرا یقین ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تو پوری روئے زمین پر سب سے بڑھ کر ایسے لوگوں پر سختی کرنے والے تھے۔''[1]

دورانِ نماز کے چند شیطانی حملے

وسوسہ زدہ لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو نیت کو صحیح کر لینے اور تکبیر تحریمہ کہہ لینے

[1] اسے امام طبرانی نے ''الکبیر'' (۱۰۳۶۷) میں اور امام دارمی نے ''سنن'' (۵۴/۱) میں روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' (۲۵۱/۱۰) میں لکھا ہے: ''ورجاله ثقات'' اور میں کہتا ہوں: ''وسنده صحيح''

کے بعد اپنی باقی نماز سے بالکل غافل ہی ہو جاتے ہیں' گویا کہ نماز سے اصل مقصود صرف تکبیر تحریمہ ہی تھی۔

اس حملے کی اس طرح سمجھ آئے گی کہ تکبیرِ تحریمہ تو صرف عبادت میں داخل ہونے کے لیے رکھی گئی ہے' پھر کس طرح اس عبادت سے غفلت برتی جا سکتی ہے؟ یہ تو بالکل اسی طرح ہے کہ حویلی کے دروازے کی حفاظت کی جائے لیکن حویلی کو فراموش کر دیا جائے۔

اور بعض وسوسہ زدہ ایسے بھی پائے جاتے ہیں جن کی امام کے پیچھے تکبیر تحریمہ اس وقت جا کر کہیں درست ہوتی ہے جبکہ رکعت کی بالکل تھوڑی سی مقدار باقی ہوتی ہے' پھر وہ جلدی سے دعائے استفتاح اور تعوذ پڑھتا ہے' اتنی دیر میں امام رکوع میں چلا جاتا ہے۔

یہ بھی شیطانی حملہ ہے' کیونکہ جن امور میں وہ مشغول رہا ہے' یعنی دعائے استفتاح اور تعوذ پڑھنے میں' یہ تو مسنون امور ہیں' اور قراءت فاتحہ اس نے ترک کر دی ہے جو کہ علمائے کرام کی ایک جماعت کے ہاں لازم و واجب تھی۔ حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ اس پر سنت کو ترجیح نہ دی جاتی اور اسے ہی مقدم مانا جاتا۔

میں اپنے بچپن میں اپنے شیخ ابوبکر دینوری کی اقتداء میں نماز پڑھا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ انھوں نے مجھے ایسا ہی کرتے ہوئے پایا' تو فرمانے لگے: اے برخوردار! فقہاء نے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی قراءت کے واجب ہونے میں اختلاف کیا ہے' لہٰذا تو بھی واجب میں مشغول ہو جایا کر' اور سنت کا واجب کے مقابلے میں اتنا خیال نہ رکھا کر۔[1]

سنتوں کو ترک کرنا

ابلیس نے ایک قوم کو اس طرح مبتلائے فریب بنا دیا ہے کہ انھوں نے پیش آنے والے چند واقعات کے پیش نظر بہت سی سنتوں کو ترک کر دیا ہے۔

ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو پہلی صف سے پیچھے رہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں: اس سے مراد دلوں کی قربت ہے اور کچھ ایسے بھی ہیں جو نماز میں ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ نہیں رکھتے اور یوں کہتے ہیں: مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ ایسا خشوع ظاہر کروں جو میرے دل

[1] یعنی سنتوں اور واجبات کے ایک ساتھ عمل کرنے کے وقت' نہ کہ مطلق طور پر ہی انھیں خیر باد کہنا مراد ہے۔

میں نہیں ہے۔ ہمیں یہ دونوں امور بعض اکابر صالحین کی نسبت سے پہنچے ہیں۔ حالانکہ اس کا باعث قلت علم ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا لَهُمْ فِي النِّدَآءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ، ثُمَّ لَمْ يَجِدُوْآ إِلَّا أَنْ يَّسْتَهِمُوْا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوْا))[1]

''اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ان کے لیے اذان دینے اور صف اول میں کھڑے ہونے میں کس قدر ثواب و درجات ہیں' پھر وہ ان اعمال کو سرانجام دینے میں قرعہ اندازی کے سوا کوئی اور راستہ نہ پائیں تو یقیناً وہ قرعہ اندازی ہی کریں۔''

امام مسلم رحمہ اللہ کے تفردات میں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

((خَيْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا، وَشَرُّهَا آخِرُهَا))[2]

''مردوں کی بہترین صفیں ابتدائی' اور بدترین صفیں پچھلی ہیں۔''

رہا مسئلہ حالت نماز میں ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کا' تو یہ بھی سنت ہے۔ امام ابوداود رحمہ اللہ نے اپنی ''سنن'' میں روایت کیا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((وَضْعُ الْيَدِ عَلَى الْيَدِ مِنَ السُّنَّةِ))[3]

''ہاتھ پر ہاتھ رکھنا سنت ہے۔''

اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حالت نماز میں اپنے بائیں ہاتھ کو اپنے دائیں ہاتھ پر رکھ بیٹھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھا تو ان کے دائیں ہاتھ کو بائیں کے اوپر رکھ دیا۔[4]

---

[1] صحیح بخاری' الاذان' باب الاستهام فی الاذان' حدیث: ٦١٥
صحیح مسلم' الصلاة' باب تسوية الصفوف واقامتها...... حدیث: ٤٣٧۔

[2] صحیح مسلم' الصلاة' باب تسوية الصفوف واقامتها......' حدیث: ٤٤٠۔

[3] سنن ابی داوٗد' الصلاة' باب وضع الیمنی علی السری فی الصلاة' حدیث: ٧٥٤۔
تهذیب الکمال للمزی (٩/ ٣٥٠) شواہد میں اس کی سند حسن ہے۔

[4] سنن ابی داود' الصلاة' باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلاة' حدیث: ٧٥٥۔
سنن نسائی' الافتتاح' باب فی الامام اذا رای الرجل قد وضع شماله علی یمینه' حدیث: ٨٨٧۔
سنن ابن ماجه' اقامة الصلوات' باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلاة' حدیث: ٨١١۔

اس لیے جو آدمی یہ کہتا ہے کہ ہاتھ سے مراد دل کی قرابت ہے' اس پر ہماری یہ بات گراں نہیں گزرنی چاہیے' کیونکہ یہ ہماری بات نہیں شریعت کا حکم ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کہا گیا: عبداللہ بن مبارک یہ بات فرماتے ہیں' تو آپ نے فرمایا: عبداللہ بن مبارک کوئی آسمان سے تو نہیں اترے۔

آپ سے یہ عرض کیا گیا: ابراہیم بن ادھم نے یوں فرمایا ہے' تو جواب میں یوں ارشاد فرمایا: تم میرے پاس چھوٹے چھوٹے راستے اور پگڈنڈیاں لا رہے ہو۔ تم پر لازم ہے کہ اصل کو تھام لو۔

دل میں کسی کی بڑائی اور عظمت بٹھا کر اس کے قول کی وجہ سے شرع کو نہیں چھوڑا جا سکتا' کیونکہ شرع تو سب سے عظیم ترین ہے' اور اصول کی تاویل وتفسیر میں لوگوں سے خطاء ہوسکتی ہے' اور یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ احادیث مبارکہ ہی اس تک نہ پہنچ سکی ہوں۔[1]

اور بعض نمازیوں پر ابلیس نے مخارج حروف کے ضمن میں تلبیسی حملہ کیا ہے۔ آپ انھیں دیکھیں گے کہ وہ کہتا ہے: الحمد...... الحمد...... بار بار ایک ہی کلمے کو پڑھتا جاتا ہے۔ اس طرح وہ آدابِ نماز کی حدود سے باہر نکل جاتا ہے۔

اور بعض نمازیوں کو شدّ والے حرف کو زوردار آواز میں ادا کرنے میں دھوکا دیتا ہے' اور بعض اوقات المغضوب کی ضاد کو ادا کرنے میں دھوکے میں مبتلا کر دیتا ہے۔

میں نے ایک صاحب کو المغضوب پڑھتے ہوئے دیکھا جو ضاد کی ادائیگی میں اتنا زور لگاتا تھا کہ اس کا تھوک نکل آتا تھا' جبکہ مقصود صرف اتنا سا ہے کہ حروف کو مخارج سے صحیح ادا کیا جائے۔

ابلیس ان لوگوں کو حدود سے آگے لے جاتا ہے' تو انھیں فہم تلاوت کے بجائے حروف کو مبالغہ سے ادا کرنے ہی میں مشغول کیے رکھتا ہے' تو یہ تمام کے تمام ابلیس کے

---

[1] یہ مصنف رحمہ اللہ کی طرف سے خطا کر جانے والے کی جانب سے اظہار معذرت ہے۔ انھیں اس بات کا کوئی اندیشہ نہیں ہے کہ اقدام گناہ ''گناہ'' کو مستلزم نہیں ہوتا' جس طرح کہ لوگوں کی کثیر تعداد پر یہ امر خلط ملط اور ملتبس ہو چکا ہے۔ ذرا غور فرمائیں۔

وسوسے ہیں۔

امام مسلم رحمہ اللہ کی منفرد روایات میں سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ شیطان میرے اور میری نماز اور قراءت کے درمیان حائل ہو کر مجھ پر قراءت کو خلط ملط کرنے لگتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شیطان ہے جسے "خنزب" کہا جاتا ہے۔ تم جب اسے محسوس کرو تو تین بار اعوذ باللہ پڑھ کر اپنے بائیں پہلو کی طرف تھوک دو۔ پھر میں نے ایسا ہی کرنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے مجھ سے دور ہٹا دیا۔[1]

ابلیس نے بہت سے جاہل عبادت گزاروں پر اس طرح بھی حملے کیے ہیں اور انھیں باور کروایا ہے کہ یہی اٹھنا بیٹھنا ہی عبادت گزاری کا حقِ ادائیگی ہے، اور بس! اور انہی سطحی حرکات میں مشغول رہتے ہیں، جس کی بنا پر نماز کے بے شمار واجبات میں کوتاہی کے مرتکب رہتے ہیں اور انھیں خبر تک نہیں ہوتی۔

میں نے بچشم خود ایک ایسی جماعت کو مشاہدہ کیا ہے جو امام کے سلام پھیرنے کے ساتھ ہی سلام پھیر دیتے ہیں، حالانکہ ابھی ان پر تشہد واجب میں سے کچھ پڑھنا باقی ہوتا ہے، اور یہ نماز کا ایسا حصہ ہے کہ جو امام ان کی جانب سے کفایت نہیں کر سکتا۔

اور شیطان نے کچھ دوسرے نمازیوں پر اس طرح تلبیسی وار کیا ہے کہ وہ نماز اور قراءت کو طویل کرتے ہیں، اور نماز میں مسنون طریقے کو چھوڑ جاتے ہیں، اور مکروہات کا ارتکاب کر جاتے ہیں۔

میں ایک ایسے عبادت گزار کے پاس گیا جو دن کے وقت نوافل ادا کر رہا تھا، اور جہراً قراءت کر رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا: دن میں بآواز بلند قراءت کرنا مکروہ ہے[2] تو اس

[1] صحیح مسلم، السلام، باب التعوذ من وسوسة الشیطان فی الصلاة، حدیث : ۲۲۰۳

[2] اسی طرح رات کی نمازیں، کیونکہ ذکر، دعاء اور قراءت میں اصل حکم آہستہ پڑھنے کا ہے، بلند آواز سے پڑھنے کا نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں بندہ کا ایک قدیمی رسالہ بھی ہے۔ امید ہے اللہ تعالیٰ اس میں نظر ثانی کے بعد اسے دوبارہ شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔

نے مجھے یوں ترکی بہ ترکی جواب دیا: میں تو جہری قراءت سے نیند کو بھگا رہا ہوں۔ میں نے جواباً کہا: تمہاری بیداری کی خاطر سنتوں کو ترک تو نہیں کیا جا سکتا۔ جب تجھ پر نیند کا غلبہ ہو تو سو جا' کیونکہ تیرے نفس کا بھی تو تجھ پر حق ہے۔

شب بیداری میں تجاوز

ابلیس نے عبادت گزاروں اور شب زندہ داروں پر اس طرح دھوکے کی چال چلی ہے کہ انھوں نے رات کی نماز میں بہت سی چیزوں کا اضافہ کر لیا ہے۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو ساری رات نوافل ہی میں گزار دیتے ہیں اور پھر وہ اس قیام اللیل اور صلاۃ چاشت کی ادائیگی پر اس قدر فرحاں وشاداں ہوتے ہیں کہ نماز پنج گانہ کی ادائیگی پر بھی اتنی خوشی کا اظہار نہیں کرتے۔ پھر ایسے صاحبان فجر کی نماز سے تھوڑی دیر قبل سو جاتے ہیں جس سے فجر کی نماز فوت ہو جاتی ہے' یا نماز کے لیے اٹھ تو بیٹھتے ہیں لیکن نماز کی تیاری وغیرہ کرتے کرتے باجماعت نماز فوت کر بیٹھتے ہیں' یا پھر سستی کے مارے ہوئے صبح کرتے ہیں اور اپنے اہل وعیال کے لیے کسبِ معاش کی بھی ہمت نہیں پاتے۔

میں نے ایسے شب زندہ داروں میں سے ایک صاحب کو جسے حسین قزوینی کہتے تھے' دیکھا ہے' جو جامع منصور میں دن کا اکثر حصہ چہل قدمی کیا کرتا تھا۔ میں نے اس کے ایسا کرنے کی وجہ پوچھی تو مجھے یہ جواب دیا گیا: ''تاکہ نیند نہ آ جائے!'' میں نے عرض کیا: یہ تو شرعی اور عقلی تقاضوں سے لاعلمی کی دلیل ہے۔

شرعی تقاضے

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

((اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا' فَقُمْ وَنَمْ))[1]

''تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے' لہٰذا روزہ بھی رکھ اور افطار بھی کر' اور قیام بھی کر اور آرام بھی کر۔''

---

[1] سنن ابی داود' الصلاۃ' باب ما یومر به من القصد فی الصلاۃ' حدیث: ۱۳۶۹۔

اور آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

((عَلَيْكُمْ هَدْيًا قَاصِدًا، فَإِنَّهُ مَنْ يُشَادَّ هٰذَا الدِّيْنَ يَغْلِبْهُ))[1]

''تم راہ اعتدال اور میانہ روی کو لازم پکڑو، کیونکہ جو بھی اس دین سے زور آزمائی کرے گا، یہ دین اسے پچھاڑ دے گا۔''

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں جلوہ افروز ہوئے تو دیکھا کہ دو ستونوں کے درمیان ایک رسی بندھی ہوئی ہے۔ دریافت فرمایا: یہ رسی کیسی ہے؟ آپ کو بتانے والوں نے بتایا: یہ زینب کے لیے ہے۔ جب وہ نماز پڑھتے ہوئے تھک جاتی ہیں یا ان پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے تو اس کے ساتھ لٹک جاتی ہیں۔ آپ نے حکم دیا: نہیں، اسے کھول دو، اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا:

((لِيُصَلِّ أَحَدُكُمْ نَشَاطَهُ، فَإِذَا كَسَلَ أَوْ فَتَرَ، فَلْيَقْعُدْ))[2]

''چاہیے کہ تم میں ہر ایک اپنی حالتِ نشاط اور حالت ہوشیاری میں نماز پڑھتا رہے، پھر جب تھکان یا اونگھ کا شکار ہو جائے تو اسے چاہیے کہ نماز چھوڑ دے اور بیٹھ جائے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم میں سے کسی کو اونگھ آئے اور وہ نماز پڑھ رہا ہو تو اسے چاہیے کہ سو جائے، حتیٰ کہ اس سے نیند کا زور ختم ہو جائے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے وہ اس حالتِ مدہوشی میں نماز پڑھتا رہے اور دعائے بخشش مانگنے کے بجائے اپنے آپ کو برا بھلا ہی کہتا رہے۔''[3]

---

[1] اسے امام احمد نے (۵/۳۵۰) میں، امام حاکم نے (۱/۳۱۲) میں، امام بیہقی نے (۳/۱۸) میں، امام ابن ابی عاصم نے السنۃ (۹۵) میں سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔

[2] صحيح بخاري، التهجد، باب ما يكره من التشديد في العبادة، حديث: ۱۱۵۰۔
صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضيلة العمل الدائم من قيام الليل وغيره، حديث: ۷۸۴۔

[3] صحيح بخاري، الوضوء، باب الوضوء من النوم، حديث: ۲۱۲۔
صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب أمر من نعس في صلاته، حديث: ۷۸۶۔

عقلی تقاضے

بلاشبہ نیند ان اعضاء کو تازگی بخشتی ہے جو بیداری کے باعث نڈھال ہو چکے ہوتے ہیں۔ جب بوقت حاجت انسان نیند کو دور ہٹانے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے بدن اور عقل پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس لیے ہم جہالت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اگر کوئی کہنے والا یوں کہے: آپ نے ہمارے سامنے یہ روایات بھی بیان کی ہیں کہ سلف صالحین کی ایک جماعت شب زندہ داری کی خوگر تھی؟!

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان بزرگوں نے بتدریج یہ مقام حاصل کیا تھا۔ وہ نمازِ فجر باجماعت ادا کرنے کے لیے پر اعتماد اور پر وثوق ہوتے تھے' اور وہ اس کے ساتھ قیلولہ کرنے سے مدد لیا کرتے تھے[1] اس کے علاوہ کم خوری ان کا شیوہ ہوتا تھا' اس لیے ان کے لیے مناسب تھا۔ پھر اس کے لیے ہمیں رسول اللہ ﷺ سے کوئی ایسی بات نہیں پہنچی کہ آپ نے کوئی رات سوئے بغیر آنکھوں میں گزاری ہو (ماسوائے چند ایک راتوں کے)' لہٰذا آپ کی سنت مبارکہ ہی قابلِ اطاعت اور واجب الاتباع ہے۔

شب زندہ داروں کی ایک جماعت پر ابلیس نے یوں بھی تلبیسی وار کیا ہے کہ دن کو اپنی کارگزاری کے حالات بیان کرتے ہیں' بلکہ بعض اوقات تو ان میں سے ایک یوں بھی کہتا ہے: فلاں مؤذن نے بروقت اذان دی تھی' تاکہ لوگوں کو یہ معلوم کروائے کہ وہ بھی اس وقت جاگ رہا تھا!!

اس سلسلے میں کم از کم یہ بات ہے کہ اگر وہ ریاکاری سے سلامت رہے پھر بھی وہ ''مخفی دفتر'' سے ''علانیہ دفتر'' کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اس طرح بھی ثواب میں کمی ہو جاتی ہے۔

کچھ دوسروں پر شیطان نے اس طرح فریبی چال چلی کہ وہ ادائیگی نماز اور عبادت گزاری کے لیے الگ الگ مسجدوں میں براجمان ہو گئے' اور پھر انہی مساجد کے نام سے

---

[1] نصف النہار کے وقت آرام کرنے کا نام قیلولہ ہے' اور بعض لوگ نیند کو قیلولہ کے لیے لازم خیال کرتے ہیں جبکہ ایسا نہیں ہے۔

معروف ہو گئے۔ ان کے پاس لوگ جمع ہوتے اور پھر ان کے ساتھ نمازیں ادا کرتے۔ اس طرح عوام الناس میں ان کے تذکرے ہونے لگے۔ یہ بھی ابلیس کی دسیسہ کاریوں میں سے ہے۔ اس انداز سے ان کے نفوس کثرتِ عبادت پر مزید قوت پاتے تھے' کیونکہ انھیں معلوم ہو رہا ہوتا تھا کہ ان کے چرچے ہو رہے ہیں اور ان کی ستائشیں چہار دانگِ عالم میں پھیل رہی ہیں۔

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ أَفْضَلَ صَلَاةِ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ' اِلَّا الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ))[1]

''یقیناً آدمی کی افضل ترین نماز گھر میں ادا شدہ نماز ہے' ماسوائے فرضی نماز کے۔''

عامر بن عبد قیس اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ لوگ انھیں نماز پڑھتا ہوا دیکھیں' اس لیے وہ مسجد میں نوافل ادا نہیں کیا کرتے تھے۔

ابن ابی لیلیٰ کے متعلق یہ بات منقول ہے کہ نماز پڑھنے کے دوران اگر کوئی ملاقاتی آ جاتا تو لیٹ جایا کرتے تھے۔

ابلیس نے کچھ عبادت گزاروں پر اس طرح بھی وار کیا ہے کہ وہ لوگوں کی موجودگی میں روتے تھے۔ بعض اوقات آدمی کی ایسی گریہ زاری کی حالت ہو سکتی ہے جسے ٹالنا اس کے بس میں نہیں ہوتا' لیکن جو آدمی اس کیفیت گریہ کو چھپا سکتا ہے اور پھر بھی اسے ظاہر کرتا ہے' تو گویا اس نے ریا کاری کے لیے خود کو پیش کر دیا۔

عاصم بیان کرتے ہیں: ابو وائل جب اپنے گھر میں نماز پڑھا کرتے تو روتے روتے ان کی ہچکی بندھ جاتی تھی۔ اگر انھیں دنیا و مافیہا دے کر ان سے مطالبہ کیا جاتا کہ ایسا کریں اور کوئی انھیں دیکھ بھی رہا ہو تو ایسا کبھی نہ کرتے۔

ایوب سختیانی رحمہ اللہ پر جب مجمع عام میں رونا غالب آ جاتا تو کھڑے ہو کر وہاں سے چل دیتے۔

کچھ عبادت گزاروں پر ابلیس نے اس طرح بھی فریبی جال پھینکا ہے کہ آپ انھیں

---

[1] صحیح بخاری' الاذان' باب ما یکرہ من کثرۃ السوال' حدیث: ۷۳۱' ۷۲۹۰۔
صحیح مسلم' صلاۃ المسافرین' باب استحباب صلاۃ النافلۃ فی بیتہ......' حدیث: ۷۸۱۔

دن رات نمازیں ہی پڑھتے ہوئے دیکھیں گے۔ جبکہ ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے باطنی عیوب کی اصلاح کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتے' اور نہ ہی اپنے خورد ونوش پر نگاہ ڈالتے ہیں۔ حالانکہ کثرتِ نوافل کی نسبت ان کا مذکورہ امور میں توجہ کرنا زیادہ بہتر تھا۔

قراءت قرآن میں شیطانی دھوکا

ابلیس نے ایک قوم پر کثرتِ تلاوت کے راستے فریب کا دروازہ کھول دیا ہے جو تیزی سے بلا سوچے سمجھے' بلا ترتیل اور بلا احتیاط و تدبر پڑھتے جاتے ہیں۔ یہ انداز قابل ستائش اور لائق مدح نہیں ہے۔

ابلیس نے قراء حضرات کی ایک قوم پر اس طرح تلبیس کا رنگ دکھایا ہے کہ وہ ظلمتِ شب میں منارۂ مسجد پر اجتماعی طور پر باآواز بلند ایک پارہ یا دو پارے قرآن پڑھتے ہیں۔ اس طرح وہ لوگ دو طرح سے گناہ سمیٹتے ہیں: لوگوں کو سونے سے روکنے اور باز رکھنے کی اذیت کے ساتھ' اور خود کو ریا کاری کے لیے پیش کرنے کے ساتھ۔

اور ان میں سے کچھ تو اپنی مسجد میں اذان کے وقت پڑھنے لگتے ہیں' کیونکہ وہ وقت لوگوں کے مسجد میں جمع ہونے کا وقت ہوتا ہے۔

اور عجیب ترین بات جو میں نے مشاہدہ کی ہے' ان قراء حضرات میں ایک ایسا آدمی بھی میں نے دیکھا ہے جو جمعہ کے روز نماز فجر سے فارغ ہونے کے بعد لوگوں کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے معوذتین (آخری دو سورتیں) کی قراءت کرتا ہے' پھر ختم قرآن کی دعائیں پڑھنے لگتا ہے' تاکہ لوگوں کو معلوم کروائے کہ اس نے آج ہی قرآنِ کریم ختم کیا ہے۔

سلف صالحین کا یہ طریقہ اور انداز نہیں تھا' بلکہ سلف صالحین تو اپنی عبادت گزاری اور تلاوت کو پوشیدہ رکھا کرتے تھے۔ چنانچہ ربیع بن خثیم رحمہ اللہ کی تمام تر عبادات (ماسوائے فرائض کے) مخفی اور لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوا کرتی تھیں۔ اگر کسی وقت کوئی آنے والا تشریف لاتا اور وہ قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے ہوتے تو کسی کپڑے سے مصحف کو چھپا دیا کرتے تھے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بکثرت تلاوت کلام فرمایا کرتے تھے' لیکن یہ معلوم نہ ہوتا تھا

کہ ختم کب کرتے ہیں۔

روزے[1] اور ابلیسی دھوکا

بعض لوگوں کو ابلیس نے یوں مبتلائے فریب کیا ہے کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھنے کو اچھا عمل خیال کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ جائز ہے' لیکن اس صورت میں جس کے نتیجے میں آدمی ان ایام میں روزے نہ رکھے جن میں روزہ رکھنا حرام ہے۔ مگر ان میں دو طرح سے آفت نمایاں ہے:

نمبر ①

بسا اوقات کثرت صیام سے اعضائے بدن کو کمزوری لاحق ہو جاتی ہے جس کے نتیجے میں آدمی اپنے اہل وعیال کے لیے کسبِ معاش سے بھی عاجز آ جاتا ہے' بلکہ بعض اوقات اپنی اہلیہ کی عفت محفوظ رکھنے سے بھی قاصر ہو جاتا ہے۔ صحیحین میں رسول اکرم ﷺ کا فرمان گرامی موجود ہے:

---

[1] عربی زبان میں روزے کو "صوم" کہتے ہیں۔ لغت عرب میں "صوم" کا معنی مطلقاً رکنا ہے۔ اہل لغت نے یوں لکھا ہے: صام صوما و صیاما واصطام یعنی کھانے' پینے اور معمولی سی گفتگو کرنے سے بھی رک گیا' اور یوں بھی کہا جاتا ہے: "صام النهار" جب آفتاب چلنے سے رک جائے' "صامت الریح" جب ہوا تھم جائے "ماء صائم" ٹھہرا ہوا پانی' اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام کے متعلق خبر دیتے ہوئے یوں فرمایا ہے: إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا" (مریم: ۱۹/ ۲۶) "میں نے اللہ رحمٰن کے نام کا روزہ مان رکھا ہے۔" یعنی چپ رہنے اور کلام سے رکے رہنے کی نذر مانی ہوئی ہے۔

نابغہ ذبیانی کا شعر ہے ؎

خَيْلٌ صِيَامٌ وَخَيْلٌ وَغَيْرُ صَائِمَةٍ　　تَحْتَ الْعَجَاجِ وَأُخْرىٰ تَعْلُكُ اللُّجُما

یعنی چلنے سے رکے ہوئے ہیں۔ دیکھئے الصحاح (۵/ ۱۹۷) لسان العرب (۴/ ۲۵۲۹) اور شرعی معنی کے اعتبار سے "إِمْسَاكٌ مَخْصُوصٌ عَنْ شَيْئٍ مَخْصُوصٍ فِيْ زَمَنٍ مَخْصُوصٍ مِنْ شَخْصٍ مَخْصُوصٍ"، مخصوص چیز سے' مخصوص وقت میں' مخصوص شخص کا مخصوص رکنا روزہ ہے۔" دیکھئے شرح المہذب (۶/ ۲۴۸) المغنی لموفق الدین (۳/ ۸۵)

((اِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا))[1]

''یقیناً تیری اہلیہ کا بھی تجھ پر حق ہے۔''

اس طرح وہ اس نفل کے باعث کتنے ہی فرائض کو ضائع کرنے والا بن جاتا ہے۔

نمبر ۲

وہ فضیلت والے عمل سے محروم ہو جاتا ہے' کیونکہ نبی کریم ﷺ سے صحیح سند سے مروی ہے:

((أَفْضَلُ الصِّيَامِ صِيَامُ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَصُومُ يَوْمًا وَّيُفْطِرُ يَوْمًا))[2]

''تمام روزوں میں سے اللہ کو محبوب ترین روزے سیدنا داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں۔آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔''

سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں: مجھے رسول اللہ ﷺ ملے اور یوں مخاطب ہوئے:

کیا مجھے تیرے متعلق یہ جو بیان کیا گیا ہے' درست ہے کہ تو رات بھر قیام کرتا ہے؟ اور تو ہی وہ شخص ہے جو کہتا ہے: میں رات بھر قیام کروں گا اور دن بھر روزے سے رہوں گا!

بولے: جی ہاں یا رسول اللہ! یقیناً میں نے یہ باتیں کی ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: قیام بھی کر' اور سو بھی' روزے بھی رکھ اور ناغے بھی کر' اور ہر ماہ میں تین ایام کے روزے رکھ لو' آپ کے لیے زمانہ بھر کے روزوں کے برابر ہو جائیں گے۔

میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں تو اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تب ایک روز کا روزہ رکھ لو اور دوسرے روز کا ناغہ کر لو' بلاشبہ یہ سب سے زیادہ انصاف والا روزہ ہے اور سیدنا داؤد علیہ السلام کے روزے بھی ایسے ہی تھے۔

---

[1] صحيح بخاري' الصوم' باب حق الضيف في الصوم' حديث : ۱۹۷۴۔
صحيح مسلم' الصيام' باب النهي عن صوم الدهر لمن تضرر به' حديث : ۱۱۵۹۔

[2] صحيح بخاري' الصوم' باب صوم الدهر' حديث: ۱۹۷۶'۱۱۳۱
صحيح مسلم' الصيام' باب النهي عن صوم الدهر لمن تضرر به' حديث: ۱۹۲/ ۱۱۵۹

میں نے پھر عرض کی: میں تو اس سے بھی افضل کی طاقت رکھتا ہوں۔

تب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس سے افضل تو ہے ہی نہیں۔

شیخین نے اس روایت کو صحیحین میں بیان کیا ہے۔[1]

روزے کی نیت میں شیطانی دھوکا

بعض عبادت گزاروں کے متعلق یہ بھی زبان زد عام ہے کہ وہ صائم الدھر تھا اور وہ اسی کے باعث ہی حامل شہرت تھا' وہ تو بالکل ناغہ نہیں کیا کرتا تھا۔ اگر وہ ناغہ کر بھی لیتا تو اپنے افطاری کے راز کو پوشیدہ ہی رکھا کرتا تھا' تاکہ اس کی نیک نامی اور شہرت میں کمی نہ آئے۔ یہ مخفی ریا کاری میں سے ہو جاتا ہے' اور اگر کوئی اخلاص کے ساتھ ایسا کرتا اور اپنے حال کو چھپائے رکھتا تو ایسے لوگوں کے سامنے افطار بھی کر لیتا جو جانتے ہوتے کہ وہ روزے رکھنے کا عادی ہے۔ اس کے بعد وہ روزے رکھنے شروع کر دیتا اور دوسرے کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوتی تھی۔

ان میں سے کچھ اصحاب ایسے بھی ہیں جو اپنے رکھے ہوئے روزوں کی خبریں بیان کرتے ہیں' اور یوں کہتے ہیں: آج بیس سال ہوا چاہتے ہیں کہ میں نے کوئی بھی روزہ افطار نہیں کیا۔ ابلیس اسے اس طرح دھوکے میں مبتلا کرتا ہے کہ بھئی! تو تو اس لیے یہ راز لوگوں کے سامنے بیان کر رہا ہے تاکہ وہ بھی تیری اقتداء کر لیں۔ حالانکہ مقاصد تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: کوئی بندہ عرصہ دراز تک ایک عمل پوشیدہ طور پر کرتا رہتا ہے' پھر شیطان ہمیشہ اس کے تعاقب میں رہتا ہے' حتیٰ کہ وہ اپنے اس عمل صالح کو لوگوں کے سامنے بیان کرنے لگتا ہے' تو اس طرح ''مخفی دیوان'' سے اس کا وہ عمل ''ظاہری دیوان'' میں منتقل ہو جاتا ہے۔

اور ان میں بعض صاحب ایسے بھی ہیں جن کی بروز پیر اور جمعرات روزہ رکھنے کی عادت بن جاتی ہے' پھر جب انھیں کسی موقعہ پر دعوتِ طعام دی جاتی ہے تو جواب میں یوں

[1] حوالہ سابقہ ہی ملاحظہ فرمائیں۔ بعض طرق میں الفاظ موجود ہیں۔ مزید دیکھیے ''جامع الاصول'' (۳۳۰/۶)

کہتا ہے: ''آج تو جمعرات ہے'' اگر وہ جواب میں یوں کہتا: ''میں روزے سے ہوں'' تو یہ وسیع المعانی ہوتا۔ اس کا یوں کہنا: آج تو جمعرات ہے'' اس کا معنی یہ ہے کہ میں ہر جمعرات کو روزہ رکھتا ہوں۔

ان میں سے بعض حضرات ایسے بھی ہوتے ہیں جو مستقل روزہ رکھنے کی وجہ سے لوگوں کو بہ نظر حقارت دیکھتے ہیں' اس لیے کہ وہ روزے نہیں رکھتے!

اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو روزے تو متواتر و مسلسل رکھے جاتے ہیں' لیکن اس امر کی کچھ بھی پروانہیں کرتے کہ کس قسم کے ماکول ومشروب پر افطاری کر رہے ہیں' اور حالتِ روزہ میں غیبت زنی سے چنداں کنارہ کش نہیں ہوتے' نہ ہی غیر محرم خواتین کو دیکھنے سے اور نہ ہی فضول گوئی سے کچھ احتیاط کرتے ہیں' بلکہ ابلیس نے انھیں یہ یقین دلا دیا ہے کہ آپ کا روزہ ایسے گناہوں کو دور ہی رکھتا ہے۔ یہ سب تلبیسی امور ہیں۔

عمل حج[1] میں شیطانی حملے

انسان ایک بار حج کرنے سے اپنے فریضۂ حج سے سبکدوش ہو جاتا ہے' پھر وہی آدمی والدین کی رضاو اجازت کے بغیر ہی سفرِ حج پر روانہ ہو جاتا ہے تو یہ غلطی ہے۔ اور بسا اوقات ایسے حالات میں رخت سفر باندھ لیتا ہے جب اس کے ذمے قرضہ ہوتا ہے' یا مظلوموں کے مطالبے اور شکوے ہوتے ہیں' اور بعض اوقات تو وہ فقط تفریح طبع کے لیے جاتا ہے' اور بعض اوقات وہ مشکوک مال کے ساتھ ہی حج کر لیتا ہے' اور ان میں سے بعض اس امر کے خواہش مند ہوتے ہیں کہ ان کا استقبال کیا جائے[2] اور انہیں ''الحاج'' پکارا جائے۔

---

1 لفظ ''حج'' حاء کے فتحہ اور کسرہ دونوں طرح سے پڑھا جاتا ہے۔ لغت میں حج قصد کرنے کو کہتے ہیں۔ دیکھئے الصحاح (۳۰۳/۱)' اور شرعی اعتبار سے ''خاص مناسک کی ادائیگی کے لیے خانہ کعبہ کا قصد کرنے کو حج کہتے ہیں۔'' ملاحظہ فرمائیں شرح المہذب (۷/۷) والمغنی لموفق الدین (۲۱۷/۳)

2 قریب قریب ان کی وہ نصیحتیں بھی اسی زمرے میں آتی ہیں جو وہ اپنی روانگی سے قبل آرائش وزیبائش کا حکم دیتے ہیں اور اپنی واپسی پر گھروں کے دروازوں پر مصنوعی درخت لگانے اور عارضی درخت گاڑنے کا کہہ کر جاتے ہیں۔

حجاج کی کثیر تعداد دوران سفر طہارت وصلاۃ جیسے فرائض کو بھی ضائع کر جاتے ہیں' اور میلے کچیلے دلوں اور غیر صاف باطن کے ساتھ خانہ کعبہ کے گرد اکٹھے ہوتے ہیں۔

ابلیس انھیں حج کی ظاہری صورت دکھا کر ہی مبتلائے فریب کیے رکھتا ہے' حالانکہ حج سے مقصود و مراد تو دلوں کے ساتھ حصول قرب ہے نہ کہ فقط جسم سے' اور یہ بھی صرف تقویٰ کے اہتمام کے ساتھ ہی ہوسکتا ہے۔

کتنے ہی مکہ مکرمہ کی جانب قصد رکھنے والے ہیں جن کا منشاء ومقصد فقط اپنے حجوں کی تعداد کو شمار کرنا ہے' پھر یوں کہتے ہیں: اب کے میرا بیسواں موقعہ ہے۔

کتنے ہی وہاں کے اعتکاف کرنے والے ہیں جن کا زمانۂ اعتکاف اور عہد مجاورت لمبے عرصے پر محیط ہے' لیکن کبھی صفائی باطن کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے' بلکہ بعض اوقات تو کچھ کی غایت وانتہاء ہی کشائش رزق سے وابستہ ہو جاتی ہے جو انھیں بغرض عقیدت مل رہا ہوتا ہے[1] اور بسا اوقات تو یوں بھی اظہار کرتے ہیں: یہاں پر اعتکاف بیٹھے ہوئے اب کے میرا بیسواں برس ہے۔

میں نے کتنے ہی حج کا قصد رکھ کر جانے والوں کو مکہ کے راستے اپنے ہم سفروں کو مارتے پیٹتے اور پانی پر لڑتے دیکھا ہے' اور وہ راستے میں ان کے لیے مشکلات کھڑی کرتے ہیں۔

ابلیس نے بہت سے مکہ جانے والوں پر یہ فریبی چال بھی چلی ہے کہ وہ اپنی نمازوں کو ضائع کرتے جاتے ہیں اور بوقت خرید وفروخت کم تولتے ہیں' اور یہ گمان کیے ہوتے ہیں کہ حج کی سعادت ان سے یہ گناہ دور کر دے گی۔

ان لوگوں کی ایک جماعت پر ابلیس نے یہ حربہ استعمال کیا ہے کہ انھوں نے مناسک حج میں نئی ایجادات کر لی ہیں جو مناسک حج میں موجود نہیں تھیں۔ میں نے بذات خود

---

[1] اکثر حالات میں یہ نذرانے شیطانی ہوتے ہیں' جس طرح کہ صاحب ''فتوحات مکیہ'' وغیرہ کے ساتھ احمقوں' گمراہوں اور بکواسیوں کی جانب سے رونما ہوا ہے۔ اس سلسلے میں ''حیاۃ ابن عربی و عقیدتہ'' رسالہ جو کہ شیخ تقی الدین فاسی کا ہے' میری تعلیقات سے آراستہ ہے' ملاحظہ فرمائیں' جسے دار ابن الجوزی الدمام نے شائع کیا ہے۔

حجاج کرام کی جماعت کو دیکھا ہے جو حالتِ احرام میں تصنع اور بناوٹ کے لیے ایک کندھا ننگا رکھتے ہیں[1] اور کئی کئی ایام تک دھوپ ہی میں رہتے ہیں جس کے باعث ان کے چمڑے ادھڑ جاتے ہیں اور ان کے سر پھول جاتے ہیں۔ اس طرح وہ لوگوں کے درمیان میں اپنے آپ کو ممتاز کرتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو نکیل یا کسی دوسری چیز کے ساتھ بندھے طواف کرتے ہوئے دیکھا تو آپ نے خود اس کو کاٹ دیا۔[2]

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دین میں نئی ایجادات اگرچہ نیکی کے جذبے سے ہوں' منع ہیں۔

توکل کا مفہوم

ایک قوم پر ابلیس نے یوں حملہ کیا ہے جو اپنے خیال میں توکل کے دعویدار ہوتے اور سفرخرچ لیے بغیر نکل پڑتے ہیں۔ ان کا خیال ہوتا ہے کہ بس یہی توکل ہے' حالانکہ وہ ایک بڑی غلطی کا ارتکاب کر رہے ہوتے ہیں۔

ایک شخص نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے عرض کی: میں بغیر سفر کا خرچ لیے بس توکل کی بنیاد پر بجانب مکہ مکرمہ جانا چاہتا ہوں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اسے یوں جواب دیا: قافلے کے بغیر چلے جاؤ۔ وہ بولا: جی ایسے نہیں' میں ان کے ساتھ جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا: اس طرح تو تو نے لوگوں کی تھیلیوں پر توکل کر رکھا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

---

[1] یہ بہت بڑی غلطیوں میں سے ایک ہے' جسے حجاج کرام کی کثیر تعداد کر رہی ہے' حتیٰ کہ آج تک یہ عمل جاری ہے۔

[2] کیونکہ اس میں عبادت گزاری کے عمل میں غلو بیانی کرنے والوں سے مشابہت موجود تھی۔ اس روایت کے لیے دیکھیے صحیح بخاری' الحج' باب اذا رای سیرا او شیئا یکرہ فی الطواف قطعہ' حدیث: ۱۶۲۱۔

مجاہدین کے لیے شیطانی دھوکا

ابلیس نے ایک کثیر خلقت پر اس طرح تلبیسی حملہ کیا ہے کہ وہ جہاد کی خاطر گھروں سے نکل پڑتے ہیں' جبکہ ان کی نیت فخر و مباہات اور شہرت و نمود ہوتی ہے' تا کہ یوں کہا جانے لگے: فلاں مجاہد ہے' فلاں مرد غازی ہے اور بعض اوقات یہ سننا مقصود ہوتا ہے: بڑا شجاع و بہادر ہے' یا پھر مالِ غنیمت کی طلب و خواہش کے لیے جاتا ہے' جبکہ اعمال کا دارو مدار تو نیتوں پر موقوف ہوتا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک شخص حاضر خدمت ہو کر یوں عرض پرداز ہوا: یا رسول اللہ! آپ کا کیا خیال ہے اس آدمی کے متعلق جو شجاعت کی خاطر قتال کرتا ہے' اور جو حمیت کے لیے لڑائی لڑتا ہے' اور جو شہرت و نمود کے حصول کے لیے بہادری کے جوہر دکھاتا ہے' ان میں سے کون فی سبیل اللہ مجاہد ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

((مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا' فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ))

''جس نے اس نیت سے جہاد و قتال کیا' تا کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہی سر بلند ہو جائے بس وہی آدمی ہی فی سبیل اللہ یعنی مجاہد ہے۔''[1]

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((إِيَّاكُمْ أَنْ تَقُوْلُوْا مَاتَ فُلَانٌ شَهِيْدًا أَوْ قُتِلَ فُلَانٌ شَهِيْدًا فَإِنَّ الرَّجُلَ لَيُقَاتِلُ لِيَغْنَمَ وَيُقَاتِلُ لِيُذْكَرَ وَيُقَاتِلُ لِيُرٰى مَكَانَهٗ))

''تم ایسے نہ کہا کرو: فلاں شہید مرا ہے' یا فلاں شہادت پا گیا ہے' کیونکہ آدمی اس لیے بھی لڑائی کرتا ہے تا کہ مالِ غنیمت پالے' اس لیے بھی شریک معرکہ ہوتا ہے تا کہ اس کے تذکرے چہار دانگِ عالم میں پھیل جائیں' اس لیے بھی شریک جہاد

---

[1] صحیح بخاری' العلم' باب من سأل وهو قائم عالمًا جالسا' حديث : ١٢٣۔
صحیح مسلم' الامارة' باب من قاتل لتكون كلمة الله هى العليا' حديث : ١٩٠٧۔

ہوتا ہے تا کہ اس کا مرتبہ شجاعت مشہور و معروف ہو جائے۔'' [1]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے دن جن کا فیصلہ سب سے پہلے ہوگا' وہ تین طرح کے لوگ ہوں گے:

① وہ آدمی جو شہید کر دیا گیا تھا' اسے لایا جائے گا' اللہ تعالیٰ اس کے روبرو اپنی نعمتوں کو متعارف کروائے گا اور وہ انھیں جان پہچان لے گا' پھر اللہ تعالیٰ اس سے دریافت فرمائے گا: تو نے ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے کیا عمل کیے ہیں؟ وہ جواب دے گا! میں نے تیری خاطر قتال کیا' حتیٰ کہ شہید کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' تو نے جھوٹ بولا ہے' تو نے تو اس نیت سے قتال کیا تھا تا کہ یہ کہہ دیا جائے: وہ بڑا جری و شجاع ہے' چنانچہ ایسا کہہ دیا گیا' پھر اس کے متعلق حکم صادر ہو گا' اور اسے اوندھے منہ گھسیٹا جائے گا' حتیٰ کہ جہنم واصل کر دیا جائے گا۔

② وہ آدمی جس نے علم سیکھا اور اسے دوسروں کو سکھایا ہوگا اور اس نے قرآن کریم پڑھا ہوگا' اسے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں لایا جائے گا' اس کے سامنے بھی اللہ تعالیٰ اپنی عنایات کو شمار کرے گا' جنھیں وہ اچھی طرح پہچان لے گا' پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ان نعمتوں سے مستفید ہوتے ہوئے تو نے کیا عمل کمائے؟ وہ جواب دے گا: میں نے تیری خاطر علم حاصل کیا اور اسے دوسروں کو سکھایا' اور میں نے قرآن کریم کی تلاوت کی۔ اللہ تعالیٰ جواب دے گا: تو نے جھوٹ بولا ہے' تو نے تو بس اس لیے

---

[1] اس میں ہر اس آدمی کے لیے عبرت و نصیحت اور زجر و توبیخ موجود ہے جو اللہ تعالیٰ کا خوف رکھے بغیر جس کے لیے چاہے اور جسے پسند کرے' اس پر لفظ ''شہادت'' کا اطلاق کر لیتا ہے۔ اس معاملے میں اصل بات یہ ہے کہ جو کوئی ایسی بات کہنا چاہے' اس کے فوراً بعد یہ بھی کہے:

''ہم اسے ایسا ہی گمان کرتے ہیں' ہم اللہ تعالیٰ پر کسی کا تزکیہ بیان نہیں کر رہے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الصحیح البخاری'' میں بایں الفاظ ایک باب قائم کیا ہے: باب لا یقال: فلان شہید

علم سیکھا تھا تاکہ یہ کہہ دیا جائے: وہ بڑا عالم ہے' چنانچہ یہ کہا جا چکا' اور تو نے قرآن کریم تو اس غرض سے تلاوت کیا تھا تاکہ یہ کہہ دیا جائے: وہ بڑا قاری ہے' چنانچہ یہ بھی کہہ دیا گیا' پھر اس کے متعلق حکم ہوگا اور اسے چہرے کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(۳) وہ شخص جس پر اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کی ریل پیل کی ہوگی اور اسے مال و دولت کی تمام اصناف و انواع سے نوازا ہوگا۔ اسے بارگاہ الٰہی میں پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے سامنے بھی اپنی نعمتوں کا اظہار فرمائے گا جنھیں وہ پہچان لے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے استفسار فرمائے گا: ان نعمتوں سے فیض یاب ہو کر تو نے کیا عمل کیے؟ وہ جواب میں کہے گا۔ الٰہی! میں نے کسی ایسے راستے میں خرچ کرنے کو ترک نہیں کیا جس میں خرچ کرنا تجھے محبوب و پسندیدہ تھا' مگر میں نے اس میں تیری خاطر ضرور خرچ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے جھوٹ بولا ہے' تو نے تو اس غرض سے ایسا کیا ہے تاکہ یہ زبان زد عام و خاص ہو جائے کہ وہ بڑا سخی ہے' وہ بڑا فیاض ہے چنانچہ یہ بات کہہ دی گئی پھر اس کے متعلق اللہ کا حکم ہوگا اور اسے بھی اوندھے منہ گھسیٹا جائے گا' حتیٰ کہ آتش دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔[1]

مال غنیمت اور ابلیسی وار

مجاہد جب مال غنیمت کو حاصل کرتا ہے تو ابلیس اس پر تلبیسی وار کرتا ہے' اور وہ مال غنیمت میں سے وہ مال بھی حاصل کر لیتا ہے جو اس کا حق نہیں بنتا تھا۔ یا تو وہ کم علم ہونے کے باعث یہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ کافروں کا مال جو بھی قابو کر لے' وہ اس کے لیے مباح اور

[1] صحیح مسلم' الامارة' باب من قاتل للرياء و السمعة استحق النار' حدیث: ۱۹۰۵۔
ان تینوں طرح کے اشخاص اور ان جیسے دوسرے حضرات پر تعجب ہے' جو دنیا میں لوگوں پر جھوٹ بولتے ہیں' صرف اور صرف اپنی چوہدراہٹ' عزت و مرتبہ اور شہرت و نمود کی غرض رکھتے ہوئے' پھر قیامت کے دن اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر بھی جھوٹ بولنے سے کچھ جھجک محسوس نہیں کریں گے لیکن اللہ انھیں رسوا کرے گا اور ان کے معاملے کو بے نقاب کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے کردار اور ذہن سے ہمیں محفوظ رکھے اور اپنے متقین بندوں میں ہمیں شامل فرمائے۔ آمین ثم آمین! (مترجم)

جائز ہے اور اسے یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ مال غنیمت میں خیانت تو گناہ ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ خیبر کی لڑائی کے لیے نکلے۔ ہم نے غنیمت میں سونا چاندی تو نہ پایا بلکہ کچھ ساز و سامان، کپڑے اور کھانے کی اشیاء غنیمت میں ملیں، پھر ہم وادی قریٰ کی جانب چل دیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ایک غلام بھی تھا۔ جونہی ہم اس وادی میں اترے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اونٹ کا کجاوہ وغیرہ کھولنے لگا۔ اچانک ایک نامعلوم اور اجنبی تیر اس کے آ لگا جس سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ ہم نے جب یوں کہنا شروع کر دیا: اسے شہادت مبارک ہو اے اللہ کے رسول! تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوں گویا ہوئے:

((كَلَّا وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ إِنَّ الشَّمْلَةَ لَتَلْتَهِبُ عَلَيْهِ نَارًا، أَخَذَهَا مِنَ الْغَنَائِمِ يَوْمَ خَيْبَرَ، لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ))

''ہرگز ایسا نہیں ہے! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، اس پر وہ چادر آگ بھڑکا رہی ہے جسے اس نے خیبر کے روز غنیمت کی اشیاء میں سے قبضے میں لے لیا تھا، جبکہ ابھی ان کی تقسیم نہیں ہوئی تھی۔''

صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ سنتے ہی صحابہ گھبرا اٹھے۔ ایک آدمی ایک تسمہ یا دو تسمے لیے ہوئے حاضر ہوا اور کہنے لگا! میں نے بھی یہ یوم خیبر کو ہی پایا تھا، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''آگ کا ایک تسمہ ہے یا آگ کے دو تسمے ہیں۔''[1]

اور بعض اوقات غازی اور مجاہد مال غنیمت کے حرام ہونے کو بھی جاننے والا ہوتا ہے، لیکن کسی چیز کی کثرت و بہتات اس کی آنکھوں کو چکا چوند کر دیتی ہے، جسے حاصل کرنے سے وہ باز نہیں رہتا، بلکہ بعض اوقات تو وہ یہ بھی گمان کر بیٹھتا ہے کہ اس کی اس حرکت بد کو جہاد کا عظیم عمل رفع کروا دے گا۔ حالانکہ ایمان اور علم کے ظہور کا یہی تو وقت ہوتا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، الایمان، باب هل یدخل فی الایمان والنذور الارض والغنم، حدیث: ۶۷۰۷۔
صحیح مسلم، الایمان، باب غلظ تحریم الغلول...... حدیث: ۱۱۵۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے

ان لوگوں کی دو قسمیں ہیں: عالم اور جاہل۔

عالم دین پر ابلیس کا عمل دخل دو راہوں سے ہوتا ہے:

﴿۱﴾ اس کے ذریعے خوبصورتی و زیبائش، شہرت و ناموری اور اس عمل کے ذریعے خود پسندی کی راہ اختیار کرتا ہے۔

ہمیں احمد بن ابوحواری کی اسناد سے یہ روایت ملی ہے، کہتے ہیں: میں نے ابوسلیمان کو یہ کہتے سنا: میں نے ابوجعفر منصور کو خطبہ جمعۃ المبارک میں رو کر خطبہ ارشاد فرماتے سنا، تو مجھے طیش آ گیا۔ میں نے یہ نیت کر لی کہ جونہی یہ منبر سے نیچے اتریں گے تو میں ان کے اس فعل پر انھیں کچھ نصیحت کروں گا۔

کہتے ہیں: پھر میں نے اس امر کو ناپسند سمجھا کہ میں اٹھ کر خلیفہ کے پاس جاؤں، اسے وعظ و نصیحت کروں، جبکہ لوگ بیٹھے ہوئے مجھے بغور دیکھ رہے ہوں۔ اس طرح تزئین و آرائش مجھے لاحق ہو جائے گی، اور وہ میرے متعلق حکم صادر فرما دیں اور میں اس نادرست فعل پر قتل ہو جاؤں تو اس اندیشے کی بنا پر میں بیٹھا رہا اور چپ سادھ گیا۔

﴿۲﴾ اپنے نفس کے لیے غیظ و غضب، بعض حالات میں تو یہ غصہ آغاز و ابتداء ہی سے ہوتا ہے، اور بعض اوقات عین امر بالمعروف کرنے کے دوران میں رونما ہوتا ہے۔ جب لڑائی کرنے والے کی طرف سے اسے اپنی توہین محسوس ہوتی ہے تو وہ غصے میں آ جاتا ہے۔ اس طرح وہ غصہ فقط اپنی ذات کے لیے بن جاتا ہے۔ جس طرح کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایک آدمی سے فرمایا تھا: میں غصے میں نہ ہوتا تو میں تجھے یقیناً سزا دیتا۔ اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ تو نے مجھے غصہ دلا دیا ہے، اب مجھے اس امر کا اندیشہ لاحق ہو گیا ہے کہ یہ سزا اللہ تعالیٰ کے لیے غصہ اور اپنی ذات کے لیے غصہ دونوں میں مشترکہ نہ بن جائے۔

لیکن اگر نیکی کا حکم دینے والا خود جاہل ہو تو شیطان اس کے ساتھ اٹھکیلیاں کرتا ہے۔ اس کے اصلاحی پہلو کی نسبت اس کے فساد ڈالنے کا پہلو غالب ہوتا ہے۔ کیونکہ بسا اوقات وہ ایسی چیز سے بھی روک دیتا ہے جو بالاجماع جائز ہوتی ہے۔ اور بسا اوقات کسی

عمل پر انکار کرتا ہے جس میں عمل کرنے والے نے کوئی تاویل کی ہوتی ہے اور کسی مذہب والے کی پیروی اختیار کی ہوتی ہے۔[1] اور بعض اوقات وہ دروازے کو توڑ دیتا ہے اور دیواروں کو پھلانگ جاتا ہے اور برائی کرنے والوں کو زدوکوب کرتا ہے اور ان پر الزامات لگاتا ہے۔ اگر جواب میں وہ ایک آدھ بات کہہ دیں تو اس پر شاق گزرتی ہے پھر اس کا غصہ ذاتی بن جاتا ہے۔

اس برائی سے روکنے والے پر ابلیس کی فریب کاریوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب وہ کسی برائی سے روک لیتا ہے تو جلسہ عام یا عوام میں اپنے کیے ہوئے عمل کی تعریفیں کرتا ہے اور اس پر پھولے نہیں سماتا۔ ان برائی کے دلدادگان کو حقد و بغض سے لبریز گالیاں دیتا اور ان پر لعنتوں کی بوچھاڑ کر دیتا ہے۔ حالانکہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ انھوں نے توبہ ہی کر لی ہو۔ اور بسا اوقات یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے بہتر ہوں' کیونکہ وہ تو اپنے گناہوں پر نادم ہو چکے ہیں اور یہ دامِ غرور و تکبر میں پھنس چکا ہے۔ اور پھر ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس کی گفتگو کے دوران مسلمانوں کے مخفی عیوب کی نقاب کشائی لازماً ہو جاتی ہے' کیونکہ وہ ایسے لوگوں کو ان کے عیوب سے باخبر کر رہا ہے جو انھیں قبل ازیں نہ جانتے تھے' حالانکہ اس کے ذمہ مسلمانوں کے عیوب و نقائص کی پردہ پوشی واجب تھی۔

میں نے ایسے ہی برائی سے روکنے والے جاہل کے متعلق سنا ہے کہ وہ ایک قوم پر یلغار کر دیتا ہے' انھیں جلد ادھیڑ دینے والی مار سے مارنے اور ان کے برتن توڑنے لگتا' حالانکہ ان کی کیفیت برائی کا اسے یقین بھی نہیں ہوتا تھا' اور یہ سب کچھ اس کی جہالت کے باعث ہوا۔

لیکن جب کوئی عالم برائی سے روکنے کا فریضہ سرانجام دے گا تو ایسی کیفیات ناروا پیدا نہیں ہوں گی' اور سلف صالحین تو نہی عن المنکر کرنے میں لطف و کرم کو ملحوظ خاطر رکھا کرتے تھے۔

صلہ بن اشیم[2] نے ایک آدمی کو کسی خاتون سے ہم کلام دیکھا تو فرمانے لگے: یقیناً اللہ

---

[1] یعنی کسی علمی توجیہ یا کسی دلیل کا شبہ رکھنے کی بنیاد پر ہو' کسی فقیہ کی رخصت یا کسی عالم کی لغزش نہ ہو۔ اس کی تفصیل کا یہ مقام نہیں ہے۔

[2] صاحب فضل اور صاحب ورع و تقویٰ شخص تھے۔ انتہائی زاہد' عبادت گزار اور دوسروں کے لیے ایک عمدہ ←

تعالیٰ آپ دونوں کو دیکھ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اپنے پردے میں رکھے۔ اور جب آپ کا کھیل کود میں مشغول لوگوں کے پاس سے گزر ہوتا تو یوں فرماتے: اے میرے بھائیو! اس آدمی کے متعلق تم کیا کہو گے جو ارادۂ سفر رکھتا ہے' لیکن رات بھر سویا رہتا ہے اور دن بھر کھیلتا رہتا ہے۔ وہ اپنا سفر کب طے کرے گا؟!

ان لوگوں میں سے ایک آدمی کو بات سمجھ آ گئی' وہ چونکا اور بولا: اے میری قوم! یہ آدمی تو ہمیں سمجھا رہا ہے۔ چنانچہ اس نے اور اس کی دعوت پر اس کے رفقائے کار نے بھی توبہ کر لی۔

بڑی نرمی اور انتہائی لطافت و کرامت سے نہی عن المنکر کے زیادہ مستحق سربراہان حکومت اور اربابِ حل وعقد ہوتے ہیں۔ انھیں یوں عرض کی جائے: اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بلند مقام سے سرفراز فرمایا ہے' لہٰذا آپ اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر و قیمت کو پہچانیں۔ یقیناً نعمتیں شکر گزاری سے ہمیشہ پاس رہتی ہیں' لہٰذا ارتکاب معاصی سے ان کا مقابلہ کرنا کسی طور بھی اچھا عمل نہیں ہے۔

بعض عبادت گزاروں پر ابلیس نے اس انداز میں وار کیا ہے کہ وہ منکرات وسیئات کو دیکھنے کے باوجود نہیں روکتا اور یہ بہانہ پیش کرتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ تو وہ صالح آدمی سر انجام دے جو اس قابل ہے۔ میں تو اس درجہ کا صالح نہیں ہوں' لہٰذا میں کس طرح نیکی کا حکم کروں اور برائی سے منع کروں؟!

حالانکہ یہ عذر بالکل غلط ہے' کیونکہ اس پر امر بالمعروف کرنا اور نہی عن المنکر بجا لانا واجب ہے' اگرچہ وہ برائی بذات خود اس کی ذات ہی میں موجود کیوں نہ ہو۔ بس اتنا فرق ہو گا کہ اگر تو خود برائی سے دامن بچاتے ہوئے اس سے روکے گا تو اس کا روکنا سود مند رہے گا۔ اس لیے نہی عن المنکر کرنے والے کو خود بھی اپنا دامن برائی سے آلودہ ہونے سے بچائے رکھنا چاہیے' تاکہ اس کا برائی سے روکنا موثر بن سکے۔

ابن عقیل نے کہا ہے: ہم نے اپنے زمانے میں خلیفہ قائم کے دور خلافت میں ابوبکر

← نمونہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ ۶۲ھ میں بجستان میں قتل ہوئے۔ ملاحظہ فرمائیں سیر اعلام النبلاء (۴۹۷/۳۔۵۰۰)

الاقفالی کو دیکھا' جب وہ کسی برائی کو روکنے کے لیے کمر بستہ ہوتے تو ان کے پیچھے پیچھے ایسے مشائخ عظام کی ایک جماعت چل پڑتی جو صرف اپنی محنت کی کمائی ہی کھاتے تھے۔ مثلاً ابوبکر خباز ہیں اور ایسی جماعت کے افراد' جن میں صدقہ لینے والا کوئی شخص ہوتا اور نہ ہی ان میں عطیات کو قبول کرنے کی لت' بلکہ وہ لوگ تو صائم النہار اور شب زندہ دار تھے' اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری کرنے والے پاک باز لوگ۔ اگر کوئی خورد ونوش میں حلال وحرام کی تمیز نہ کرنے والا ان کے ساتھ چل پڑتا تو اسے واپس کر دیتے ہیں اور یہ عرض کرتے: اگر ہم ایسے خلط ملط ساتھی کے ہمراہ کسی لشکر سے مقابل ہوں گے تو شکست ہمارا مقدر ہو جائے گی۔

باب : ۹

زاہدوں اور عابدوں پر شیطانی حملہ

بعض اوقات ایک عام آدمی قرآن و احادیث کے حوالے سے دنیا کی مذمت سنتا ہے تو وہ یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ اس سے بچاؤ اور نجات کا واحد راستہ دنیا کو ترک کرنا ہی ہے۔ وہ یہ سمجھ ہی نہیں پاتا کہ کس قدر دنیا قابلِ مذمت ہے۔ ابلیس اس پر اس طرح تلبیسی وار کرتا ہے کہ تو آخرت میں صرف اسی طریقے سے کامیابی حاصل کر سکتا ہے کہ ترک دنیا اختیار کر لے۔ نتیجتاً وہ پہاڑوں کا رخ کر لیتا ہے۔ اس طرح وہ جمعہ' نماز باجماعت اور حصولِ علم سے دور ہو جاتا ہے اور بالکل ایک وحشی یعنی جنگلی جانور بن جاتا ہے۔ ابلیس اسے یہ باور کراتا ہے کہ یہی اصل اور حقیقی زہد کا رتبہ ہے۔ وہ ایسا کیوں کر نہ کرتا' اس نے سن رکھا تھا کہ فلاں بھی ایسے ہی منہ اٹھائے چلا آیا تھا' اور فلاں نے بھی پہاڑوں میں چھپ کر عبادت کی تھی! اور بعض اوقات تو اس زاہد کے اہل و عیال بھی ہوتے ہیں جو برباد ہو جاتے ہیں' یا اس کی والدہ ہوتی ہے جو اس کی جدائی میں روتی رہتی ہے' اور بعض اوقات تو وہ ارکانِ نماز سے بھی کماحقہ آشنا نہیں ہوتا' اور بعض اوقات اس کے ذمے مظلوموں کے مطالبے اور اس کے برخلاف ظلم کے شکوے بھی ہوتے ہیں جن کا وہ ازالہ بھی نہیں کرتا۔

ایسے آدمی پر ابلیس کا تلبیسی وار صرف اس کی کم علمی کے باعث کارگر ہوتا ہے' اور اس آدمی کی جہالت کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ اپنی معلومات ہی پر اپنے آپ کو راضی رکھ لیتا ہے۔ حالانکہ اگر اسے حقائق سے آشنا کسی فقیہ کی صحبت میسر آتی جو اسے بتا دیتا کہ دنیا بذات خود مذموم چیز نہیں ہے' اور یہ قابلِ مذمت ہو بھی کس طرح سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بطورِ احسان و انعام ذکر فرمایا ہے' اور یہ آدمی کی بقا کے لیے ایک

لازمی ضرورت بھی تو ہے' بلکہ حصولِ علم اور عبادت کی بجا آوری کے لیے ایک سبب ہے' مثلاً اشیائے خورد ونوش' کپڑے' نمازوں کی ادائیگی کے لیے مسجدیں' مذموم تو صرف اس قدر تھی کہ کسی چیز کو اس کے حلال ہونے کے بغیر قبضہ میں لے لینا یا اسراف کے طور پر اسے استعمال کرنا وغیرہ۔ کسی چیز کو بقدر حاجت لینا اور اسے تصرف میں لانا مذموم تو نہیں تھا۔ نفس کی رعونتوں اور ناسمجھیوں کے ہاتھوں تصرف کرنا مذموم تھا' نہ کہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے استعمال کرنا۔ پہاڑوں کی جانب اکیلے نکلنا بھی شرعاً ممنوع تھا' کیونکہ نبیِ کریم ﷺ نے تنہا شب گزاری سے منع فرمایا ہے[1] اور یہ امر بھی لائق توجہ ہے کہ نماز باجماعت اور نماز جمعہ کی ادائیگی کو ترک کرنا بھی خسارے کا سامان ہے' کوئی فائدہ اور نفع تو اس میں ہے ہی نہیں' بلکہ یہ پہلو نمایاں ہے کہ علم اور اصحاب علم سے دوری جہالت کو مزید تقویت بخشتی ہے' اور مزید یہ پہلو بھی قابلِ غور ہے کہ والدین کی مفارقت ایسی صورت حال میں تو نافرمانی کے زمرے میں آتی ہے اور والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

البتہ جن بزرگوں کے متعلق یہ سنا جاتا ہے کہ وہ پہاڑوں کا رخ کر گئے تھے تو ان کے حالات شاید اس امر کا احتمال رکھتے ہوں کہ ان کے اہل وعیال نہ ہوں اور نہ ہی ان کے والدین حیات ہوں' اس لیے وہ کسی قریبی جگہ میں چلے گئے ہوں' جہاں وہ اجتماعی شکل میں نمازیں ادا کر لیتے ہوں' لیکن جس آدمی کے حالات میں ایسی کسی درست توجیہہ کی گنجائش نہیں' وہ خواہ جو بھی ہوں' وہ غلطی پر ہیں۔ بلکہ ایک بزرگ نے تو یہاں تک فرمایا ہے: ہم بذات خود عبادت کے لیے پہاڑوں کی طرف نکل گئے تھے' امام سفیان ثوری رحمہ اللہ ہمارے پاس تشریف لائے تو ہمیں واپس لے آئے۔

زاہدوں پر تلبیسی حملے

ابلیس زاہدوں کو زہد میں مشغول کرتے ہوئے حصولِ علم سے دور لے جاتا ہے۔ گویا

---

[1] اسے امام احمد نے اپنی مسند میں (۹۱/۲) حدیث نمبر ۵٦۵۰ کے تحت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے' اس کی سند صحیح ہے اور اس کی اصل صحیح بخاری' الجهاد' حدیث: ۲۱۹۸ میں ہے۔ امام ہیثمی نے المجمع (۱۰۴/۸) میں لکھا ہے "رجاله رجال الصحيح" مزید دیکھئے "صحیح الجامع" (۲۹۱۹)

کہ انھوں نے بہتر چیز کے بدلے حقیر تر چیز کو لے لیا ہے۔ اس کی تفصیل یوں سمجھیے کہ زاہد کے زہد کا نفع اس کے دروازے کی چوکھٹ سے آگے نہیں بڑھتا' جبکہ اس کے بالمقابل عالم کا نفعِ علم دوسروں تک پہنچتا ہے۔ اور کتنے ہی ایسے واقعات ہیں کہ عبادت گزاروں اور زاہدوں کو عالموں نے راہِ صواب اور صراطِ مستقیم کی طرف پھیر دیا ہے۔

ابلیس کی چالوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ انھیں اس وہم میں مبتلا کر دیتا ہے کہ حلال چیزوں کو چھوڑ دینا ہی زہد ہے۔ پھر ان میں سے کوئی تو جو کی روٹی کے سوا کچھ بھی نہیں کھاتا' اور کوئی پھلوں کو بالکل ہی نہیں چکھتا' اور کوئی کھانے کی مقدار اس حد تک لے آتا ہے حتیٰ کہ اس کا بدن سوکھ جاتا ہے' اور موٹے اونی کپڑے پہن کر خواہ مخواہ اپنے نفس کو عذاب میں مبتلا رکھتا ہے اور ٹھنڈے پانی کو تو اپنے قریب تک نہیں آنے دیتا۔

یہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے اور نہ ہی آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور آپ کے متبعین عظام کا۔ وہ تو فقط اس وقت بھوکے رہا کرتے تھے جب ان کے پاس کچھ نہ ہوتا تھا' اور جونہی انھیں میسر ہوتا تو کھا لیتے تھے۔

نبیٔ کریم ﷺ گوشت بھی تناول کرتے تھے اور اسے محبوب سمجھا کرتے تھے۔ آپ ﷺ مرغی کا گوشت بھی کھا لیا کرتے تھے اور حلوہ بھی پسند فرمایا کرتے تھے[1] اور آپ کے لیے ٹھنڈا اور میٹھا خاص طور پر منگوایا جاتا تھا۔[2]

ایک آدمی یوں کہا کرتا تھا: میں خبیص (کھجور اور گھی کا حلوہ) نہیں کھاؤں گا کیونکہ میں اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکوں گا! حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: یہ احمق آدمی ہے' کیا یہ ٹھنڈے پانی کا شکریہ ادا کر رہا ہے؟!

سفیان ثوری رحمہ اللہ جب سفر کرتے تو اپنے توشہ دان میں بھنا ہوا گوشت اور فالودہ بھی ساتھ رکھتے تھے۔

---

[1] صحیح بخاری' الاطعمة' باب الحلوىٰ و العسل' حدیث :۵۴۳۱۔
صحیح مسلم' الطلاق : باب وجوب الکفارة علی من حرم امراته......' حدیث : ۱۴۷۴۔

[2] سنن ابی داود' الاشربة' باب فی ایکاء الآنیة' حدیث : ۳۷۳۵۔

انسان کو اس بات پر یقین کر لینا چاہیے کہ یہ نفس تو اس کے لیے بمنزلہ سواری ہے' لہٰذا اس کے ساتھ نرمی کا رویہ اختیار کرے' تاکہ اس کے ساتھ منزل مقصود تک پہنچ سکے' اس کے لیے جو چیز بھی مناسب ہو اسے استعمال کرے' اور ہر وہ چیز جو اس کے لیے اذیت دہ ہو اسے ترک کر دے' مثلاً بسیار خوری اور شہوات کے حاصل کرنے میں حد اعتدال سے تجاوز کر جانا' کیونکہ ایسی چیزیں بدن اور دین کے لیے نقصان دہ اور اذیت ناک ہیں۔

پھر یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ لوگ اپنی طبیعتوں کے اعتبار سے بھی مختلف ہوتے ہیں۔ کیونکہ بدوی لوگ جب اونی کپڑے پہن لیتے ہیں اور صرف دودھ پینے ہی پر اکتفاء کر لیتے ہیں' ہم انھیں مورد ملامت نہیں ٹھہرا سکتے' کیونکہ ان کے جسم اس کے متحمل ہوتے ہیں۔ اور اگر سیاہ فام لوگ اونی کپڑے پہنیں اور اچار چٹنی وغیرہ استعمال کریں تو انھیں بھی ہم ملامت نہیں کر سکتے' اور نہ ہی ہم یوں کہہ سکتے ہیں: ان لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جس نے اپنے آپ کو اس کا متحمل بنا لیا ہے' کیونکہ یہ تو اس قوم کے روز مرہ کے معمولات ہیں۔

اگر بدن ناز و نعمت میں پرورش پا کر خوشحالی پسند بن گیا ہے تو ہم ایسے شخص کو نفس کے لیے ضرر رساں اشیاء کے استعمال سے منع کریں گے۔ اگر وہ زہد اختیار کرے یا ترک لذات کو ترجیح دینے لگے' یا تو اس وجہ سے کہ حلال آمدنی میں اسراف کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہوتی یا اس وجہ سے کہ طعام لذیذ کچھ زیادہ کھا لیا جاتا ہے جو کثرت نیند اور سستی کو جنم دیتا ہے' تو ایسے شخص کو یہ جاننا چاہیے کہ کس چیز کا ترک کرنا اس کے لیے مضر ہے اور کس کا مضر نہیں۔ لہٰذا نفس کو اذیت پہنچائے بغیر متوازن غذا اور معتدل خوراک استعمال کرتا رہے۔

حارث محاسبی اور ابو طالب مکی[1] کے ذکر کردہ اقوال کی جانب بالکل دھیان نہیں کرنا چاہیے' جنھوں نے بالکل کم خوری اور ترک مباحات کے ساتھ مجاہدۂ نفس کرنے کو ذکر کیا ہے' کیونکہ اتباع شارع علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کے نقش قدم کی پیروی ہی زیادہ

---

[1] ان کا نام محمد بن علی بن عطیہ ہے۔ بڑے وعظ و نصیحت کرنے والے' زاہد اور عبادت گزار آدمی تھے۔ "قوت القلوب" کے مولف ہیں۔ ۳۸۶ھ میں بغداد میں فوت ہوئے تھے۔ دیکھئے البدایۃ والنہایۃ (۱۱/۳۱۹-۳۲۰)

بہتر ہے۔

ابن عقیل فرمایا کرتے تھے: دین داری کے معاملات میں تمہارے امور کس قدر عجیب وغریب ہیں!

① یا تو خواہشاتِ نفسانی ہیں جن کی پیروی ہو رہی ہے۔

② یا پھر رہبانیت کی راہیں ہیں جو نئی ایجاد کی جا رہی ہیں۔

③ یا تو یہ لوگ اتراہٹ اور مستی میں کم سنی کی حرکتیں اور لہو ولعب میں مشغول رہتے ہیں۔

④ یا پھر مستحق افراد کے حقوق پامال کرنے' اہل وعیال سے عدم توجہی ہونے اور گوشہ ہائے مسجد میں الگ تھلگ بیٹھ رہنے پر ہی زندگی گزارتے رہتے ہیں۔ انہوں نے عقل اور شرع کے موافق عبادت الٰہی کو اختیار کیوں نہ کیا!!

ابلیسی تلبیس کاریوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ انھیں یہ وہم دلاتا ہے کہ زہد صرف کم تر اشیاء کھانے اور کم قیمت کپڑے زیب تن کرنے پر قناعت کرنے کا نام ہے۔ اس لیے یہ لوگ ایسی ہی چیزوں پر قانع رہتے ہیں' جب کہ ان کے دل ریاست وحکومت اور طلبِ جاہ وجلال سے لبریز رہتے ہیں۔ اسی لیے آپ ان لوگوں کو دیکھیں گے کہ بس اس انتظار میں رہتے ہیں کہ امراء اور حکمران لوگ ان کی زیارت وملاقات کے لیے آتے رہیں' اور یہ بھی بذات خود مال داروں اور تونگروں کا ہی احترام ملحوظ خاطر رکھتے ہیں' فقراء اور متوسط طبقہ کے افراد کا کچھ بھی خیال نہیں کرتے' اور لوگوں کی ملاقات کے وقت ایسے مصنوعی خشوع کا اظہار کرتے ہیں کہ محسوس ہوتا ہے' ابھی ابھی شہر خموشاں سے پلٹے ہیں۔ اور بسا اوقات ان میں سے ایک مال کو ٹھکرا دیتا ہے' تاکہ یوں نہ کہا جائے یہ تو میدانِ زہد کا کھلاڑی ہے (اور ادھر یہ مال بھی قبول کر رہا ہے) حالانکہ اس تھوڑے سے مال کو قبول کرنے کی نسبت لوگوں کا ان کے پاس بکثرت آنا جانا اور ان کے ہاتھوں کو بوسے دینا تو دنیا داری اور سیادت سازی کے بڑے بڑے کام ہیں' کیونکہ دنیا طلبی کی انتہاء ہی ریاست و سرداری ہے۔

عابدوں پر اثرات تلبیس

ابلیس عابدوں اور زاہدوں پر اکثر مخفی ریا کاری کے ذریعے تلبیسی وار اور فریبی چال چلتا ہے۔ کیونکہ ظاہری ریا کاری تو تلبیسی عمل میں داخل ہی نہیں ہوتی' مثلاً اظہار لاغری' چہرے کی پیلاہٹ اور بالوں کی پراگندگی وغیرہ' تاکہ ان ظاہری علامات سے زہد پر دلالت ہو سکے۔ اور اسی طرح خشوع کو ظاہر کرنے کے لیے آواز کا دھیما پن اختیار کرنا' نماز روزے کے ذریعے ریا کاری کا اظہار کرنا وغیرہ ایسے ظاہری عوامل ہیں جو کسی طرح بھی پوشیدہ اور مخفی نہیں ہیں۔

ہم تو صرف مخفی اور پوشیدہ عوامل کی جانب اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ نبیٔ کریم ﷺ نے بھی فرمایا ہے:

((اِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ))[1]

''تمام اعمال کا انحصار و مدار نیتوں پر ہوتا ہے''

جب تک عمل سے رضائے الٰہی مقصود نہ ہو' وہ مقبول نہیں ہوگا۔

امام مالک بن دینار رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: اس آمی سے جو صادق نیت نہیں' کہہ دو: اپنے آپ کو نہ تھکاؤ۔

اور یہ بھی یاد رکھیں کہ مومن تو اپنے عمل سے صرف اور صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا مندی کا طالب و خواستگار رہتا ہے۔ اس پر صرف مخفی ریا کاری ہی ابلیس کا ہتھیار بن سکتا ہے' اس سے نجات پانا انتہائی مشکل معاملہ ہوتا ہے۔

یسار رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں' مجھے یوسف بن اسباط نے فرمایا تھا: تم عمل کی صحت کو اس کے مرض سے پہچاننے کی کوشش کرو' کیونکہ میں نے تو عرصہ بائیس برس میں اسے سیکھا ہے۔

ریا کاری کے اندیشے کے پیش نظر سلف صالحین تو اپنے صالح اعمال کو بھی چھپا چھپا کر رکھا کرتے تھے' اور کبھی انھیں برعکس اعمال کے ساتھ بھی مزین کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ

---

[1] صحیح بخاری' بدء الوحی' باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ' حدیث : ۱
صحیح مسلم' الامارۃ' باب فی قولہ ﷺ ''انما الاعمال بالنیۃ'' حدیث : ۱۹۰۷

امام ابن سیرین رحمہ اللہ دن کو ہنسا کرتے اور رات کو رویا کرتے تھے۔ ابن ادھم رحمہ اللہ جب کبھی صاحبِ فراش بن جاتے تو ان کے پاس ایسی ایسی خورد و نوش کی اشیاء دیکھی جاتی تھیں جو صحت مند افراد کھایا کرتے تھے۔

بکار بن عبداللہ بیان کرتے ہیں' انھوں نے وہب بن منبہ کو فرماتے ہوئے سنا: ایک آدمی اپنے دور کا افضل ترین شخص تھا' لوگ قریب و بعید سے اس کی ملاقات و زیارت کے لیے حاضر خدمت ہوا کرتے تھے' اور وہ انھیں پند و نصائح سے فیض یاب کیا کرتا تھا۔ ایک دن بہت سے لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے تو اس نے یوں نصیحت فرمائی:

''ہم دنیا سے روٹھ چکے ہیں اور ہم نے سرکشی و طغیانی کے خوف سے اہل و عیال اور دنیوی اموال کو خیر باد کہہ دیا ہے۔ مجھے اس بات کا بھی اندیشہ لاحق رہتا ہے کہ ہماری اس حالت میں بھی ہمیں اس سرکشی سے کوئی حصہ نہ پہنچ جائے جو سرمایہ داروں کو ان کے سرمائے میں پہنچنے والے حصے سے بھی زائد ہو۔ ہم اپنے آپ کو دیکھتے ہیں کہ ہم میں سے ایک آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کی سبھی ضروریات پوری ہو جائیں' اور اگر کسی سے ملاقات ہو تو یہ چاہتا ہے کہ اس کے دینی مقام و مرتبے کی بنا پر اسے سلام عرض کیا جائے اور اس کی تعظیم و تکریم بجا لائی جائے۔''

اس کی یہ گفتگو زبان زد عام ہوگئی' حتیٰ کہ بادشاہ وقت تک بھی جا پہنچی۔ وہ اس سے بہت مانوس ہوا اور اس کی جانب چل پڑا' تاکہ ایسے ولی کامل کو سلام عرض کرے اور اس کی زیارت کر آئے۔ جب اس آدمی نے بادشاہ کو دیکھا' تو اسے کہا گیا: یہ بادشاہ وقت ہے جو آپ کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے لیے آ رہا ہے' تو اس نے دریافت کیا: ایسا کیوں کرنے آ رہا ہے؟ جواب ملا: آپ کے اس کلام کی بدولت جس سے آپ نے پند و نصیحت فرمائی ہے۔ اس نے اپنے غلام سے سوال کیا: کیا تمھارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ وہ بولا: جی درخت کا کچھ باقی ماندہ پھل ہے جس سے آپ روزہ افطار فرمایا کرتے ہیں۔ اس نے وہ حاضر خدمت لانے کا حکم دیا جسے وہ ایک ٹاٹ نما دستر خوان پر رکھے ہوئے لایا اور اسے اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے اسے کھانا شروع کر دیا' حالانکہ وہ دن کو روزہ رکھا کرتا تھا'

افطار نہیں کیا کرتا تھا۔ بادشاہ اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے سلام عرض کیا' تو اس آدمی نے ہلکی سی معمولی آواز کے ساتھ جواب سلام دیا' اور پھر اپنے کھانے کی طرف متوجہ ہو گئے۔

بادشاہ بولا: وہ آدمی کہاں ہے؟ اسے بتایا گیا: یہی وہ آدمی ہے! بادشاہ بولا: کیا یہی جو کھانے میں لگا ہوا ہے؟ لوگ بولے: جی بالکل۔ وہ پھر بولا: اس کے پاس تو کچھ خیر نہیں ہے' اور یہ کہہ کر واپس مڑ گیا۔ وہ آدمی فوراً بولا: شکر ہے اس اللہ تعالیٰ کا جس نے اس طریقے سے تجھے واپس پھیر دیا۔[1]

وہب رحمہ اللہ ہی سے دوسری روایت اس طرح ہے: جب بادشاہ وقت پہنچا' آدمی نے اپنا کھانا سامنے رکھا اور ایک بڑے سے لقمے میں بہت سا سالن جو سبزیوں پر مشتمل تھا' اسے لپیٹنے کے بعد روغن زیتون میں ڈبو کر پھر بڑی تیزی سے کھانے لگا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا: تو کیسا ہے؟ اس نے جواب دیا: لوگوں کی طرح۔ بادشاہ نے اپنی سواری کی لگام کو موڑا اور بولا: اس میں کوئی خیر نہیں ہے

تو اس آدمی نے کہا: تمام تعریفیں اس اللہ کریم کی ہیں جس نے اسے مجھ سے اس حال میں واپس لوٹا دیا ہے کہ وہ مجھے ملامت کر رہا ہے۔

زاہدوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو زہد کو ظاہری اور باطنی طور پر استعمال میں لاتے ہیں' لیکن وہ اتنا تو ضرور جانتے ہیں کہ ان کے ترک دنیا کے حالات و واقعات ان کے رفقاء و اصحاب اور ان کے بیوی بچے بیان کرتے رہتے ہیں۔ اس کیفیت پر ان کا صبر آسان ہوتا ہے۔

اور اگر اس کا زہد اخلاص پر مبنی ہوتا تو وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ مل کر کھاتا' تاکہ اس کی عزت نفس کم از کم اس حد تک زائل ہو جاتی' اور اس کی نسبت ہونے والی باتیں از خود ہی ختم ہو جاتیں۔

داود بن ابی ہند[2] نے بیس برس مسلسل روزے رکھے' لیکن ان کے گھر والوں کو بالکل

---

[1] دیکھئے حلیۃ الاولیاء لامام ابو نعیم رحمہ اللہ (۴/۴۸)

[2] ثقہ اور حاذق و ماہر آدمی تھے' البتہ آخری عمر میں وہم کا کچھ مرض لاحق ہو گیا تھا۔ پانچویں درجہ میں ہیں۔ ۱۴۰ھ میں وفات پائی۔ دیکھئے تقریب التھذیب (۱/۲۳۵)

خبر تک نہ ہوئی۔ وہ اپنے حصے کا کھانا لے کر بازار کی طرف نکل جاتے اور راستے میں اسے خیرات کر دیتے۔ بازار والے یہ گمان کرتے کہ وہ گھر میں کھانا کھا کر آئے ہیں اور گھر والے ان کے متعلق یہ گمان کرتے کہ انہوں نے بازار میں جا کر کھا لیا ہے۔

یہ تھی سلف صالحین کی سیرت۔[1]

زاہدوں کے طرز عمل کا تنقیدی جائزہ

بعض زہد پسند لوگوں کا سارا زور ہی کسی مسجد' قیام گاہ یا پہاڑ میں الگ تھلگ بیٹھ رہنے پر ہوتا ہے۔ لوگوں کو اپنی انفرادیت اور خلوت نشینی معلوم کروا کے وہ لذت کا احساس پاتے ہیں' اور بسا اوقات اپنی اس خلوت نشینی کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ باہر نکل کر خلاف شرع امور دیکھوں گا۔

اس خلوت نشینی میں اس کے ذہن میں کئی مقاصد ہوتے ہیں' مثلاً تکبر کرنا اور لوگوں کو بہ نظر حقارت دیکھنا۔ اور کبھی اسے یہ خطرہ لاحق ہو رہا ہوتا ہے کہ جلوت میں آنے سے لوگ اس کی خدمت گزاری سے دست کش ہو جائیں گے' یعنی کم خدمت کرنے لگیں گے۔ اور ان مقاصد میں سے ایک اپنی ناموس اور اپنی سیادت و ریاست کو برقرار رکھنا بھی ہے' کیونکہ لوگوں میں گھل مل کر رہنے سے یہ سرداری اور ناموس داری جاتی رہے گی' جبکہ وہ تو یہ ارادہ کیے ہوئے ہے کہ اس کی تعریفوں کے پل بندھے رہیں اور اس کے تذکرے جاری رہیں۔ اور بعض اوقات اس کے مقاصد میں یہ باتیں بھی ہوتی ہیں کہ اس کے عیوب و نقائص لوگوں سے اوجھل رہیں اور اس کی لاعلمی لوگوں کی آنکھوں سے مخفی ہی رہے۔ اور وہ اس امر کو پسند رکھتا ہے کہ لوگ تو اس کی زیارت و ملاقات کو آتے رہیں' لیکن یہ خود کسی سے ملنے کو نہ جائے۔ امراء و سلاطین کی آمد پر انتہائی فرحاں و شاداں ہوتا ہے' اپنے دروازے پر عوام الناس کے اجتماع اور ان کی دست بوسی کرنے کو بہت زیادہ مرغوب و محبوب سمجھتا ہے' جبکہ بذات خود بیماروں کی عیادت کرنے اور فوت شدگان کے جنازوں میں شریک ہونے کو

---

[1] دیکھئے حلیۃ الاولیاء لابی نعیم (۳۹۴۸/۴) کیا ہی اچھے تھے یہ لوگ۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی خیر و بھلائی پر رکھتے ہوئے ان سے ملا دے۔

بالکل ترک کر دیتا ہے' اور پھر اس کے ہم خیال لوگ یوں عذر پیش کرتے ہیں: شیخ صاحب کو معذور سمجھو کہ یہ تو ان کی عادت مبارکہ ہے۔

یہ کوئی قابل تعریف بات تو نہیں' کیونکہ یہ عادت خلافِ شرع ہے۔ اگر اس شخص کو اشیائے خورد ونوش کی ضرورت پڑ جائے اور اس کے پاس کوئی ایسا آدمی بھی موجود نہ ہو جو اس کے لیے خریداری کر لائے تو یہ بھوک ہی پر صبر کیے بیٹھا رہے گا' مطلوبہ اشیاء کو اپنی ذات کے لیے خرید کر نہیں لائے گا' کہ کہیں عوام الناس کے مابین چلنے سے اس کی وجاہت ومنزلت میں کمی نہ آ جائے۔ اگر یہ باہر نکل آتا اور اپنی اشیائے ضروریہ کو خرید لاتا تو اس طرح اس کی شہرت و ناموری منقطع ہو جاتی اور اپنی باطنی حفظ ناموس پر خود ہی لعنت کرتا۔ رسول اللہ ﷺ بہ نفسِ نفیس بازار کی طرف جاتے' اپنی ضرورت کی اشیاء خریدتے' اور بذات خود انھیں اٹھا کر لاتے تھے۔ اسی طرح سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے کندھوں پر کپڑے لاد کر خرید وفروخت کیا کرتے تھے۔

سیدنا عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے سر پر لکڑیوں کا گٹھا رکھے چلے جا رہے تھے' آپ سے لوگوں نے عرض کی: اس عمل پر کس چیز نے آپ کو آمادہ کیا ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے بے نیاز کر رکھا ہے؟ فرمانے لگے: میں اس طرح اپنے سے تکبر کی بو کو ختم کرنا چاہتا ہوں' اور یہ اس لیے ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا تھا:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَبْدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنَ الْكِبْرِ))[1]

''وہ آدمی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا جس کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہوگا۔''

امام مسلم نے کتاب الایمان میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: آدمی چاہتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو' اس کا جوتا اچھا ہو' تو

---

[1] امام حاکم نے مستدرک ۳/۴۱۶ میں' طبرانی نے معجم الکبیر ۱/۹۹ میں اور اصبہانی نے ترغیب وترہیب ص ۲۰۰۔ ۲۳۱ میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں سالم بن ابراہیم صاحب المصاحف ہے' جس کو امام ذہبی رحمہ اللہ نے ''واہ'' یعنی بے کار وفضول آدمی کہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ))

''یقیناً اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے' وہ خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر تو یہ ہے کہ آدمی حق کو ٹھکرائے اور لوگوں کو حقیر جانے''[1]

((لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ فِي قَلْبِهٖ حَبَّةُ خَرْدَلٍ مِّنْ اِيمَانٍ، وَلَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَحَدٌ فِي قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِّنْ كِبْرِيَاءٍ))[2]

''ایسا کوئی آدمی بھی دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا' اور ایسا کوئی آدمی جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر تکبر ہوگا''

جو ہم نے اشیائے ضرورت وغیرہ کی خریداری کے لیے باہر نکلنے کا ذکر کیا ہے تو یہ اپنے آپ کو قدرے کم مرتبہ بنانا ہے' اور یہ تو متقدمین اسلاف کی عادت تھی۔ اب تو وہ عادت تبدیل ہو چکی ہے' بالکل ویسے ہی جیسے حالات و ملبوسات تبدیل ہو چکے ہیں۔ اس لیے اب میں عالم دین کے اشیائے ضرورت کی خریداری کے لیے باہر جانے کو کچھ بھی معیوب خیال نہیں کرتا'[3] کیونکہ وہ جاہلوں کے پاس نور علم کو روشن کرے گا' اور ان کے لیے اس کی تعظیم کو بجا لانا ویسے بھی مشروع ہے۔ اور معاملات میں ان کے دلوں کی رعایت رکھنا ریاکاری کی جانب لے جاتا ہے۔ البتہ ایسی چیزوں کا استعمال جو دلوں میں رعب و ہیبت کو پیدا کریں' اس سے روکا نہیں جا سکتا۔

ضروری نہیں ہے کہ ان تمام طریقوں کو جن سے ان کے دل متغیر نہیں ہوتے تھے

---

[1] صحیح مسلم' الایمان' باب تحریم الکبر وبیانہ' حدیث: ۹۱۔

[2] صحیح مسلم' الایمان' باب تحریم الکبر وبیانہ' حدیث: ۹۱۔

[3] بالخصوص ایسے بازاروں اور ایسی مارکیٹوں میں جانا جہاں پر فسادات کی بہتات' ذکر الٰہی سے انتہائی دوری اور مرد و زن کا اختلاط اور دیگر اخلاق رذیلہ کی کثرت ہو' وہاں جانا تو معیوب ہے۔ البتہ جہاں ایسے خرید و فروخت کے مراکز ہیں جن میں مذکورہ اشارہ کردہ قباحتوں میں سے کوئی بھی نہ ہو' تو وہاں جانا اور وہاں سے کوئی چیز خرید کرنا وغیرہ منع نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

زیرِ استعمال لایا جائے جو اسلاف میں موجود تھے۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: ہم ہنسی اور مزاح کر لیا کرتے تھے' لیکن جب ہم اس مقام پر پہنچ گئے کہ ہماری پیروی کی جانے لگی تو ہم نے خیال کیا' اب ہمیں ایسا زیب نہیں دیتا۔

ہمیں ابراہیم بن ادہم کے متعلق یہ روایت ملی ہے کہ ایک روز ان کے ساتھی باہم مزاح اور خوش طبعی میں مصروف تھے' اچانک ایک شخص نے دروازے پر دستک دی' تو آپ نے انھیں خاموشی اور سکون اختیار کرنے کا حکم دیا۔

آپ کے ساتھی بولے: آپ ہمیں ریاکاری اور نمود و نمائش کی تعلیم دیتے ہیں؟

آپ نے فرمایا: میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ تمہاری وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جائے۔

ابراہیم بن ادہم تو ان جاہلوں کے قول سے ڈر گئے تھے کہ کہیں کہہ نہ دیں کہ ان زاہدوں کے کردار کی طرف دیکھو' کیسے گل کھلا رہے ہیں؟ یہ بات اس لیے کی تھی کیونکہ عوام الناس عبادت گزاروں اور زاہدوں کے متعلق اس طرح کا گمان نہیں رکھتے تھے۔

غیر لازم اشیاء کا التزام

ان زاہدوں میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر کسی سے نرم و باریک کپڑا پہننے کا کہا جائے تو نہیں مانتے' کہیں اس کا مرتبۂ زہد کم نہ ہو جائے' اور بھوک سے مرجانا برداشت کر لیتے ہیں لیکن لوگوں کے سامنے نہیں کھاتے' اور ہنسنا تو دور کی بات' تبسم سے بھی دور رہتے ہیں۔ ابلیس ان حرکات سے اسے یہ وہم دلاتا ہے کہ یہ مخلوق کی اصلاح کے لیے ضروری ہے' حالانکہ یہ تو صرف نمود و ریاکاری کے لیے ہے' جس سے فقط وہ ناموس کے قانون کی نگہداشت کیے ہوئے ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ سر جھکائے ہوئے ہے' اس پر حزن و ملال کے آثار نمایاں ہیں' لیکن جونہی خلوت میں جاتا ہے تو پہاڑ کا شیر ہے (یعنی وہ سارے کام ہی کرتا جائے گا جو لوگوں کے سامنے نہیں کر رہا تھا)' جبکہ سلف صالحین کا یہ دستور و معمول ہوتا تھا کہ اپنے سے ہر اس صفت کی نفی کرتے اور اپنے سے ہر ممکن دفاع کیا کرتے تھے جس کے باعث ان کی طرف اشارے ہونے لگیں' حتیٰ کہ اس مقام و مکان سے بھی کوسوں دور

بھاگ جایا کرتے تھے جس میں ہونے کے باعث ان کی جانب اشارے ہوتے تھے۔

یوسف بن اسباط کہتے ہیں: میں سبج سے پیدل مقام مصیصہ تک آیا' اس وقت میرا سفری توشہ دان میرے گلے میں تھا۔ ادھر سے ایک دکاندار مجھے سلام کرنے لگا۔ ادھر سے ایک دوسرا اٹھا' وہ بھی سلام کہنے لگا۔ میں نے اپنا توشہ دان وہاں رکھا اور مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا کرنے لگا۔ یہاں بھی لوگوں نے مجھے چاروں اطراف سے گھیر لیا' بلکہ ایک آدمی تو بالکل میرے چہرے کے سامنے ہی آ کھڑا ہوا! میں نے اپنے جی میں کہا: میرا دل کب تلک اس حالت میں قائم رہے گا؟ میں نے اپنا توشہ دان اٹھایا اور باوجود پسینے میں شرابور ہونے اور تھکاوٹ سے چور ہونے کے اسی دم سبج کو واپس پلٹ آیا۔ تقریباً دو برس تک میرا دل سنبھل نہ سکا۔[1]

ان زاہدوں میں سے بعض ایسے ہیں جو اپنے لباس سے بے پروا ہیں' بلکہ اپنی داڑھی کو کنگھی بھی نہیں کرتے' تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اس کا دنیا سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

حالانکہ یہ ریاکاری کے دروازوں میں سے ہے۔ اگر وہ اپنی اس ظاہری حالت کے رکھنے میں اپنے دلی مقاصد سے دور رہتے ہوئے صادق القلب ہے' جس طرح کہ داود طائی رحمۃ اللہ علیہ[2] سے کہا گیا: آپ اپنی داڑھی کو کنگھی کیوں نہیں فرماتے؟ تو جواب دیا: مجھے اتنی فرصت کہاں ہے' میں تو دیگر افعال و اعمال میں ہی مشغول رہتا ہوں' تو اسے یہ یقین کر لینا چاہیے کہ وہ اچھی راہ پر گامزن نہیں ہوا' کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق مبارک نہیں ہے' اور نہ ہی آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا راستہ ہے' کیونکہ آپ تو بالوں میں کنگھی فرماتے تھے' تیل اور خوشبوئیں بھی لگا لیا کرتے تھے'[3] حالانکہ آپ آخرت کے معاملے میں ساری خلقت سے زیادہ مصروف ترین تھے۔

---

1. دیکھیے' حلیۃ الاولیاء (۲۴۴/۸)
2. آٹھویں درجے میں ثقہ' فقیہہ اور زاہد تھے۔ ۱۶۰ھ میں اور ایک قول کے مطابق ۱۶۵ میں فوت ہوئے۔ دیکھیے تقریب التہذیب (۲۳۴/۱)
3. یہ سب باتیں صحیح ثابت شدہ ہیں' جس طرح کہ آپ ''شمائل ترمذی'' اور ''اخلاق النبی'' جو ابوالشیخ کی تالیف ہے اور دیگر کتابوں میں دیکھ سکتے ہیں۔

سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما بالوں میں مہندی اور کتم (ایک پودا جس سے روشنائی اور خضاب تیار کیا جاتا تھا) بطور خضاب لگایا کرتے تھے۔[1] حالانکہ یہ دونوں حضرات باقی صحابہ کی نسبت زیادہ ڈرنے والے اور زیادہ زہد رکھنے والے تھے۔

اب جو آدمی کسی ایسے مرتبے کا دعویدار ہو جو سنتِ رسول سے بڑھ کر اور اکابرامت سے بالاتر ہو اس کی جانب بالکل نہیں دیکھنا چاہیے۔

اور ان زاہدوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو خاموشی کو لازم کر لیتے ہیں اور اپنے گھر والوں سے میل جول سے الگ تھلگ رہتے ہیں' بلکہ اپنے برے کردار و اخلاق سے اور اپنی طبیعت کی گھٹن سے انھیں اذیت بھی پہنچاتے ہیں' اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان اقدس کو بالکل ہی فراموش کر بیٹھتے ہیں:

((اِنَّ لِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا))[2]

''بلاشبہ تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے۔''

حالانکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مزاح فرمایا کرتے تھے' بچوں کے ساتھ کھیل کود میں شریک ہو جایا کرتے تھے' اپنی ازواج مطہرات سے گفتگو فرمایا کرتے تھے' بلکہ آپ نے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوڑ میں مقابلہ بھی کیا تھا۔[3]

ادھر یہ زاہد صاحب ہیں جو اپنی رفیقہ حیات کو بیوہ اور اپنے لختِ جگر کو مثل یتیم بنا رہے ہیں' صرف ان سے الگ تھلگ رہنے کی بنا پر' اور اپنے قبیح کردار کی بدولت۔ کیونکہ وہ یہ باور کر چکے ہیں کہ یہ سبھی اسے آخرت سے ہٹانے والے ہیں' حالانکہ وہ اپنی کم علمی کے باعث یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ اپنے گھر والوں سے دل بہلانا تو آخرت کے لیے ممدو معاون ہے۔

صحیحین میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے یہ فرمان موجود ہے:

---

[1] صحیح مسلم' الفضائل' باب شیبہ صلی اللہ علیہ وسلم' حدیث: ۲۳۴۱۔

[2] اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

[3] سنن ابن ماجہ' النکاح' باب حسن معاشرۃ النساء' حدیث: ۱۹۷۹' مسند احمد ۶/ ۳۹۔۲۸۰

((هَلَّا تَزَوَّجْتَ بِكْرًا تُضَاحِكُكَ وَتُضَاحِكُهَا وَتُلَاعِبُكَ وَتُلَاعِبُهَا))[1]

''تو نے کیوں نہ کسی کنواری سے شادی کی، تو اس سے کھیلتا اور وہ تجھ سے دل بہلاتی اور کھیلتی۔''

بلکہ بسا اوقات تو اس زاہد صاحب پر خشکی غالب آ جاتی ہے تو اپنی رفیقہ حیات سے صحبت کرنا بھی ترک کر دیتا ہے۔ اس طرح نا قابل ستائش نفل کی وجہ سے فرض کو ضائع کرتا رہتا ہے۔

زاہدوں میں ایسے صاحب بھی ہیں جو اپنی اداؤں کو خود ستائشی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ہے۔ اگر اسے یوں کہا جائے: آپ تو زمین کے قطبوں اور اوتادوں[2] میں سے ہیں تو وہ اسے ہی حق سمجھ بیٹھتا ہے۔

اور ان میں سے بعض تو اپنی کرامت کے ظہور کے منتظر رہتے ہیں اور انھیں یوں خیال آتے رہتے ہیں کہ اگر وہ آب رواں کے قریب چلے جائیں تو وہ پانی پر چلنے کی قدرت پالیں گے۔ انھیں جب کوئی عارضہ لاحق ہوتا ہے تو پروردگار عالم کے حضور دست دعا دراز کرتے ہیں، لیکن قبولیت نہیں ہوتی، تو در پردہ اپنے باطن میں ملامت کرتے ہیں، گویا کہ ایک مزدور ہے جو اپنے کام کی مزدوری مانگ رہا ہے۔ اگر اسے اتنی سی فہم و فراست دے دی جاتی تو جان لیتا کہ وہ تو ایک ادنیٰ سا غلام ہے جو اپنے آقا کی ملکیت ہے، اور غلام مملوک تو اپنے عمل کے ذریعے احسان نہیں کر سکتا، اور اگر عمل کی توفیق ملنے پر سوچ بچار کرتا تو شکر بجا لانے کو لازمی خیال کرتا، بلکہ اس میں کوتاہی ہونے پر لرزاں و ترساں رہتا۔ اسے تو یہ چاہیے تھا کہ اپنے عمل میں نگاہ رکھنے کے بجائے اس میں ہونے والی کوتاہی پر خوف و اندیشہ دامن گیر رہتا، جو اسے مشغول کیے رکھتا اور اپنے عمل میں نگاہ نہ کرتا، جیسے بعض کہا کرتے تھے: میں ''استغفر اللہ'' کہنے میں اپنی صداقت کی قلت سے معافی مانگتا ہوں۔ اسے کہا جاتا: کیا آپ نے کوئی ایسا عمل کیا ہے جس کے متعلق آپ خیال کرتے ہوں کہ وہ مقبول ہو چکا

---

[1] صحیح بخاری، النکاح، باب تزویج الثیبات، حدیث: ۵۰۷۹
صحیح مسلم، الرضاع، باب استحباب نکاح البکر، حدیث: ۷۱۵

[2] یہ صوفیاء کی اصطلاحیں ہیں، جن کی کتاب و سنت سے کوئی اصل نہیں ہے۔

ہے‘ تو جواب میں کہتا: اگر کوئی ہے بھی تو مجھے خطرہ ہے کہ اسے مجھ پر واپس نہ لوٹا دیا جائے۔

زاہدوں کی ایک قوم پر ابلیس نے اس طرح تلبیسی حملہ کیا ہے جن پر ان کی کم علمی کی وجہ سے کامیاب بھی ہو چکا ہے کہ وہ صرف اپنے واقعات و حالات کے ساتھ ہی عمل کرتے ہیں اور کسی عالم وفقیہ کی بات کی طرف دھیان نہیں کرتے۔

ابن عقیل نے کہا: ابو اسحٰق خزاز ایک صالح مرد تھے اور وہی سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے مجھے قرآن پڑھنا سکھایا ہے۔ آپ کی عادت یوں تھی کہ جونہی ماہ رمضان آتا تو گفتگو اور کلام کرنا چھوڑ دیتے تھے‘ اور اپنی ضروریات میں صرف آیات قرآنیہ ہی سے بات کیا کرتے تھے۔ کسی کو اجازت دینا مقصود ہوتی تو یوں کہتے:

﴿ ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ﴾ (المائدہ: ۵/ ۲۳)

”تم ان کے پاس دروازے سے پہنچ جاؤ“

اور روزے کی افطاری کے قریب اپنے بیٹے سے یوں کہتے:

﴿ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا ﴾ (البقرہ: ۲/ ۶۱)

”زمین کی پیداوار ساگ ککڑی میں سے“

یعنی اس کو حکم دینے کے لیے کہ کوئی ساگ سبزی وغیرہ خرید لاؤ۔

میں نے ایک روز ان سے عرض کی: جسے آپ عبادت تصور کرتے ہیں‘ یہ تو معصیت ہے۔ یہ جملہ ان کو گراں گزرا۔ میں نے عرض کیا: یہ قرآن عزیز تو شرعی احکامات کے بیان کی خاطر اتارا گیا ہے‘ لہٰذا اسے دنیوی اغراض و مقاصد میں استعمال تو بالکل ایسا ہی ہے جیسے آپ قرآنی اوراق میں بیری کے پتے یا گھاس پات وغیرہ رکھ لیں‘ یا آپ قرآن کریم کو بطور تکیہ استعمال کریں۔ تو شیخ نے مجھ سے ترک تعلق تو کر لیا‘ لیکن دلیل و حجت کی جانب کوئی دھیان نہ دیا۔[1]

---

[1] دور حاضر کے مشائخ عظام میں سے بکثرت ایسے موجود ہیں جو حجت کی جانب بالکل دھیان نہیں کرتے‘ اور دلیل کی طرف کان بھی نہیں دھرتے‘ بلکہ وہ صرف انہی چیزوں پر راضی رہتے ہیں جو انہیں اپنے آباء و اجداد اور بڑوں سے وراثت میں ملی ہیں‘ یا انہوں نے بذات خود اپنے علاقوں اور شہروں میں رواج دے رکھی ہیں‘ صرف عوام الناس کا لحاظ کرتے ہوئے اور بازاری قسم کے لوگوں کی چاپلوسی کرتے ہوئے۔

سلف صالحین کی عادات میں سے یہ بات بھی تھی کہ زاہد وصوفی کو بہت سے علوم میں معرفت رکھنے کے باوجود فتویٰ صادر کرنے سے روکا کرتے تھے' کیونکہ اس میں فتویٰ کی شروط مکمل نہ ہوتی تھیں۔ اگر وہ اسلاف ہمارے زمانے کے صوفیاء اور زاہدوں کو حالات و واقعات میں اس خبطگی اور دیوانگی کے ساتھ فتاویٰ صادر کرتے دیکھ لیتے تو کیا فرماتے؟

اسماعیل بن شبہ بیان کرتے ہیں: میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر خدمت ہوا' جبکہ احمد بن حرب مکہ سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے پوچھا: یہ خراسانی جو آج کل ادھر آیا ہوا ہے' کون ہے؟ میں نے عرض کی: اس کا زہد ایسا ایسا ہے' اور اس کا تقویٰ اس اس مقام کا ہے!! امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہر ایسے آدمی کے بس کی بات نہیں ہے کہ فتویٰ دینے میں اپنے آپ کو داخل کرے' جو بذات خود ایسی ایسی صفات کا مدعی ہو۔[1]

فقہاء اور زاہدوں کے مابین حائل خلیج

ابلیس کی ان زاہدوں پر تلبیسی چال میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ علمائے دین کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں' اور ان کی مذمت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: مقصود تو صرف عمل ہے' حالانکہ وہ یہ حقیقت سمجھ ہی نہیں پائے کہ علم تو دل کا نور ہے۔ اگر یہ زاہد شریعت کی حفاظت ونگہداشت کے معاملے میں علمائے کرام کا مرتبہ و مقام پہچان لیتے اور یہ سمجھ لیتے کہ یہ مرتبہ تو انبیائے کرام کا ہے[2] تو یقیناً اپنے آپ کو یوں شمار کرتے جیسے فصیح

---

[1] فتویٰ کا مسئلہ انتہائی اہم مسئلہ ہے۔ بہت سے لوگوں کو اس کی سمجھ نہیں آتی' لہٰذا اس میں پوری تحقیق اور احتیاط کرنی واجب اور اس پر عملی اقدام کرنے سے قبل سوچ بچار لازم ہے۔

[2] علماء انبیاء کے وارث ہیں' جس طرح کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح ثابت ہے۔

سنن ابی داؤد' العلم' باب الحث علی طلب العلم' حدیث : ۳۶۴۱۔

سنن ترمذی' العلم' باب ما جاء فی فضل الفقه علی العبادة' حدیث : ۲۶۸۲۔

سنن ابن ماجه' المقدمة' باب فضل العلماء و الحث علی طلب العلم' حدیث : ۲۲۳۔

اس روایت کی سند میں کمزوری ہے۔ اس روایت کی ایک دوسری سند سنن ابی داود ۳۶۴۲ میں موجود ہے جس سے یہ قوت حاصل کر لیتی ہے۔

اللسان لوگوں میں کوئی گونگا اور آنکھوں والوں میں کوئی اندھا ہو۔ حالانکہ علمائے کرام تو راستے کے رہنما ہیں اور مخلوق ان کے پیچھے پیچھے ہے' اور ان لوگوں میں سے جو تن تنہا چل رہا ہے وہ قریب الموت ہے۔

صحیحین میں سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

((وَاللّٰهِ لَأَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلاً وَّاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ حُمُرِ النَّعَمِ))[1]

''اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ نے تیری وجہ سے صرف ایک آدمی کو ہی راہ راست سے فیض یاب فرما دیا تو یہ تیرے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔''

علمائے کرام پر ان کی عیب جوئی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بعض ایسے مباح امور میں علمائے کرام قدرے گنجائش اور وسعت رکھتے ہیں جن کے ذریعے وہ علم کی تعلیم و تدریس میں قوت حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ صوفیاء وزہاد مال جمع کرنے والے علمائے کرام پر بھی عیب زنی کرتے ہیں!

اگر یہ حضرات مباح کے معنی ومطلب کو جان لیتے تو یقیناً اس حقیقت سے آشنا ہو جاتے کہ امر مباح کے فاعل و عامل کو قابلِ مذمت اور موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

زاہدوں اور صوفیاء پر فرض ہے کہ علمائے کرام سے حصول علم کریں' اور جب نہ سیکھنا چاہیں تو انھیں چاہیے کہ پھر خاموش ہی رہیں۔ (ایسے مباح امور کے معاملات میں۔)

مالک بن دینار بیان فرماتے ہیں:

''شیطان قاریوں کے ساتھ ایسے کھیلتا ہے جس طرح چھوٹے بچے اخروٹ سے کھیلتے ہیں۔''

قاریوں سے مراد زاہد اور صوفی لوگ ہیں۔ یہ ان کا مشہور ومعروف قدیمی نام ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی حق وصواب کی توفیق دینے والا ہے' اور اسی کی طرف ہی پلٹنا اور واپس جانا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری' المغازی' باب غزوۃ خیبر' حدیث: ۴۲۱۰۔

باب : ۱۰

زاہدوں کے ایک گروہ صوفیاء پر شیطانی حملہ

صوفیاء زاہدوں میں سے ایک جماعت ہے[1] اور ہم نے ابھی زاہدوں پر ابلیسی تلبیسات کا ذکر کیا ہے لیکن صوفیاء کی جماعت چند اوصاف اور بعض احوال میں زاہدوں سے منفرد ہے' انھوں نے اپنی پہچان کے لیے کچھ خاص نشانات اور علامات مقرر کر رکھی ہیں اسی لیے ہمیں ان کا الگ طور پر ذکر کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔

تصوف ایک ایسا طریقہ ہے جو آغاز میں بالکل زہد اور ترک دنیا پر قائم ہوا تھا۔ پھر اس طریقے سے نسبت رکھنے والوں نے سماع اور رقص کی بھی رخصت دے دی' جس کے نتیجے میں

① عوام میں سے آخرت کے طلب گار ان کی طرف لپکے' کیونکہ وہ ترکِ دنیا کے دعویدار تھے۔

② عوام میں سے دنیا طلبی کی حرص رکھنے والے بھی ان کی جانب مائل ہوئے کیونکہ وہ ان کے ہاں آرام و راحت اور کھیل تماشے دیکھتے تھے۔

تو ضروری تھا کہ اس قوم کے طریقے میں ابلیس کے مکروفریب اور چالبازیوں کو عیاں کیا جائے' اور اس حقیقت کو عیاں کرنے اور منظرِ عام پر لانے کے لیے یہ ضروری تھا کہ پہلے اس طریقے کے اصول (بنیادی امور) اور فروع (ظاہری امور) کا تجزیہ کر لیا جائے اور اس طریقے کے متعلقات کی شرح ہو جائے۔

رسولِ اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں نسبت فقط ایمان اور اسلام کی جانب ہوتی تھی

[1] زاہدوں اور صوفیوں کے مابین فرق کے لیے دیکھئے ہمارا حاشیہ ص نمبر:

اور یوں کہا جاتا تھا: مسلمان اور مومن' پھر زاہد اور عابد کے نئے نام پیدا ہو گئے' پھر کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے جنھوں نے زہد اور عبادت سے تعلق کو ظاہر کرتے ہوئے دنیا سے علیحدگی اختیار کر لی اور عبادت گزاری کے لیے الگ تھلگ ہو گئے اور انھوں نے ایک ایسا طریقہ اختیار کر لیا جس میں وہ بالکل منفرد تھے۔ مزید انھوں نے چند ایسے اخلاق و اوصاف وضع کیے' سب سے پہلے جو انھیں کے ساتھ خاص ہیں۔ ان کا خیال ہے اللہ تعالیٰ کے گھر کے پاس جو جو عبادت الٰہی کے لیے خلوت گزین ہوا' اسے ''صوفہ'' کہا جاتا تھا۔ اس آدمی کا اصلی نام ''غوث بن مر'' تھا۔[1] بعد والوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے خلوت قائم کرتے ہوئے اپنا نام بھی ''صوفی'' رکھنا پسند کیا۔

حافظ ابو محمد عبد الغنی بن سعید نے کہا ہے: میں نے ولید بن قاسم سے سوال کیا کہ صوفی کی نسبت کس جانب کی جاتی ہے؟ تو انھوں نے یوں جواب دیا: زمانۂ جاہلیت میں ایک قوم تھی جنھیں ''صوفہ'' کہا جاتا تھا۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خاطر الگ تھلگ ہو گئے تھے' انھوں نے کعبۃ اللہ کو اپنا وطن قرار دے لیا' پھر اس کے بعد جو بھی ان کے نقش قدم پر چلتا آیا تو یہ لوگ ''صوفی'' کہلاتے گئے۔

صوفیاء کی نسبت

ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ تصوف ''اہل صفہ'' کی طرف نسبت ہے۔ یہ لوگ اس جانب اس وجہ سے چلے گئے ہیں کہ انھوں نے یہ باور کر لیا ہے کہ اہل صفہ بھی مذکورہ بیان کردہ صفت یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے الگ تھلگ ہو جانے اور فقیری کو لازم رکھنے میں ممتاز تھے۔ کیونکہ اہل صفہ بھی تو فقراء کی جماعت تھی' جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس طرح حاضر ہوا کرتے تھے کہ ان کے پاس نہ مال ہوتے تھے اور نہ ہی اہل و عیال' تو ان کے لیے مسجد رسول ﷺ میں ایک صفہ (چبوترہ) بنا دیا گیا تھا جس کے باعث یہ ''اہل صفہ'' کہلائے۔

[1] مزید دیکھئے ''تاج العروس'' (۱۶۹/۶) سیرۃ ابن ہشام (۴۰/۱) صوفیاء کی نسبت میں یہ لوگ عظیم اضطراب کا شکار ہیں جس طرح کہ ابھی مصنف رحمہ اللہ بھی ذکر کریں گے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ[1] بیان کرتے ہیں کہ صفہ نادار و مفلس مسلمانوں کے لیے بنایا گیا تھا۔ دوسرے مسلمان اپنی اپنی استطاعت کے مطابق کھانا پینا وہاں پہنچایا کرتے تھے۔ یہ لوگ تو ضرورت اور مجبوری کی بنا پر مسجد میں قیام پذیر ہوئے تھے' اور انھوں نے صدقات و خیرات پر بامر مجبوری گزران رکھا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتوحات سے نوازا اور یہ لوگ صاحب حیثیت اور قدرے بہتر ہو گئے تو یہ وہاں سے چلے گئے تھے۔ لہٰذا ''صوفی'' کے لفظ کی نسبت ''اہل صفہ'' کی جانب بالکل غلط ہے کیونکہ اگر یہ اسی کی جانب منسوب ہوتے تو یوں کہا جاتا: ''صفی''۔

ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ صوفی لفظ ''صوفانہ'' سے بنا ہے جس کا معنی ایک خوبصورت اور خوشنما بوٹی ہوتا ہے۔ ان لوگوں کی جڑی بوٹیوں پر گزر اوقات کرنے کی بنا پر یہ نسبت ہو گئی ہے۔

یہ بھی غلط ہے کیونکہ اگر یہ نسبت ہوتی تو انھیں ''صوفانی'' کہا جاتا۔

کچھ دوسرے لوگوں نے کہا' صوفی کا لفظ ''صوفۃ القفا'' کی جانب منسوب ہے جو گدی میں اگنے والے چند بالوں کا نام ہے۔ گویا کہ صوفی بھی اپنی گردن اور گدی کو حق کی جانب جھکاتے ہوئے اور مخلوق سے رخ پھیرتے ہوئے ہمہ تن اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے۔

چند لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ لفظ ''صوف'' (اون) کی جانب منسوب ہے' اور اس نسبت کا احتمال ہے۔

لیکن سب سے پہلی نسبت زیادہ صحیح ہے۔

اس قوم کا یہ نام ۲۰۰ھ سے قبل ظاہر ہو چکا تھا۔ جب ان کے پہلے لوگوں نے اسے استعمال کرنا شروع کیا تو انہوں نے اس میں تفصیلی گفتگو کرنا شروع کی۔ انھوں نے اس کے

---

[1] آپ ثقہ' فقیہ اور مشہور و معروف عالم و فاضل ہیں' لیکن روایت حدیث میں بکثرت ارسال اور تدلیس سے کام لیا کرتے تھے۔ طبقہ ثالثہ کے راویوں میں سرفہرست ہیں۔ ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے۔ ملاحظہ فرمائیں التقریب: ۱۶۵۱۱۔

اوصاف کی بہت سی عبارتوں کے ساتھ تعبیریں کیں' جن کا ماحصل یہ ہے کہ ان کے نزدیک تصوف ایک بدنی ریاضت ہے' اور کوشش کے ساتھ نفس کو برے اخلاق سے دور رکھنے اور اچھے اور قابل تعریف اخلاق کو اپنانے کا نام ہے۔

یہ تھیں وہ چند بنیادی باتیں جن پر اس قوم کے اوائل کار بند تھے' پھر ابلیس نے ان پر بہت سی چیزیں خلط ملط کر دیں' پھر ان کے بعد ان کے پیروکاروں پر تلبیسی حملے شروع کر دیے' اسی طرح جوں جوں زمانہ گزرتا گیا نئے زمانہ میں اس کا طمع اور وار بڑھتے ہی چلے گئے' بالآخر ابلیسی حملے متاخرین پر پوری طرح کارگر ہوتے گئے۔

شیطان کی اصلی تلبیسی چال تو یہ تھی کہ اس نے صوفیاء کو طلب علم سے روک دیا تھا' اور انھیں یہ باور کروایا کہ مقصودِ حقیقی اور غایت اصلی تو عمل ہے' جب شیطان ان کے ہاں علم کی شمع کو گل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو وہ جہالت کی تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارنے لگے۔ ان میں سے بعض کو تو یہ دکھلایا کہ اس سے مقصود بالکل ترک دنیا ہی ہے۔ چنانچہ انھوں نے بدنوں کی اصلاح و بہتری کرنے والی ہر چیز کو استعمال کرنے سے انکار کر دیا اور دنیوی مال و متاع کو سانپ اور بچھوؤں سے تشبیہ دینا شروع کر دی۔ وہ اس حقیقت کو بالکل ہی فراموش کر بیٹھے کہ یہ اشیاء تو انسانی مصلحتوں کے لیے پیدا کی گئی تھیں' انھوں نے اپنے نفسوں کو ان مشقتوں میں ایسا زبردستی ڈالنا شروع کر دیا حتیٰ کہ ان میں ایسے لوگ بھی بن گئے جو بالکل لیٹتے ہی نہیں تھے۔

ان لوگوں کے مقاصد اگرچہ اچھے ہی تھے لیکن خلافِ شرع تھے' ان لوگوں میں بعض ایسے بھی تھے جو اپنی کم علمی کی بنا پر موضوع روایات پر بھی عمل پیرا ہو جاتے اور انھیں ان روایات صحیح' ضعیف اور موضوع ہونے کا بالکل علم نہیں ہوتا تھا۔

پھر ایسی اقوام آئیں جنھوں نے ان کے لیے بھوک' فقر و فاقہ' وساوس اور خطرات کو زیر بحث موضوعات قرار دیا۔ انھوں نے ان عناوین پر کتب تصنیفات کیں مثلاً حارث محاسبی' پھر کچھ دوسرے لوگ آئے جنھوں نے مذہب تصوف کو مزید مہذب بنانے کی کاوشیں کیں اور ایسی ایسی صفات کو وضع کیا کہ جن سے یہ مزید ممتاز ہوتا چلا گیا' مثلاً پیوند شدہ صوفیانہ

لباس، سماع، وجد، رقص اور تالیاں بجانا وغیرہ۔ انہوں نے نظافت وطہارت کے مزید اہتمام کرنے کو بھی صفات صوفیاء میں شمار کیا۔

بعد ازاں یہ معاملہ مسلسل بڑھتا ہی گیا، صوفیاء نئی نئی کیفیات اور نت نئے طریقے ایجاد اور وضع کرتے رہے اور اپنے حالات و واقعات پر باتیں کرتے رہے اور پھر تمام ادوار میں علمائے کرام سے ان کی دوری برقرار ہی رہی بلکہ الٹا یہ سمجھنے لگے کہ جن حالات اور علوم میں یہ مگن رہتے ہیں یہ بھی علم ہے، پھر انہوں نے اس کا نام باطنی علم رکھا اور شریعت کے علم کو ظاہری علم کے نام سے موسوم کر دیا۔

ان میں سے بعض ایسے بھی ہوئے جنھیں بھوک کی شدت نے خیالاتِ فاسدہ کی طرف دھکیل دیا، اور انھوں نے حق کے عشق اور اس کے دیوانہ ہونے ہی کا دعویٰ کر دیا، گویا کہ انھوں نے خیالی طور پر ایک خوبرو شخصیت کا تصور و تخیل کر لیا، پھر اس کی محبت وعقیدت میں دیوانہ وار مارے مارے پھرتے رہے۔ اس طرح یہ لوگ کفر اور بدعت کے درمیان ہی سرگرداں رہے۔

پھر چند اقوام میں مزید نئے طریقے آغاز پذیر ہو گئے، جن سے ان کے عقائد بگڑتے اور خراب ہوتے گئے۔ ان لوگوں میں سے کسی نے ''حلول'' کا دعویٰ کر دیا[1] تو کسی نے ''وحدت الوجود'' کا نعرہ بلند کر دیا۔

پھر ابلیس لگاتار انھیں نئی نئی بدعتوں کے ساتھ بہکاتا اور خبطی بناتا رہا، حتیٰ کہ انھوں نے اپنے لیے الگ سنتیں تجویز کر لیں۔

پھر ابو عبدالرحمٰن سلمی آئے،[2] انھوں نے ان کی خاطر ''السنن'' نامی کتاب ہی تالیف کر

---

1. حلول سے مراد اللہ تعالیٰ کا مخلوق میں حلول کر آنا یعنی داخل ہو جانا ہے، اللہ معاف فرمائے۔
وحدۃ الوجود سے مراد اللہ تعالیٰ کا مخلوق سے مل کر ایک ہو جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ۔

2. محمد بن حسین بن موسیٰ مراد ہے، جس نے اصم وغیرہ اجل صوفیاء سے روایات بیان کی ہیں اور اس سے بغداد کے مشائخ نے روایات لی ہیں۔ امام بیہقی وغیرہ نے بھی اس سے روایت لی ہے۔ اس کی وفات ۴۱۲ھ میں ہوئی تھی۔ دیکھیے البدایہ والنھایہ: (۱۲/۱۲/۲)

دی اور ان کی خاطر ''تفسیری حقائق'' جمع کر دیے[1] جس میں ان صوفیاء سے منقول قرآنی آیات کے متعلق عجیب وغریب تفاسیر کا ذکر کیا جو کسی مستند علمی اصل کے بغیر ہی ان کے سامنے ظاہر ہوئی تھیں' بس انھوں نے اپنے مذہب کی اشاعت وترویج کے لیے جنھیں وضع کیا تھا۔

قابل تعجب اور لائق حیرت تو یہ انداز ہے کہ کھانے پینے میں تو انتہائی درجہ تقویٰ کا اہتمام اور قرآن مجید کے معاملے میں یہ بے لگامی اور یہ آزاد خیالی!!!

ان کی چند گمراہ کن اور راہ حق سے دور لے جانے والی تالیفات

ابو نصر سراج نے ان کے لیے ''لمع الصوفیہ'' کتاب تصنیف کی' جس میں انہوں نے قبیح اعتقادات اور کھوٹے گھٹیا مضامین کی بھر مار کر دی ہے' جن میں سے چند ایک کا ہم ان شاء اللہ تعالیٰ ذکر کرتے ہیں:

ابو طالب مکی نے ''قوت القلوب'' کتاب تصنیف کی' جس میں باطل احادیث اور صبح شام کی ایسی بے دلیل نمازیں ذکر کی ہیں جو صرف موضوع اور جھوٹی احادیث میں مذکور ہیں' اور اس کتاب میں بار بار یہ مقولہ دہرایا ہے: ''قال بعض المکاشفین'' یعنی بعض صاحب کشف لوگوں کا کہنا ہے۔ حالانکہ یہ قول بالکل بے معنی اور خام خیالی پر مبنی ہے۔ اسی کتاب میں بعض صوفیاء کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے لیے اس دنیا میں بھی جلوہ نمائی فرماتا ہے!

ابو طاہر محمد بن علاف نے کہا ہے کہ ابو طالب مکی' ابو الحسین بن سالم کی وفات کے بعد بصرہ میں داخل ہوئے۔ انہوں نے اس کی باتوں کی جانب اپنی نسبت ظاہر کی' پھر بغداد چلے آئے۔ ایک بار لوگوں کا جم غفیر ان کی مجلس وعظ میں جمع تھا کہ انہوں نے دوران کلام

---

[1] امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۲۵۲/۱۷) میں لکھا ہے:

''ان کی ''حقائق التفسیر'' میں بے اصل اور بے سند باتیں ہیں' بعض ائمہ کرام نے انھیں باطنی لوگوں کی بے دینی میں شمار کیا ہے اور بعض نے انھیں عرفان وحقیقت کا پاسدار قرار دیا ہے' ہم ضلالت سے اور خواہش نفسانی کے مطابق باتیں کرنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں' کیونکہ پوری کی پوری خیر وفلاح سنت کی پیروی اور صحابہ کرام اور تابعین عظام کی سیرتوں کو اپنانے ہی میں مضمر ہے۔''

لاف زنی شروع کر دی۔ ان کی ایک یہ بات بھی محفوظ کی گئی ہے کہ ''مخلوق کے حق میں خالق سے بڑھ کر کوئی بھی ضرر رساں نہیں''!! تب لوگوں نے انہیں بدعتی کہا اور انہیں چھوڑ دیا۔ اس کے بعد انہوں نے لوگوں کے سامنے گفتگو کرنا چھوڑ دیا اور وعظ و نصیحت کرنا ترک کر دیا۔

خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: ابو طالب مکی نے صوفیاء کے لہجے میں ''قوت القلوب'' نامی ایک کتاب تصنیف کی جس میں انہوں نے صفات باری تعالیٰ کے متعلق قابلِ اعتراض بری اور ناگوار باتیں ذکر کیں۔

بعد ازاں ابو نعیم اصفہانی آئے' انھوں نے صوفیاء کی خاطر ''حلیہ''[1] تصنیف کی جس میں انھوں نے تصوف کی حد بندی کرتے ہوئے بہت سی قبیح اور نازیبا چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ انہیں سیدنا ابوبکر' سیدنا عمر' سیدنا عثمان' سیدنا علی اور دیگر عظیم المرتبت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو صوفیاء میں شمار کرتے ہوئے ذرا بھر حیا نہیں آئی۔ پھر ان صحابۂ کرام سے اس تصوف کے متعلق عجیب وغریب حکایات نقل کر دی ہیں' انہوں طرح اس نے قاضی شریح' حسن بصری'

---

[1] یہ کتاب مطبوع ہے لیکن غیر محقق اور بلاتخریج ہی طبع شدہ ہے! مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ بعض علم کے دعویداروں نے جن کا ''اصول حدیث'' کے فن سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے' اس کتاب کی تخریج اور اس پر حواشی وتعلیقات لکھنے کا اہتمام کیا ہوا ہے' تو یہ خبر اس سے بھی عجیب ہے!

علم اور اہل علم پر افسوس اور حسرت! اللہ تعالیٰ امام ذہبی پر رحم فرمائے' انھوں نے ''تذکرۃ الحفاظ'' (۴/۱) میں فرمایا ہے:

''......علم حدیث کہاں رہ گیا؟ اس فن کے ماہرین کہاں رہ گئے؟ مجھے تو وہ ہستیاں یا تو کتب میں بند دکھائی دیتی ہیں یا پھر مٹی کی دبیز تہوں کے نیچے......''

میں یوں کہنا چاہوں گا: یہ حال تو ان کے دور کا تھا' جب کہ وہ دور محدثین اور حفاظ کا دور تھا' جو کہ اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کا دور تھا' آج وہ لوگ کہاں ہیں؟!

ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا خوف کھانا چاہیے جو علم میں سے ابھی صرف ابجد ہی سے آشنا ہوئے ہیں' لیکن علمی پختگی آنے سے قبل ہی صدر مجلس بننا چاہتے ہیں۔ ان کے یہ انداز انوکھے اور نرالے ہیں' معاملہ تو بالکل اسی طرح کا ہے جس طرح ہمارے پروردگار اللہ سبحانہ تعالیٰ نے بالوضاحت فرما دیا ہے:

﴿ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ﴾

(الرعد: ۱۳/ ۱۷)

''اب جھاگ تو ناکارہ ہو کر چلا جاتا ہے لیکن جو لوگوں کو نفع دینے والی چیز ہے وہ زمین ہی میں ٹھہری رہتی ہے''

سفیان ثوری اور احمد بن حنبل رحمہما اللہ ایسے اجل حضرات کو بھی انہی لوگوں میں شمار کر دیا ہے!!

اسی طرح سلمی نے ''طبقات الصوفیہ'' میں قاضی فضیل' ابراھیم بن ادھم اور معروف کرخی کے متعلق یوں اشارہ دیا ہے کہ یہ لوگ زاہدوں میں سے تھے' لہٰذا یہ بھی گروہ صوفیاء میں سے تھے۔[1]

حالانکہ تصوف ایک معروف مذہب ہے جو زہد سے اوپر ایک الگ چیز ہے۔ ان دونوں کے درمیان امتیازی فرق یہ ہے کہ زہد کی کسی ایک نے بھی مذمت بیان نہیں کی جبکہ تصوف کی بے شمار علمائے کرام نے مذمت و قباحت بیان فرمائی ہے جس طرح کہ آئندہ سطور میں تفصیل آ رہی ہے۔

عبدالکریم بن ہوازن قشیری[2] نے ان صوفیاء کی خاطر ''الرسالہ'' نامی کتاب ترتیب دی' اس میں نئی نئی اور عجیب وغریب باتیں ذکر کیں: فنا و بقا' قبض و بسط' وقت و حال' وجد و وجود' جمع وتفرقہ' صحو وسکر' ذوق وشرب' محو واثبات' تجلی ومحاضرہ' مکاشفۃ اللوائح' طوالع ولوامع' تکوین وتمکین اور شریعت وحقیقت وغیرہ۔[3]

ان کے علاوہ ایسی بہت سی دیگر فضولیات' جن کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے' ان الفاظ کی وضاحتیں ان سے بھی بڑھ کر عجیب ہیں۔

پھر محمد بن طاہر مقدسی[4] نے ان کی خاطر ''صفوۃ التصوف'' کتاب لکھ

---

[1] حالانکہ تصوف زہد سے الگ ایک نئی چیز ہے کیونکہ تصوف میں چند نئے عقائد' جدید افکار اور عجیب عجیب فلسفیانہ موشگافیاں وغیرہ نئے نئے امور داخل وشامل ہیں جبکہ زہد کا ان سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے تو جس کسی صاحب نے بھی زاہدوں کو تصوف کی جانب مطلق طور پر منسوب کر دیا تو اس نے ظلم ہی کیا ہے' درست بات نہیں کی۔ لیکن اس موضوع میں پوری تفصیل ہے' ان وضاحتوں اور تفصیلی بیانات کی روشنی میں جیسا کہ مصنف رحمہ اللہ ابھی بیان کریں گے۔

[2] ان کے حالات زندگی کے لیے ملاحظہ فرمائیں البدایہ والنھایہ (۱۲/ ۱۰۷)
اس کی کتاب ''الرسالة القشيرية'' انہی کے نام سے منسوب ہے۔

[3] یہ سبھی الفاظ نئے ایجاد شدہ اور خانہ زاد ہیں۔

[4] اس سے مراد ابن علی بن احمد ابو الفضل المقدسی الحافظ ہیں جو ۴۴۸ ھ میں پیدا ہوئے' انہوں نے کتب ←

ماری۔[۱] اس میں اس نے ایسی ایسی اشیاء ذکر کی ہیں جن کے تذکرے سے ایک عقلمند آدمی شرم محسوس کرتا ہے۔ ان میں سے چند ایک کا ہم ان شاء اللہ حسب موقعہ آئندہ اوراق میں تذکرہ کریں گے۔

ہمارے شیخ حافظ ابوالفضل بن ناصر فرمایا کرتے تھے: ابن طاہر جواز کے مذہب کے پیروکار تھے۔

اور یہ فرمایا: انہوں نے نوخیز بے ریش (امرد) لڑکوں کو دیکھنے کے جواز میں ایک کتاب تصنیف کی ہے اور اس کتاب میں یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے ایک حکایت نقل کی ہے' کہتے ہیں: میں نے مصر میں ایک خوبصورت دوشیزہ کو دیکھا' اللہ اس پر رحمت فرمائے! آپ سے پوچھا گیا: آپ اس کے لیے دعائے رحمت کر رہے ہیں؟ انھوں نے جواباً کہا: اللہ تعالیٰ اس پر بلکہ ہر ایک خوبصورت لڑکے پر بھی رحمت فرمائے۔

شیخ ابن ناصر نے فرمایا: ابن طاہر اس قابل نہیں کہ ان کی بات کو دلیل بنایا جائے۔

پھر ابو حامد غزالی رحمہ اللہ[۲] نے اسی قوم کے طریقے پر چلتے ہوئے ان کی خاطر ایک

← کثیرہ تالیف کی تھیں ہاں یہ بات بھی درست ہے کہ انہوں نے سماع کے جواز اور تصوف کے معاملے میں بھی کتاب لکھی ہے اس کتاب میں موصوف نے منکر روایات کی بھر مار کر دی ہے۔ یہ ۵۰۷ ھ میں فوت ہوئے تھے۔ دیکھئے البدایہ والنھایہ (۱۲/۱۷۶۔۱۷۷)

۱ مصنف رحمہ اللہ نے ''المنتظم'' (۹/۱۷۸) میں لکھا ہے:

''آپ نے ایک کتاب تصنیف کی تھی جس کا نام تھا ''صفوۃ التصوف''۔ جو بھی اسے دیکھتا ہے ہنسے بغیر نہیں رہتا۔ پڑھنے والا اس کے طرز استدلال اور انداز استشہاد سے متعجب ہو جاتا ہے جو کہ صوفیاء کے مذہب پر کاربند رہتے ہوئے کیا گیا ہے' جو کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔''

مصنف رحمہ اللہ کے نواسے نے کتاب ''مرآۃ الزمان'' (۸/۳۰) میں مصنف کے کلام کو ذکر کیا ہے۔ میں عرض کرتا ہوں' اس کتاب کے مختلف کتابوں میں مندرج اقتباسات سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اس کتاب کا حق سے تعلق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مولف کو معاف فرمائے اور اس سے درگزر فرمائے۔

۲ اس سے مراد حجۃ الاسلام زین الانام ابو حامد محمد بن محمد غزالی ہیں' جو ۴۵۰ھ میں طوس میں پیدا ہوئے تھے انھوں نے اپنی حیات کے آخری دور میں خلوت گزینی اختیار کر لی تھی اور انھوں نے اعمال خیر کی انجام دہی کے لیے اپنی تقسیم اوقات بنالی تھی۔ ان کا ہر لحہ اس طرح گزرتا تھا کہ وہ تلاوت قرآن' درس و تدریس' یا ←

کتاب ''الاحیاء'' تصنیف کی اور اس کتاب میں باطل احادیث کی بھرمار کردی اور انہیں ان کے باطل ہونے کا علم بھی نہیں تھا۔ انہوں نے علمِ مکاشفہ میں ایسی بحث کی ہے کہ خود قانون فقہ سے باہر نکل گئے۔ وہ لکھتے ہیں:

''وہ ستارے' سورج اور چاند جنھیں سیدنا ابراہیم صلوات اللہ علیہ نے دیکھا تھا وہ تو اللہ تعالیٰ کے حجاب کے انوار تھے۔''

اور ان سے مراد عام مشہور ومعروف اجرام فلکی نہیں لیتے۔ ان کا یہ کلام باطنیہ کے کلام کی جنس سے ہے!

مزید اپنی کتاب ''المفصح بالاحوال'' میں لکھتے ہیں:

''صوفیاء حالت بیداری میں فرشتوں اور انبیاء کی روحوں کو دیکھ لیتے ہیں' ان کی آواز سن لیتے ہیں اور ان سے فوائد بھی حاصل کر لیتے ہیں' پھر صورتوں کے مشاہدے سے ترقی پاتے ہوئے ان درجات عالیہ تک جا پہنچتے ہیں' جنھیں احاطہ بیان میں بھی نہیں لایا جا سکتا۔

ان لوگوں کا ایسی تصنیفات لکھنے کا سبب ان کا سنن نبوی' تعلیمات اسلام اور آثار سلف سے بے علم ہونا اور دوسرا سبب اس قوم کے طریقوں کو اچھا سمجھتے ہوئے ان کی جانب قلبی میلان رکھنا ہے۔ انھوں نے ان طریقوں کو اس لیے مستحسن سمجھ لیا تھا کہ ان کے نفوس میں زہد کی روح جاگزیں ہو چکی تھی اور انھیں اس قوم کی ظاہری صورت سے بڑھ کر کوئی اور صورت بہتر نظر نہیں آئی اور نہ ہی ان کے کلام سے بڑھ کر کوئی دوسرا کلام رقیق تر نظر آیا[1] جبکہ سیرت سلف صالحین میں ایک گونہ سختی موجود ہے۔ پھر ایک سبب یہ بھی تھا کہ عوام

← احادیث پر نظر وفکر کرنے میں گزارتے تھے جن میں صحیح بخاری بالخصوص ہوتی۔ قیام اللیل اور تہجد گزاری میں اور اہل دل کے ساتھ وابستہ رہنے میں ہی نظر آتے تھے۔

سنائی نے لکھا ہے: تقویٰ ہی آپ کی عادت اور حالت بنی رہی حتیٰ کہ آپ رحمت الٰہی کی طرف منتقل ہو گئے۔

آپ ۱۴ جمادی الآخرہ ۵۰۵ھ سوموار کی صبح کو فوت ہوئے' اس وقت آپ کی عمر ۵۵ سال تھی (دیکھیں شذرات الذہب ۴/۱۰۔۱۳' مفتاح السعادۃ ۲/۱۹۱' الوافی بالوفیات ۱/۲۷۴' طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۴/۱۰۱)

[1] اہل سنت اور ان کے داعی حضرات کو اس امر سے باخبر رہنا چاہیے کیونکہ یہ کلام انتہائی دقیق ہوتا ہے اور اسی سے بدعتی لوگوں کی پٹاری بھرپور ہے۔ ان کے پاس صحیح علم بالکل نہیں ہے۔ وہ گفتگو کو نرم وملائم اور انداز ←

الناس کا بھی ان لوگوں کی جانب کچھ زیادہ ہی رجحان تھا جس طرح کہ قبل ازیں ہم بیان کر آئے ہیں۔ کیونکہ تصوف ایک ایسا راستہ اور طریقہ ہے جس کا ظاہری حال نظافت اور عبادت گزاری پر نظر ہے جبکہ اس کے ضمن میں راحت اور سماع جیسی خوشیاں بھی پنہاں تھیں اس لیے عوام الناس کی طبیعتیں اس جانب مائل ہو جاتی تھیں۔

تصوف کے ابتدائی ایام میں صوفیاء سلاطین اور امراء سے اظہارِ نفرت کیا کرتے تھے لیکن رفتہ رفتہ وہ ان کے دوست بنتے گئے۔[1]

تصوف کے موضوع پر لکھی گئی اکثر و بیشتر تصنیفات کسی اصل کی جانب منسوب بھی نہیں ہیں بلکہ یہ چند واقعات ہیں جنہیں انھوں نے ایک دوسرے سے حاصل کر کے مدون و مرتب کر دیا ہے اور اس کا نام انھوں نے علم باطن رکھا ہے۔

اسحق بن حیہ نے کہا: میں نے خود احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سنا جب ان سے وساوس و خطرات کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا: ان موضوعات پر صحابہ کرام اور ان کے پیروکاروں نے گفتگو نہیں فرمائی۔[2]

ہمیں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ روایت پہنچی ہے کہ انھوں نے حارث محاسبی کا کلام سن کر اپنے ساتھی سے فرمایا: میں تیرے لیے ان کے پاس بیٹھنے کو اچھا نہیں سمجھتا۔

سعید بن عمرو بزوعی بیان کرتے ہیں: میں ابو زرعہ[3] کے پاس حاضر تھا۔ ان سے حارث محاسبی اور اس کی کتابوں کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے دریافت کرنے والے سے فرمایا: خبردار! اس سے اور اس کی کتابوں سے بچتے رہنا کیونکہ یہ سب کتب بدعات اور ضلالات سے بھرپور ہیں۔ تم حدیثِ رسول (ﷺ) اختیار کرو۔ تمہیں اس میں ایسا

← کو رقیق و شیریں بناتے ہیں۔ اسی فریب کاری سے وہ لوگوں کو جمع کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

1. کیونکہ وہ ان سے مداہنت برتتے ان سے تعاون کرتے اور ان کی مخالفت کرنے سے خاموشی اختیار کیے رکھتے ہیں۔

2. اور جس جس بات کی یہ حالت ہو تو بلاشبہ وہ باطل اور مردود ہے۔

3. تیسرے دور کے محدثین میں سے ثقہ آدمی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں التقریب (۲/۴۲۶)

مواد ملے گا جو ان کتابوں سے بے نیاز بنا دے گا۔

اس پر آپ سے عرض کیا گیا: ان کتابوں میں عبرت کے واقعات ہیں!

آپ نے یوں جواب دیا: جس آدمی کو کتاب اللہ میں درس عبرت نہ ملے' اس کے لیے ان کتابوں میں بھی کوئی درس عبرت نہیں ہے۔ کیا تمھیں امام مالک بن انس' امام سفیان ثوری' امام اوزاعی اور دیگر ائمہ متقدمین کے متعلق یہ باتیں پہنچی ہیں کہ انھوں نے خطرات و وساوس اور ان موضوعات پر جو ان لوگوں کی کتابوں میں ہیں کتابیں تصنیف کی ہیں؟ یہ لوگ تو ایسے ناخلف ہیں کہ انھوں نے اہل علم کی مخالفت کی ہے' کبھی ہمارے پاس حارث محاسبی کا نام لیتے ہیں اور کبھی عبدالرحیم دیبلی کا' اور کبھی حاتم اصم کی بات کرتے ہیں تو کبھی شقیق کی'

پھر فرمانے لگے: لوگ کس تیزی سے بدعات کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہیں!

ابوبکر خلال نے ''کتاب السنۃ'' میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے یہ ذکر کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: حارث سے پوری احتیاط سے خبردار رہو کیونکہ وہ جہم کے کلام کے حوالے سے تمام فسادات اور خرابیوں کی جڑ ہے۔ فلاں اور فلاں اس کی صحبت میں بیٹھے اس نے سبھی کو جہم کا ہم خیال اور ہم نوا بنا ڈالا ہے جو مدتوں سے اصحاب الکلام کا ماویٰ و ملجا بنا آ رہا ہے۔ حارث تو لوگوں کے لیے پڑاؤ ڈالے ہوئے ایک ببر شیر کی مثل ہے۔ دیکھتے رہو کب وہ لوگوں پر جھپٹ پڑتا ہے۔

اوائل صوفیاء کا کتاب وسنت پر اعتماد

اوائل صوفیاء کتاب وسنت پر بھروسا اور اعتماد رکھنے کا اقرار کیا کرتے تھے' بس ابلیس نے ان کی کم علمی کی بنا پر انھیں اپنے دامِ فریب میں پھانس لیا!

ابوسلیمان دارانی نے کہا ہے: بسا اوقات کئی کئی ایام تک اس قوم کی باتوں میں سے کوئی ایک بات میرے دل میں بھی کھٹکتی رہتی ہے لیکن میں دو شاہدان عدل یعنی کتاب و سنت کی شہادت کے بغیر اسے بالکل قبول نہیں کرتا۔

عبدالحمید حبلی بیان کرتے ہیں: میں نے سری سے سنا ہے جو یوں کہہ رہے تھے: جو علم باطن کا دعویدار ہو اور علم ظاہر کے الٹ چلتا ہو وہ غلط کار ہے۔

جنید کہتے ہیں: ہمارا یہ مذہب اصول کا پابند ہے یعنی کتاب وسنت کا۔

انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے: ہمارا علم کتاب وسنت سے وابستہ ہے۔ جس آدمی نے کتاب الٰہی اور حدیث نبوی کو لکھا اور نہ ہی اسے سمجھا تو اس کی پیروی اور اطاعت نہ کی جائے گی۔

مزید فرمایا ہے: ہم نے قیل وقال یعنی ادھر ادھر کی فضول باتوں سے تصوف نہیں لیا' بلکہ ہم نے اسے بھوک کی شدت' ترک دنیا' اور پسندیدہ اور مرغوب اشیاء سے قطع تعلق ہو کر حاصل کیا ہے۔ کیونکہ تصوف اللہ تبارک وتعالیٰ سے معاملے کو صاف بنانے کا نام ہے اور اس کی اصل دنیا سے الگ تھلگ ہو جانا ہے۔

ابو الحسین نوری نے اپنے ایک ساتھی سے کہا: جس آدمی کو تو دیکھے کہ وہ اللہ عزوجل کے ساتھ کسی ایسی حالت کا دعویٰ کرتا ہے جو اسے علم شریعت کی حدود سے نکالتی ہو تو بالکل اس کے قریب تک نہ جانا۔ اور جس آدمی کو تو دیکھے کہ کسی ایسی حالت کا دعویدار ہے جس پر کوئی دلیل بطور ثبوت موجود ہے اور نہ ہی اس پر کوئی ظاہری حفاظت ہی بطور شہادت موجود ہے تو ایسے آدمی کے دین پر تہمت لگانا۔

ابوجعفر کہتے ہیں: جو آدمی اپنے اقوال' افعال اور احوال کو کتاب وسنت کے ترازو میں نہ تولے اور نہ ہی وہ اپنے دل پر کوئی الزام لگائے تو ایسے شخص کو مردوں کے دفتر میں شمار نہ کرو۔

جب یہ حقائق ان کے شیوخ عظام کے اقوال وفرمودات سے ثابت ہو چکے ہیں کہ ان کے بعض مشائخ سے علم صحیح سے دوری کی بنا پر بہت سی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ اگر تو یہ غلطیاں واقعی ان سے سرزد ہوئی ہیں تو ان کی تردید کرنا واجب ہے کیونکہ حق بیان کرنے میں کوئی روک ٹوک نہیں ہے[1] اور اگر ایسی غلط باتیں ان کی طرف سے صحیح نہیں ہیں تو ہمیں ایسے اقوال اور ایسے مذاہب سے بالکل محتاط رہنا چاہیے خواہ وہ قول کسی بھی شخصیت سے صادر ہوا ہو۔

البتہ جو اس قوم سے مشابہت اختیار کرنے والے ہیں لیکن ان میں سے نہیں ہیں' ان کی بھی غلطیاں بہت زیادہ ہیں۔ ہم ان میں سے چند ایک غلطیوں کا بیان کریں گے جو اس

---

[1] اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت پیش کرنے میں یہ انتہائی اہم ترین اصول ہے یعنی دلائل حق کے ساتھ حق کے مخالف کا رد کرنا۔

قوم کی طرف سے ہم تک پہنچی ہیں' اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ان غلط کاروں کے غلط اقوال بیان کرنے سے صرف مقصود یہی ہے کہ شریعت کو ان اقوالِ باطلہ سے پاک صاف رکھا جائے اور انھیں شریعت میں داخل کرنے پر اظہار غیرت کیا جائے۔ ان اقوال کے قائلین اور ان افعال کے فاعلین سے ہمیں کوئی سروکار نہیں ہے' ہم تو انھیں علمی امانت سمجھتے ہوئے ادا کر رہے ہیں' اور ازل سے علمائے حق کا یہ دستور چلا آیا ہے کہ وہ بیان حق کی خاطر غلط کار کی غلطی کو بیان کرتے آئے ہیں اس سے ان کا مقصود اس غلط کار کے عیب کو نمایاں کرنا نہیں ہوتا۔

اور اگر کوئی جاہل یہ کہے کہ فلاں زاہد پر کس طرح اعتراض کیا جاسکتا ہے جبکہ وہ متبرک شخصیت ہے تو اس کے قول کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ اطاعت تو صرف ان چیزوں کی ہوگی جنھیں شریعت نے بیان کیا ہے نہ کہ اشخاص کی فرمانبرداری کی جائے گی۔ بلکہ بعض اوقات تو ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص اولیائے کرام اور اہل جنت میں سے ہو لیکن پھر بھی اس کی غلطیاں ہوسکتی ہیں۔ اس شخص کا مقام و مرتبہ اس کی لغزشوں کو بیان کرنے سے رکاوٹ نہیں بن سکتا۔

جو آدمی کسی شخص کی تعظیم کی جانب دیکھتا ہے لیکن اس کے منہ سے نکلنے والی بات کا دلیل کے ساتھ موازنہ نہیں کرتا[1] تو ایسا آدمی بالکل اس آدمی کی مانند ہے جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ظاہر ہونے والے معجزات کو تو دیکھتا ہے' خود عیسیٰ علیہ السلام کی طرف نہیں دیکھتا تو وہ ان کے متعلق الوہیت کا دعویٰ کر دیتا ہے۔ اگر وہ عیسیٰ علیہ السلام کی جانب اس نگاہ سے غور کرتا کہ آپ بھی تو کھانا کھانے کی وجہ سے زندہ ہیں تو وہ آپ کو صرف وہی مقام دیتا جس کے آپ مستحق ہیں۔

یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں: میں نے شعبہ' سفیان بن سعید' سفیان بن عیینہ اور مالک بن انس رحمہم اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا جو حدیثِ مبارکہ یاد نہیں رکھ سکتا یا حدیث کے بیان کرنے میں مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے؟ تو سبھی نے ایک ہی جواب دیا تھا: اس کے معاملے کو بیان کیا جائے۔

---

[1] کیونکہ دلیل ہی تو ایسی اساس ہے جس پر عمارت بنائی جاتی ہے' تو اگر اس ہی کی مخالفت کرنا شروع کر دے وہ صرف اپنی جان ہی کا نقصان کرتا ہے لہٰذا دلیل ہی کی جانب نظر ہونی چاہیے نہ کہ اس غلط کار کی طرف۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کسی آدمی کی مبالغہ کی حد تک تعریف کرتے پھر اس آدمی کی غلطی کو بھی ساتھ ہی بیان کر دیتے اور فرماتے یہ شخص کتنا بہترین ہوتا اگر اس میں یہ خامی نہ ہوتی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے سری سقطی کے متعلق فرمایا: شیخ ہیں اور خوش خوری میں مشہور ہیں پھر آپ کے سامنے اس کی یہ بات بیان کی گئی کہ اس نے یوں کہا ہے: جب اللہ تعالیٰ نے حروف کو پیدا فرمایا تو ''ب'' نے سجدہ کیا تو آپؒ نے فرمایا: لوگوں کو اس سے دور بھگا دو۔

اعتقاد میں تلبیسات ابلیس

ابو عبداللہ رملی بیان کرتے ہیں: ابوحمزہ[1] نے طرسوس کی جامع مسجد میں گفتگو کی، لوگ ان کی طرف لپکے آئے، ایک روز کی بات ہے کہ وہ محو کلام تھے کہ اچانک مسجد کی چھت پر ایک کوا بولا: اس پر ابوحمزہ فوراً چلا اٹھے اور یوں بولے: لبیک لبیک، تب لوگوں نے انہیں زندیقیت کی جانب منسوب کیا اور یوں کہنے لگے: حلولی ہے، زندیق ہے (ملحد اور بے دین ہے) جامع مسجد کے دروازے پر اس اعلان کے ساتھ ان کا گھوڑا بیچا گیا کہ یہ ایک زندیق اور بے دین کا گھوڑا ہے۔[2]

ابوبکر فرغانی بیان کرتے ہیں: ابوحمزہ جب بھی کسی کو بولتے ہوئے سنتے تو کہتے: ''لبیک لبیک'' تب لوگوں نے انہیں حلولی قرار دے دیا۔

سراج نے کہا ہے: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حلولیہ جماعت کے ایک گروہ کا اللہ عز و جل کے متعلق یہ اعتقاد ہے کہ اس نے کچھ اجسام کو منتخب فرما لیا ہے اور ان میں ربوبیت کے معانی کے ساتھ حلول فرما لیا ہے اور ان اجسام سے بشریت کے معانی کو زائل فرما دیا ہے، اور ان میں سے بعض کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ خوبصورت چہروں کو دیکھا جائے، اور ان میں

---

[1] ابوحمزہ سے مراد محمد بن ابراہیم بغدادی الصوفی ہیں جو ۲۶۹ھ میں فوت ہوئے تھے۔ ان کا تذکرہ ''حلیۃ الاولیا'' ۳۲۱/۱۰ میں موجود ہے۔ امام ذہبی نے ''سیر اعلام النبلاء'' ۱۶۶/۱۳ میں اس کے حالات زندگی میں یہ لکھا ہے: ''یہ ابوحمزہ کی کجیاں اور فضولیات ہیں''

[2] اسے امام ابونعیم نے ''حلیہ'' ۳۲۱/۱۰ میں ذکر کیا ہے۔

سے بعض تو اچھی صورتوں میں اللہ تعالیٰ کے حلول کر آنے کے بھی قائل ہیں۔

اور کہتے ہیں: مجھے اہل شام کی ایک جماعت کی طرف سے یہ خبر ملی ہے کہ وہ دنیا میں دل کے ساتھ دیدار الٰہی کا اسی طرح دعویٰ کرتے ہیں جس طرح آخرت میں آنکھوں سے دیدار ہو گا۔

سراج نے یوں بھی کہا ہے: مجھے یہ بھی خبر ملی ہے کہ ابو الحسین نوری کے متعلق غلام خلیل نے یہ گواہی دی ہے کہ اس نے انہیں کہتے ہوئے خود سنا ہے: میں اللہ تعالیٰ سے عشق رکھتا ہوں اور وہ مجھ سے عشق رکھتا ہے۔ نوری کا کہنا ہے: میں نے اللہ تعالیٰ کو یہ فرماتے خود سنا ہے:

﴿ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُۥٓ ﴾ (المائدہ : ۵/ ۵۴)

''وہ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اس سے محبت رکھتے ہیں''

اور عشق محبت سے زائد بھی نہیں ہے۔

قاضی ابو یعلی نے کہا ہے: حلولیہ فرقہ اس جانب گیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بھی عشق کرتا ہے۔

یہ بات تین وجہ سے جہالت پر مبنی ہے:

① نام کے اعتبار سے' کیونکہ لفظ عشق اہل لغت کے ہاں صرف اس کے لیے استعمال ہوتا ہے جس سے نکاح ہو سکے۔

② اللہ عزوجل کی صفات ہمارے ہاں منقول شدہ ہیں۔ وہ محبت تو کرتا ہے لیکن یہ بالکل نہیں کہا جا سکتا کہ وہ عشق کرتا ہے۔

③ اسے یہ کیسے پتہ چل گیا کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھتا ہے' یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔

ابو عبد الرحمٰن سلمی بیان کرتے ہیں: عمرو مکی کا یہ قول نقل کیا گیا ہے: کہ میں حسین بن منصور[1] کے ساتھ مکہ کی گلیوں میں سے تلاوت کرتا ہوا گزر رہا تھا' اس نے میری قراءت سنی تو

---

[1] اس سے مراد حلاج ہے جسے زندیقیت اور بے دینی کے سبب قتل کر دیا گیا تھا۔ اس کا نام حسین بن منصور بن محمی الحلاج ہے یا مغیث ہے۔ اس کا جد اعلیٰ فارس کا مجوسی تھا۔ یہ اجل صوفیاء کی جماعت مثلاً جنید' ◄

بولا: اس طرح کی کلام کہنا میرے لیے بھی ممکن ہے اس کے بعد میں نے اسے ملنا چھوڑ دیا۔

ابو القاسم رازی کی اسناد سے یوں منقول ہے کہتے ہیں: ابو بکر بن ممشاد نے کہا: ہمارے ہاں دینور میں ایک آدمی آیا جس کے پاس گھوڑے کو دانہ کھلانے والا ایک تھیلا سا تھا وہ شب و روز کی کسی گھڑی میں بھی وہ تھیلا اپنے سے جدا نہیں کرتا تھا۔ لوگوں نے ایک بار اس تھیلے کی تلاشی لی تو اس میں حلاج کے نام کا ایک خط موجود تھا جس کا عنوان یہ تھا: رحمٰن رحیم کی طرف سے فلاں بن فلاں کے نام۔

چنانچہ یہ خط بغداد بھیجا گیا اور پھر حلاج کو حاضر کر کے یہ خط اس کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ بولا: یہ میرا خط ہے اور میں نے بذات خود اسے تحریر کیا ہے۔

لوگوں نے پوچھا: قبل ازیں تو تو نبوت کا دعویٰ کیا کرتا تھا اب تو نے ربوبیت کا دعویٰ بھی شروع کر دیا ہے!

تو کہنے لگا: میں ربوبیت کا دعویٰ تو نہیں کرتا بلکہ یہ تو ہمارے نزدیک عین الجمع ہے (یعنی بندہ اور اللہ دونوں ایک ہیں) اس کا لکھنے والا اللہ کے سوا اور کوئی نہیں۔ بس اس میں میرا ہاتھ تو ایک آلہ اور ذریعہ ہے!

پھر حلاج سے یہ دریافت کیا گیا: کیا تیرا کوئی اور بھی ہم خیال اور ہم نوا ہے؟

تو بولا: جی: ابن عطاء ابو محمد جریری اور ابو بکر شبلی[1] پھر بولا ابو محمد جریری اور ابو بکر شبلی

← نوری اور مکی وغیرہ کا ساتھی رہا ہے۔ اکثریت نے اس کی تردید کی اور بعض نے اسے قبول کیا تھا۔ جنہوں نے اس کی نفی و تردید کی تھی ان کا کہنا تھا کہ اس کے افعال میں شعبدہ بازی اور اس کے عقائد میں زندیقیت نمایاں ہے۔ بہرحال لوگ اس کے معاملے میں گومگو اور شش و پنج کا شکار ہی رہے ہیں۔ رہا معاملہ فقہائے کرام کا تو سبھی نے اس کے حلولی باتیں کرنے کے باعث اور اللہ تعالیٰ سے اتحاد کرنے کے باعث اس کے قتل پر اجماع کیا تھا اس لیے کہ یہ اہل انحراف اور کجرو میں سے ہو گیا تھا۔ صوفیاء میں سے بہت سے اس کے اشعار اور اس کی گفتار کی شیرینی سے فریب خوردہ ہیں۔ اسے ۳۰۹ ھ میں سولی پر لٹکایا گیا تھا۔ دیکھیے البدایہ والنھایہ ۱۱/۱۳۲۔۱۴۴

[1] ان کے نام کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ یہ سامرا میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کا ماموں اسکندریہ میں نائب السلطنت تھا۔ شبلی نے خیر النساج کے ہاتھوں پر توبہ کر لی تھی۔ ان کا سن وفات ۳۳۴ھ ہے۔ دیکھیے البدایہ والنھایہ (۱۱/۲۱۵)

تو خود کو چھپائے رکھتے ہیں اور اگر کوئی اظہار کرنے والا ہے تو وہ صرف ابن عطاء ہی ہے۔[1]

چنانچہ جریری کو طلب کیا گیا اور ان سے پوچھا گیا تو وہ بولے: اس بات کا قائل تو کافر ہے۔ جو ایسا بول بولتا ہے وہ واجب القتل ہے۔

شبلی سے بھی یہی دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا: جو ایسی بات کہتا ہے اسے نظر بند کر دیا جائے۔

جب ابن عطاء سے حلاج کی اس بات کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے بھی بالکل وہی بات کہی' پھر یہی بات حلاج کے قتل کا سبب بن گئی۔

ابوعبداللہ بن خفیف سے مندرجہ ذیل اشعار کے معانی پوچھے گئے:

سُبْحَانَ مَنْ أَظْهَرَ نَاسُوْتَهُ
سِرَّ سَنَا لَاهُوْتِهِ الثَّاقِبِ
ثُمَّ بَدَا فِيْ خَلْقِهِ ظَاهِرًا
فِيْ صُوْرَةِ الْاٰكِلِ وَ الشَّارِبِ
حَتّٰى لَقَدْ عَايَنَهُ خَلْقُهُ
كَلَحْظَةِ الْحَاجِبِ بِالْحَاجِبِ

''پاک ہے وہ ذات جس کے ناسوت (یعنی عالم بشریت اور عالم مادی) نے اس کے درخشاں عالم الوہیت کی چمک دمک کے رازوں کو ظاہر کر دیا ہے۔ پھر وہی ذات اپنی خلقت میں ایک کھانے پینے والے شخص کے روپ میں کھل کر عیاں ہوئی ہے' حتیٰ کہ اس کی مخلوق نے اسے اتنے قریب سے مشاہدہ و معاینہ کر لیا ہے جیسے کہ ایک ابرو دوسرے ابرو کو قریب تر مقام سے دیکھتا ہے۔''

---

[1] یعنی اگر کوئی شخص اس باطل عقیدے کو کھل کر بیان کرنے والا ہے تو وہ ابن عطاء ہے۔ اس کا نام احمد بن محمد بن عطاء الادبی ہے' اس نے یوسف القطان اور مفضل بن زیاد وغیرہ سے حدیث بیان کی ہے اور یہ حلاج کے بعض غلط عقائد سے موافقت رکھتا تھا۔ یہ وہ شخص ہے جس پر حلاج کا معاملہ مشتبہ ہوا لیکن بعد میں اس نے اس کی موافقت کا اعلان کیا تھا' جس پر اسے سزا دی گئی۔ یہ ۳۰۹ھ میں فوت ہوا تھا۔ ملاحظہ فرمائیں البدایہ والنہایہ ۱۱/۱۴۴

تو شیخ نے جواب دیا: ان ابیات واشعار کے کہنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔
عیسیٰ بن فورک نے کہا ہے: یہ اشعار حسین بن منصور حلاج کے ہیں تو فرمانے لگے:
اگر تو یہی اس کا اعتقاد تھا تو وہ کافر ہے' وگرنہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی نے اس کے نام سے ان اشعار کو منسوب کر دیا ہو۔

تمام علمائے عصر نے حلاج کے قتل کے جواز پر اتفاق کر لیا تھا۔ سب سے اولین آدمی جس نے اس کے خون بہانے کو حلال قرار دیا' ابو عمرو القاضی تھے۔ بعد میں دیگر علمائے کرام ان سے موافقت کرتے چلے گئے۔ صرف ابو العباس بن سریج نے اس کے متعلق سکوت اختیار کیا تھا اور یوں کہا: میں نہیں سمجھ سکا کہ وہ کیا کہتا ہے۔

علمائے امت کا اجماع خطا سے محفوظ دلیل ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ اَجَارَكُمْ اَنْ تَجْتَمِعُوْا عَلٰى ضَلَالَةٍ كُلُّكُمْ))[1]

''اللہ تعالیٰ نے تمہیں کلی طور پر گمراہی پر جمع ہونے سے محفوظ فرما لیا ہے''

ابوبکر محمد بن داود فقیہ اصبہانی[2] کہتے ہیں: اگر تو اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا ہوا کلام برحق ہے تو جو باتیں حلاج کرتا ہے وہ باطل ہیں۔[3]

---

[1] جس طرح یہاں پر ہے یعنی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے تو مجھے یہ نہیں ملی' ویسے امام سخاوی نے ''المقاصد الحسنہ'' نمبر ۱۲۸۸ میں ابوبصرہ' ابو مالک اشعری' ابن عمر' انس اور ابن عباس وغیرہ سے ذکر کی ہیں۔
طبرانی نے الکبیر میں ۱۳۶۲۳' ۱۳۶۲۴ دو طرق سے عمرو بن دینار عن ابن عمر روایت کی ہے' ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' ۵/ ۲۱۸ میں لکھا ہے: ''اسے طبرانی نے دو سندوں سے روایت کیا ہے' ان میں سے ایک سند کے رجال ثقہ ہیں ماسوائے مرزوق مولیٰ آل طلحہ کے' اور وہ بھی ثقہ ہیں۔''
اور یہ حدیث صحیح ہے۔

[2] اس سے مراد ابن الفقیہ اور ماہر فنون وعلوم تھے' اس کی ''کتاب الزہرہ'' نامی ایک کتاب بھی ہے۔
ابن جوزی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: یہ ایک بچے کے پیار میں مبتلا ہو گیا تھا اس نے اپنی عفت اور دین کو اس کی محبت میں استعمال کیا' پھر زندگی بھر اس کی یہی حالت رہی تھی حتیٰ کہ اسی کی محبت ہی اس کی وفات کا سبب بنی' اس کے متعلق یہ قول زبان زد عام تھا: کہ وہ پاک دامنی کی شرط کے ساتھ اظہار عشق کا قائل تھا' یہ ماہ رمضان ۲۹۷ھ میں فوت ہوا تھا۔ دیکھئے البدایہ والنہایہ (۱۱/ ۱۱۰۔ ۱۱۱)

وہ اس پر انتہائی سخت گیر تھا۔

صرف اپنی جہالت اور فقہائے عظام کے اجماع و اتفاق کی بے پروائی کرنے کے باعث صوفیاء کی ایک جماعت حلاج کی طرف دار بن گئی تھی۔

ابراہیم بن محمد نصر آبادی بیان کرتے ہیں: اگر انبیاء اور صدیقین کے بعد کوئی آدمی موحد ہوسکتا ہے تو وہ حلاج ہے۔

میں عرض کرتا ہوں: ہمارے دور کے اکثر قصہ گو اور ہمارے زمانے کے اکثر صوفیاء کا شریعت سے بے علمی اور معرفتِ نقل سے دوری رکھنے کے باعث یہی حال ہے۔

میں نے ایک الگ کتاب میں حلاج کے واقعات جمع کر دیے ہیں۔ اس میں میں نے اس کے حیلے' اس کے خلافِ واقعہ معمولات اور اس کے متعلق علمائے کرام کے فتاوی جات کا کسی قدر احاطہ کر دیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ ہی جاہلوں کو قلع قمع کرنے میں مددگار ہے۔

مسائل طہارت میں صوفیاء پر شیطانی حملے

مسائل طہارت میں عبادت گزاروں پر ابلیسی تلبیسات کا ذکر ہم نے قبل ازیں کیا ہے مگر یہ شیطانی ہتھکنڈے صوفیاء پر کچھ زیادہ ہی ہیں۔ زیادہ پانی کے استعمال کرنے میں ابلیس نے ان کے وسوسوں کو کچھ زیادہ ہی مضبوط بنا دیا ہے حتیٰ کہ مجھے ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ سے یہ خبر ملی ہے کہ وہ رباط یعنی صوفیاء کی قیام گاہ میں داخل ہوئے' انھوں نے وہاں وضو فرمایا تو وہ لوگ کم پانی استعمال کرنے کی بنا پر تضحیک و تمسخر کرنے لگے' انھیں یہ علم نہ تھا کہ جس نے صرف ایک رطل (یعنی ۳۹۸ گرام اور ۳۴ ملی گرام) پانی سے بھی وضو کر لیا' اسے کافی ہو جاتا ہے۔

ہمیں یہ خبر بھی پہنچی ہے کہ ابو حامد شیرازی نے ایک فقیر سے کہا: تو وضو کہاں سے کرتا ہے' وہ بولا دریا سے' کیونکہ طہارت کے معاملے میں مجھے وسوسہ لاحق رہتا ہے۔ ابو حامد نے مزید یوں کہا: میں صوفیاء کے پاس کچھ عرصہ رہا ہوں یہ لوگ شیطان سے مذاق کرتے تھے' اب حالت بدل گئی ہے کہ شیطان ان سے مذاق کرتا ہے۔

نماز کے معاملہ میں صوفیاء پر حملہ

نماز کے معاملے میں ہم نے قبل ازیں عبادت گزاروں پر ابلیس کی فریب کاریوں کو بیان کیا ہے۔ اسی طریقے سے وہ صوفیاء کو بھی ورغلاتا ہے بلکہ مزید دو ہاتھ آگے تک چلا جاتا ہے۔

محمد بن طاہر مقدسی نے ذکر کیا ہے کہ ان لوگوں کی سنتوں میں کچھ ایسی منفرد سنتیں بھی ہیں جو صرف ان ہی کے ساتھ منسوب ہیں: مثلاً پیوند شدہ لباس پہننے کے بعد دو رکعت نماز ادا کرنا اور توبہ کرنا۔ انھوں نے اس عمل پر سیدنا ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کی حدیث سے حجت لینے کی فضول کوشش کی ہے جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں قبولِ اسلام کے بعد غسل کرنے کا حکم دیا تھا۔[1]

جب کوئی جاہل آدمی کسی ایسے کام کے پیچھے لگ جاتا ہے جو اس کے بس میں نہیں ہوتا تو کس قدر برا لگتا ہے۔ ثمامہ رضی اللہ عنہ تو اس وقت کفر کو چھوڑ کر اسلام لائے تھے' فقہائے کرام کی ایک جماعت کے قول کے مطابق جن میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں جب کافر اسلام قبول کرے تو اس پر غسل کرنا واجب ہوتا ہے۔

رہا مسئلہ دو رکعت نماز کی ادائیگی کا' تو کسی بھی عالمِ دین نے نومسلم کے لیے ان کو ادا کرنے کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی حدیثِ ثمامہ میں نماز کا ذکر ہے' جس پر قیاس کیا جائے۔ درحقیقت یہ عمل بدعت ہے جسے انھوں نے سنت قرار دے رکھا ہے!

پھر ان کی بری ترین باتوں میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ صوفیاء کچھ سنتوں میں دوسروں سے منفرد ہیں' یہ بات بری اس لیے ہے کہ اگر تو یہ اعمال شرع کی جانب منسوب ہیں تو تمام کے تمام مسلمان ان میں برابر ہیں' اور فقہائے عظام ان سے بخوبی آشنا ہیں'

---

[1] اسے امام بیہقی نے ''السنن الکبریٰ'' ۱/۱۷۱ میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔
یہ قصہ ''صحیحین'' میں مذکورہ شاہد کے بغیر موجود ہے۔ صحیح البخاری' الصلوٰۃ' حدیث: ۴۶۲ کے تحت یہ واقعہ مذکور ہے' نیز دیکھیے صحیح مسلم' الجہاد' حدیث: ۱۷۶۴

صرف صوفیاء کا ہی ان اعمال میں منفرد ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟ پھر تو کوئی وجہ امتیاز نہ رہی' اور اگر یہ اعمال ان کی اپنی آراء اور اقوال ہی کا شاخسانہ ہیں تو یقیناً وہ منفرد ہیں' کیونکہ یہ اعمال ان کے خانہ ساز اور خود ساختہ ہیں۔

رہائش کے معاملے میں صوفیاء پر شیطانی حملہ

رہا معاملہ خاص قیام گاہیں بنانے کا' تو زمانہ ماضی میں عبادت گزاروں کی ایک قوم نے علیحدہ بیٹھ کر عبادت کرنے کے لیے ایسی عبادت گاہیں بنائی تھیں۔ رہے یہ صوفیاء حضرات' اگرچہ ان کا اعتقاد صحیح بھی ہو پھر بھی یہ چھ وجہ سے خطا پر ہیں:

① انھوں نے ایسی قیام گاہیں بنانے میں ایک نیا کام کیا ہے۔ کیونکہ عبادت گزاری کے لیے اہل اسلام کے ہاں تو مساجد ہیں۔

② ان لوگوں نے مساجد کے بالمقابل ایسی عمارتیں بنائی ہیں جو مساجد کی رونق کو کم کرنے کا باعث ہیں۔

③ انھوں نے مساجد کی جانب کثرت اقدام کو فوت کر لیا ہے۔ یعنی دور سے مسجدوں کی طرف آنے سے خود کو محروم کر لیا ہے۔

④ ایسے الگ عبادت خانے بنانے سے انھوں نے نصاریٰ کی مشابہت کی ہے۔

⑤ انھوں نے جوانی اور شباب رکھنے کے باوجود بلاشادی رہنے کو اختیار کیا ہے حالانکہ ان کی اکثریت نکاح کی محتاج ہے۔

⑥ انھوں نے اپنے وجود کے لیے خاص نشان اور امتیازی علامات مقرر کر رکھی ہیں جو بتاتی ہیں کہ یہ زاہدوں کی جماعت ہے جس کے باعث ان کی زیارتیں ہوتی ہیں اور ان سے تبرک کا حصول ہوتا ہے۔

اور اگر ان لوگوں کا مقصود غیر صحیح ہے تو بلاشبہ ان لوگوں نے اپنے آلات موسیقی سنانے کے لیے دکانیں سجا رکھی ہیں' بے کار بیٹھ رہنے کے لیے اقامت گاہیں بنا رکھی ہیں اور اپنے زہد و ورع کو دکھانے کے لیے علامات بنا رکھی ہیں۔

ہم نے اپنی آنکھوں سے ان میں سے متاخرین کو ایسی قیام گاہوں میں فکر معاش سے

بے فکر دیکھا ہے جو ادھر رہ کر اکل وشرب، رقص وسرود، گانے اور موسیقی میں مشغول رہتے ہیں، ہر ظالم سے دنیا طلبی کی حرص رکھتے ہیں، اس امر کی چنداں پروا نہیں کرتے کہ یہ کس حرام کمائی والے کی عنایت ونوازش ہے۔

ان کی اکثر قیام گاہیں اور الگ عبادت خانے ایسے ہی ظالموں نے بنوائے ہیں اور اسی قماش کے لوگوں نے ان عبادت خانوں کے لیے اپنے حرام اموال کو وقف کر رکھا ہے۔

ابلیس نے ان لوگوں کو یوں اپنے دامِ فریب میں جکڑا ہوا ہے کہ جو کچھ تمھارے ہاں آ رہا ہے یہ تمھارا رزق ہے۔ انھوں نے اپنے نفوس سے ورع وتقویٰ کی حد بندی کو ساقط کر لیا ہے، ادھر ان کا زیادہ وقت اور ان کے ذہن کی اکثر سوچیں باورچی خانے، خورد ونوش کی متنوع اقسام اور آبِ خنک ہی پر مرکوز رہتی ہیں۔ کہاں ہے بشر (حافی) کی بھوک؟ کہاں گیا سری (سقطی) کا ورع وتقویٰ؟ اور کہاں رہ گئی جنید (بغدادی) کی متانت وسنجیدگی؟

ان لوگوں کا اکثر وقت فضول باتیں کرنے، خوش گپیاں لگانے یا دنیا دار لوگوں سے ملنے ملانے میں گزرتا ہے۔ جب کسی کو مذکورہ امور سے فراغت ملتی ہے تو اپنے سر کو اپنے اونی جبے میں ڈھانپ لیتا ہے جس کے باعث اسے سوداء (ایک دماغی مرض کا نام) کا غلبہ ہونے لگتا ہے جس کے نتیجے میں وہ یوں کہنے لگتا ہے: میرے دل نے میرے رب سے مجھے یہ حدیث بیان کی۔

حتیٰ کہ مجھے یہ خبر بھی پہنچی ہے کہ ایک شخص نے ان کی مخصوص قیام گاہ میں قرآن کریم پڑھنا شروع کیا تو انھوں نے اسے روک دیا، اور ایک جماعت نے کسی قیام گاہ میں حدیث مبارکہ پڑھنا چاہی تو ان لوگوں نے یوں جواب دے دیا: یہ جگہ حدیث شریف کے لیے موزوں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ راہ راست اور حق بات کی توفیق دینے والا ہے۔

دنیاوی اموال سے دوری میں ابلیسی دھوکا

ابلیس اوائل صوفیاء پر ان کے زہد میں صداقت کی بنا پر تلبیس اس طرح ڈالتا تھا کہ انھیں مال کا عیب دکھاتا تھا، اور انھیں مال کے شر سے ڈراتا تھا، نتیجتاً وہ مالِ دنیا سے کنارہ کش رہتے تھے، اور فقر کی بساط پر بیٹھ رہا کرتے تھے۔ ان کے مقاصد اگرچہ صالح تھے لیکن

ان کے یہ اعمال غلطی پر مبنی تھے' اور ان کا یہ حال' شرع سے دوری کی بنا پر ہے۔

رہا معاملہ دور حاضر کا' تو ابلیس کو یہ محنت بھی نہیں کرنا پڑتی کیونکہ جب کسی صوفی کے پاس مال کی بہتات ہوتی ہے تو وہ اسے فضول اور بے مقصد کاموں میں خرچ کر دیتا ہے اور اسے ضائع کرتا رہتا ہے۔

اگر اس آدمی کے پاس بقدر ضرورت موجود ہے یا اس کے پاس کوئی صنعت اور پیشہ گری ہو جس کے باعث وہ لوگوں کا دست نگر نہ ہو یا پھر اس کا مال شبہ والا تھا جسے اس نے صدقہ وخیرات کر دیا تو ان صورتوں میں تو وہ قابل ملامت نہیں ہے لیکن جب وہ سارے حلال مال کو ہی نکال دے اور پھر وہ لوگوں کے ہاتھوں میں موجود مال کا محتاج بن جائے اور اپنے اہل وعیال کو کنگال بنا دے' پھر یا تو وہ اپنے بھائیوں یا دوستوں کا دست نگر بن جائے یا ظالموں اور مال شبہ کمانے والوں کا محتاج بن جائے تو یہ فعل مذموم ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے۔

مجھے ان کم علم زاہدوں پر تو کوئی تعجب نہیں ہے جنھوں نے اپنی علمی کم مائیگی کی بنا پر ایسا کیا' تعجب تو ان لوگوں پر ہے جو صاحبانِ عقل وعلم ہونے کے باوجود اس کے مرتکب ہوئے۔ وہ کس طرح اس عمل پر آمادہ ہو گئے اور انھوں نے کس طرح دوسروں کو اس کا حکم کیا جبکہ یہ عمل عقل اور شرع سے متصادم بھی تھا؟!

حارث محاسبی نے اس ضمن میں طویل کلام ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد ابو حامد غزالی نے (رسالۃ المسترشدین) میں اسے پر زور الفاظ میں بیان کیا ہے اور ان کی مدد کی ہے۔

حارث محاسبی' ابو حامد غزالی کی نسبت میرے نزدیک زیادہ قابل عذر ہیں' کیونکہ ابو حامد غزالی تو زیادہ سمجھ دار اور صاحب علم تھے۔ بس ایک ہی بات سامنے آتی ہے کہ تصوف کی ہم نوائی نے انھیں یہ باتیں لکھنے پر مجبور کر دیا ہے۔

تنقیدی جائزہ

مذکورہ باتوں کا کئی طریقوں سے رد ممکن ہے:

مال کا مقام ومرتبہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے مال کا مقام ومرتبہ بیان فرمایا ہے اور اس کی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ اس مال کو اس نے شریف اور عزت دار بندے

کے لیے باعث قیام بنایا ہے' لہٰذا یہ مال بھی صاحب شرف ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا ﴾

(النساء : ۴/۵)

"بے عقل لوگوں کو اپنا مال نہ دے دو' جس مال کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری گزران کے قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے"

اور مزید اللہ تعالیٰ نے یہی مال سن رشد سے قبل کسی کے حوالے کرنے سے بھی منع فرمایا ہے:

﴿ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ﴾ (النساء : ۴/ ۶)

"پھر اگر ان میں تم ہوشیاری اور حسن تدبیر پاؤ تو انھیں ان کے مال سونپ دو"

نبی اکرم ﷺ سے بہ سند صحیح ثابت ہے' آپ نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔[1] آپ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

((لَأَنْ تَتْرُكَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ تَتْرُكَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ))[2]

"تو اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ کر جائے تو یہ اس حالت سے بہتر ہے کہ تو ان کو اس حال میں چھوڑ کر جائے کہ وہ لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتے پھریں"

اور آپ کا یہ بھی فرمان ہے:

((مَانَفَعَنِي مَالٌ قَطُّ كَمَالِ أَبِي بَكْرٍ))[3]

---

[1] صحیح بخاری' الزکاۃ' باب قول اللہ عز و جل لایسألون الناس الحافا حدیث : ۱۴۷۷۔
صحیح مسلم' الاقضیۃ' باب النھی عن کثرۃ المسائل من غیر حاجۃ' حدیث : ۱۲/ ۵۹۳۔

[2] صحیح بخاری' الجنائز' باب رثاء النبی ﷺ سعد بن خولۃ' حدیث : ۱۲۹۵۔
صحیح مسلم' الوصیۃ' باب الوصیۃ بالثلث' حدیث : ۱۶۲۸۔

[3] اسے امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے المقدمہ باب فضل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ حدیث: ۹۴ میں ۲/۱۵۳' ۲۵۳' ۲۶۶ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' یہ حدیث صحیح ہے' ملاحظہ فرمائیں صحیح الجامع: ۵۸۹۸

''جو نفع مجھے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے مال نے پہنچایا وہ کسی اور کے مال نے نہیں پہنچایا۔''

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری جانب یوں پیغام بھیجا:

((خُذْ عَلَيْكَ ثِيَابَكَ وَسِلَاحَكَ ثُمَّ ائْتِنِي))

''اپنا لباس زیب تن کرکے اور اپنے ہتھیار سجا کر میرے پاس آؤ''

چنانچہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا:

''میں تجھے ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجنا چاہتا ہوں' اللہ تعالیٰ تجھے صحیح سلامت رکھے گا اور تجھے مال غنیمت سے بھی نوازے گا اور میں تجھے مال میں سے مناسب حصہ دوں گا۔''

میں عرض پرداز ہوا: یا رسول اللہ! میں مالِ دنیا کی محبت کی وجہ سے تو دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوا بلکہ میں تو فقط اپنے دل میں اسلام کی رغبت و کشش کی بنا پر مسلمان ہوا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے عمرو! صالح آدمی کے لیے صالح مال کس قدر اچھا ہے''[1]

یہ صحیح احادیث ہیں جو صوفیوں کے ان عقائد کے خلاف ہیں کہ مال کی کثرت حجاب اور عقاب (سزا) ہے' اور اسے ذخیرہ کرنا توکل کے منافی ہے۔

اس بات سے انکار تو نہیں کیا جا سکتا کہ اس مال و دولت کے فتنے سے ہمیشہ ڈرنا چاہیے' اسی لیے صرف اور صرف اس کے فتنے کے خوف کے پیش نظر اللہ کے بہت زیادہ نیک بندوں نے اس مال سے پہلو تہی اور دست کشی کی روش اختیار کیے رکھی ہے دوسری یہ حقیقت بھی ہے کہ اس مال کو جائز ذرائع سے جمع کرنا بھی قدرے مشکل ہے اور اس کے فتنے سے دل کا سلامت رہنا بھی مشکل ہے۔ اس مال کی موجودگی میں دل کا یادِ آخرت میں مشغول ہونا بھی بہت کم ہے' اسی لیے اس کے فتنے کا خوف لاحق رہتا ہے۔

رہا مسئلہ مال کو کمانے کا؟ تو جو آدمی حلال ذرائع سے بقدر ضرورت اور حسب کفایت

---

[1] اسے امام احمد نے اپنی مسند ۴/۱۹۷' ۲۰۲ میں' امام حاکم نے ۲/۲ میں اور ابن حبان نے ۱۰۸۹ میں انہی سے روایت کیا ہے' اس حدیث کی سند حسن ہے۔

کمانے پر ہی اکتفا کرتا ہے تو بلاشبہ یہ چیز ضروری ہے اور جو آدمی حلال ذرائع ہی سے اسے جمع کرنے اور بڑھانے کا قصد رکھتا ہے تو ہم اس کے مقصد اور ارادے کو دیکھیں گے' اگر تو وہ مال و دولت کے حصول سے فقط فخر و بڑائی کا ارادہ رکھتا ہے تو انتہائی برا مقصود ہے اور اگر اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال کی عفت اور پاک دامنی کا ارادہ رکھتا ہے اور حوادث زمانہ کے ڈر سے اپنی جان اور ان کی جانوں کی خاطر ذخیرہ کرتا ہے' یا اپنے مسلمان بھائیوں پر وسعت کا ارادہ رکھتا ہے یا فقراء کی مالی امداد کرنا چاہتا ہے یا اعمال خیر سرانجام دینا چاہتا ہے' تو اسے ایسے نیک ارادوں پر ثواب ملے گا' بلکہ اس کا ایسی ہی نیک نیتوں کے ساتھ مال جمع کرنا بہت سی دیگر نیکیوں سے افضل بھی ہوگا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی مالِ ذخیرہ کرنے میں ایسی ہی نیک نیتوں کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ اس مال کو ذخیرہ رکھنے میں ان کے مقاصد اچھے اور نیک تھے۔ اسی بنا پر وہ اس مال کے جمع کرنے پر حریص بھی تھے اور اس کی زیادتی اور فراوانی کے لیے دعا گو بھی تھے۔

سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے جب آپ سے یہ عرض کی تھی:

﴿ وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ﴾ (یوسف: ۱۲/ ۶۵)

"(ابا جان! ہمارے بھائی بنیامین کو بھی ہمارے ساتھ مصر بھیج دو' اس طرح ہم) ایک اونٹ کا پیمانہ (غلہ و اناج) زیادہ لائیں گے۔"

تو سیدنا یعقوب علیہ السلام بھی اس طرف مائل ہو گئے اور انھوں نے اپنے بیٹے بنیامین[1] کو ان کے ساتھ روانہ فرما دیا تھا۔

سیدنا شعیب علیہ السلام نے بھی (موسیٰ علیہ السلام سے معاہدہ کرتے وقت) حاصل ہونے والے نفع کی زیادتی کی حرص کی تھی[2] اور یوں فرمایا تھا:

---

[1] یہ نام ان ناموں میں سے ہے جو اسرائیلی روایات میں وارد ہیں۔

[2] شیخ مدین کا شعیب علیہ السلام ہونا کسی قابل اعتماد دلیل سے ثابت نہیں ہے' بلکہ اس کا خلاف راجح ہے۔ اس مسئلہ پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ایک چھوٹا سا رسالہ بھی ہے جس میں آپ نے دلائل سے ثابت کیا ہے ←

﴿ فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِندِكَ ﴾ (القصص : ۲۸/ ۲۷)

''(میں نے آپ سے کہا تو یہ ہے کہ اگر آپ آٹھ سال بکریاں چرائیں گے تو اپنی بیٹی کی شادی آپ سے کر دوں گا' لیکن) ہاں اگر آپ دس سال پورے کریں تو یہ آپ کی طرف سے بطور احسان ہوگا''

اور سیدنا ایوب علیہ السلام کو جب تندرستی مل گئی اور آپ پر سونے کی ٹڈیاں گرنے لگیں تو آپ انھیں اپنے کپڑے میں جمع کرنے لگے۔ آپ کے پروردگار نے آپ کو پکارا اور کہا: اے ایوب! کیا تو ابھی سیر نہیں ہوا؟ تو عرض کرنے لگے: صحیح ہے اے میرے پروردگار! لیکن تیری برکت سے کس طرح بے پروا ہوسکتا ہوں۔![1]

قصہ مختصر' مال کو جمع کرنا ایسا طبعی امر ہے جسے قدرتی طور پر طبیعتوں میں رکھ دیا گیا ہے' اس مال و دولت کو نیکی کے کاموں میں خرچ کرنے کی نیت کی جائے تو یہ مال خیر و بھلائی کا باعث ثابت ہوگا۔

رہی محاسبی کی گفتگو تو وہ غلطی پر ہے اور اس کے جاہل ہونے کا ثبوت فراہم کر رہی ہے۔ اس کا یہ کہنا کہ ''اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مال جمع کرنے سے منع فرمایا ہوا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو مال جمع کرنے سے روکا ہے'' تو یہ محال ہے کیونکہ اس (منع کرنے) سے مراد برے ارادے اور غلط نیت سے مال جمع کرنا مقصود ہے یا پھر نا جائز و حرام ذرائع سے جمع کرنا مراد ہے۔

اس کا یہ کہنا کہ ''حلال مال کو ترک کرنا اس کے جمع کرنے سے زیادہ افضل ہے'' تو یہ بھی ایسا نہیں ہے بلکہ جب مقصود مراد درست ہو تو علمائے کرام کے نزدیک اس مال کو جمع کرنا بلا اختلاف افضل ہے۔

← کہ ان کا نام ''شعیب علیہ السلام'' نہیں بلکہ ''یثرون'' وغیرہ ہے۔ نیز دیکھئے تفسیر ابن جریر (۲۰/ ۳۹-۴۰) جہاں تک میں سمجھا ہوں اس اشتباہ کی وجہ صرف شہر ''مدین'' ہے۔ واللہ اعلم (کاشف)

[1] صحیح بخاری' احادیث الانبیاء' باب قول اللہ تعالیٰ: وایوب اذ نادی ربہ انی مسنی الضر' حدیث : ۳۳۹۱۔

یہ فقہائے کرام کا مذہب ہے' مجھے ابو حامد غزالی کے سکوت کرنے پر بلکہ اس کی حکایت کردہ بات کی تائید کرنے پر بڑا تعجب ہو رہا ہے۔ وہ کس طرح کہہ سکتا ہے کہ مال کا نہ ہونا' ہونے سے بہتر ہے' اگرچہ انسان نیکی کے کاموں اور اعمال خیر ہی میں خرچ کرتا ہو' اگر وہ اس کے برخلاف قول پر اجماع کا دعویٰ کرتا تو وہ صحیح ہوتا۔ صرف اس کے تصوف نے اس کے فتویٰ کو تبدیل کر دیا ہے۔

امام مروزی بیان کرتے ہیں: میں نے ایک آدمی کو ابو عبداللہ سے یہ کہتے ہوئے سنا: بلاشبہ میں کفایت میں ہوں یعنی میرے پاس بقدر ضرورت روزی موجود ہے۔ تو فرمانے لگے: بازار کو لازم اختیار کرو' اس کے باعث تو صلہ رحمی اور بیماروں کی عیادت کر سکے گا۔

محاسبی کا یہ کہنا کہ مرید کو چاہیے کہ وہ اپنے مال سے بالکل الگ تھلگ ہو جائے' ہم قبل ازیں بیان کر آئے ہیں۔ اگر تو وہ مال حرام کا ہو یا اس میں شبہ ہو یا کوئی قلیل مال پر ہی یا اپنے کسب پر ہی (صبر و شکر کے ساتھ) قناعت اختیار کرے تو اس کے لیے تو جائز ہے کہ وہ مال سے الگ تھلگ ہو جائے۔ اگر مذکورہ صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ ایسا کرے' رہا معاملہ ثعلبہ کا تو اسے مال نے ضرر نہ پہنچایا تھا بلکہ اسے تو بخل بے جا اور حد سے زائد کنجوسی نے نقصان پہنچایا تھا۔[1]

رہے انبیائے کرام علیہم السلام تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس کھیت بھی تھے اور مال بھی' اسی طرح سیدنا شعیب علیہ السلام اور دوسرے انبیائے کرام کے پاس بھی یہ مال و دولت موجود تھا۔ سیدنا سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: جو آدمی اپنے قرضے ادا کرنے کے لیے' اپنی

---

[1] سیدنا ثعلبہ بن حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ کا یہ جو مشہور قصہ ہے یہ سند کے لحاظ سے درست ہے نہ متن کے اعتبار سے' کیونکہ اس کی تین سندیں ہیں اور وہ نہایت کمزور اور واہی ہیں' اور متن کے لحاظ سے بھی یہ ناقابل قبول ہے اور اس کے چھ جوابات دیے گئے ہیں' جن کو فضیلۃ الشیخ سلیم ہلالی حفظہ اللہ نے اپنے رسالے "الشهاب الثاقب في الذب عن الصحابي الجليل ثعلبة بن حاطب رضی اللہ عنہ" میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ نیز سیدنا ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں اور بدری صحابہ کرام کی فلاح اور فضیلت کا کوئی بھی منکر نہیں۔ بہر حال اس رسالے کا ضرور مطالعہ فرمائیے۔

آبرو اور عزت محفوظ رکھنے کے لیے' اور اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی رکھنے کے لیے مال طلب نہیں کرتا' اس میں کوئی خیر ہی نہیں ہے۔ اگر ایسا آدمی فوت ہو جائے تو اس قرضے کو پسماندگان کے لیے میراث چھوڑ جائے گا۔ اور خود سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے اپنے بعد چار سو دینار ترکہ چھوڑا تھا۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ نے دو سو ترکہ چھوڑا تھا اور یوں فرمایا کرتے تھے: دور حاضر میں مال تو اسلحہ ہے۔ اسلاف تو ہمیشہ سے مال کی مدح سرائی کرتے اور اسے آفات و حادثات کے لیے اور فقراء و مساکین کی مالی اعانت کرنے کے لیے جمع کرتے آئے ہیں' اور ان میں چند لوگوں نے اس مال سے بنا بریں علیحدگی اختیار کیے رکھی تھی' تاکہ عبادات میں زیادہ مشغولیت رکھیں اور دلجمعی سے کام کرتے رہیں' اس لیے وہ تھوڑے پر ہی قانع رہے۔ اگر یہ قائل یعنی محاسبی یوں کہہ لیتا کہ "مال کو کم رکھنا زیادہ بہتر ہے" تو کسی حد تک بات مناسب ہوتی لیکن اس نے تو اسے گناہ کے درجے میں داخل کر دیا ہے۔

یہ بات بھی ذہن نشین فرما لیں کہ فقر و محتاجی ایک مرض ہے جو کوئی اس مرض میں مبتلا ہو' پھر اظہار صبر کرے اسے بوجہ صبر ثواب ملے گا اور یہ بات بھی یاد رکھیں کہ مال ایک نعمت ہے اور نعمت شکریہ ادا کرنے کی محتاج ہے۔ مالدار آدمی اگر مال کے جائز استعمال میں اپنے آپ کو تھکا دیتا ہے' اور اپنے آپ کو نیک امور میں لگائے رکھتا ہے' تو وہ ایک مفتی اور مجاہد کی مانند ہے اور ایک فقیر و کنگال ایک گوشہ نشین کی مثل ہے۔

ابو عبدالرحمٰن سلمی نے کتاب "سنن الصوفیہ" میں ان الفاظ کے ساتھ یہ باب باندھا ہے:

((بَابُ كَرَاهِيَةِ أَنْ يُّخَلِّفَ الْفَقِيرُ شَيْئًا))

"اس بات کا بیان کہ فقیر کا اپنی وراثت میں کوئی چیز چھوڑنا مکروہ ہے"

پھر اس میں اہل صفہ میں سے اس ایک صحابی کی حدیث بیان کی ہے جو اپنے ترکہ میں دو دینار چھوڑ گیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: یہ دو داغ ہیں۔[1]

یہ اس آدمی کی دلیل ہے جو حقیقت حال کو نہیں سمجھتا' کیونکہ وہ فقیر صحابی تو فقراء سے

---

[1] صحیح حدیث ہے' اسے امام احمد نے اپنی مسند میں ۱/۱۰۱ اور ۵/۲۵۲ میں روایت کیا ہے۔

مزاحمت کے ساتھ مال صدقہ لیتا تھا اور جو اپنے پاس ہوتا تھا اسے رکھ چھوڑتا تھا' اس لیے نبیٔ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: ''یہ دو داغ ہیں۔'' اگر صرف ''ترکہ'' چھوڑنا ہی مکروہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے یہ نہ فرماتے:

((اِنَّكَ اِنْ تَذَرْ وَرَثَتَكَ اَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ))[1]

''بلاشبہ تو اگر اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑے تو یہ اس بات سے بہتر ہے کہ تو انھیں ایسا کنگال چھوڑ جائے جو لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتے پھریں''

اور پھر صحابۂ کرام میں سے کوئی بھی اپنے پیچھے کوئی چیز نہ چھوڑتا۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کرنے پر رغبت دلائی تو میں اپنا نصف مال لے آیا'

رسول اکرم ﷺ نے دریافت کیا:

((مَآ اَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ ؟))

''تو نے اپنے اہل وعیال کے لیے کیا باقی چھوڑا ہے؟''

میں نے عرض کی: اتنا ہی مال گھر میں چھوڑ آیا ہوں۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: اس حدیث میں جاہل صوفیاء کے قول کے باطل ہونے کی دلیل موجود ہے' جو یوں کہتے ہیں کہ کسی انسان کے لیے اپنے کل کے لیے کوئی چیز ذخیرہ رکھ لینا جائز نہیں ہے' ایسا کرنے والے نے اپنے پروردگار کے متعلق برا گمان رکھا ہے اور اس نے کماحقہ توکل کا حق ادا نہیں کیا۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے یہ لکھا ہے: اسی طرح رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان گرامی:

---

[1] اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

[2] سنن ابی داود' الزکاۃ' باب فی الرخصة فی ذلك' حدیث: ۱۶۷۸۔

سنن ترمذی' المناقب' باب فی مناقب ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما' حدیث: ۳۶۷۵۔

((اتَّخِذُوا الْغَنَمَ، فَإِنَّهَا بَرَكَةٌ))[1]

''تم بکریاں پالو' کیونکہ ان میں برکت ہے''

اس میں بھی ان صوفیاء کے قول کا جھوٹا ہونا واضح ہو رہا ہے جو گمان رکھتے ہیں کہ بندے کا اپنے رب پر توکل صرف اس صورت میں درست ہو سکتا ہے کہ وہ اس حال میں صبح کرے کہ اس کے پاس کوئی مادی چیز اور کوئی روپیہ پیسہ موجود نہ ہو' اسی طرح شام کو بھی اس کی یہی حالت ہو' کیا آپ کے علم میں نہیں ہے کہ کس طرح رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کی خاطر سال بھر کا غلہ ذخیرہ فرما لیا کرتے تھے۔[2]

صوفیاء کے انداز توکل کا تنقیدی جائزہ

بعض لوگ اپنے پاکیزہ مالوں کو چھوڑ بیٹھتے ہیں اور پھر لوگوں سے صدقات و خیرات مانگنے لگتے ہیں حالانکہ صدقات لوگوں کے مالوں کی میل کچیل ہوتی ہے۔ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ کسی انسان کی ضروریات و حاجات تو کبھی ختم نہیں ہوتیں اور عقلمند شخص اپنے مستقبل کے لیے تیاری کرتا ہے۔ ان لوگوں کی مثال جو اپنے ابتدائے زہد میں اپنے مالوں سے دست بردار ہو جاتے ہیں بالکل ویسی ہے جو مکہ مکرمہ کے راستے میں سیراب ہو کر پانی پی لیتا ہے اور پھر اپنے پاس موجود باقی پانی کو پھینک دیتا ہے۔

میں نے بذات خود ابو الوفاء ابن عقیل کے ہاتھ کی تحریر سے نقل کیا ہے' اس نے لکھا اور ابن شاذان نے کہا: صوفیاء کی ایک جماعت شبلی کی خدمت میں حاضر ہوئی' انھوں نے کسی صاحب ثروت شخص کے پاس اپنے ایک آدمی کو مال طلب کرنے کے لیے بھیجا تاکہ وہ ان مہمانوں پر ان کی خاطر مدارات اور خدمت کرے' یعنی ان کے کھانے پینے پر مال کو صرف کرے' لیکن اس مالدار آدمی نے قاصد کو یہ کہہ کر واپس بھیج دیا: اے ابوبکر! آپ تو حق

---

[1] اسے خطیب ۷/۱۱ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث سنن ابن ماجہ' التجارات' باب اتخاذ الغنم' حدیث ۲۳۰۴ میں دوسری سند سے دوسرے الفاظ سے بھی موجود ہے اور وہ بھی صحیح حدیث ہے۔ مزید دیکھیں صحیح الجامع' ص ۸۲

[2] صحیح بخاری' النفقات' باب حبس الرجل قوت سنة علی اهله' حدیث: ۵۳۵۷۔
صحیح مسلم' الجهاد' باب حکم الفئی' حدیث: ۱۷۵۷۔

پرست اور عارف باللہ آدمی ہیں' آپ اس (رب) ہی سے کیوں نہیں مانگ لیتے؟ انھوں نے دوبارہ قاصد کو یہ کہہ کر بھیجا' کہ اس کے پاس جاؤ اور اسے کہو! دنیا ایک گھٹیا چیز ہے اور میں اس گھٹیا چیز کو آپ جیسے گھٹیا شخص ہی سے مانگ رہا ہوں اور صاحبِ حق سے حق ہی کا طلب گار ہوں۔ اس پر اس مالدار نے ایک سو دینار ارسال کر دیے!

ابن عقیل کہتے ہیں: اگر تو اس صاحبِ ثروت نے اس برے جواب یا ایسی ہی کسی دیگر بات سے متاثر ہو کر سو دینار ارسال کیے ہیں تو بلاشبہ شبلی نے خبیث رزق خود بھی کھایا اور اسی سے اپنے مہمانوں کو بھی کھلایا۔

ایک صوفی کے پاس کچھ دنیوی سرمایہ موجود تھا' اس نے سارا ہی خرچ کر ڈالا اور کہنے لگا: میں اپنا پورا اعتماد اور بھروسا اللہ تعالیٰ پر رکھنے کے لیے ایسا کر رہا ہوں۔

یہ اس کی قلت فہم ہے کیونکہ ایسے لوگوں کا گمان ہے کہ توکل قطع اسباب اور دنیوی مال و متاع کو اپنے سے دور کرنے کا نام ہے۔ اگر یہ حضرات توکل کے صحیح معنی اور مطلب کو سمجھ لیتے کہ اس کا اصل معنی تو دل کا اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد کرنا ہے' صرف ظاہری اسبابِ دنیا کو اپنے سے دور ہٹانے کا نام توکل نہیں ہے تو یہ لوگ گری ہوئی سطحی باتیں نہ کرتے' لیکن افسوس کہ ان لوگوں کا فہم اور سمجھ ہی اتنی ہے! حالانکہ بڑے بڑے صحابۂ کرام اور کبار تابعینِ عظام تجارت کیا کرتے اور مال جمع رکھا کرتے تھے' ان میں سے تو کسی ایک نے بھی ایسی بات نہیں کہی۔

ہمیں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ روایت ملی ہے کہ جب انھیں خلافت کے معاملات میں مصروفیت کی بنا پر یہ عرض کیا گیا کہ آپ کمائی کرنا چھوڑ دیں تو آپ نے فرمایا تھا: میں اپنے اہل و عیال کو کہاں سے کھلاؤں گا؟[1]

صوفیاء کے ہاں ایسا قول منکر اور برا ہے' وہ ایسی بات کہنے والے کو توکل کی حدود سے باہر نکال دیتے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ یہ کہنے والے پر بھی اعتراض کرتے ہیں: یہ کھانا

---

[1] صحیح بخاری' البیوع' باب کسب الرجل وعملہ بیدہ' حدیث: ۲۰۷۰' طبقات ابن سعد (۳/ ۱۳۰)

میرے لیے نقصان دہ ہو سکتا ہے!

مال میں صوفیاء کا زہد

ہم نے اس سے قبل اس چیز کی وضاحت کر دی ہے کہ اوائل صوفیاء زہد اختیار کرتے ہوئے اپنے اموالِ دنیوی سے الگ تھلگ ہو جاتے تھے' اور ہم نے یہ بھی ذکر کر دیا ہے کہ اس سے ان کا مقصود صرف اور صرف خیر اور نیکی کا حصول ہی تھا' لیکن ان سے اس فعل میں غلطی سرزد ہو گئی' جس طرح کہ ہم نے ان کے اس فعل کے خلافِ شرع اور خلافِ عقل ہونے کا ذکر کر دیا ہے۔

رہے ان کے بعد والے' تو وہ دنیا کی جانب مائل ہو گئے' انھوں نے صرف اپنے آرام و راحت کو ترجیح دیتے ہوئے اور اپنی شہوات و خواہشات کو پورا کرتے ہوئے دنیوی مال سمیٹنا شروع کر دیا خواہ وہ کسی بھی طریق سے ہو۔

حالانکہ ان لوگوں میں ایسے حضرات بھی موجود ہیں جو خود کمائی کر سکنے کی ہمت و قدرت اور طاقت رکھتے ہیں لیکن باوجود اس ہمت کے ایسا نہیں کر رہے' بس اپنی قیام گاہ یا مسجد ہی میں بیٹھے لوگوں کے صدقات و خیرات پر بھروسا کیے رہتے ہیں۔ (یعنی ان کی نظر ہمیشہ لوگوں کے زکوٰۃ و صدقات وغیرہ پر رہتی ہے اور اس انتظار میں رہتے ہیں کہ کوئی آئے اور کچھ نہ کچھ خیرات جھولی میں ڈال جائے) اس صورت حال میں ان کا دل ''دروازے کی دستک'' ہی کا منتظر رہتا ہے۔

یہ بات معلوم شدہ ہے کہ صدقہ غنی کے لیے حلال ہے اور نہ ہی کسی صحت مند طاقت ور کے لیے۔[1] یہ لوگ اس بات کی بھی کوئی پروا نہیں کرتے کہ اسے کس نے بھیجا ہے' بسا اوقات یہ مال کسی ظالم اور ناجائز آمدنی والے[2] کا بھیجا ہوا ہوتا ہے' لیکن اسے بھی یہ لوگ واپس نہیں کرتے۔

---

[1] سنن ابی داود' الزکاۃ' باب من یعطی من الصدقۃ وحد الغنی' حدیث: ۱۶۳۴۔
سنن ترمذی' الزکاۃ' باب ما جاء من لا تحل لہ الصدقۃ' حدیث: ۶۵۲۔

[2] آج کل اس کمائی کے بالکل مشابہ ٹیکس والی کمائی ہے۔

اس سلسلے میں انھوں نے باہم چند اصطلاحیں اور خاص الفاظ وضع کر رکھے ہیں: کسی نے اس صدقے کا نام "فتوح" رکھا ہوا ہے۔[1]

کوئی کہتا ہے: ہمارا رزق ہم تک لازماً پہنچ کر رہنا ہے۔

کسی کا کہنا ہے: یہ من جانب اللہ ہے' اسے واپس نہیں لوٹایا جا سکتا' ہم اس پر کسی اور کا شکریہ بھی تو ادا نہیں کر رہے۔

یہ سب باتیں خلافِ شریعت ہیں' اور شریعت سے جہالت و لاعلمی کا واضح ثبوت ہیں۔ جن پر سلف صالحین کار بند تھے' وہ سب امور ان کے برعکس تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

((اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ، وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ، لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ، اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ))[2]

"حلال واضح اور حرام بھی بالکل واضح ہے' اور ان دونوں کے درمیان مشابہ چیزیں اور امور ہیں' جنھیں لوگوں کی کثرت بالکل نہیں جانتی' لہٰذا جو شبہ والی اشیاء سے بچ کر رہا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ رکھا"

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تو شبہ کا لقمہ کھانے کے فوراً بعد قے کر دی تھی۔ اور سلف صالحین تو ظالم کا عطیہ بھی قبول نہیں فرماتے تھے' اور نہ ہی اس آدمی سے کوئی چیز قبول کرتے تھے جس کے مال میں شبہ ہوتا۔ اسلاف کا تو یہ معمول تھا کہ عفت و طہارت قلبی کی خاطر بھائیوں کا انعام اور عطیہ بھی قبول نہیں فرماتے تھے۔

ابوبکر مروزی بیان کرتے ہیں: میں نے امام ابوعبداللہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ایک محدث کا تذکرہ کیا' تو آپؒ نے ارشاد فرمایا: وہ کتنا ہی خوب آدمی ہوتا اگر اس میں یہ خامی نہ ہوتی' پھر کچھ دیر سکوت فرمایا' پھر یوں گویا ہوئے: کوئی آدمی تمام خصائل و محاسن کو مکمل طور پر حاصل نہیں کر سکتا۔

---

[1] یہ شیطانی فتوح ہے' جس طرح گزشتہ اوراق کے "حواشی" میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔

[2] صحیح مسلم' المساقاۃ' باب اخذ الحلال و ترک الشبہات' حدیث: ۱۵۹۹
صحیح بخاری' الایمان' باب فضل من استبرا لدینہ' حدیث: ۵۲

میں نے آپ سے عرض کی: کیا وہ صاحبِ سنت یعنی سنت کے کاربند نہیں تھے؟

فرمانے لگے: مجھے قسم ہے! میں نے اس سے حدیث تو لکھی ہے لیکن اس میں ایک عادت یہ تھی کہ وہ اس چیز کی بالکل پروا نہیں کرتے تھے کہ کس سے روایت لے رہے ہیں۔

ہمیں یہ خبر بھی پہنچی کہ ایک صوفی کسی ظالم امیر کے ہاں آیا اور اسے وعظ و نصیحت کی۔ اس امیر نے صوفی صاحب کو کچھ بطور عطیہ پیش کیا تو صوفی صاحب نے قبول کرلیا۔

امیر صاحب بولے: ہم سبھی صیاد (شکاری) ہیں' صرف ہمارے جال ہی مختلف ہیں۔

دنیا کی جانب میلان طبع رکھنے میں ان لوگوں کی خودداری اور غیرت کہاں چلی گئی ہے' حالانکہ نبیٔ اکرم ﷺ نے تو یوں فرمایا ہوا ہے:

((اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی))[1]

''اوپر والا ہاتھ (خیرات کرنے والا) نچلے ہاتھ (خیرات وصول کرنے والے سے) بہتر ہے''

''الید العلیا'' سے مراد دینے والا' جس طرح کہ علمائے کرام نے اس کی تفسیر بیان کی ہے[2] اور یہی حقیقت ہے' تو ان کے بعض ہم خیالوں نے اس کا معنی بیان کیا ہے کہ ''العلیا'' سے مراد لینے والا ہاتھ ہے۔

ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: میرے خیال میں یہ تفسیر صرف ان لوگوں کی ہے جو بھیک مانگنے پر راضی ہیں۔

ان صوفیاء کے بڑے اپنے ذرائع آمدنی پر نگاہ رکھا کرتے تھے کہ کس ذریعہ سے مال آ رہا ہے اور وہ لوگ اپنے کھانے کی بھی تفتیش کیا کرتے تھے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سری سقطی کے متعلق پوچھا گیا (جیسا کہ قبل ازیں بھی بیان ہو چکا ہے) تو آپ نے فرمایا: وہ شیخ اچھے (بہترین وعمدہ اورلذیذ) کھانے پینے کا

---

[1] صحیح بخاری' الزکاۃ' باب لاصدقۃ الا عن ظھر غنی' حدیث : ۱۴۲۶
صحیح مسلم' الزکاۃ' باب کراھۃ المسالۃ للناس' حدیث : ۱۰۴۲

[2] یہی بات حدیث مبارکہ میں بھی مرفوعاً وارد ہے لیکن یہ مدرج ہے جس طرح کہ سخاوی نے ''تخریج الاربعین السلمیۃ'' (ص ۱۰۷) میں فرمایا ہے۔

اہتمام رکھنے میں مشہور ہیں۔

سری نے فرمایا ہے: میں ایک جماعت کے ہمراہ جہاد کے لیے گیا' ہم نے ادھر ایک مکان کرائے پر لے لیا' میں نے اس میں ایک تنور لگایا' لیکن ان لوگوں نے بغرض زہد و ورع اس تنور کی روٹی کھانے سے پرہیز کیا۔ البتہ زمانہ حال کے صوفیاء نے جو نئی روش اختیار کر لی ہے کہ اپنے ذریعہ آمدنی پر کچھ نگاہ ہی نہیں رکھتے' یہ واقعتاً اسی طرح ہے۔[1]

میں بذات خود ایک صوفی کی قیام گاہ میں داخل ہوا' میں نے اس سے اس کے شیخ کے متعلق پوچھا تو مجھے جواب دیا گیا: وہ تو فلاں امیر کو خلعت[2] ملنے پر ''ہدیہ تبریک'' پیش کرنے گئے ہوئے ہیں' حالانکہ وہ امیر بڑے ظالموں میں سے تھا۔ میں نے کہا: تم پر افسوس ہے! تم نے یہاں تو دکان کھولی ہی تھی' مزید تم نے سامان کے حصول کی خاطر سردارانِ قوم کے پاس بھی جانا اور ان کے طواف کرنے شروع کر دیے ہیں۔ تم میں سے ایک آدمی کمائی کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا صرف صدقات و عطیات پر بھروسا کیے رہتا ہے۔ پھر اسے اس پر بھی صبر نہیں آیا حتیٰ کہ جس سے جی چاہا' لینا شروع کر دیا۔ پھر اس پر بھی اکتفا نہ کیا حتیٰ کہ ظالموں کے در دولت کے چکر لگانا شروع کر دیے۔ ان سے عطیات کی امیدیں وابستہ کیے بیٹھے ہو' انھیں ان ملبوسات اور خلعتوں کی مبارک بادیں دینے جاتے ہو جو جائز ہی نہیں ہیں اور ایسی سرداریوں اور حکومتوں کی مبارک بادیں دینے پہنچتے ہو جو عدل پر قائم ہی نہیں ہوئیں۔ قسم اللہ کی! تم تو اسلام کو ہر نقصان پہنچانے والے سے بڑھ کر نقصان پہنچانے والے ہو۔

اس جماعت کے بعض بڑوں نے شبہات والا مال سمیٹنا اور پھر اسے تقسیم کرنا بھی شروع کر رکھا ہے۔ ان میں سے کئی تو ایسے ہیں جو کثرتِ مال رکھنے کے باوجود زاہد ہونے کے دعوے دار ہیں اور کثیر مال جمع کرنے کی حرص و ہوس بھی لیے بیٹھے ہیں۔ یہ دعویٰ تو

---

[1] دور حاضر کے صوفیاء پر تو اس سے بھی بڑھ کر تعجب ہے جو کہ مصنف رحمہ اللہ کے زمانے سے تقریباً ایک ہزار سال بعد کے ہیں۔

[2] خلعت ایسا لباس ہوتا ہے جو کسی آدمی کو کوئی خدمت سرانجام دینے یا کوئی خاص کارنامہ سرانجام دینے پر پہنایا جاتا ہے۔

بالکل اس کی حالت کے متضاد ہے۔

اور ان میں سے کئی ایسے ہیں جو مال سمیٹنے کے ساتھ ساتھ فقر کو بھی ظاہر کرتے رہتے ہیں۔

بلکہ ان لوگوں کی کثیر تعداد کا یہ حال ہے کہ وہ مال زکوٰۃ تو خود وصول کر لیتے ہیں' حقدار فقراء و مساکین پر تنگی (اور دوسرے مسائل) پیدا کر دیتے ہیں' جبکہ یہ زکوٰۃ لینا ان کے لیے کسی صورت بھی جائز نہیں ہے۔

لباس کے معاملے میں صوفیاء پر حملہ

جب اس قوم کے ابتدائی لوگوں نے سنا کہ نبی کریم ﷺ اپنے لباس میں پیوند لگایا کرتے تھے[1] اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے کپڑوں میں بھی بہت سے پیوند ہوا کرتے تھے' اویس قرنی رحمہ اللہ[2] کوڑا کرکٹ کے ڈھیروں سے پرانے کپڑے اٹھا کر انھیں دریائے فرات میں دھوتے اور پھر انھیں پہن لیتے تھے' تو ان لوگوں نے پیوند لگے ملبوسات پہننا شروع کر دیے ہیں! حالانکہ یہ لوگ قیاس کرنے میں بہت دور نکل گئے ہیں' کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام تو ایسی ظاہری حالتِ زہد کو ترجیح دیا کرتے تھے اور وہ درحقیقت دنیا سے بے رغبتی رکھتے ہوئے ان اشیاء سے اعراض کیا کرتے تھے۔ ادھر ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ

---

[1] اسے امام احمد رحمہ اللہ نے مختلف طرق سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ (۶/۱۰۶' ۱۲۱' ۱۲۶' ۱۶۷' ۲۴۱۔۲۴۲' ۲۶۰)

[2] یہ اویس بن عامر القرنی ہیں جو انتہائی زاہد اور عابد تھے۔ انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے' ان سے ایسے ایسے واقعات بیان کیے جاتے ہیں جو معجزات کے مشابہ ہیں۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح میں ان کا تذکرہ فرمایا ہے' ان سے منسوب ایک حکایت کو بیان کیا ہے اور ان کے کلام کو بھی ذکر کیا ہے' لیکن ان سے روایت نہیں کیا۔ امام عقیلی نے امام بخاری رحمہ اللہ کے قول "فیه نظر" سے حجت و دلیل لیتے ہوئے اسے "الضعفاء الکبیر" میں ذکر کیا ہے' پھر امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس شخص نے تو کوئی چیز روایت ہی نہیں کی جس کی بنا پر انھیں ضعیف یا ثقہ قرار دیا جا سکے۔ ملاحظہ فرمائیں الضعفاء الکبیر ۱/ ۱۳۵

ان کی کثیر تعداد صرف فقر کے اظہار کے لیے ہی ایسا کرتی ہے جس طرح کہ ہمیں مسلمہ بن عبدالملک بیان کرتے ہیں کہ وہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر خدمت ہوئے۔ اس وقت انھوں نے ایک میلی کچیلی قمیص پہنی ہوئی تھی۔ مسلمہ بن عبدالملک نے آپ کی زوجۂ محترمہ فاطمہ (مسلمہ بن عبدالملک کی بہن) سے عرض کی: امیر المومنین کی قمیص کو دھو دیں۔ تو بیوی نے جواب دیا: اللہ کی قسم! آپ کے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسری قمیص ہی نہیں ہے۔

اگر یہ فقر اور خستہ حالی کے سوا اس کی اور کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔

لباس میں زہد

رہے ہمارے دور کے صوفیاء' تو یہ مختلف رنگوں کے دو یا تین کپڑے لیتے ہیں' اور انھیں پھاڑ کر آپس میں جوڑ لیتے ہیں۔ اس طرح ان کے لباس میں دو چیزیں جمع ہوجاتی ہیں: شہرت اور شہوت' ایسے ملبوسات کا پہننا تو اکثر لوگوں کے نزدیک ریشمی لباس پہننے سے بھی زیادہ قابلِ شہرت ہے۔ اس لباس کو پہننے والا یہ اعلان کرتا پھرتا ہے کہ وہ زاہدوں میں سے ہے' آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ سلف صالحین کی طرح پیوند لگے کپڑے پہننے کی صورت اختیار کرنا چاہتے ہیں' جیسا کہ ان لوگوں کا ذاتی خیال بھی ہے۔ حالانکہ ابلیس نے انھیں فریب کر رکھا ہے اور یوں کہا ہوا ہے: تم لوگ تو صوفیاء ہو' اور صوفیاء کی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ پیوند لگے لباس پہنا کرتے ہیں اور تم تو بالکل ویسے ہی ہو۔ کیا آپ ان کو دیکھتے نہیں کہ انھیں اس بات کا بالکل علم ہی نہیں ہوسکا کہ تصوف تو معنوی ہونا چاہیے نہ کہ صرف ظاہری۔ لیکن ان لوگوں کے پاس ظاہری تصوف ہے نہ باطنی صورت۔

رہی ظاہری صورت' تو بلاشبہ اسلاف تو بوقتِ ضرورت اور حسبِ حاجت پیوند لگایا کرتے تھے۔ وہ پیوند لگانے سے ان کا تصور خوبصورتی کا اظہار نہیں تھا اور نہ ہی وہ نئے نئے مختلف رنگوں کے کپڑے ہی خریدا کرتے تھے کہ ان کو مختلف ٹکڑوں میں کاٹ کاٹ کر' پھر انھیں انتہائی اعلیٰ قسم کی پیوند کاری کرکے' سی سلا کر لباس تیار کرتے تھے' کہ جنھیں وہ ''پیوند لگا ہوا'' لباس کہتے ہوں!

جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیت المقدس پہنچے اور وہاں کے علماء اور راہبوں نے مسلمانوں کے امیر کے متعلق سوال کیا تھا تو لوگوں نے اول اول تو دیگر امراء لشکر مثلاً ابو عبیدہ' خالد بن ولید وغیرہ کو ان کے سامنے پیش کیا تھا تو ان لوگوں نے یہی جواب دیا: ہمارے ہاں اس امیر کی یہ صورت مکتوب نہیں ہے۔ کیا تمہارا کوئی اور امیر ہے یا نہیں؟ تو ان لشکر والوں نے جواب دیا: ہمارا ان کے علاوہ اور امیر بھی ہے۔ تو وہ لوگ بولے! کیا وہ ان سب کا امیر ہے؟ لشکر والوں نے جواب دیا: جی ہاں! وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان لوگوں نے عرض کی: ذرا اسے پیغام بھیجو' ہم اسے دیکھنا چاہتے ہیں' اگر تو بالکل وہی ہوا' تو ہم بغیر لڑائی کے ہی سب کچھ تمہارے حوالے کر دیں گے' اگر وہ نہ ہوا تو پھر ایسا نہیں کریں گے' اگر تم ہمارا محاصرہ بھی کیے رکھو' تم کسی صورت میں بھی ہم پر فتح یاب نہیں ہوسکو گے۔ چنانچہ مسلمانوں نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ پیغام ارسال کیا اور پوری صورت حال سے آگاہ فرمایا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے پاس اس طرح تشریف لائے کہ ان کے کپڑوں پر تقریباً سترہ پیوند لگے ہوئے تھے' ان ہی میں سے ایک پیوند چمڑے کا بھی تھا۔ جب ان روحانیوں اور علماء نے اس ہیئت وصورت پر آپ کو دیکھا تو بیت المقدس بلا قتال ہی آپ کے حوالے کر دیا۔

ہمارے دور حاضر کے جاہل صوفیاء جو کچھ کرتے ہیں ان کا آپ کے کردار سے کیا واسطہ اور اس سے کیا نسبت؟ رہی معنوی صورت حال' تو یقیناً وہ اسلاف ریاضت وزہد کے پیکر تھے۔

ان مذموم لوگوں میں سے کئی ایسے بھی ہیں جو کپڑوں کے نیچے اونی لباس پہن لیتے ہیں پھر اس کی آستین کو ظاہر کرتے ہیں تاکہ ان کا لباس دیکھا جائے' ایسے لوگ تو دھوکا باز اور رات کے چور ہیں! اور ان میں سے کئی اپنے بدن پر انتہائی باریک کپڑے پہننے کے بعد اوپر اونی کپڑے پہن لیتے ہیں۔ ایسے افراد کھلم کھلا دن کے ڈاکو ہیں۔

کچھ دوسرے ایسے سامنے آئے ہیں' جنھوں نے صوفیاء سے مشابہت اختیار کرنے کا ارادہ تو کیا لیکن خستہ حالی والی ہیئت وصورت بنانا ان پر گراں گزرا۔ انھوں نے خوش حالی

اور تنعم کو محبوب بنا لیا۔ بعد ازاں انھوں نے تصوف کی ظاہری صورت سے باہر نکلنا بھی گوارا نہ کیا' تاکہ ذریعہ معاش میں تعطل بھی نہ آئے۔ تو ان لوگوں نے فوطہ (یعنی اعلیٰ لباس کو داغ دھبوں سے بچانے کے لیے کوئی کپڑا) اور قیمتی ترین لباس پہننے اور نفیس رومی عمامے باندھنے شروع کر دیے' بس اتنی سی بات کا خیال رکھا کہ وہ نقش و نگار کے بغیر ہوتے تھے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ ان میں سے ایک کی قمیص اور عمامہ پانچ ریشمی کپڑوں کی قیمت کے برابر کا ہوتا ہے۔

تکبر و غرور کے ساتھ ابلیس نے انھیں یہ دھوکا بھی دیا ہے کہ تم نفیس درجہ کے صوفی ہو! ان کا اس بات سے ارادہ یہ تھا کہ صوفی بھی رہیں اور نعمتوں سے استفادہ بھی نہ چھوٹے۔

ان کی علامات میں سے ایک خاص علامتی پہچان یہ ہے کہ یہ لوگ امراء اور سرمایہ داروں سے دوستیاں گانٹھتے ہیں اور تکبر و غرور کے ساتھ فقراء سے دوریاں اختیار کرتے ہیں۔

سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام فرمایا کرتے تھے: اے بنی اسرائیل! تمھیں کیا ہے کہ تم میرے پاس ایسے حال میں آتے ہو کہ راہبوں کے سے لباس پہنے ہوتے ہو' حالانکہ تمھارے دل بھوک کی شدت سے بے تاب بھیڑیوں کی مانند ہوتے ہیں' لباس خواہ بادشاہوں جیسے پہن لو لیکن اپنے دلوں کو خشیت ایزدی سے نرم و ملائم رکھو۔

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ[1] بیان کرتے ہیں: لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو قرآن کے قاریوں سے ملتے ہیں تو ان کے ساتھ حصہ دار بنتے ہیں اور جب ظالموں' جابروں اور دنیا داروں سے ملتے ہیں تو ان کے ساتھ حصہ دار بن بیٹھتے ہیں۔ رحمٰن کے قاریوں میں بن جاؤ' اللہ تعالیٰ تمھیں برکتوں سے بہرہ ور فرمائے۔

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ ہی بیان فرماتے ہیں: تم قحط سالی کے دور سے گزر رہے ہو' گہری نگاہ رکھنے والا ہی اس دور کو پہچان سکتا ہے۔ تم ایسے دور میں ہو جب ان کی فحش گوئی

---

[1] آپ ثقہ تابعین اور سر برآوردہ حضرات میں سے تھے' آپ ۱۲۷ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کے حالات زندگی ''سیر اعلام النبلاء'' ۵/۳۶۲ میں موجود ہیں۔

اور اظہار تکبر عام ہے۔ انھوں نے آخرت کے اعمال کے ذریعے دنیا کو حاصل کیا ہے۔ ان سے بچتے رہو' کہیں وہ تمھیں اپنے دام فریب میں پھنسا نہ لیں۔[1]

محمد بن خفیف بیان کرتے ہیں: میں نے رویم[2] سے عرض کی: مجھے کوئی وصیت فرمائیں' تو فرمانے لگے: اصل کام یہ ہے کہ روح کو راہ اللہ خرچ کیا جائے' اگر یہ مقصود حاصل نہ ہو سکے تو پھر صوفیاء کی ان لغویات اور فضولیات میں اپنے آپ کو مشغول نہ کرنا۔

کسی آدمی نے شبلی سے عرض کیا: آپ کے دوستوں کی ایک جماعت ادھر آئی ہے۔ آپ جامع مسجد میں تھے' آپ انھیں دیکھنے گئے' تو انھیں پیوند لگے کپڑوں میں ملبوس اور لنگی نما چادریں باندھے ہوئے دیکھا۔ ان کی حالت کو دیکھ کر آپ نے یہ شعر پڑھا

أَمَّا الْخِيَامُ فَإِنَّهَا كَخِيَامِهِمْ
وَ أَرٰى نِسَآءَ الْحَيِّ غَيْرَ نِسَآئِهَا

"ان کے خیمے تو ان کے خیموں (یعنی محبوبہ کے قبیلہ) کے مثل ہیں لیکن ان کی عورتیں اس قبیلہ کی عورتوں کی مانند دکھائی نہیں دیتیں۔"

یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ ان لوگوں کا متقدمین کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے کا یہ کھوٹا انداز' ماسوائے کسی انتہائی کند ذہن آدمی کے کسی پر بھی مخفی نہیں ہے۔ اور باقی رہے اہل فطانت و ذہانت' تو وہ جانتے ہیں کہ کتنی خوشگوار تشبیہ دی ہے۔

پیوند شدہ ملبوسات اور لنگی نما چادریں اوڑھنا

میں چار وجوہ کے باعث ایسی لنگیوں' چادروں اور پیوند شدہ کپڑوں کو پہننا مکروہ خیال کرتا ہوں:

① یہ سلف صالحین کا لباس نہیں ہے' بلکہ اسلاف فقط حسب ضرورت پیوند لگایا کرتے تھے۔

---

[1] الحلیة لابو نعیم الاصفہانی ۲/۳۶۳

[2] اس سے مراد رویم بن احمد ہیں' جو ۳۰۳ھ میں فوت ہوئے تھے۔ ان کے حالات زندگی "المنتظم" ۶/۱۳۶ میں موجود ہیں جو کہ مصنف رحمہ اللہ کی ایک مایہ ناز تصنیف ہے۔

۲ اس لباس میں فقر و افلاس کا اظہار شامل ہے جبکہ انسان کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ اپنے اوپر ہونے والے اللہ کے احسانات اور انعامات کا اظہار کرے۔[1]

۳ اس میں زہد کا اظہار ہے حالانکہ ہمیں اس کو چھپانے کا حکم ملا ہے۔

۴ اس لباس میں شریعت سے دور رہنے والوں سے مشابہت ہوتی ہے' اور جو کوئی کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے گا تو وہ انہی میں سے ہو جائے گا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ، فَهُوَ مِنْهُمْ))[2]

''جس کسی نے کسی دوسری قوم سے مشابہت اختیار کر لی' تو وہ انہی میں سے ہو جائے گا۔''

محمد بن طاہر بیان کرتے ہیں: جب میں اپنے دوسرے سفر کے دوران بغداد میں داخل ہوا تو میں شیخ ابو محمد عبداللہ بن احمد سکری کی خدمت میں قراءت احادیث کے لیے حاضر ہوا۔ موصوف صوفیاء کی جماعت کا انکار کرنے والوں میں سے ایک تھے۔ میں نے قراءت حدیث شروع کی' تو مجھے فرمانے لگے: اے شیخ! اگر تو ان جاہل صوفیاء میں سے ہوتا تو میں تجھے معذور سمجھتا' تُو تو اہل علم میں سے ایک فرد ہے' تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ میں مشغول رہتا ہے اور اس کی طلب و جستجو میں کوشاں رہتا ہے۔

میں نے عرض کی: استاذ محترم! آپ نے میرے کس عمل اور کس حالت کی وجہ سے یہ کہا ہے؟ تاکہ میں سوچ بچار کر لوں' اگر تو اس عمل کی شریعت میں کوئی اصل ہوئی تو اس سے چمٹا رہوں گا' اور اگر شریعت میں اس کی کوئی اصل نہ ہوئی تو اسے چھوڑ دوں گا۔

تو فرمانے لگے: یہ تمہارے لباس میں پٹی نما ریشمی پیوند کیسے ہیں؟

میں نے عرض کی: استاذ محترم! سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ

---

[1] جامع ترمذی' الادب' باب ما جاء ان اللہ تعالیٰ یحب ان یری اثر نعمته علی عبده' حدیث: ۲۸۱۹۔

[2] سنن ابی داود' اللباس' باب فی لبس الشهرة' حدیث: ۴۰۳۱۔

مبارک کے متعلق بیان کرتی ہیں کہ اس کے گریبان' آستینوں اور چوبغلوں میں ریشمی جوڑ تھے۔[1]

آپ کی طرف سے یہ اعتراض اس لیے ہوا ہے کہ یہ پیوند کپڑے کی جنس سے نہیں ہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ کا ریشم بھی تو کپڑے کی جنس میں سے نہیں تھا اور وہ ریشم بھی جبہ کا حصہ نہ تھا۔ تو اس سے ہم نے استدلال کیا ہے کہ اس عمل کی شریعت میں اصل موجود ہے لہٰذا ایسا کرنا جائز ہوا۔

حالانکہ سکری (یعنی محمد بن طاہر استاذ محترم) کا اعتراض و انکار درست تھا اور اس کا ابن طاہر نے اپنی کم مائیگی کے باوجود جواب دے دیا' کیونکہ گریبان اور آستینوں پر جوڑ لگا کر جبے زیب تن کرنا اس وقت معمول اور دستور تھا' اس کے پہننے میں شہرت نہیں ہوتی تھی' البتہ رہے یہ پیوند' تو ان سے ظاہری شہرت بھی ہوتی ہے اور زہد کے دعویٰ کی شہرت بھی۔

میں قبل ازیں آپ کو یہ بتا چکا ہوں کہ یہ لوگ صحیح کپڑوں کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیتے ہیں تاکہ ان سے پیوند نما ٹکڑے بنا لیں' تو یہ حسبِ ضرورت تو نہ ہوئے' بلکہ یہ لوگ ایسی مصنوعی خوبصورتی سے شہرت کے خواہاں اور زہد کی شہرت کے طالب بنتے ہیں' اسی لیے کراہت سامنے آتی ہے اور علماء و مشائخ کی ایک جماعت نے اسے مکروہ بتایا ہے' جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا ہے۔

جعفر الخذاء بیان کرتے ہیں: جب اس قوم نے قلبی فوائد گم کر لیے تو یہ ظاہر کو سنوارنے اور ظاہری زیبائش و آرائش میں مشغول ہو گئے۔ یعنی یہ رنگین اور پیوند شدہ ملبوسات زیب تن کرنے والے لوگ بن گئے۔

ابو الحسن حنظلی بیان کرتے ہیں: محمد بن محمد بن علی الکتانی نے ان پیوند پوشوں کی جانب دیکھا تو فرمایا: میرے بھائیو! اگر تمہارے لباس تمہارے باطن کے موافق ہیں تو تم نے اپنے باطن پر لوگوں کو مطلع کرنا پسند کر لیا ہے' اور اگر یہ لباس تمہارے باطن کے مخالف ہیں تو رب کعبہ کی قسم! تم ہلاک ہو گئے۔

---

[1] صحیح مسلم' اللباس' باب تحریم لبس الحریر و غیر ذلك للرجال' حدیث : ۲۰۶۹۔

نصر بن ابی نصر بیان کرتے ہیں: ابوعبداللہ محمد بن عبدالخالق دینوری نے اپنے ایک ساتھی سے کہا تھا:

''ان لوگوں کے ظاہری ملبوسات کو دیکھ کر تعجب نہ کرنا کیونکہ ان لوگوں نے اپنے باطن کو خراب کر لینے کے بعد ہی اپنے ظاہر کو مزین کیا ہے۔''

کپڑوں کو زیادہ پیوند لگانا

صوفیاء میں ایسے حضرات بھی ہیں جو اپنے مرقعوں کو پیوند پر پیوند ہی لگائے جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ اتنا موٹا اور وزنی بن جاتا ہے جو عام حد سے تجاوز کر جاتا ہے۔ ان صوفیاء نے اس پیوند شدہ مرقعہ کو پہننے کے لیے یہ بھی دستور بنا رکھا ہے کہ یہ صرف شیخ کے دست مبارک ہی سے پہنا جاتا ہے۔ اور اس ضمن میں انھوں نے ایک سند متصل بھی وضع کر رکھی ہے جو سراسر کذب اور ناممکن ہے۔

محمد بن طاہر نے اپنی کتاب میں بایں الفاظ یہ باب باندھا ہے:

((بَابُ السُّنَّةِ فِي لُبْسِ الْخِرْقَةِ مِنْ يَدِ الشَّيْخِ))

''شیخ کے ہاتھ سے خرقہ پوشی کے مسنون ہونے کا بیان''

اس نے تو اسے عملِ مسنون قرار دے دیا ہے اور اس سلسلے میں سیدہ ام خالد کی حدیث سے حجت لی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کچھ کپڑے لائے گئے' ان میں ایک دھاری دار کرتہ بھی تھا تو آپ ﷺ نے دریافت کیا: مَنْ تَرَوْنَ أَنْ نَكْسُوَ هٰذِهِ؟ ''تمہارا کیا خیال ہے' میں یہ کسے پہناؤں؟'' لوگ خاموش رہے' پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِئْتُونِي بِأُمِّ خَالِدٍ ''ام خالد کو میرے پاس لاؤ۔'' چنانچہ اسے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لایا گیا' تو آپ نے اپنے دست مبارک سے یہ کرتہ اسے پہنایا اور پھر یوں فرمایا: أَبْلِي وَأَخْلِقِي ''اسے پرانا اور بوسیدہ کرو۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے اسے اس لیے یہ کرتہ پہنایا تھا کہ وہ بچی تھی' اس کا باپ خالد بن

---

[1] صحیح بخاری' اللباس' باب الخصیمة السوداء' حدیث : ۵۸۲۳۔

سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور اس کی ماں ہمینہ[1] بنت خلف تھیں، ان دونوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی، اور ام خالد ادھر ہی پیدا ہوئی تھی، پھر جب یہ واپس تشریف لائے تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی کم سنی کے پیش نظر اس کی حوصلہ افزائی اور اظہار شفقت فرماتے ہوئے یوں کیا تھا۔ یہ واقعہ سنت نہیں بن سکتا کیونکہ لباس پہننا آپ کا معمول نہیں تھا، اور صحابہ کرام اور تابعین سے بھی کسی نے ایسا کام نہیں کیا۔

پھر یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ صوفیاء کے نزدیک سنت میں یہ امر شامل نہیں ہے کہ بڑوں کو چھوڑ کر صرف چھوٹوں ہی کو یہ لباس پہنایا جائے، اور نہ ہی کالا کرتہ یا کالے کپڑے ہی پہناتے ہیں بلکہ مرقعہ (پیوند شدہ) اور فوطہ (لنگی نما چادریں) پہنائے جاتے ہیں۔ انھوں نے سیاہ دھاری دار کپڑے کو پہنانا ہی سنت قرار کیوں نہ دے لیا، جس طرح کہ ام خالد کی حدیث میں وارد ہے۔[2]

محمد بن طاہر نے اپنی کتاب میں ایک باب یوں بھی قائم کیا ہے:

((بَابُ السُّنَّةِ فِيمَا شَرَطَ الشَّيْخُ عَلَى الْمُرِيدِ فِي لُبْسِ الْمُرَقَّعَةِ))

"شیخ کا مرید کو مرقعہ زیب تن کرنے میں شرط لگانے کا مسنون ہونا" اور پھر اس سلسلے میں سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مبارکہ بطور دلیل پیش کی:

((بَايَعْنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ))[3]

"رسول اللہ ﷺ نے تنگی اور آسانی میں بات کو سننے اور اطاعت کرنے پر ہم سے بیعت لی تھی"

---

[1] اس نام کے سلسلے میں "تجريد اسماء الصحابة" (۳۰۹/۲) ملاحظہ فرمائیں جو کہ امام ذہبی کی تالیف ہے۔

[2] امام سخاوی نے "مقاصد الحسنہ" ۸۵۲ میں صوفیاء کی خرقہ پوشی کے متعلق لکھا ہے: "ابن دحیہ اور ابن الصلاح نے فرمایا ہے: "یہ باطل ہے۔" اسی طرح ابن حجر نے فرمایا ہے: "اس کے طریقوں میں سے کوئی طریقہ بھی ثابت شدہ نہیں ہے، کسی صحیح حسن حدیث میں ہونا تو دور کی بات ہے، کسی ضعیف روایت میں بھی ایسا وارد نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے کسی صحابی کو ایسا خرقہ جو صوفیاء کے ہاں متعارف اور مشہور ہے پہنایا ہو، اور نہ ہی آپ ﷺ نے اپنے کسی صحابی کو ایسا کرنے کا حکم ہی دیا ہو۔"

[3] صحيح بخاري، الفتن، باب قول النبي ﷺ "سترون بعدي امورا تنكرونها" حديث: ۷۰۵۶ بالمعنى۔

صحيح مسلم، الامارة، باب وجوب طاعة امراء في غير معصية، حديث: ۱۷۰۹۔

اس فقہی موشگافی پر غور کریں، رسول کائنات ﷺ کی اس اسلامی بیعت کے وجوب اور مرید سے شیخ کی بیعت کی باہم کیا نسبت ہے!![1]

رہا مسئلہ صوفیاء کے رنگ برنگے ملبوسات پہننے کا، تو یہ معاملہ اس طرح ہے کہ اگر تو وہ نیلے رنگ کے ہیں تو ان سے سفید لباس پہننے کی فضیلت فوت ہو گئی۔ اور اگر وہ پیوند شدہ ہیں تو یہ لباسِ شہرت ہے، بلکہ اس کی شہرت تو نیلے کپڑوں سے بھی زیادہ ہے۔ اور اگر وہ مرقعہ (پیوند شدہ) ہیں تو یہ اس سے بھی بڑھ کر شہرت کا باعث ہیں۔ اور شریعت نے سفید کپڑے زیب تن کرنے کا حکم دیا ہے اور شہرت کا لباس پہننے سے منع فرمایا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((اِلْبَسُوْا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبِيْضَ، فَاِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ، وَ كَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ))[2]

''سفید کپڑے پہنا کرو، کیونکہ یہ تمہارے تمام کپڑوں میں سے سب سے بہتر ہیں اور انہی کپڑوں میں اپنے مردوں کو کفن دیا کرو۔''

محمد بن طاہر نے اپنی کتاب میں ایک باب یوں قائم کیا ہے:

((بَابُ السُّنَّةِ فِيْ لُبْسِهِمُ الْمُصَبَّغَاتِ))

''رنگ برنگے ملبوسات کے پہننے کے مسنون ہونے کا بیان''

پھر انہوں نے دلیل پیش کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سرخ حلہ زیب تن فرمایا تھا[3]

---

[1] بالکل اسی سے ملتے جلتے اگرچہ نام اور شکل وصورت میں فرق اور اختلاف ہے، وہ کام ہیں جنھیں عصر حاضر کے ''الحزبیون'' (حزب التحریر) کرتے ہیں یعنی عہد و میثاق لینا، عمدہ لباس اور نشان امتیاز لگانا وغیرہ جو بالیقین باطل ہیں۔

[2] سنن ابی داود، اللباس، باب فی الکحل، حدیث: ۴۰۶۱۔
سنن ترمذی، الجنائز، باب ما یستحب من الاکفان، حدیث: ۹۹۴۔
سنن ابن ماجه، اللباس، باب البیاض فی الثیاب، حدیث: ۳۵۶۶۔

[3] صحیح بخاری، اللباس، باب الثوب الاحمر، حدیث: ۵۸۴۸
صحیح مسلم، الفضائل، باب فی صفة النبی ﷺ، حدیث: ۲۳۳۷۔

اور آپ سر پر سیاہ عمامہ رکھے ہوئے فتح مکہ کے روز مکہ میں داخل ہوئے تھے۔[1]

اس بات سے انکار نہیں ہے کہ اس کا پہننا جائز ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے پہنا ہے' اور یہاں تک مروی ہے کہ دھاری داریمنی چادر (سرخ رنگ) آپ کو پسند تھی۔[2] اس سلسلے میں مسنون وہی ہے جس کا آپ حکم دیتے ہیں اور جس کے پہننے پر آپ مداومت اور ہمیشگی فرماتے رہے ہیں' اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیاہ اور سرخ رنگ بھی پہنا کرتے تھے' رہے پیوند شدہ ملبوسات اور ایسی چادریں وغیرہ تو بلاشبہ یہ لباس شہرت ہیں۔

لباس شہرت کی ممانعت اور اس کی کراہت

شہرت کا لباس اور مکروہ ہے۔ اس سلسلے میں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں:

((مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ' أَعْرَضَ اللّٰهُ عَنْهُ حَتّٰى يَضَعَهُ))[3]

''جس نے شہرت کا لباس پہنا' اللہ تعالیٰ اس سے منہ موڑے رہے گا حتیٰ کہ اس کو اتار نہ دے۔''

---

[1] صحیح مسلم' الحج' باب جواز دخول مکة بغیر احرام' حدیث : ۱۳۵۸۔

[2] صحیح بخاری' اللباس' باب البرود و الحبرو الشملة' حدیث : ۵۸۱۲' ۵۸۱۳

صحیح مسلم' اللباس' باب فضل لبس الثیاب الحبرة' حدیث: ۲۰۷۹

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

تنبیہ: مصنف رحمہ اللہ نے یہاں صیغہ تمریض یعنی صیغہ مجہول سے ذکر کیا ہے تو یہ قابل اعتبار بات نہیں ہے' حدیث مبارکہ صحیح ہے' صرف اختصار کے پیش نظر ایسا کیا ہے جیسا کہ بعض اہل علم نے فرمایا ہے۔

[3] سنن ابن ماجه' اللباس' باب من لبس شهرة من الثیاب' حدیث: ۳۶۰۸

امام بوصیری رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: بات ایسی نہیں ہے جیسی انہوں نے کہی ہے' اس کی سند میں ضعف ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ضعیف الجامع: ۵۸۴۰ لیکن یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ قوی ہو جاتی ہے۔ دیکھئے مجمع الزوائد ۱۳۵/۵ للہیثمی۔

پھر میں نے امام احمد رحمہ اللہ کی کتاب ''الزہد'' ۷۹/۲ میں دیکھا ہے وہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے ایسی ہی روایت موقوفاً روایت کرتے ہیں اس کی سند میں بھی ضعف ہے۔ مابعد والی روایت بھی اس کی شاہد ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا أَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))[1]

''جس نے لباس شہرت پہنا' اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے ذلت کا لباس پہنائے گا''

ہم تک یہ روایت بھی پہنچی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے صاحبزادے کے جسم پر برا لباس دیکھا' تو فرمایا: یہ مت پہنو' کیونکہ یہ شہرت کا لباس ہے۔

اون پوشی کا حکم

صوفیاء میں ایسے بھی ہیں جو اون پہنتے ہیں اور اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اون پہنی تھی۔ اور پھر اون پوشی کی فضیلت میں آنے والی روایات سے بھی دلیل لیتے ہیں۔

رہا معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اون پہننے کرنے کا'[2] تو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات اسے پہنا کرتے تھے' آپ کا یہ پہننا عربوں سے ممتاز ہونے اور حصولِ شہرت کے لیے نہیں تھا۔ اور رہی دوسری بات جو اُون کی فضیلت میں مروی باتیں ہیں' تو وہ سب من گھڑت اور موضوع روایات ہیں جن میں سے کوئی ایک بھی پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتی۔

اون پہننے والا آدمی دو حالتوں سے خالی نہیں ہوگا:

❀ یا تو وہ اون اور اس کی مثل دوسرے موٹے کپڑے زیب تن کرنے کا عادی ہوگا تو اس کے لیے ایسا لباس پہننا مکروہ نہیں ہے کیونکہ وہ اس سے شہرت کا طالب نہیں ہے۔

---

[1] سنن ابی داود' اللباس' باب فی لبس الشهرة' حديث : ۴۰۲۹۔
سنن ابن ماجه' اللباس' باب من لبس شهرة من الثياب' حديث : ۳۶۰۷۔
اس کی سند میں بھی ضعف ہے لیکن ماقبل والی روایت سے قوت پا رہی ہے۔

[2] صحيح بخاری' اللباس' باب لبس جبة الصوف فی الغزو' حديث: ۵۷۹۹
صحيح مسلم' الطهارة' باب المسح على الخفين ' حديث: ۲۷۴

❀ یا پھر وہ آسودہ حال اور ناز پروردہ ہو گا جو ایسے لباس کا عادی نہ ہو گا' تو مندرجہ ذیل دو وجوہ کی بنا پر اس کا پہننا اس کے لیے جائز نہیں ہو گا:

۱ وہ اس کے پہننے سے اپنے نفس کو اضافی تکلیف میں مبتلا کرے گا' یہ اس کے لیے جائز نہیں ہے۔

۲ اس کے پہننے سے وہ شہرت اور اظہار زہد دونوں کا مرتکب ہو گا۔

خالد بن شوذب بیان کرتے ہیں: میں حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس موجود تھا۔ اسی وقت آپ کے پاس فرقد بھی آ گئے۔ حسن نے ان کے کمبل کو ان کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا: اے فریقد' ام فریقد کے بیٹے! نیکی اس کمبل میں نہیں ہے' نیکی تو صرف اس چیز میں ہے جو دل میں جاگزیں ہو جائے اور عمل اس کی تصدیق کر دے۔

حسن رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: آپ کے پاس ایک ایسا آدمی آیا جو اون پہننے کا عادی تھا' اور اس پر اونی جبہ' اونی عمامہ اور اونی چادر تھی۔ آ کر بیٹھ گیا۔ آپ نے اپنی نگاہ کو زمین ہی کی طرف رکھا' سر کو بالکل اوپر نہ اٹھایا' گویا کہ حسنؒ نے اس میں غرور و تکبر بھانپ لیا تھا۔ حسن فرمانے لگے:

ایک ایسی قوم ہے جنہوں نے تکبر و غرور کو اپنے سینوں میں رکھا ہوا ہے' ان لوگوں نے اللہ کی قسم! اس اون کے ذریعے سے اپنے دین کو بدنام اور بدنما بنا ڈالا ہے۔

ابن عقیل نے فرمایا: یہ ایسے شخص کا کلام ہے جو لوگوں کو خوب جانتا پہچانتا ہے اور لباس سے فریب نہیں کھاتا۔ میں نے انھی لوگوں میں سے ایک کو اونی جبہ پہنے ہوئے دیکھا ہے۔ جب کوئی کہنے والا اسے کہتا: ''اے ابو فلاں!'' تو اس سے اور اس قماش کے دوسرے لوگوں سے اظہار نفرت سامنے آتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں پر اون وہ عمل کرتا ہے جو آوارہ اور بدچلن لوگوں کے ہاں ریشم و دیباج بھی عمل نہیں کرتا!

احمد بن عمر بن یونس بیان کرتے: سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک صوفی (اون پوش) کو دیکھا' تو اس سے فرمایا: تیرا یہ لباس بدعت ہے۔[1]

---

[1] اس جلیل القدر سلفی امام کی طرف سے کس قدر واضح اور شفاف بیان موجود ہے کہ مسلمانوں کی زندگی ←

حسن بن ربیع بیان کرتے ہیں: میں نے عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو اس آدمی کو جس پر مشہور زمانہ اونی لباس دیکھا' فرماتے ہوئے سنا: میں اسے ناپسند کرتا ہوں' میں اسے مکروہ جانتا ہوں۔

یزید سقا محمد بن ادریس انباری کے رفیق بیان کرتے ہیں: میں نے ایک نوجوان کو دیکھا جس پر بالوں سے بنا ہوا کمبل (یا ٹاٹ) تھا۔ میں نے اس نے کہا: علمائے کرام میں سے یہ لباس کس نے زیب تن کیا ہے؟ علمائے عظام میں سے یہ کام کس عالم دین نے کیا ہے؟

اس نے جواب دیا: مجھے بشر بن حارث نے بھی دیکھا ہے لیکن انہوں نے تو مجھ پر کوئی اعتراض نہیں کیا' کہتے ہیں: پھر میں بشر کے پاس گیا' اور ان سے یہ دریافت کیا: اے ابونصر! میں نے فلاں آدمی پر ٹاٹ کا جبہ دیکھا تو میں نے اس پر اعتراض کیا۔ اس نے مجھے یہ جواب دیا کہ ابونصر نے بھی مجھے اس لباس میں دیکھا ہے' انھوں نے تو کوئی اعتراض نہیں کیا۔

بشر نے مجھے یہ جواب دیا: اے ابو خالد! تو نے مجھ سے مشورہ نہیں لیا۔ اگر میں اسے کچھ کہتا' تو وہ مجھے یوں جواب دیتا: فلاں نے پہنا ہے' اور فلاں نے بھی ایسا پہنا ہے۔

ابوسلیمان دارانی بیان کرتے ہیں' انھوں نے اس آدمی سے کہا جس نے اون پہنی ہوئی تھی: تو نے زاہدوں کا اوزار اور آلہ ظاہر کیا ہوا ہے' اس اون نے تجھے کیا دیا ہے؟ وہ آدمی خاموش رہا' پھر اس سے فرمایا: تیرا ظاہر روئی دار ہونا چاہیے اور تیرا باطن اون والا۔

نضر بن شمیل[1] بیان کرتے ہیں: میں نے ایک صوفی سے کہا: آپ اپنا اونی جبہ فروخت کریں گے؟ وہ بولا: جب شکاری اپنا جال ہی بیچ ڈالے تو کس چیز سے شکار کرے گا؟

← میں لباس کو کتنی اہمیت حاصل ہے۔ سنت مبارکہ نے اسے بلا بیان اور بغیر وضاحت کے ادھورا تو نہیں چھوڑا۔ اس وضاحت کے بعد بھی جو کوئی اس باطل خیال میں مبتلا ہے کہ مسلمانوں کے لیے لباس کی کوئی واضح صورت نہیں ہے' وہ راہ راست سے ہٹا ہوا ہے۔

[1] اس سے مراد نضر بن شمیل بن فرشہ بن یزید مازنی تمیمی ہیں۔ عرب کے مشہور امام' روایت حدیث اور لغت کی شناسائی رکھنے والے اجل علماء میں سے ایک ہیں' جو ۱۲۲ھ میں مرو میں پیدا ہوئے تھے۔ بصرہ منتقل ہو جانے کے بعد پھر مرو کی جانب ہی لوٹ آئے تھے' ۲۰۳ھ میں وہاں ہی فوت ہو گئے۔ دیکھئے زرکلی کی الاعلام: ۸/۳۳

ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس آدمی نے روئی دار اور سوتی کپڑے کے ہوتے ہوئے اونی اور بالوں سے تیار شدہ کپڑے کو ترجیح دی تو اس نے غلطی کی' جبکہ وہ جائز اور حلال ذرائع سے اسے حاصل بھی کرسکتا ہے' اور جو گندم کی روٹی چھوڑ کر ساگ اور مسور کو ہی پسند رکھتا ہے وہ بھی غلطی پر ہے' اور جس آدمی نے عورتوں کی خواہش لاحق ہونے کے اندیشے سے گوشت کھانا ہی ترک کر دیا اس نے بھی خطا کھائی۔

سلف صالحین درمیانی قیمت کے لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے' نہ بہت زیادہ قیمتی اور نہ ہی انتہائی گھٹیا۔ وہ نماز جمعہ اور نماز عیدین اور بھائیوں سے ملاقات کے لیے عمدہ اور ستھرے لباس پسند کیا کرتے تھے' اور وہ غیر عمدہ ملبوسات کو بھی برا نہیں سمجھتے تھے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث کے حوالے سے لکھا ہے کہ انھوں نے ایک زرد دھاریوں والا یا ریشمی تاروں والا حلہ دیکھا جو مسجد نبوی کے دروازے کے قریب برائے فروخت تھا' تو انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی:

''اگر آپ جمعہ کے دن اور وفود کی آمد کے موقعہ پر' جب وہ آپ کے ہاں تشریف لائیں' اسے پہننے کے لیے خرید فرمالیں تو کیا ہی خوب ہو!''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّمَا يَلْبَسُ هٰذِهٖ مَنْ لَّا خَلَاقَ لَهٗ فِي الْآخِرَةِ))

''اسے تو فقط وہی پہنے گا جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔''[1]

نبئ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے خوبصورتی حاصل کرنے پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا بلکہ آپ نے صرف اس کے ریشمی ہونے کی بنا پر اعتراض کیا تھا۔

ابو العالیہ بیان کرتے ہیں:

((كَانَ الْمُسْلِمُوْنَ إِذَا تَزَاوَرُوْا تَجَمَّلُوْا))

''جب مسلمان ایک دوسرے سے ملاقات کرنے جاتے تو خوبصورتی حاصل کیا

---

[1] صحیح مسلم' اللباس' باب تحریم لبس الحریر وغیر ذلك للرجال' حدیث: ۲۰۶۸۔
وهو ایضاً فی صحیح البخاری' الجمعة' باب یلبس احسن ما یجد' حدیث: ۸۸۶

کرتے تھے۔“

ابن عون بیان کرتے ہیں: کہ مہاجرین وانصار اونچے درجے کے لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔

تمیم داری رضی اللہ عنہ نے ایک حلہ (عمدہ پوشاک) ایک ہزار درہم میں خریدا تھا' اور اس میں نماز بھی ادا فرمایا کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں: سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سب لوگوں سے بڑھ کر عمدہ لباس پہنا کرتے تھے' اور سب سے بڑھ کر اچھی خوشبو لگایا کرتے تھے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ عمدہ ترین کپڑے زیب تن فرمایا کرتے تھے۔

امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ بھی شہر عدن کے عمدہ ترین اور نفیس کپڑے پہنا کرتے تھے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا لباس قریباً ایک دینار کی قیمت میں خریدا جاتا تھا۔

الغرض سلف صالحین ایک حد تک شکستہ حالی کو ترجیح دیا کرتے' اور بسا اوقات اپنے گھروں کے اندر انتہائی پرانے کپڑے بھی پہن لیتے' لیکن جب باہر نکلنا ہوتا تو زیب و زینت اختیار کیا کرتے تھے' وہ تو ایسے ملبوسات پہنا کرتے تھے جن سے طلب شہرت مقصود نہ ہو' نہ کسی کم قیمت کپڑے سے اور نہ ہی کسی اعلیٰ قیمت کپڑے سے۔

عیسیٰ بن حازم بیان کرتے ہیں: ابراہیم بن ادھم کا لباس سوتی یا روئی کا پوستین لگا ہوتا تھا' میں نے کبھی بھی ان پر اونی کپڑا نہیں دیکھا اور نہ ہی کبھی شہرت والا لباس دیکھا ہے۔

ربیع بن یونس بیان کرتے ہیں: ابو جعفر منصور نے کہا ہے' رسوا کن برہنگی رسوا کن لباس سے بہتر ہے۔

وہ لباس جو زہد کو ظاہر کرتا ہے

جو لباس پہننے والے کی عیب جوئی کرے یعنی جو زہد اور فقر کے اظہار کے لیے پہنا جاتا ہے وہ تو گویا اللہ تعالیٰ سے اظہار شکایت ہے اور وہ پہننے والے کی حقارت و ذلت کو بھی لازم کرتا ہے' اور یہ سبھی پہلو مکروہ اور ممنوع ہیں۔

مالک بن نضلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پراگندہ اور بری ہیئت میں آیا' آپ نے دریافت فرمایا:

کیا تیرے پاس کچھ مال ہے؟

میں نے عرض کی: جی ہاں!

آپ نے پھر استفسار فرمایا: کس طرح کا مال ہے؟

میں نے عرض کی: ہر قسم اور ہر نوع کا مال اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرما رکھا ہے: اونٹ ہیں' گھوڑے ہیں' غلام ہیں اور بکریاں بھی ہیں۔

آپ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے تجھے مال عطا فرما رکھا ہے' تو یہ بھی چاہیے کہ تیرے وجود پر نظر آئے۔''[1]

لباس کا عمدہ ہونا

اگر کوئی کہنے والا یوں کہے: لباس کو عمدہ بنانا تو خواہش نفسانی کی تکمیل ہے حالانکہ ہمیں تو اسے زیر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے' اور اس کے علاوہ نفیس لباس زیب تن کرنا مخلوق کی خاطر آرائش کرنے میں داخل ہے' حالانکہ ہم تو اس بات کے پابند ہیں کہ ہمارے سب افعال فقط اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں نہ کہ مخلوق کے لئے؟!

تو ان باتوں کا جواب یہ ہے: ہر وہ خواہش جس کی نفس چاہت کرتا ہے باعث مذمت تو نہیں ہوتی اور نہ ہی لوگوں کے سامنے اظہارِ آرائش ہی مکروہ ہے' ممنوع تو صرف وہی صورت ہے جس سے شرع نے روکا ہو یا پھر دین داری کے نام پر ریا کاری اور نمود و نمائش کی غرض سے ہو۔ انسان تو یہ پسند کرتا ہے کہ وہ حسین وجمیل نظر آئے اور یہ نفس کی وہ خواہش اور چاہت ہے جس پر اسے قابلِ ملامت نہیں گردانا جا سکتا ہے۔ اسی خواہش کے پیش نظر وہ بالوں میں کنگھی کرتا ہے' آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتا ہے' اپنی پگڑی کو درست اور برابر رکھتا ہے' اپنے زیریں اور نچلے کپڑوں کو کم قیمت موٹا' کھردرا اور اپنے ظاہری کپڑوں کو

[1] مسند احمد: ۳/ ۴۷۳' سنن ابی داؤد' اللباس' باب فی غسل الثوب و فی الخلقان حدیث: ۴۰۶۳' سنن نسائی' الزینة' باب الجلاجل' حدیث: ۵۲۳۸

خوبصورت اور عمدہ رکھتا ہے۔

مذکورہ بالا کاموں میں کوئی ایک کام بھی ایسا نہیں ہے جو مکروہ اور قابلِ مذمت ہو۔

اگر یہ کہا جائے کہ کیا وجہ ہے جو تم نے سری سقطی کے متعلق ان کا یہ قول روایت کیا ہے: اگر میں کسی آنے والے کی اپنے پاس آمد کی آہٹ پاؤں اور میں اپنی داڑھی کے ساتھ یوں کروں...... پھر انھوں نے اپنا ہاتھ اپنی داڑھی پر پھیرا گویا کہ آنے والے کی وجہ سے اپنی داڑھی کو سنوار رہا ہے...... تو مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اس حرکت پر اللہ تعالیٰ مجھے آگ کا عذاب نہ کرے۔ تو اس کا یہ جواب ہے کہ یہ قول اس امر پر محمول ہے کہ انھوں نے دینی معاملے میں ریا کاری کی نیت سے ایسا کرنے والے اس شخص کو مراد لیا ہے جو خشوع وغیرہ کو ظاہر کرنے کے لیے ایسا کرتا ہے۔ لیکن جب کوئی اپنی ظاہری شکل و صورت کو خوبصورت بنانے کا قصد کرے تاکہ اس کی غیر مستحسن اور نازیبا حالت پر کسی کی نظر نہ پڑے تو یہ قابلِ مذمت نہیں ہے۔ جس نے اسے بھی مذموم سمجھ لیا تو حقیقت یہ ہے کہ اسے یہ معلوم ہی نہیں کہ ریا کاری کیا ہے اور نہ ہی وہ یہ سمجھ سکا ہے کہ مذموم عمل کونسا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی مروی ہے:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ))

''جس آدمی کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا''

تو ایک صحابی نے دریافت کیا: ہم میں سے ہر کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں' اس کا جوتا خوبصورت ہو (تو کیا یہ بھی تکبر میں داخل ہے؟) آپ نے جواب دیا: بے شک اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے' خوبصورتی کو پسند کرتا ہے' تکبر تو حق بات کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔[1]

تکبر کا معنی حق بات کو ٹھکرانے والا ہے' اور غمط کا معنی بہ نظرِ حقارت دیکھنا اور ذلیل سمجھنا ہے۔

---

[1] صحیح مسلم' الایمان' باب تحریم الکبر و بیانه' حدیث: ۹۱۔ اسے روایت کرنے میں امام مسلم منفرد ہیں۔

صوفیاء میں ایسے بھی ہوئے ہیں جو اعلیٰ قیمت کے کپڑے پہنا کرتے تھے۔

ابو عبد اللہ احمد بن عطاء نے کہا ہے: ''ابو العباس بن عطاء کپڑوں میں سے اعلیٰ درجے کے کپڑے پہنتے' موتیوں کی تسبیح پر وظیفہ پڑھتے[1] اور دراز قامت کپڑے پہننے کو ترجیح دیا کرتے تھے۔''

میں عرض کرتا ہوں: ایسے کپڑے پہننا بھی پیوند لگے کپڑے پہننے کے مترادف ہے' حالانکہ صرف یہ چاہیے کہ اہل خیر و صلاح کے کپڑے متوسط قیمت کے ہوں۔ شیطان کی ہوشیاری اور فریب کاری پر نگاہ دوڑائیں' ان لوگوں کے ساتھ کس طرح دونوں اطراف سے اٹھکیلیاں کر رہا ہے۔

صوفیاء میں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں کہ جب وہ کوئی کپڑا پہنتے تو اس کا کچھ حصہ دانستہ پھاڑ لیتے' بلکہ بعض اوقات تو قیمتی اور نفیس کپڑے کو خراب ہی کر دیتے۔

عیسیٰ بن علی الوزیر[2] بیان کرتے ہیں! ایک روز ابن مجاہد[3] میرے ابا جان کی خدمت میں موجود تھے' دروازے پر دستک ہوئی' آپ کو بتایا گیا: شبلی ہیں' آپ نے فرمایا: اندر آنے دو! ابن مجاہد بولے: دیکھنا! میں شبلی کو آپ کے سامنے کس طرح لاجواب کرتا ہوں۔

شبلی کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ جب کوئی کپڑا پہنتے تو اسے کسی جگہ سے چاک کر لیتے' جونہی شبلی بیٹھے' ابن مجاہد نے ان سے پوچھا: اے ابوبکر! نفع دینے والی چیز کو خراب کرنا کہاں کا علم ہے؟

---

[1] یہ عمل بدعت ہے جس طرح کہ میں نے تفصیل سے فقہی اعتبار سے' حدیث کے اعتبار سے اور تاریخی اعتبار سے اپنی کتاب ''احکام المبانی فی نقض وصول التہانی'' میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ یہ کتاب ''مکتبۃ المعارف' الریاض'' کے ہاں زیر طبع ہے۔

[2] اس سے مراد ابوداود بن جراح ابو القاسم بغدادی ہیں جو ۳۰۲ھ میں پیدا اور ۳۹۱ھ میں فوت ہوئے تھے۔ دیکھیے البدایہ والنہایہ: ۱۱/۳۳

[3] اس سے مراد ابوبکر احمد بن موسیٰ بن عباس بن مجاہد المقری ہیں جو اپنے وقت کے ایک نابغہ روزگار امام قراءت تھے۔ یہ ۳۲۴ھ میں فوت ہوئے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں البدایہ والنہایہ: ۱۱/۱۸۵

شبلی نے انہیں ترکی بہ ترکی یوں جواب دیا: یہ کہاں کا علم ہے کہ:

﴿ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴾ (ص: ۳۸/ ۳۳)

''پھر پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا''[1]

کہتے ہیں یہ سنتے ہی ابن مجاہد لاجواب ہو گئے' میرے ابا جان نے انہیں فرمایا: تیرا ارادہ تھا کہ تو اسے خاموش کر دینے والا جواب دے گا لیکن الٹا اس نے تجھے لاجواب کر دیا ہے۔

ابا جان نے ان سے کہا: لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تم دورِ حاضر کے مایہ ناز قاری اور مدرس ہو' ذرا یہ بتاؤ کہ قرآن کریم میں یہ بات کہاں پر ہے کہ حبیب اپنے حبیب کو عذاب نہیں کرے گا؟ فرماتے ہیں: اس پر ابن مجاہد خاموش رہے' میرے والد بزرگوار نے فرمایا: اے ابوبکر! تم بتاؤ۔ تو انہوں نے یہ جواب دیا: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان عالی شان:

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ ﴾ (المائدہ: ۵/ ۱۸)

''یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں' آپ کہہ دیجیے کہ پھر تمہیں تمہارے گناہوں کے باعث اللہ کیوں سزا دیتا ہے۔''

ابن مجاہد بولے: لگتا ہے یہ آیت تو میں نے آج تک سنی ہی نہیں ہے![2]

میں عرض کرتا ہوں: مجھے تو اس حکایت کی صحت میں شک ہے' کیونکہ اس حکایت کا ایک راوی حسن بن غالب[3] قابل اعتماد شخص نہیں ہے۔

---

[1] امام بغوی رحمہ اللہ ''معالم التنزیل'' ۴/۶۰۳ میں رقم طراز ہیں:
''آپ یعنی سیدنا سلیمان علیہ السلام ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر تلوار چلانے لگے۔ یہی قول سیدنا ابن عباس' حسن' قتادہ' مقاتل اور اکثر مفسرین کا ہے۔ یہ عمل آپ کے لیے تو مباح تھا' کیونکہ اللہ کا نبی حرام کام کا اقدام تو نہیں کر سکتا تھا' اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ ایک گناہ کی توبہ دوسرے گناہ کے ارتکاب سے کرے۔''

[2] ملاحظہ فرمائیں حلیۃ الاولیاء: ۱۰/۲۷۳۔۲۷۴

[3] حسن بن غالب کا پورا نام ابن علی بن غالب بن منصور بن صعلوک ابو علی تمیمی ہے جو ابن مبارک مقری ←

ابوبکر خطیب بیان کرتے ہیں: حسن بن غالب نے بعض ایسی عجیب اشیاء کا دعویٰ کیا ہے جن سے ہمارے لیے ان کا جھوٹ اوران کا روایات وضع کرنا بالکل واضح ہو گیا ہے۔[1]

اور اگر یہ حکایت صحیح بھی ہو تو اس سے شبلی کی کم علمی اس طرح سامنے آتی ہے کہ انہوں نے اس آیت مبارکہ سے حجت پکڑی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ ابن مجاہد کی علمی کم مائیگی بھی صاف نظر آ رہی ہے جب وہ ان کا جواب دینے میں ساکت و خاموش رہے ہیں یعنی ان کا درج ذیل آیت مبارکہ سے استدلال کرنا:

﴿ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴾ (ص : ۳۸/ ۳۳)

''پھر پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا''

آیت مبارکہ سے استدلال کرنا اس طرح غلط ہے کہ ایک نبی معصوم کی جانب خرابی والے عمل کی نسبت کرنا کسی طور پر بھی جائز نہیں ہے۔

حالانکہ مفسرین عظام[2] کا اس آیتِ مبارکہ کے مراد کو خاص کرنے اور اس کے معنی کی تعیین کرنے میں اختلاف ہے۔ بعض تو یہ کہتے ہیں: سیدنا سلیمان علیہ السلام نے ان گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں پر پیار سے ہاتھ پھیرا تھا اور یوں فرمایا تھا کہ تو فی سبیل اللہ راہ جہاد کے لیے ہے۔ اور یہ معنی مراد لینا اصلاح والا عمل ہے۔

اور بعض مفسرین نے یہ فرمایا ہے: آپ نے ان کی کونچیں کاٹ ڈالی تھیں۔ گھوڑوں کو

← کے نام سے معروف تھے۔ ابن سمعون کی رفاقت وصحبت میں رہے ہیں۔ انہوں نے قرآن کریم کو ایسے لہجہ میں پڑھا جس کی وجہ سے ان پر اعتراضات کیے گئے۔ ان پر عمداً یا خطاءً جھوٹ بھی ثابت ہوا۔ روایت میں ان پر بہت زیادہ اتہام لگایا گیا ہے۔

ابوبکر قزوینی ان پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ قراءت شاذہ کی بنا پر ان پر تنقیدی تبصرہ تحریر کیا گیا' ابو محمد سمرقندی نے کہا ہے: وہ کذاب ہے۔ ۴۵۸ھ میں بیاسی برس کی عمر میں فوت ہوئے اور ابراھیم حربی کے پہلو میں دفن ہوئے۔ دیکھئے البدایہ والنھایہ: ۹۴/۱۲

[1] تاریخ بغداد: ۲۰۰/۷

[2] اس تفصیل کے لیے مصنف رحمہ اللہ کی تفسیر ''زاد المسیر'' ۱۳۰/۷ ملاحظہ فرمائیں۔

ذبح کرنا اور ان کا گوشت تناول کرنا جائز عمل ہے۔ اس صورت میں بھی آپ نے کوئی برا کام نہیں کیا۔

رہا مسئلہ صحیح کپڑے کو خراب کرنے کا جو کسی صحیح مقصد اور درست غرض کے لیے بھی نہ ہو تو یہ تمام صورتوں میں ناجائز ہی ناجائز ہے۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام کے مذکورہ عمل کے متعلق یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ عمل سیدنا سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں تو جائز ہو لیکن ویسا کرنا ہماری شریعت میں جائز نہیں ہے۔

ابو عبداللہ احمد بن عطاء کہتے ہیں ابو علی روذباری کا مذہب ہی آستینوں کو ادھیڑنا اور قمیص کو چاک کیے رکھنا تھا۔

کہتے ہیں: وہ تو قیمتی اور نفیس کپڑے کو پھاڑ کر لیتے' نصف اوپر لے لیتے اور نصف کا ازار بند بنا لیتے تھے' حتیٰ کہ ایک روز وہ حمام میں داخل ہوئے' ان کے پاس ایک کپڑا تھا جبکہ ان کے ساتھیوں کے پاس ازار بند بھی نہیں تھے' تو انھوں نے ان کی تعداد کے برابر اس کپڑے کے ٹکڑے بنا دیئے جو انھوں نے بطور ازار بند استعمال کیے اور ساتھ ہی یہ کہہ دیا کہ جب حمام سے باہر نکلیں تو یہ سارے پارچے حمامی یعنی غسل خانے کے مالک کو دے دیے جائیں۔

ابن عطاء کہتے ہیں: ابو سعید کازرونی نے مجھے بتایا: ''اس روز میں بھی ان کے ہمراہ تھا' وہ چادر جس کے انہوں نے پارچے اور ٹکڑے بنائے تھے تقریباً تیس دینار کی قیمت کی ہو گی۔''

ابو حسن بوشنجی بیان کرتے ہیں: میرے پاس ایک چکور تھی (یا چکور مثل کوئی پرندہ) جسے سو درہم میں منگوایا گیا تھا' ایک شب کی بات ہے کہ میرے ہاں دو اجنبی مسافر آئے۔ میں نے اپنی والدہ سے دریافت کیا: ''کیا مہمانوں کے لیے آپ کے پاس کچھ کھانے کو ہے؟'' انہوں نے جواب دیا: نہیں' صرف روٹی ہے' میں نے اس چکور کو ذبح کیا اور مہمانوں کی خاطر مدارات کی۔ حالانکہ ان کے لیے یہ بھی تو ممکن تھا کہ مہمانوں کی خاطر کسی سے کچھ رقم ادھار لے لیتے' پھر چکور کو فروخت کر کے قرض چکا دیتے لیکن انہوں نے تفریط کا ارتکاب کیا۔

احمد غزالی[1] بغداد میں تھے' ایک روز بغداد سے باہر محول گاؤں کی جانب نکلے[2] وہاں ایک رہٹ (چرخی دار کنواں) پر ہلکی سی آواز سنی' اور جلدی سے اپنی طیلسان یعنی سبز رنگ کی بڑی شال اس پر پھینک دی۔ چرخی گھومی تو اس نے طیلسان کے پرخچے اڑا دیے۔

اس جہالت' تفریط اور علم سے دوری کو دیکھئے' حالانکہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند ثابت ہے کہ آپ نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔[3]

اور اگر کوئی آدمی صحیح دینار کو کاٹ کر اپنے استعمال میں لاتا ہے تو فقہاء کے نزدیک یہ عمل زیادتی ہے' تو اس قدر فضول خرچی جو کہ حرام ہے' اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟

اس سے ملتا جلتا عمل حالتِ وجد میں کپڑوں کو پھاڑ ڈالنا بھی ہے جس کا تفصیلی ذکر ان شاء اللہ آئندہ آئے گا۔ پھر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ بھئی یہ ایک حال ہے' تو یاد رکھیں! اس حال میں کوئی خیر و بھلائی نہیں ہے جو شریعت کے منافی ہو۔

کیا یہ اپنے نفسوں کے بندے ہیں یا انھیں یہی حکم ملا ہے کہ اپنی آراء پر ہی عمل پیرا رہیں؟ اگر تو انھیں یہ معلوم ہے کہ وہ اپنے ان افعال سے شریعت کی خلاف ورزی کر رہے ہیں' اور جانتے بوجھتے ایسا کر جاتے ہیں تو یقیناً یہ عناد' ہٹ دھرمی اور سرکشی ہے' اور اگر انھیں اس خلاف ورزی کی سمجھ ہی نہیں تو اللہ کی قسم! یہ تو انتہائی جہالت ہے۔

چھوٹے لباس بنانا

کچھ صوفیاء ایسے بھی ہیں جو لباس کو انتہائی چھوٹا رکھتے ہیں' اور یہ بھی باعث شہرت ہے۔ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ازار کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمانے لگے: میں نے

---

[1] یہ امام غزالی حجۃ الاسلام کے حقیقی بھائی ہیں۔ علم کلام' زہد و ورع اور بہترین عقل و فکر والے تھے۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ ان کے نہایت نادر ارشادات ہیں مگر بعض اوقات ان کے کلام میں جھول اور موضوع احادیث کی ملاوٹ نظر آتی ہے۔ ان کے کلام میں دور از کار حکایات اور فاسد معانی کی آمیزش موجود ہے۔ یہ ۵۲۰ھ میں فوت ہوئے تھے۔ دیکھیے البدایہ والنھایہ: ۱۲/۱۹۶

[2] بغداد اور محول کے مابین ایک فرسخ کا فاصلہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں معجم یاقوت ۵/۶۶

[3] صحیح بخاری' الزکاۃ' باب قول اللہ عز و جل لا یسئلون الناس الحافا' حدیث: ۱۴۷۷۔

رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے:

((اِزَارُ الْمُسْلِمِ اِلٰی أَنْصَافِ السَّاقَیْنِ، لَا جُنَاحَ أَوْلَاحَرَجَ عَلَیْهِ مَا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْکَعْبَیْنِ، مَا کَانَ أَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُوَ فِی النَّارِ))[1]

''مسلمان کا ازار پنڈلیوں کے درمیان تک ہونا چاہیے' ٹخنوں اور پنڈلی کے درمیان تک جہاں بھی ہو جائے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے' لیکن جو ٹخنوں سے نیچے ہوگا تو یہ دوزخ میں جائے گا۔''

معمر بیان کرتے ہیں: ایوب کی قمیص میں قدرے دامن نیچا تھا' آپ سے عرض کیا گیا تو فرمانے لگے: ان دنوں دامن کو اونچا رکھنا باعث شہرت ہے۔[2]

اسحٰق بن ابراہیم بن ہانی کہتے ہیں: ایک دن میں ابوعبداللہ احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں اس طرح حاضر ہوا کہ مجھ پر گھٹنوں سے نیچے تک اور پنڈلی سے اوپر تک قمیص تھی' پوچھنے لگے: یہ کیا انداز ہے؟ اس پر اعتراض کیا اور فرمایا: یہ ایک مرتبہ تو ہوگیا آئندہ ایسا نہ ہو۔[3]

عمامہ کے بجائے سر پر کوئی پھٹا پرانا کپڑا رکھنا

صوفیاء میں سے ایسے بھی ہیں جو عمامہ کی جگہ اپنے سروں پر کوئی پھٹا پرانا کپڑا سا رکھتے ہیں' تو یہ بھی شہرت کا باعث ہے' کیونکہ یہ شہر والوں کے لباس کے برعکس ہے۔[4] ہر وہ لباس کا انداز جس میں شہرت مقصود ہو' مکروہ ہوگا۔

بشر بن حارث کا کہنا ہے: ایک روز عبداللہ بن مبارک جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوئے' آپ کے سر پر ایک بڑی سی ٹوپی تھی' آپ نے لوگوں کو دیکھا کہ ان کے سروں پر

---

[1] سنن ابی داود' اللباس' باب فی قدر موضع الازار' حدیث : ۴۰۹۳۔ سنن ابن ماجه' اللباس' باب موضع الازار این هو' حدیث : ۳۵۷۳۔ موطا امام مالك ۷/ ۹۱۴۔
مسند احمد : ۳/ ۵۔

[2] دیکھیے حلیۃ الاولیاء ۳/ ۷

[3] جب کہ سنت مبارکہ افراط وتفریط اور غلو وتقصیر کے درمیان ہے۔

[4] یہ انتہائی لطیف پابندی ہے۔

ٹوپیاں نہیں ہیں' آپ نے بھی ٹوپی اتاری اور اپنی آستین میں چھپالی۔

صرف ایک کپڑا

ان صوفیاء میں کچھ ایسے بھی ہیں جن کے پاس ماسوائے ایک جوڑا کپڑے کے دوسرا بالکل نہیں ہوتا' دنیا سے اظہار زہد کرتے ہوئے' البتہ یہ اچھا ہے اگر نماز جمعہ یا روز عید کے لیے کوئی اور کپڑا بھی رکھ لیں تو زیادہ بہتر اور اچھا ہوگا۔

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جمعہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا اور یہ بھی فرمایا:

((مَا عَلٰی أَحَدِكُمْ لَوِ اشْتَرٰی ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ جُمُعَةٍ سِوٰی ثَوْبِ مِهْنَتِهٖ))[1]

"اگر تم میں سے کوئی جمعہ کے دن کے لیے دو کپڑے خرید کر رکھ لے جو اس کے محنت مزدوری کے کپڑوں کے علاوہ ہوں تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے۔"

---

[1] سنن ابی داود' الصلاۃ' اللبس للجمعة' حدیث: ۱۰۷۸۔
سنن ابن ماجه' اقامة الصلوات' باب ما جاء فی الزینة یوم الجمعة' حدیث: ۱۰۹۵

صوفیاء کے کھانے پینے میں تلبیسات ابلیس

متقدمین صوفیاء پر ابلیس نے جی بھر کر تلبیسی حملے کیے ہیں' انھیں کم خوری اور سخت خوری کا حکم اور سخت خوانی کا حکم کیا' اور انھیں ٹھنڈا پانی پینے سے روک دیا' تو جب ابلیس متاخرین تک پہنچا' اسے تھکاوٹ سے استراحت مل گئی' ان کی بسیار خوری اور خوش عیشی دیکھ کر متعجب ہونے لگا!!

قدیم صوفیاء کے افعال کا ایک جائزہ

ان قدماء میں کچھ ایسے صوفی بھی تھے جو کئی کئی روز تک بالکل نہیں کھاتے تھے یہاں تک کہ ان کی جسمانی قوت بہت کمزور پڑ جاتی۔ اور ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو روزانہ ہی کچھ کھالیا کرتے تھے لیکن اتنی مقدار طعام بدن کو بھی قائم نہیں رکھتی تھی۔

سہل بن عبداللہ کے متعلق ہمیں یوں روایت ملی ہے کہ وہ آغاز سال میں ایک درہم کا کھجور کا سیرہ' دو درہموں کا گھی اور ایک درہم کا چاولوں کا آٹا خرید کر سب کو باہم ملا لیتے' پھر اس سے تین سو ساٹھ گول سے لڈو بنا لیتے' روزانہ رات کو ایک ایک لڈو سے افطاری کر لیا کرتے تھے۔

ابو حامد طوسی (یعنی امام غزالی صاحب الاحیاء) نے انہی کی نسبت تحریر کیا ہے: ایک مدت تک تو سہل بیری کے پتوں پر ہی گزارا کرتے رہے' پھر تین برس تک جانوروں والا بھوسہ ہی کھاتے رہے اور تین برسوں میں فقط تین درہموں کا کھانا کھایا۔

ابو جعفر حداد نے کہا ہے: ایک دن ابو تراب میرے ہاں چلے آئے' اس وقت میں ایک پانی کے حوض پر تھا' اس دن تک مجھے سولہ ایام ہو چکے تھے کہ میں نے کچھ کھایا تھا اور نہ

ہی اس حوض سے کچھ پیا تھا۔ انہوں نے پوچھا: ادھر کس مقصد کے لیے بیٹھے ہو؟ میں نے جواب دیا: میں تو علم اور یقین کے درمیان مقابلہ کر رہا ہوں' دیکھتا ہوں کہ ان میں سے کون غالب آتا ہے' تاکہ میں اس کا ہمراہی بن جاؤں۔ وہ بولا: بس عنقریب آپ کی ایک شان ہوگی!

ابوعبداللہ بن زید بیان کرتے ہیں: میں نے عرصہ چالیس برس میں اپنے نفس کو کبھی کھانے کو نہیں دیا مگر صرف اسی حال میں جب اس کے لیے مردار کھانا حلال ہو جاتا تھا!!

عیسیٰ بن آدم نے کہا ہے: ایک شخص ابویزید کے پاس آیا اور یوں کہنے لگا: میں بھی اس مسجد میں بیٹھنا چاہتا ہوں جس میں آپ تشریف فرما ہیں۔

انہوں نے جواب دیا: تو اس کی طاقت نہیں رکھتا' وہ پھر عرض پرداز ہوا: اگر آپ مجھے اجازت دے دیں تو بہتر ہی ہوگا' چنانچہ انہوں نے اجازت عطا فرما دی۔ ایک دن یونہی کھائے بغیر ہی بیٹھے رہے۔ جب دوسرا روز آیا تو وہ بولا: اے استاذ محترم! مجھے ایسی چیز درکار ہے جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے یعنی کھانے کو کچھ چاہیے۔ وہ بولے: اے بیٹے! بس اللہ کو یاد کیے جاؤ! وہ عرض پرداز ہوا: استاذ محترم! مجھے تو کچھ کھانے کو چاہیے۔ وہ جواب میں بولے: اے بیٹے! ہماری خوراک تو بس اطاعت الٰہی ہے' وہ عرض پرداز ہوا: استاد من! میں تو اپنے وجود کو اطاعت الٰہی میں مصروف رکھنے کے لیے کچھ کھانا چاہتا ہوں۔ وہ بولے: اے بیٹے! انسانی بدن صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی قائم رہتے ہیں!!

ابراھیم بن خواص بیان کرتے ہیں: میرے اس بھائی نے مجھ سے بیان کیا جو ابوتراب کی صحبت میں بیٹھا کرتا تھا' اس نے ایک صوفی کو دیکھا کہ وہ تربوز کے چھلکے کی طرف ہاتھ بڑھائے ہوئے ہے حالانکہ وہ تین یوم سے بھوکا تھا' تو ابوتراب نے اسے کہا: تو تربوز کے چھلکے کی طرف ہاتھ بڑھا رہا ہے' تو ایسا نالائق ہے کہ تصوف (کا عظیم مرتبہ) تجھے مل نہیں سکتا' جاؤ بازار میں جا کر رہو!

ابوعلی روذباری بیان کرتے ہیں: جب کوئی صوفی پانچ یوم کے بعد بھی یہ کہے: مجھے بھوک لگی ہے' تو اسے بازار میں رہنے کا اور کوئی کسب کرنے کا کہہ دو۔

ابو احمد صغیر بیان کرتے ہیں: ابو عبداللہ بن خفیف نے مجھے حکم دیا کہ روزانہ افطاری کے لیے میں اس کے پاس منقہ کے دس دانے حاضر خدمت کر دیا کروں۔ ایک شب مجھے ان پر ترس آ گیا تو میں پندرہ دانے لے گیا' انہوں نے میری طرف دیکھا اور بولے: تجھے ایسا کرنے کا کس نے کہا ہے؟ پھر انہوں نے صرف دس دانے کھائے اور باقی چھوڑ دیے!

گوشت کھانے سے پرہیز

ان میں ایسی قوم بھی ہوئی جو گوشت نہیں کھاتے تھے' حتیٰ کہ اس گروہ کے ایک آدمی نے یوں کہا ہے: ایک درہم کے برابر گوشت تناول کرنے سے چالیس روز تک دل سخت رہتا ہے۔ اور ان میں بعض ایسے بھی ہو گزرے ہیں جو ہر پاک اور عمدہ کھانے سے باز رہتے تھے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اس حدیث سے حجت لیا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

((اَحْرِمُوْآ اَنْفُسَكُمْ طَيِّبَ الطَّعَامِ، فَاِنَّمَا قَوِيَّ الشَّيْطَانُ اَنْ يَّجْرِيَ فِي الْعُرُوْقِ بِهَا))[1]

''اپنے نفسوں کو عمدہ کھانوں سے محروم رکھو کیونکہ ان کے ذریعے شیطان کو رگوں میں دوڑنے پر قوت مل جاتی ہے''

ان صوفیاء میں ایسا شخص بھی ہوا ہے جو صاف پانی پینے سے پرہیز کرتا تھا۔ ان میں ایک شخص ایسا بھی ہو گزرا ہے جو ٹھنڈے پانی کے بجائے گرم پانی ہی پیا کرتا تھا۔ ان میں

---

[1] اس روایت کو خود مصنف رحمہ اللہ نے موضوعات: ۳/۳۰ میں ذکر کیا ہے اور یوں تحریر کیا ہے: یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر گھڑی گئی ہے۔ اس روایت میں بزیع نامی راوی متہم ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اس کے متعلق فرمایا ہے: ''احادیثہ منکر' لا یتابعہ علیها احد'' (اس کی مرویات منکر ہیں جن پر کوئی اس کی متابعت نہیں کرتا) امام دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ''هو متروك''
اسے ابن ماجہ نے اپنی ''امالی'' میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح امام شوکانی رحمہ اللہ نے ''الفوائد المجموعة'' ص۱۸۳ میں بیان کیا ہے اس کی سند میں بزیع ابو الخلیل احادیث گھڑنے میں متہم ہے۔ مزید دیکھئے لسان المیزان: ۲/۱۶' ۱۷۔ ابن عراق نے بھی ''تنزیه الشریعة'' ۲/۲۴۰ میں اس حدیث پر موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے۔ مصنف رحمہ اللہ بھی بعد میں اس کا موضوع ہونا بیان کریں گے۔

ایسا بھی ہو گزرا ہے جو پانی کو زمین میں گاڑے ہوئے کسی گھڑے میں ڈال لیتا جس سے وہ گرم ہو جاتا۔

ابو حامد غزالی ابو یزید سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا لیکن یہ سرکشی پر آمادہ رہا' تب میں نے اسے سال تک پانی نہ پلانے اور اسے نیند کا ذائقہ نہ چکھانے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ اس نے پھر اس عزم کی تکمیل میں میرا ساتھ نبھایا۔

ابو طالب مکی[1] نے صوفیاء کے لیے کھانے کے معاملات میں کچھ ترتیب مقرر کی ہے اور یوں لکھا ہے: مرید کے لیے میں یہ مستحب ٹھہراتا ہوں کہ شب و روز میں دو روٹیوں سے زائد بالکل نہ کھائے۔

یوں بھی لکھا ہے: لوگوں میں سے کچھ ایسے گزرے ہیں جو کھانے پینے ہی میں کام کرتے رہتے تھے' اس طرح وہ خوراک کم کر لیتے تھے' اور بعض ایسے تھے جو کھجور کی خشک جڑ کے ساتھ اپنی خوراک کو تولتے پھر کھاتے' اس طرح وہ جڑ رفتہ رفتہ خشک ہوتے ہوئے وزن میں ہلکی ہوتی جاتی تھی۔

اور یہ بھی کہا ہے: ان صوفیاء میں کچھ ایسے بھی ہو چکے ہیں جو اپنی خوراک کے متعلق سوچتے رہتے تو جس قدر وہ روزانہ کھاتے تھے اسی مقدار کو پھر دو دنوں تک اور پھر تین دنوں پر رفتہ رفتہ لے جاتے۔

ابو طالب نے یہ بھی لکھا ہے: بھوک دل کے خون کو کم کرتی اور پھر اسے سفید بناتی ہے' اس خون کی سفیدی ہی میں نور ہوتا ہے' یہی بھوک دل کی چربی کو پگھلا دیتی ہے' اس پگھلاہٹ ہی میں دل کی رقت ہے اور پھر اس رقت قلبی ہی میں مکاشفہ کی چابی ہوتی ہے۔[2]

---

[1] یہ "قوت القلوب" کے مولف ہیں۔ ۳۸۶ھ میں فوت ہوئے تھے۔ البدایہ والنھایہ: ۳۱۹/۱۱ میں ان کے حالات زندگی درج ہیں۔ اہل بغداد نے انہیں بدعتی کہہ کر چھوڑ دیا تھا جس طرح کہ تاریخ بغداد: ۸۹/۳ میں مندرج ہے۔ ان کی مذکورہ کتاب مطبوع اور متداول ہے!!

[2] یہ سب باتیں ابلیس کی تلبیسات میں سے اور شیطانی دھوکے میں سے ہیں۔

صوفیاء کی خاطر ابو عبداللہ محمد بن علی ترمذی[1] نے بھی ریاضۃ النفوس نامی ایک کتاب تصنیف کی تھی' اس میں تحریر کیا ہے:

''ایک مبتدی کو چاہیے کہ اس میدان میں آنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنے کے لیے بلاناغہ مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے' پھر روزے رکھنا ترک کر دے' تھوڑا تھوڑا معمول میں چھوٹے چھوٹے لقموں کی صورت میں کھانا کھانا شروع کرے' سالن کا استعمال بالکل ترک کر دے' پھل' لذت کی اشیاء' بھائیوں کی ہم نشینی اور کتب کی ورق گردانی کو چھوڑ دے کیونکہ یہ سب امور نفس کو خوش رکھنے والے ہیں' نفس کی لذتوں کو بالکل دور کر دے حتیٰ کہ وہ غموں سے معمور ہو جائے۔''

ان کے بعض متاخرین نے ان کے لیے اربعینیہ یعنی چلہ کشی کی رسم نکالی ہے۔ ان کا ایک فرد چالیس روز تک روٹی نہیں کھاتا' صرف جوس اور عرقیات لیتا ہے اور لذیذ پھل بکثرت کھاتا رہتا ہے۔

---

[1] یہ ترمذی وہ نہیں ہیں جو ابوعیسیٰ ترمذی صاحب السنن ہیں بلکہ یہ حکیم ترمذی ہیں جو ۳۲۰ھ میں فوت ہوئے تھے۔ اہل ترمذ نے ''ختم الولایۃ'' کتاب تصنیف کرنے کی بنا پر ان سے ترک تعلق کر لیا تھا! کمال الدین ابن العدیم نے اپنے ایک جزء "الملحه في الرد علی ابی طلحه" میں یوں لکھا ہے: یہ حکیم ترمذی اہل حدیث میں سے نہیں تھے' نہ ہی ان کی کوئی روایت ہے بلکہ انہیں تو حدیث کے طرق اور اصول حدیث کی معرفت ہی نہ تھی' ان کی صرف صوفیاء کے اشارات اور طریقوں پر مبنی چند باتیں ملتی ہیں' جن میں مخفی امور اور پوشیدہ حقائق کو کشف و معلوم کرنے کا دعویٰ کیا گیا ہے' حتیٰ کہ وہ اس ڈگر پر چلتے ہوئے فقہاء کے قاعدے سے بھی باہر نکل گئے تھے' جس کی بنا پر وہ مستحق طعن و ملامت اور ذلت و حقارت ٹھہرے تھے۔ ائمہ فقہا اور صوفیاء نے انہیں قابلِ طعن گردانا ہے' اس کی بنا پر انھوں نے انہیں ناپسندیدہ بھی قرار دے دیا تھا' اور یوں کہا تھا: اس نے علم شریعت میں ایسی باتیں داخل کر دی ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی جماعت کا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔ اس نے اپنی قبیح اور مکروہ کتابوں میں موضوع احادیث کی بھرمار کر دی ہے' اور ایسی حکایات و مرویات سے ان کتابوں کو بھرپور کر دیا ہے جو نہ روایت شدہ ہیں اور نہ ہی کبھی سننے میں آئی ہیں' اس نے تمام شرعی امور میں ایسی علتیں بیان کی ہیں جو انتہائی بودی اور کھوکھلی ہیں جن علتوں کو سمجھنا عقل سے ماورا ہے۔
حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لسان المیزان: ۵/۳۰۹ میں ایسے ہی نقل کیا ہے' پھر مزید اس پر گفتگو فرمائی ہے۔ اس کی مراجعت خوب رہے گی!

یہ تھا مختصر سا جائزہ ان صوفیاء کے کھانے پینے کے حوالے سے۔

مذکورہ افعال کے کرنے میں تلبیس ابلیس' صوفیاء اوران کی غلطیاں

سہل کے متعلق جو ذکر ہوا ہے وہ ایسا فعل ہے جو بالکل ناجائز ہے کیونکہ اس میں نفس کو طاقت سے بڑھ کر تکلیف دینا پڑتی ہے۔ پھر مزید یہ بات بھی ہے کہ اللہ عز و جل نے آدمیوں کو گندم کی نعمت سے نوازا ہے اور اس کے چھلکے اور بھوسے کو ان کے مال مویشیوں کے لیے رکھا ہے' لہٰذا اس بھوسہ خوری میں مال مویشیوں سے مقابلہ بازی کسی طور بھی مناسب نہیں ہے' اور بھوسہ میں غذا بھی کون سی ہوتی ہے؟!

اس جیسی اشیاء اتنی مشہور و معروف ہیں جو محتاج تردید بھی نہیں ہیں۔

ابو حامد نے سہل کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ خیال کیا کرتے تھے کہ جس آدمی کو بھوک نے کمزور کر دیا ہو' اس کا بیٹھ کر نماز پڑھنا اس نماز سے افضل ہے جو وہ کھانا کھا کر قوت حاصل کر کے کھڑے ہو کر پڑھے گا۔

میں کہتا ہوں: یہ خطا اور غلطی ہے' بلکہ اگر وہ کھڑے ہونے کے لیے قوت حاصل کرے گا تو اس کا کھانا پینا بھی عبادت ہی بنے گا کیونکہ وہ عبادت گزاری کے لیے معاونت کر رہا ہے' اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کے لیے بھوکا رہنے کو پسند کرے گا تو یہ فرائض کو ترک کرنے کے لیے ایک سبب بنے گا' جو اس کے لیے ناجائز ہو گا۔

اگر (بصورت مجبوری) مردار کو کھانا پڑتا' یہ تو تب بھی جائز نہ تھا' تو ایسی حلال کھانے کی صورت میں یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟

پھر اس بھوک سے کون سی قربتِ الٰہی مل رہی ہے جو لوازمات عبادت کو معطل اور بے کار بنا رہی ہے؟!

رہا حداد کا یہ کہنا کہ "میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ علم غالب آتا ہے یا یقین" یہ محض جہالت کی بات ہے کیونکہ علم اور یقین کے مابین کوئی تضاد نہیں ہے' یقین علم کے مراتب میں سے ایک اعلیٰ مرتبے کا نام ہے۔ نفس کو کھانے پینے کی مطلوب اشیاء سے دور رکھنے میں علم و یقین کا کیا تعلق ہے؟!

بلکہ اس کا لفظ علم سے اشارہ ان امور کی جانب ہے جن کا شرع نے حکم دیا ہے اور یقین کے لفظ سے اپنی قوت صبر کی جانب اشارہ ہے۔ یہ انتہا درجے کی بکواس اور سچ جھوٹ کی آمیزش ہے۔

اور اسی طرح اس آدمی کا یوں کہہ دینا: ''میں نے اس وقت تک کبھی کھایا ہی نہیں جب تک کہ میرے لیے مردار کا کھانا جائز نہیں ہو جاتا'' یہ بھی اس کی ردی اور کمینی سوچ کا کام ہے اور حلال اشیاء کی موجودگی میں نفس کو مشقت میں ڈالنا ہے۔''

اور ابو یزید کا یہ کہنا: ''ہمارے ہاں غذا تو اطاعت الٰہی ہی ہے'' یہ انتہائی رکیک اور پھسپھسا کلام ہے' کیونکہ بدنِ انسانی کو کھانے کا حاجت مند بنایا گیا ہے' حتیٰ کہ دوزخی بھی آگ میں رہنے کے باوجود کھانے کے حاجت مند رہیں گے۔

رہا ابن خفیف کا کھانے کو کم رکھنا' تو یہ بھی فعل قبیح ہے' کسی طرح بھی مستحسن عمل نہیں ہے' ان کے متعلق ان کی خوبیاں سمجھتے ہوئے ایسے واقعات صرف وہی شخص بیان کرے گا جو شرعی اصول سے جاہل اور بے خبر ہوگا اور ایک علم دوست آدمی کو تو کسی عظیم تر آدمی کا قول مرعوب نہیں کر سکتا' تو وہ کسی مرضِ برسام[1] کے مارے شخص کے فعل سے کس طرح متاثر ہوگا؟

اور رہا ان کا گوشت خوری سے پرہیز کرنا' تو یہ برہمنوں کا مذہب ہے جو جانوروں کو ذبح کرنا جائز خیال نہیں کرتے' حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ انسانی ابدان واجسام کی مصلحتوں کو سب سے بڑھ کر جاننے والا ہے' تو اس نے ان کی قوت و طاقت کی خاطر گوشت کھانے کو جائز بنایا ہے' لہٰذا گوشت کھانا جسمانی قوت کو طاقت بخشتا اور کھانا چھوڑے رکھنا اس کو کمزور اور اخلاق کو برا بناتا ہے' جبکہ رسول اللہ ﷺ بذات خود گوشت تناول فرمایا کرتے تھے اور آپ کو بکری کی دستی کا گوشت (یعنی پنڈلی سے اوپر ٹانگ کا گوشت) انتہائی محبوب و مرغوب تھا۔[2]

اور سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ بلا ناغہ گوشت خریدا کرتے تھے۔

---

[1] برسام کا مرض ذات الجنب ہی ہے اور یہ پھیپھڑے کی جھلی میں سوزش کا نام ہے۔ (معجم الوجیز: ص/۴۵)

[2] صحیح بخاری' احادیث الانبیاء' باب قول اللہ عزوجل ''ولقد ارسلنا نوحا الی قومہ'' حدیث: ۳۳۴۰

صحیح مسلم' الایمان' باب ادنی اهل الجنة منزلة فيها' حدیث: ۱۹۴' مطولا عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ

اسلاف کا یہی معمول تھا الا کہ ان میں کوئی فقیر و غریب ہوتا' تو اس کا اپنی غربت و فقیری کی وجہ سے گوشت کھانے کا زمانہ کچھ زیادہ گزر جاتا۔ اور جو آدمی اپنے نفس کو خواہشات کی تکمیل کرنے سے منع ہی کرتا رہے تو یہ مطلق طور پر درست اور مناسب نہیں ہے' کیونکہ اللہ عز وجل نے اولاد آدم کو حرارت و برودت اور خشکی و رطوبت پر تخلیق فرمایا ہے اور اس کی صحت کو اخلاط اربعہ یعنی خون' بلغم' صفراوی مزاج اور سوداوی مزاج کے معتدل رہنے پر موقوف رکھا ہے' بعض اوقات اس کی کوئی خلط زیادہ ہو جاتی ہے تو طبیعت اس طرف مائل ہو جاتی ہے کہ اس زیادتی کو کم کر دے مثلاً صفرا بڑھ جانے پر طبیعت ترشی کی جانب مائل ہو جاتی ہے یا بلغم کی کمی ہونے پر طبیعت کو مرطوب اشیاء کی خواہش ہو جاتی ہے۔

الغرض طبیعت میں اس چیز کی جانب میلان اور رغبت قدرتی طور پر رکھ دی گئی ہے جس کی اسے ضرورت ہوتی ہے اور جو اس کے موافق ہوتی ہے' پھر جب نفس کو میلانِ طبع کے باوجود اس مطلوبہ چیز سے روکا جائے گا تو گویا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی حکمت کو اس طریقے سے رد کر دیا گیا' پھر اس کا بدن پر بھی الٹا اثر پڑے گا' اس طرح ایسی حرکت کا ارتکاب شریعت اور عقل دونوں کے ہی مخالف ہوا۔

یہ بات تو معلوم ہے کہ بدن آدمی کے لیے ایک سواری ہے تو جب اس سواری کے ساتھ نرم خوئی سے معاملہ نہ رکھا جائے گا' یہ منزل مقصود تک نہیں پہنچ پائے گی۔ ان لوگوں کا علم انتہائی قلیل و محدود رہا' اسی لیے انھوں نے اپنی فاسد اور ناکارہ رائے کے ساتھ ہی کلام کیا ہے' اگر کبھی کوئی بطور ثبوت دلیل بھی لائے ہیں تو فقط ضعیف یا موضوع حدیث ہی سے یا پھر کبھی معتبر حدیث سے ردی سوچ اور گئے گزرے فہم کا ہی اظہار کیا ہے۔

مجھے تو ابو حامد غزالی پر تعجب آتا ہے کہ کس طرح مرتبۂ فقاہت پر فائز ہونے کے باوجود ان لوگوں کے مذہب تک نیچے اتر آئے ہیں؟ حتیٰ کہ انھوں نے یہاں تک کہا ہے: مرید کے لیے یہ بالکل روا نہیں ہے کہ جب اس کے نفس کو جماع کرنے کی طاقت ہو تو وہ کچھ کھا پی کر بیوی سے صحبت کرے' کیونکہ اس طرح وہ دو خواہشوں کو نفس کے لیے پورا کرے گا' اس طرز عمل سے تو نفس اس پر غالب آ جائے گا!

یہ قول نہایت درجہ قبیح ہے' کیونکہ سالن بھی تو کھانے سے زائد ایک خواہش ہے' لہٰذا اسے چاہیے کہ سالن کا استعمال بھی ترک کر دے اور پینا ایک دوسری زائد خواہش ہے۔

کیا صحیح بخاری کی حدیث مبارکہ میں یہ موجود نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی غسل سے اپنی تمام ازواج پر چکر لگایا تھا؟[1] تو آپ نے ایک ہی خواہش پر اکتفا کیوں نہ فرمایا؟!

کیا بخاری اور مسلم میں یہ بات موجود نہیں ہے[2] کہ رسول اکرم ﷺ کھجوروں کے ساتھ کھیرا ملا کر کھایا کرتے تھے؟ یہ بھی تو دو خواہشیں ہی ہیں!

کیا نبی اکرم ﷺ نے ابو ہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ کے ہاں روٹی' بھنا گوشت اور نیم پختہ کھجوریں نہیں کھائی تھیں؟ اور کیا آپ نے وہاں ٹھنڈا پانی نوش جاں نہیں فرمایا تھا؟![3]

کیا امام ثوری رحمہ اللہ گوشت' انگور اور فالودہ کھاتے اور پھر اٹھ کر نماز نہیں پڑھا کرتے تھے؟

اور کیا گھوڑوں کو جو' بھوسہ اور اسپست (ایک جنگلی دانے کا نام جسے دیہاتی بھی کھاتے ہیں) نہیں کھلایا جاتا' اور کیا اونٹنی کو درختوں کے پتے اور چنے نہیں کھلائے جاتے؟! اور بدن بھی تو ایک اونٹنی ہی ہے؟!

بعض متقدمین نے صرف ہمیشہ دو سالن استعمال کرنے سے منع کیا ہے کہ کہیں ایسی

---

[1] صحیح بخاری' النکاح' باب من طاف علی نساء ہ فی غسل واحد' حدیث: ۵۲۱۵
صحیح مسلم' الحیض' باب جواز نوم الجنب و استحباب الوضوء لہ' حدیث: ۳۰۹'
واللفظ لہ

[2] صحیح بخاری' الاطعمۃ' باب القثاء بالرطب' حدیث: ۵۴۴۰۔
صحیح مسلم' الاشربۃ' باب اکل القثاء بالرطب' حدیث: ۲۰۴۳۔

[3] سنن ترمذی' الزھد' باب ماجاء فی معیشۃ اصحاب النبی ﷺ' حدیث: ۲۳۶۹
واصلہ فی صحیح مسلم' الاشربۃ' باب جواز استباعہ غیرہ الی دار من یثق برضاءہ بذلک'
حدیث: ۲۰۳۸

عادت ہی نہ بن جائے' اور کبھی اس عادت کی وجہ سے تکلیف ہی نہ اٹھانی پڑے۔ بس یہ یاد رکھیں کہ فضول خواہشوں کی تکمیل نہیں کرنی چاہیے کہ کہیں زیادہ کھانے یا زیادہ سونے کی عادت نہ پڑ جائے یا پھر کہیں ایسی چیزوں کا نفس عادی نہ بن جائے کہ ان چیزوں سے صبر ہی نہ کر سکے تو اس کے نتیجے میں انسان ایسی اشیاء کے حصول ہی میں اپنی عمر ضائع کرنے لگ جائے اور بعض اوقات تو ان چیزوں کو ناجائز ذرائع سے حاصل کرنے میں لگ جاتا ہے۔

فضول خواہشات کو ترک کرنے میں سلف صالحین کا یہ طریقہ کار تھا۔

رہی وہ حدیث جس سے وہ حجت پکڑتے ہیں یعنی

((اَحْرِمُوْا اَنْفُسَکُمْ طَیِّبَ الطَّعَامِ......))

''اپنے نفسوں کو مرغوب کھانوں سے محروم رکھو......''

تو یہ حدیث ہی من گھڑت اور موضوع ہے جسے بزیع راوی کے ہاتھوں نے گھڑا ہے۔[1]

جب کوئی آدمی فقط نان جویں اور موٹا پیا ہوا نمک ہی کھاتا رہے گا تو اس کا مزاج منحرف ہو جائے گا' کیونکہ جو کی روٹی خشک ہے اور خشکی پیدا کرنے والی ہے جبکہ نمک خشک اور قابض ہے جو دماغ اور بینائی کو ضرر پہنچاتا ہے۔

ضرورت سے کم کھانے سے معدہ لازماً خشک اور تنگ ہو جائے گا۔

یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ کھانے کے معاملے میں مذموم فقط حد درجے کی بسیار خوری ہے۔ کھانے کے آداب کے ضمن میں سب سے بہتر شارع[2] علیہ السلام کے بتائے ہوئے آداب ہیں۔

---

[1] اس پر تفصیلی گفتگو چند اوراق قبل گزر چکی ہے۔

[2] بعض اہل علم نے لفظ ''شارع'' کا اطلاق رسول اللہ ﷺ پر کرنے کو منع کہا ہے کیونکہ فقط ذات باری تعالیٰ ہی ایسی ذات ہے جس نے تمام شریعتوں کو مقرر کیا ہے جیسے کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ......﴾ (الشوریٰ : ۴۲/ ۱۳)

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے وہی شریعت مقرر کر دی ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح کو حکم دیا ←

سیدنا مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''آدمی اپنے پیٹ سے بڑھ کر کسی برے برتن کو نہیں بھرتا' حالانکہ ابن آدم کو اپنی کمر سیدھی رکھنے کے لیے چند نوالے اور لقمے ہی کافی ہیں۔ اگر اسے کوئی چارہ کار نظر نہ آئے تو پھر ایک تہائی کھانا اور ایک تہائی پینا اور ایک تہائی اپنے سانس کی آمد و رفت کے لیے رکھے۔[1]

بلاشبہ شارع علیہ السلام نے اتنا حکم دیا ہے جس سے نفس قائم رہ سکتا ہے' اس میں نفس کی حفاظت اور اس کے مصالح کا خیال بھی ہے' اگر اس تقسیم شارع (علیہ السلام) کو یعنی تہائی تہائی والی تقسیم کو قدیم یونانی طبیب بقراط سن لیتا تو اس حکمت سے معمور ولبریز بات کو سن کر دنگ اور انگشت بدنداں رہ جاتا' کیونکہ کھانا اور پانی معدے میں جا کر پھولتے ہیں جو معدے کو لبریز کر دینے کے قریب ہو جاتے ہیں تو اس طرح پھر بھی ایک تہائی سانس کی آمد و رفت کے لیے باقی بچ جاتا ہے۔ یہ تو انتہائی عادلانہ اور معتدل بات ہے۔ اگر اس سے بھی کم ہو جائے تو پھر بھی کوئی ضرر والی بات نہیں ہے اور اگر بہت زیادہ کم کرے گا تو قوت بدن کو کمزور کر بیٹھے گا اور خوراک کی نالیوں کو سکیڑ بیٹھے گا۔

صوفیاء اور بھوک

یہ بات جان لیں کہ صوفیاء اپنے نو واردوں اور نوجوانوں کو اپنی غذا کم رکھنے کا حکم کرتے تھے' حالانکہ نوجوانوں پر سب سے زیادہ نقصان دہ چیز تو یہی بھوک ہوتی ہے کیونکہ عمر رسیدہ حضرات تو بھوک برداشت کر سکتے ہیں' اسی طرح ادھیڑ عمر لوگ بھی' رہے عنفوان شباب میں قدم رکھنے والے' تو وہ بھوک کی شدت کو برداشت نہیں کر سکتے۔

← تھا اور جو بذریعہ وحی ہم نے تیری طرف بھیج دی ہے......''
جبکہ رسول اللہ ﷺ تو صرف اس کی طرف سے آنے والی وحی کو آگے پہنچانے والے ہیں۔ (ملاحظہ فرمائیں معجم المنهی اللفظیة' ص/ ۳۰۳ للشیخ بکر ابی زید)

[1] سنن ترمذی' الزهد' باب ماجاء فی کراهیة کثرة الاکل' حدیث: ۲۳۸۰۔
سنن ابن ماجه' الاطعمة' باب الاقتصاد فی الاکل و کراهة الشبع' حدیث: ۳۳۴۹۔

اس کا سبب یہ ہے کہ حرارت شباب قدرے تیز ہوتی ہے اس لیے ان کا ہاضمہ عمدہ اور بدن کی کشادگی زیادہ ہوتی ہے' اس لیے انھیں کثیر طعام کی حاجت وضرورت ہوتی ہے جس طرح کہ نئے چراغ کو زیادہ تیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس وقت ایک نوجوان اپنی اول نشو ونما میں بھوک کو برداشت کر لے گا تو وہ اپنے نفس کی بڑھوتری کی قوت کو روک لے گا گویا کہ وہ ایسا بن جاتا ہے جیسے کوئی دیواروں کی جڑوں کو کھودنے لگے' جس پر معدہ خوراک نہ ہونے پر بدن میں زائد جمع شدہ فاضل مادوں کو لینے پر مجبور ہو گا' چنانچہ وہ خلطوں کو اپنی غذا بنائے گا جس سے اس کا ذہن اور جسم خراب (ہو کر ان کے مطلب کا) ہو جائے گا۔

یہ بیان انتہائی اہم ترین ہے جس میں تامل وتدبر کی کافی ضرورت ہے۔

چنانچہ علمائے کرام نے اس کم خوری کا تذکرہ بھی کیا ہے جو بدن کو نحیف اور ضعیف بنا ڈالتا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ آپ سے عقبہ بن مُکرِم نے دریافت کیا: یہ لوگ جو بہت کم کھانا کھاتے ہیں اور اپنے خورد ونوش کو انتہائی قلیل مقدار تک لے جاتے ہیں؟ (اس کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟) تو جواب میں امام صاحب نے ارشاد فرمایا: مجھے یہ حرکت بالکل پسند نہیں ہے' میں نے عبدالرحمٰن بن مہدی کو فرماتے ہوئے سنا تھا: کچھ لوگوں نے ایسا کیا تھا چنانچہ وہ فرائض کی ادائیگی ہی سے پیچھے رہ گئے۔

داؤد بن صبیح بیان کرتے ہیں: میں نے عبدالرحمٰن بن مہدی سے پوچھا: اے ابوسعید! ہمارے شہر میں بھی ان صوفی لوگوں میں سے کچھ افراد موجود ہیں! تو جواب دینے لگے: ان کے قریب تک نہ جانا' کیونکہ ہم نے ان لوگوں میں سے چند حضرات کو بچشم خود دیکھا ہے کہ ان کے معاملے نے انھیں دیوانگی تک پہنچا دیا ہے' حتیٰ کہ بعض کو بے دینی تک پہنچا دیا ہے۔

مروزی سے روایت ہے' کہتے ہیں میں نے ابوعبداللہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سنا ہے' آپ سے ایک آدمی نے عرض کی: ابلیس پندرہ برس سے مجھ پر فریفتہ ہوا بیٹھا ہے بلکہ بعض اوقات تو میں وسوسہ بھی پاتا ہوں' میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں۔ تب آپ نے فرمایا: شاید کہ تو ہمیشہ روزے رکھتا رہتا ہے' افطار کر دو' روغنی اور چکنی چیزیں

کھاؤ اور واعظوں کی محفلیں اختیار کرو۔

ان صوفی حضرات لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو ردی اور نکمّی اشیاء کو بطور غذا استعمال کرتے ہیں' چکناہٹ استعمال کرنے کو بالکل ترک کر دیتے ہیں جس کے باعث ان کے معدوں میں بڑی حد تک اخلاط جمع ہو جاتے ہیں' ایک مدت تک وہ معدہ انہی ذخیرہ شدہ اخلاط کو بطور غذا استعمال کرتا رہتا ہے کیونکہ معدے نے تو لازماً کسی چیز کو ہضم کرنا ہوتا ہے' چنانچہ جب وہ اپنے میں موجود غذا کو ہضم کر لیتا ہے تو بعد ازاں کسی چیز کو ہضم کے لیے تیار نہیں ہوتا تو پھر وہ اخلاط کو ہی ہضم کرنے لگتا ہے اور انھیں ہی اپنی غذا سمجھ لیتا ہے' یہی ردی اور نکمّی غذا اس آدمی کو وسوسوں' جنون و دیوانگی اور برے اخلاق کی جانب لے جاتی ہے۔

یہ کم خوری کے عادی حضرات کم کھانے کے علاوہ ردی اشیاء اور ماکولات استعمال کرتے رہتے ہیں جن کی بنا پر ان کی اخلاط بھی زیادہ ہو جاتی ہیں' اس لیے ان کا معدہ انہی اخلاط کے ہضم کرنے ہی میں لگا رہتا ہے' اس کے علاوہ یہ لوگ کم کھانے کو اپنی عادت بھی بنا لیتے ہیں جس کے باعث معدہ سکڑنا شروع ہو جاتا ہے تو اس طرح کئی کئی ایام تک کھانے سے رکے رہتے ہیں' ان کی قوت شباب اس عمل میں اس کی معاون ہوتی ہے' تو اس طرح کے لوگ کھانے سے رکے رہنے کو کرامت شمار کرتے ہیں!

حالانکہ اس کا سبب وہی ہوتا ہے جو آپ سمجھ چکے ہیں۔

اگر کوئی یوں پوچھ لے کہ تم کم خوری سے کس لیے منع کرتے ہو حالانکہ تم نے یہ روایت بیان کی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ روزانہ گیارہ لقمے کھایا کرتے تھے؟!

اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہفتہ بھر تک نہ کھاتے تھے! اور ابراہیم تیمی نے دو ماہ ایسے ہی گزار لیے تھے!

تو اس کے جواب میں ہم یہ عرض کریں گے: بعض اوقات انسان کو ایسے حالات پیش آ جاتے ہیں لیکن وہ اس پر ہمیشگی اور دوام اختیار نہ کرے اور نہ اس حالت میں ترقی اور پیش رفت کا ارادہ ہی رکھے۔

اسلاف میں ایسے بھی ہو چکے ہیں جو نہ ملنے کی وجہ سے بھوک کاٹتے تھے اور ان میں

بعض ایسے بھی ہوئے ہیں جن کی صبر کرنے کی عادت بن چکی ہوتی تھی تو ایسی بھوک ان کے بدن کے لیے کچھ مضر اور نقصان دہ نہیں ہوتی تھی۔

عربوں میں کئی لوگ ایسے بھی ہیں جو کئی کئی ایام تک صرف دودھ پینے پر ہی گزارا کر لیتے ہیں۔

ہم بھی زیادہ شکم سیری کا حکم تو نہیں دے رہے، ہم تو صرف ایسی بھوک سے روک رہے ہیں جو قوتِ بدن کو کمزور بناتی ہے بلکہ الٹا بدن کو اذیت میں مبتلا کر دیتی ہے تو جب بدن نقاہت میں ہو گا تو عبادت میں کمی واقع ہو جائے گی، اگر جوانی کی قوت بدن کو ایسی مشقت میں ڈالے گی تو بڑھاپا آ جائے گا اور بالآخر یہ بدن کی سواری سوار کو سواری کرنے سے روک دے گی۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے کھجوروں کا ایک صاع رکھا جاتا، آپ انھیں تناول فرماتے حتیٰ کہ بالکل خشک اور سوکھی ہوئی کھجوریں بھی کھا جاتے۔

ابراہیم بن ادھم کی نسبت ہمیں یہ روایت ملی ہے کہ انھوں نے مکھن، شہد اور روٹی خریدی، تو ان سے دریافت کیا گیا: یہ سب چیزیں آپ ہی کھائیں گے؟!

فرمانے لگے: جب ہمیں میسر آتا ہے تو ہم مردوں کی طرح کھاتے ہیں اور جب ہمیں نہیں ملتا تو ہم مردوں کی طرح ہی صبر کرتے ہیں۔

پینے کا پانی

البتہ رہا معاملہ صاف شفاف پانی پینے کا، تو بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے اسے پسند فرمایا ہے۔ صحیح بخاری میں سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ایک مریض کی عیادت کے لیے انصار کی ایک جماعت کے پاس تشریف لائے، وہاں آپ نے پانی طلب کیا حالانکہ وہاں قریب ہی پانی کا ایک چھوٹا سا کھال بھی تھا اور یوں فرمایا:

((اِنْ كَانَ عِنْدَكُمْ مَآءٌ بَاتَ فِيْ شَنٍّ وَاِلَّا كَرَعْنَا))

''اگر تمہارے ہاں کسی مشکیزے میں رات کا رکھا ہوا پانی ہے (تو وہ لاؤ) ورنہ

ادھر ہی سے پی لیں گے۔‘‘

اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آب پاشی کے کنویں سے آب شیریں لایا جاتا تھا۔[2]

یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ گدلا پانی گردوں میں پتھری اور جگر میں سدے پیدا کر دیتا ہے۔

جبکہ ٹھنڈا پانی' جب کہ اس کی ٹھنڈک معتدل ہو' معدے کو تقویت' شہوت میں قوت اور رنگت میں نکھار لاتا ہے' اور خون میں عفونت کی پیدائش کو روکتا ہے' بخارات کو دماغ کی جانب اٹھنے سے باز رکھتا ہے اور صحت و تندرستی کی حفاظت رکھتا ہے۔

اور جب پانی گرم ہو تو وہ قوت ہاضمہ کو خراب' گوشت میں ڈھیلا پن' بدن میں دبلا پن اور کمزوری پیدا کرنے کے علاوہ مرض استسقاء اور مرض دق کا باعث بھی بنتا ہے' اور اگر پانی سورج کی دھوپ میں گرم کیا گیا ہو تو اس سے مرضِ برص کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔[3]

اور ایک زاہد کا یہ قول بھی ہے: جب تم عمدہ کھانے تناول کرو گے' اور ٹھنڈے پانی نوش جان کرتے رہو گے تو موت کو کب پسند کرو گے؟!

اس طرح ابو حامد غزالی نے بھی کہا ہے: جب انسان لذیذ اور مزے دار اشیاء کھائے گا' اس کا دل سخت ہو جائے گا اور موت کو ناپسند کرے گا اور جب اپنے نفس کو اس کی خواہشات اور شہوات سے دور رکھے گا' اسے لذتوں سے محروم رکھے گا تو نتیجتاً اس کا نفس موت کے ذریعے دنیا سے رہائی پانے کی خواہش کرے گا۔

---

[1] صحیح بخاری' الاشربۃ' باب الکرع فی الحوض' حدیث : ۵۶۲۱۔

[2] مسند احمد ۶/ ۱۰۰۔ سنن ابی داود' الاشربۃ' باب فی ایکاء الآنیۃ' حدیث : ۳۷۳۶

[3] یہ طب قدیم کا ایک ''گوشۂ طب'' ہے اس کے متعلق کوئی صحیح حدیث نہیں ہے' جیسا کہ امام زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''نصب الرایۃ'' ۱/۱۰۱' ۱۰۳ میں اسے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

کتنے تعجب کی بات ہے' افسوس صد افسوس! ایک فقیہ سے ایسی گفتگو کس طرح صادر ہو رہی ہے! آپ کا کیا خیال ہے اگر کسی نفس کو کسی بھی نوع کے عذاب میں الٹ پلٹ کیا جائے کیا وہ موت کو پسند کرے گا؟ پھر اسے مبتلائے عذاب رکھنا کیونکر جائز ہوا! حالانکہ اللہ عزوجل نے تو یہاں تک فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾ (النساء: ۴/ ۲۹)

''اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو''

اور اس نفس پر نرمی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ تو سفر میں روزے چھوڑنے کو پسند رکھتا ہے اور یوں فرماتا ہے:

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾ (البقرہ: ۲/ ۱۸۵)

''اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں ہے''

کیا ہماری سواری یہی نہیں ہے جس پر ہمیں منزل پر پہنچنا ہے؟!

وَكَيْفَ لَا نَاْوِيْ لَهَا وَهِيَ الَّتِيْ
بِهَا قَطَعْنَا السَّهْلَ وَ الْحُزُوْنَا

''ہم اپنی اس اونٹنی پر ترس کیوں نہ کھائیں کیونکہ اس پر تو ہم نرم وسخت علاقوں کو طے کرتے ہیں''

رہی یہ بات کہ ابو یزید نے ایک سال تک کی اپنے نفس کو پانی چھوڑنے کی سزا دی تھی' تو یہ ایک قابلِ مذمت حرکت ہے' اس حرکت کو ماسوائے جاہلوں کے کوئی بھی اچھا نہیں گردانتا۔ اس کے قابل مذمت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نفس کا حق ہے' اور کسی مستحق کا حق ادا نہ کرنا ظلم ہے' اور کسی انسان کے لیے یہ روا نہیں کہ وہ اپنے نفس کو مبتلائے اذیت رکھے' نہ اس کے لیے یہ جائز ہے کہ موسم گرما میں اس قدر دھوپ میں بیٹھا رہے جس سے اذیت پہنچے اور نہ ہی موسم سرما میں برفوں ہی میں بیٹھے۔

اور پانی بدن کی اصلی رطوبتوں کی نگہداشت رکھتا ہے اور غذاؤں کو ان کی اصلی جگہوں تک پہنچاتا ہے' پورے وجود کا دار و مدار انہی غذاؤں ہی پر ہوتا ہے تو جب اس نے نفس کو

آدمیوں کی غذاؤں سے اور پانی کی مطلوبہ مقدار سے محروم رکھا تو اس نے اسے خراب اور ہلاک کرنا چاہا' تو یہ بہت بڑی غلطی ہے۔

اسی طرح ابویزید کا نفس کو نیند سے باز رکھنا ہے۔

ابن عقیل نے کہا ہے: لوگوں کو یہ حق حاصل نہیں کہ بذات خود ہی سزائیں دینے لگیں اور نہ بذات خود انھیں پورا ہی کر سکتے ہیں۔ اس امر کی دلیل یہ ہے کہ کسی انسان کا از خود کسی حد شرع کو قائم کر لینا کفایت نہیں کرتا' اگر کوئی ایسا کرے گا پھر بھی امام وقت اس حد کا اعادہ کرے گا۔[1] یہ نفوس اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانتیں ہیں حتیٰ کہ اصحاب ثروت کو اپنے مالوں میں مطلقاً تصرف کرنا جائز نہیں بلکہ یہ بھی چند مخصوص صورتوں میں ہوتا ہے۔[2]

ابو طالب مکی نے اس سلسلے میں جو ترتیب مقرر کی ہے وہ تو نفس کو ضعیف و نحیف بنانے کے لیے تکلیف میں ڈالنا ہے' بھوک فقط وہی قابل ستائش ہے جو ایک مقدار میں ہو۔

اور مکاشفہ کا ذکر تو بے معنی سی بات ہے۔

اور ترمذی نے اس ضمن میں جو باتیں تصنیف کی ہیں تو اس نے گویا اپنی خام خیالی سے ایک نئی شریعت ایجاد کر ڈالی ہے۔

توبہ کے لیے مسلسل دو ماہ کے روزے رکھنے میں کیا راز ہے؟!

مباح اور حلال پھل چھوڑنے میں کیا فائدہ ہے؟!

اور جب کوئی کتب کو نہ دیکھے گا' تو کونسی سیرت کی پیروی کرے گا؟!

اور رہا معاملہ چلہ کشی کا تو یہ خام خیال اور بے معنی سی بات ہے جس کو ان لوگوں

---

[1] یہ ان بہت سی نصوص میں سے ایک نص ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حدود الٰہی کا قیام اور ان کا نفاذ و اجرا فقط مسلمان امام وقت ہی کر سکتا ہے۔ امام الحرمین کی کلام سے اس کے جواز کا جو کسی صاحب کو وہم ہوا ہے وہ بات اور ہے۔

[2] مصنف رحمہ اللہ کے اس مذکورہ کلام کو ہم آج کل کے اہم ترین زیر بحث مسئلہ پر بھی منطبق کر سکتے ہیں اور وہ مسئلہ ہے ''اعضائے انسانی کا عطیہ دینا'' ہمارے ہم عصر علمائے کرام نے اسے جائز و ناجائز کہنے میں اختلاف رائے کا اظہار کیا ہے۔
ابن عقیل کا مذکورہ قول ناجائز کہنے والوں کے مؤقف کی تقویت کا باعث ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نے بے اصل حدیث کی بنیاد پر مرتب کیا ہوا ہے۔

((مَنْ أَخْلَصَ لِلّٰهِ أَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا' لَمْ يَجُبَّ الْاِخْلَاصَ اَبَدًا))

''جس نے چالیس صبح تک اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص اختیار کیا' اس کا اخلاص کبھی بھی نہیں کٹے گا۔''[1]

چالیس صبح کی تعیین کرنے میں کیا وجہ ہے؟!

اگر ہم اس حدیث کو تسلیم بھی کر لیں تو اخلاص تو قلبی عمل کا نام ہے۔

کھانے کا اخلاص سے کیا تعلق ہے؟ پھر یہ کونسی حکمت بھری بات ہے کہ پھلوں کا کھانا تو اچھا رہا اور روٹی منع؟! یہ تو نری جہالت ہی جہالت ہے؟!

عبد الکریم قشیری[2] بیان کرتے ہیں: صوفیاء کی دلیلیں باقی ہر کسی کی دلیلوں سے

---

[1] مصنف رحمہ اللہ نے اس روایت کو ''موضوعات'': ۱۴۴/۳'۱۴۶ میں انتہائی بودے اور واہی طرق سے بایں الفاظ ذکر کیا ہے:

((مَنْ أَخْلَصَ لِلّٰهِ أَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا' ظَهَرَتْ يَنَابِيعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهٖ))

''جس نے چالیس صبح تک اللہ تعالیٰ کے حضور اخلاص پیش کیے رکھا۔ اس کے دل سے حکمت کے چشمے پھوٹیں گے۔''

پھر اس کی سند پر کلام کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے:

''اس بے ثبوت حدیث پر صوفیاء اور بہ تکلف زہد اختیار کرنے والوں کی ایک جماعت نے عمل کیا' وہ چالیس روز تک ''خلوت گزینی'' اختیار کرتے ہیں' روٹی کھانے سے باز رہتے ہیں' ان میں سے بعض تو پھل کھاتے ہیں اور ایسی ایسی خورد ونوش کی اشیاء شامل کرتے ہیں جو روٹی سے بھی قیمتی ہوتی ہیں' پھر چلہ کشی کے بعد وہ باہر نکلتے ہیں اور یاوہ گوئی اور ہذل بیانی شروع کر دیتے ہیں اور یہ خیال کر بیٹھتے ہیں کہ ان کے مونہہ سے حکمت کے انمول موتی جھڑ رہے ہیں!

اگر مذکورہ روایت صحیح بھی ہو' تو یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ اخلاص کا تعلق تو فقط دل کے ساتھ ہے نہ کہ ظاہری بدن کے افعال کے ساتھ' علم کی خوبی اللہ ہی کے لیے ہے۔

[2] یہ ''رسالة القشيرية'' کے مصنف ہیں جو ۴۶۵ھ میں فوت ہوئے تھے۔ ان کے رسالے میں بدعت پر مشتمل باتوں مخالفات اور واہی و بے بنیاد احادیث کی بھرمار ہے۔ اس کے باوجود اپنی سند میں ''عن ابی سلیمان الدارانی'' کے الفاظ سے یہ قول بیان کرتے ہیں:

''بعض اوقات میرے دل میں کئی کئی روز تک اس قوم کے نکتوں میں سے کوئی نکتہ گزرتا رہتا ہے ←

زیادہ واضح اور غالب ہیں' اور ان کے مذہب کی بنیادیں دوسرے ہر کسی کے مذہب کی بنیادوں سے مضبوط تر ہیں' کیونکہ یا تو لوگ اصحاب نقل و اثر ہیں یا پھر اصحاب عقل و فکر' اور اس گروہ کے شیوخ و مشائخ اس جملے سے بالاتر ہیں' جو اشیاء عوام الناس سے غائب اور پوشیدہ ہیں وہ سب ان کے سامنے ظاہر اور عیاں ہیں' یہ لوگ تو اہل وصل ہیں جبکہ دیگر لوگ اہل استدلال ہیں۔ ان کے ارادت مند کو چاہیے کہ تمام تعلقات اور رشتہ داری ختم کر دے۔ ان میں سے سب سے پہلی لاتعلقی اپنے مال دنیا سے نکل جانا ہے پھر جاہ و مرتبہ کو خیر باد کہنا ہے' اور سونا بالکل ترک کر دے بجز غلبہ آنے کے' اور بالتدریج اپنی غذا کو کم کرتا رہے!![1]

میں عرض کر رہا ہوں: جس آدمی کو ادنیٰ سی بھی عقل و سمجھ ہے وہ بخوبی دیکھ رہا ہے کہ یہ کلام بکواس ہے' کیونکہ جو آدمی بھی نقل و عقل اور روایت و درایت سے نکل جاتا ہے وہ تو لوگوں میں شمار ہی نہیں ہوتا' پوری خلقت میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو استدلال نہ کرتا ہو۔ اور اہل وصال کا لقب عطا کرنا تو محض خیالی دعویٰ اور مجذوب کی بڑ ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے ایسے مریدوں اور پیروں کی اول فول اور بکواس سے بچے رہنے کا سوال کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ ہی توفیق بخشنے والا ہے۔

صوفیاء کے تناقض و تضاد

نبیٔ اکرم ﷺ سے ایک دوسری حدیث میں ہمیں یہ روایت ملتی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے:

((اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یُحِبُّ اَنْ یَّرٰی اٰثَارَ نِعْمَتِہٖ عَلٰی عَبْدِہٖ))[2]

← مگر میں اسے کتاب وسنت کے دو عادل گواہوں کی شہادت کے بغیر قبول نہیں کرتا''

اسی طرح سیر اعلام النبلاء ۱۸/۲۳۱ میں بھی موجود ہے' مصنف رحمہ اللہ نے اس کتاب کے آخر میں اس کا ذکر کیا ہے۔

[1] سابقہ تعلیقہ میں میں نے جو اس کے متعلق عرض کیا ہے' یہ بیان اس کی تاکید اور تائید کر رہا ہے۔

[2] سنن ترمذی' الادب' باب ما جاء ان اللہ تعالیٰ یحب ان یری اثر نعمتہ علیٰ عبدہ' حدیث: ۲۸۱۰ عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما

''اللہ عز وجل اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنی نعمت کے آثار اپنے بندے پر دیکھے''

بکر بن عبداللہ نے کہا ہے: جس کو خیر و بھلائی ملی' پھر وہ اس پر دیکھی بھی گئی' اس کا نام ''حبیب اللہ'' اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بیان کرنے والا رکھا جائے گا' اور جو آدمی خیر و بھلائی دیا گیا لیکن اس کا اثر اس پر نہ دیکھا گیا تو اس کا نام ''بغیض اللہ'' اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے دشمنی رکھنے والا رکھا جائے گا۔

یہی وہ حد سے زائد کم خوری ہے جس سے ہمیں روکا گیا ہے جبکہ ہمارے زمانہ کے صوفیاء میں یہ اصول برعکس ہو چکا ہے' ان کی پوری کی پوری ہمتیں صرف کھانے ہی میں صرف ہو رہی ہیں جبکہ ان کے پیش رو اور متقدمین میں بھوک اور کم خوری کی عادت تھی۔

ان کو کھانے کے لیے لنچ' ڈنر اور شیرینی میسر ہے حالانکہ یہ سب خورد و نوش کا سامان یا اس کا زیادہ حصہ لوگوں کے میل کچیل یعنی صدقات سے حاصل ہوتا ہے۔

انھوں نے دنیاوی کاروبار ترک کر دیے ہیں' عبادت گزاری سے منہ پھیر لیا ہے' اور وہ بے روزگاری اور بے کاری کے بستر بچھائے بیٹھے ہیں' ان کی کھانے پینے اور لہو و لعب کے سوا اکثر کی کوئی اور ہمت باقی ہی نہیں رہی ہے۔

اگر ان میں سے کوئی نیکوکار کوئی نیکی کرے' کہتے ہیں: اس نے شکریہ ادا کیا ہے' اور اگر ان میں سے کوئی برائی کا خوگر برائی کرے' کہتے ہیں: اس نے معافی مانگی ہے اور ایسے خطا کار کو جو چیز لازم قرار دیتے ہیں اسے ''واجب'' کا نام دیتے ہیں' حالانکہ جس نام کو شرع نے تجویز نہیں کیا وہ نام رکھنا تو شرع پر فرد جرم عائد کرنا ہے۔

میں نے بذات خود ان میں سے ایسے آدمی کو دیکھا ہے جو ایک دعوتِ طعام میں حاضر ہوا تھا' اس نے حد سے زیادہ کھانا کھایا پھر اپنی مرضی کا کھایا اور بعض اوقات تو اسے ایسے بھی دیکھا گیا کہ وہ صاحبِ خانہ کی اجازت کے بغیر اپنی جھولیوں کو بھی بھر لاتا تھا حالانکہ یہ طرز عمل بالاجماع حرام ہے۔

بلکہ میں نے اپنی آنکھوں سے ان میں سے ایک صاحب کو دیکھا ہے کہ اس نے کچھ کھانا اٹھا لیا تاکہ اسے اپنے ساتھ لے جائے' صاحب خانہ اس کی جانب اچھلا اور اس سے

نیچے رکھوالیا۔

سماع، رقص اور وجد کے معاملات میں صوفیاء پر ابلیس کا حملہ

یہ بات یاد رکھیں کہ گانے اور راگ کا سننا دو چیزوں کو جمع کرتا ہے:

١ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت میں غور وفکر کرنے اور اس کی خدمت واطاعت میں ہمہ وقت قائم رہنے سے دل کو غافل کر دیتا ہے۔

٢ یہ نفس کو جلد حاصل ہونے والی لذتوں کی جانب مائل کر دیتا ہے جو تمام حسی شہوات کو پورے طور پر حاصل کرنے کی طرف ابھارتی ہیں' ان شہوات میں سے سب سے بڑی شہوت نکاح ہے اور اس کی مکمل لذت تو فقط زمانے کی نئی رنگینیوں میں ہی ہے اور حلال ذریعے سے ان رنگینیوں کی کثیر تعداد کو پانے کا راستہ ملنا مشکل ہے تو لامحالہ یہ راگ اور گانا سننے والے کو زنا پر ابھارتا ہے۔

یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ گانے اور زنا میں باہمی تعلق ہے۔ وہ اس طرح کہ گانا روح کی لذت' جبکہ زنا سب سے بڑی نفس کی لذت ہے۔ کسی ایک چیز سے لذت کا حاصل کرنا دوسری چیز خصوصاً جو اس سے مناسبت رکھتی ہو' سے حصولِ لذت کا سبب بن جاتی ہے۔

تو جس وقت ابلیس کو عبادت گزاروں سے حرام آوازیں مثلاً عود (سارنگی باجا وغیرہ) کی آواز سننے سے مایوسی نظر آئی تب اس نے عود سے حاصل ہونے والی معنوی چیز پر نظر دوڑائی' چنانچہ اس نے اس چیز کو بغیر سارنگی کے ہی گانے کے ضمن میں داخل کر دیا اور اسے ان کے لیے مستحسن قرار دیا۔

جس سے اس کا مقصود یہ تھا کہ درجہ بدرجہ ایک چیز سے دوسری چیز کی جانب بڑھیں' اور فقیہ وہ ہوتا ہے جو اسباب ونتائج میں نظر اور مقاصد پر دھیان رکھے۔

کسی امرد (بے ریش جوان لڑکے) کی طرف دیکھنا تبھی مباح ہے جب شہوت کے بھڑکنے کا اندیشہ نہ ہو' لیکن اگر اس اندیشے کا خدشہ ہو تو اس کی جانب دیکھنا ناجائز ہے۔

اور دو تین برس کی چھوٹی بچی کا بوسہ لینا جائز ہے کیونکہ غالباً اس عمر میں شہوت کا خیال نہیں آتا' لیکن اگر شہوت کے آثار پائے جائیں تو یہ بھی حرام ہوگا۔

اسی طرح غیر محرم خواتین سے خلوت کا حکم ہے' اگر اس خلوت میں خطرے اور اندیشے سامنے آئیں تو حرام کا حکم ہے۔

اس قاعدے کلیے پر سوچ بچار رکھیں۔

گانے کے متعلق صوفیاء کی رائے

لوگوں نے گانے کے متعلق بہت لمبی لمبی بحثیں کی ہیں!

ان میں سے کچھ نے تو اسے حرام کہا ہے۔

اور کچھ نے بغیر کراہت کے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔

اور بعض نے جائز کہا ہے لیکن کراہت کے ساتھ۔

اور فیصلہ کن بات یہ ہے کہ ہم یوں کہیں: کہ اول چیز کی ماہیت میں نظر دوڑانی چاہیے پھر اس پر حرمت' کراہت یا کوئی اور حکم لگانا چاہیے۔ غنا یعنی گانے کا لفظ کئی چیزوں اور مواقع پر بولا جاتا ہے۔

راستوں میں چلتے ہوئے حجاج کرام کا گاتے جانا ہے۔

بعض عجمی لوگ ارادۂ حج سے آتے ہیں' تو وہ گلیوں راستوں میں چند اشعار گاتے ہیں جن میں کعبہ' زمزم اور مقام ابراہیم وغیرہ شعائر کی خوبیوں اور اوصاف کو بیان کرتے ہیں' تو ایسے اشعار کا سننا بالکل مباح اور جائز ہے کیونکہ ان کا یہ اشعار پڑھنا وجد لانے اور حد اعتدال سے نکالنے کے زمرے میں نہیں آتا۔

انہی لوگوں کے معنی میں غازی اور مجاہد ہیں' وہ بھی جہاد وقتال پر ابھارنے اور شوق دلانے کے لیے اشعار پڑھتے ہیں۔

اور اس رنگ میں ان مبارزت کرنے اور للکارنے والوں کے اشعار ہیں جو میدان معرکہ میں اترنے کے بعد اپنی بڑائی اور عظمت کو نمایاں کرنے کے لیے پڑھتے ہیں' اور اس معنی میں مکہ کے راستے میں چلتے ہوئے اونٹوں کو ہانکنے والوں کے اشعار آئیں گے جیسے کہ ان میں سے ایک کہتا ہے:

بَشَّرَهَا دَلِيلُهَا وَ قَالَا غَدًا تَرَيْنَ الطَّلْحَ وَ الْجِبَالَا

''ان کو رہنما اور چلانے والے نے یہ کہتے ہوئے خوشخبری سنائی کہ تم کل صبح شجر ببول اور پہاڑوں کو دیکھ لو گے''

اور ایسے اشعار اونٹوں اور آدمیوں کو جوش دیتے ہیں۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ تیز رفتاری اور تحریک سازی ایسے وجد اور جھومنے کو واجب نہیں کرتی جو حد اعتدال سے نکالنے والی ہو۔

رسول اللہ ﷺ کا بھی ایک حدی خواں (اونٹ ہانکنے والا) ہوتا تھا' اسے انجشہ کہا جاتا تھا' اس کی حدی خوانی سے اونٹ تیزی سے دوڑا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَا أَنْجَشَةُ رُوَيْدَكَ سَوْقًا بِالْقَوَارِيرِ))

''اے انجشہ! ذرا آرام سے' آبخوروں (خواتین) کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو۔''[1]

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے' کہتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ خیبر کی جانب چلے' ہم شب کو محو سفر تھے' قوم میں سے ایک آدمی نے سیدنا عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ سے عرض کیا' آپ ہمیں اپنا مبارک کلام نہیں سنائیں گے؟ سیدنا عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ ایک شاعر آدمی تھے؟ چنانچہ وہ نیچے اترے اور یوں حدی خوانی کا آغاز کیا:

لَا هُمَّ لَوْ لَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا
وَ لَا تَصَدَّقْنَا وَ لَا صَلَّيْنَا
فَأَلْقِيَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا
وَ ثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا

''اے اللہ! اگر تو ہمیں توفیق مرحمت نہ فرماتا تو ہم ہدایت سے فیض یاب نہ ہوتے اور نہ ہی ہم صدقات و زکوٰۃ ادا کرتے اور نہ ہم نمازیں ہی ادا کرتے' الٰہی! تو ہمارے اوپر سکون و اطمینان کا نزول فرما' اور اگر ہمارا دشمن سے مقابلہ ہو تو ہمارے قدموں کو ثابت رکھنا''

---

[1] صحیح بخاری' الادب' باب ما یجوز من الشعر والرجز والحداء' حدیث: ۶۱۴۰' ۶۱۶۱۔
صحیح مسلم' الفضائل' باب رحمته ﷺ النساء وامره بالرفق بهن' حدیث: ۲۳۲۳۔

رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''یہ اونٹ چلانے والا کون ہے؟''
صحابہ نے عرض کی: ''عامر بن اکوع''
آپ نے فرمایا: ''اللہ اس پر رحمت فرمائے۔''[1]

امام شافعی رحمہ اللہ سے ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ انھوں نے فرمایا ہے: ''حدی خوانی اور اعرابیوں کے گیت سننے میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں ہے''

اسی جنس سے وہ اشعار بھی ہیں جو وہ مدینہ منورہ میں گایا کرتے تھے اور بعض اوقات وہ ان کو گاتے ہوئے ساتھ دف کا استعمال بھی کرلیا کرتے تھے۔[2]

اس ضمن میں وہ روایت بھی ہے جسے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایام منیٰ میں ان کے ہاں تشریف لائے جبکہ دو نابالغ بچیاں ان کے پاس دف بجا رہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ اپنے کپڑے سے منہ ڈھانکے ہوئے تھے' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں ڈانٹا' رسول اللہ ﷺ نے اپنے چہرۂ مبارک سے کپڑا ہٹایا اور یوں گویا ہوئے:

((دَعْهُنَّ يَا اَبَابَكْرٍ اِفَاِنَّهَا اَيَّامُ عِيدٍ))

''اے ابوبکر انھیں چھوڑو! (جو کر رہی ہیں کرنے دو) کیونکہ یہ عید کے ایام ہیں''[3]

ان دونوں بچیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ چھوٹی عمر کی تھیں[4] کیونکہ خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تو کم عمر تھیں اور رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کو ان کے پاس بھیج دیا کرتے تھے جو ان کے ساتھ مل کر کھیلا کرتی تھیں۔

ہمارے بیان کردہ سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ عرب لوگ جو گایا کرتے تھے وہ اس

---

[1] صحیح بخاری' الادب' باب ما يجوز من الشعر والرجز والحداء' حدیث: ۶۱۴۰۔
صحیح مسلم' الجهاد' باب غزوة خيبر' حدیث: ۱۸۰۲۔

[2] دو پابندیوں کے ساتھ:
① عورتوں کے لیے ② نکاح یا عید کے مواقع میں

[3] صحیح بخاری' العیدین' باب اذا فاته العيد يصلى ركعتين' حدیث: ۹۸۷۔
صحیح مسلم' صلاة العيدين' باب الرخصة فى اللعب الذى لا معصية فيه' حدیث: ۸۹۲۔

[4] اس معنی کی تائید لفظ "الجارية" سے لغوی طور پر بھی ہو رہی ہے کیونکہ اس کا معنی کم عمر ہوتا ہے۔

طرح کا نہ تھا جو وجد اور جھومنا طاری کرنے والا ہوتا اور نہ ہی ان کی دفیں اس نوعیت کی تھیں جیسی ہمارے ہاں آج کل معروف ہو چکی ہیں!

اس ضمن میں وہ اشعار بھی آتے ہیں جنھیں زہد پسند لوگ پڑھ لیتے ہیں جو دلوں کو یاد آخرت کے قریب کر دیتے ہیں اور یہ لوگ ان کو زہدیات کا نام دیتے ہیں' جیسا کہ کسی نے یوں کہا ہے:

یَا غَادِیًا فِیْ غَفْلَةٍ وَّ رَآئِحًا
اِلٰی مَتٰی تَسْتَحْسِنُ الْقَبَآئِحَا

''اے صبح وشام خوابِ غفلت میں رہنے والے! تو کب تلک بری باتوں کو اچھا سمجھتا رہے گا''

وَ کَمْ اِلٰی کَمْ لَا تَخَافُ مَوْقِفًا
یَسْتَنْطِقُ اللّٰهُ بِهٖ الْجَوَارِحَا

''تو کب تک اس مؤقف و مقام سے بے خوف ہی رہے گا جس میں اللہ تعالیٰ اعضائے بدن کو بھی قوت گویائی عطا فرما دے گا''

یَا عَجَبًا مِّنْكَ وَ اَنْتَ مُبْصِرٌ
کَیْفَ تَجَنَّبْتَ الطَّرِیْقَ الْوَاضِحَا

''مجھے تم پر تعجب ہو رہا ہے کہ تو بینا اور آنکھوں والا بھی ہے اور کس طرح واضح اور صاف راستے سے دور دور بھی چلا جا رہا ہے''

تو اس نوع کے اشعار پڑھنے بھی مباح ہیں۔

ایسے اشعار کی بابت ہی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے مباح ہونے کا اشارہ کیا ہے جیسے کہ عبدوس نے کہا ہے: میں نے ابو حامد خلقانی سے سنا ہے' وہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے یوں پوچھ رہے تھے: اے ابو عبد اللہ! یہ رقت آمیز قصائد جن میں جنت و دوزخ کے تذکرے ہوتے ہیں' ان کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ دریافت کیا: کون سے؟ میں نے عرض کی: وہ لوگ یوں کہتے ہیں:

إِذَا مَا قَالَ لِي رَبِّي
أَمَا اسْتَحْيَيْتَ تَعْصِيْنِي
وَ تُخْفِي الذَّنْبَ مِنْ خَلْقِي
وَ بِالْعِصْيَانِ تَأْتِيْنِي

''جب مجھ سے میرا پروردگار پوچھے گا' کیا تجھے گناہ کرتے ہوئے شرم و حیا نہ آتی تھی' تو میری مخلوق کی نگاہوں سے تو گناہوں کو چھپایا کرتا تھا' جبکہ میرے سامنے گناہ کیا کرتا تھا''

تب امام صاحب نے فرمایا: انھیں دہراؤ' میں نے انھیں دہرایا' آپ کھڑے ہو گئے اندر چلے گئے اور دروازے کو بند کر لیا پھر میں نے کان لگا کر کمرے کے اندر سے ان کے سسکیاں بھرنے کی آوازیں سنیں اور وہ یہ پڑھتے جا رہے تھے:

إِذَا مَا قَالَ لِي رَبِّي
أَمَا اسْتَحْيَيْتَ تَعْصِيْنِي
وَ تُخْفِي الذَّنْبَ مِنْ خَلْقِي
وَ بِالْعِصْيَانِ تَأْتِيْنِي

البتہ وہ اشعار جنھیں نوحہ خواں حضرات گاتے ہیں' جن کے باعث وہ حزن و بکا کو بھڑکاتے اور جوش دلاتے ہیں' ان کے اندر پنہاں چیزوں کی وجہ سے منع ہیں۔[1]

اور رہے وہ اشعار جو پیشہ ور گویے گانے کی تیاری کر کے گاتے ہیں' جن میں وہ خوبرو حسیناؤں کے اوصاف بیان کرتے یا شراب یا دیگر ایسی چیزوں کے تذکرے کرتے ہیں جن کے سننے سے طبیعتوں میں جوش اور ہیجان متحرک ہوتا ہے' اور طبائع کو حد اعتدال سے باہر لے آتے ہیں اور لہو ولعب کی پوشیدہ محبتیں بھڑکاتے ہیں تو ایسے سب اشعار ہمارے زمانے کے متداول گانوں کی ہی طرح ہیں جیسے کہ ایک شاعر نے یوں کہا ہے:

---

[1] یعنی نوحہ خوانی کا حرام ہونا' اور اس کے ضمن میں حرام اور ممنوع الفاظ کا استعمال کرنا وغیرہ۔

ذَهَبِیٌّ اللَّوْنِ تَحْسَبُ مِنْ
وَجْنَتَیْهِ النَّارُ تَقْتَدِحُ
خَوَّفُوْنِیْ مِنْ فَضِیْحَتِهِ
لَیْتَهٗ وَافِیْ وَ أَفْتَضِحُ

''سنہری رنگت والی ہے جو سمجھتی ہے کہ اس کے دونوں رخساروں سے آگ کے شعلے بھڑکتے ہیں۔ لوگوں نے مجھے ڈرایا کہ وہ رسوا کر دیتی ہے۔ کاش کہ وہ میرے پاس بھی آتی اور میں بھی رسوا ہوتا''

ان لوگوں نے ایسے گانوں اور گیتوں کے لیے مختلف لہجے اور طریقے وضع کر رکھے ہیں یہ سب کے سب سامع کو حد اعتدال اور دائرۂ ہوش سے نکال باہر کرتے اور عشق کی آگ کو بھڑکاتے ہیں۔[1]

ان صوفیاء کے ہاں ایک اور چیز بھی ہے یعنی گانے کا ایک اور انداز بھی ہے جسے البسیط کا نام دیتے ہیں جو قدرے آہستگی اور تدریج سے دلوں کو بے قرار بناتا ہے، پھر اس کے معاً بعد گانا شروع کرتے ہیں، جس سے دلوں کو سخت بے چینی لاحق ہو جاتی ہے۔

پھر انھوں نے اس کے ساتھ باجے بجانا اور انھیں گانے راگ کے مطابق رکھنا بھی ملا لیا، گھنگھرو کے ساتھ دف کا استعمال اور بانسری کے بجائے کسی آفت انگیز دوشیزہ کو بھی شامل کر لیا، آج کل ان کے ہاں یہی گانا اور راگ معروف ہے۔

گانے کی اباحت یا حرمت یا کراہت کے متعلق گفتگو کرنے سے قبل ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں:

ایک عقل مند کو چاہیے کہ اپنے آپ کو اور اپنے بھائیوں کو نصیحت کرے اور مذکورہ تمام اقسام کو، جن پر لفظ غنا یعنی گانے کا اطلاق ہوتا ہے کو واضح کرے اور تلبیس ابلیس سے آگاہ کرے، اور تمام ممکنہ صورتوں کو صرف ایک ہی صورت پر محمول کرتے ہوئے یوں نہ کہے:

[1] اگر مصنف رحمہ اللہ دور حاضر کے گانوں کو سن لیتے جن میں رخساروں کا بیان اور قد و قامت کے تذکرے ہوتے ہیں تو یقیناً وہ ان اسلاف قوم پر ترس کھاتے؟!

''اسے فلاں نے مباح کہا ہے اور فلاں نے اسے مکروہ سمجھا ہے۔''

ہم اولاً اپنے آپ کو اور اپنے بھائیوں کو نصیحت کرتے ہوئے آغاز گفتگو یوں کرتے ہیں:

یہ بات معلوم شدہ ہے کہ آدمیوں کی طبیعتیں تقریباً ملتی جلتی ہیں اور ان میں زیادہ اختلاف اور تفاوت نہیں ہوتا' اگر کوئی صحت مند' صحیح المزاج نوجوان یہ دعویٰ کرے کہ خوبصورت دوشیزاؤں کو دیکھنا اسے بے قرار نہیں کرتا' اس پر کچھ بھی اثر انداز نہیں ہوتیں اور اس کے دین کو چنداں ضرر نہیں پہنچاتیں تو ہم اسے جھوٹا کہیں گے' کیونکہ ہم طبائع کی یکسانیت اور برابری سے واقف و آشنا ہیں۔ اگر اس کی صداقت ثابت ہو جائے تو سمجھ جائیں گے کہ اس نوجوان کو کوئی مرض لاحق ہے جس کی بنا پر وہ حد اعتدال سے باہر نکل گیا ہے۔

اگر وہ بہانے تراشے اور یوں کہے کہ جی! میں تو فقط ان خوبصورت چہروں کو دیکھ دیکھ کر عبرت حاصل کرتا ہوں اور آنکھوں کی کشادگی اور سیاہی' ناک کی باریکی اور گورے رنگ کی صفائی ستھرائی کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی کاریگری پر اظہار تعجب کرتا ہوں۔

تو ہم یوں جواب دیں گے! طرح طرح کی بے شمار مباح اشیاء میں بقدر کفایت عبرتیں موجود ہیں لیکن حسین و خوبروصورتوں کے دیکھنے کے موقعہ پر میلان طبع تو فکر و سوچ سے کسی اور جانب ہی مشغول رہے گی کیونکہ شہوت کی انتہا کے موقعہ پر فکر کا وجود ہی نہیں رہے گا لہٰذا میلان طبع اسے دوسری طرف ہی مشغول رکھے گی۔

بالکل اسی طرح جو شخص یوں کہے: یہ وجد آفریں گانا جو طبیعتوں کو بے قرار کرتا ہے' اور طبیعتوں کو عشق بازی اور حب دنیا کی جانب تحریک و تحریص دیتا ہے مجھ پر چنداں اثر انداز نہیں ہوتا اور جس حب دنیا کا تذکرہ ان اشعار میں موجود ہے میرا دل ان کی جانب ذرہ بھر بھی التفات و توجہ نہیں کرتا!

ہم اسے بھی جھوٹا قرار دیں گے' طبیعتوں کے اشتراک عمل کے باعث' پھر اگر اس کا قلب خوف الٰہی کے باعث خواہش نفسانی سے لاتعلق اور اوجھل ہی ہو تو ان اشعار محبت کا

سماع طبیعت کو حاضر کر دے گا اگرچہ اس کا خوف الٰہی کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔

اور سب قباحتوں میں سے براترین کلام کھوٹا اور بے حقیقت کلام ہے۔

پھر یہ امر اس سے بھی بڑھ کر حیران کن ہے کہ اس بے حقیقت اور کھوٹے کلام کا ایسے شخص پر کس طرح اثر ہو جاتا ہے جو تمام بھیدوں اور رازہائے مخفی سے واقف کار ہوتا ہے؟!

اگر معاملہ ایسے ہی ہے جیسے اس صوفی نے گمان کر لیا ہے' تو ہم اس گانے کو فقط اسی صوفی کے لیے ہی مباح کہیں گے' دوسروں کے لیے بالکل نہیں' جبکہ اس قوم نے مطلقاً نوجوان' نو وارد کے لیے بھی اور جاہل بچے کے لیے بھی اسے مباح قرار دے رکھا ہے حتیٰ کہ ابوحامد غزالی نے یوں کہا ہے:

کسی نوجوان دوشیزہ کے رخساروں اور حسین دراز زلفوں کا اور اس کی قد و قامت کی رعنائی کا اور عورتوں کے دیگر اوصاف جمیلہ کا تذکرہ کرنا صحیح اور درست ہے' یہ کسی طرح بھی حرام نہیں ہے!!

البتہ جو آدمی یہ کہتا ہے: جی! میں تو دنیا کی غرض کے لیے راگ اور گانے نہیں سنتا بلکہ میں تو اس سے اشارات اخذ کرتا ہوں' تو ایسا شخص دو اعتبار سے خطا پر ہے!

ایک تو یہ کہ طبیعت اشارات اخذ کرنے والے مقصود و مطلوب تک رسائی پانے سے قبل ہی سبقت لے جائے گی تو ایسا شخص بالکل اس شخص کی مثل بن جائے گا جو یہ کہتا ہے: میں اس حسینہ دوشیزہ کی طرف فقط اس لیے دیکھ رہا ہوں تاکہ تخلیق الٰہی میں غور و فکر کروں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس گانے اور راگ میں ایسے اشارے انتہائی قلیل ہیں جن سے خالق کی جانب اشارہ کیا گیا ہو' اور اللہ جل شانہ کی ذات اقدس کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ معشوق ہے' وہ ذات اس سے کہیں بالاتر اور عظیم تر ہے۔ ہمیں تو فقط اس کی ہیبت اور تعظیم بجا لانے کا حکم ہے۔

جب نصیحت اور کلمات خیر خواہی ختم ہوئے' تب ہم گانے کے متعلق کہے گئے اقوال کا تذکرہ کیے دیتے ہیں:

① امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب

ان کے زمانے میں گانا زہد کے قصائد و اشعار کو پڑھنے کا نام تھا البتہ جب انتہائی زیادہ الحان اور پرترنم لہجے سے پڑھا جاتا تو اس کی بابت آپ سے روایات مختلف ہیں:

آپ کے صاحبزادے عبداللہ نے آپ سے یہ روایت نقل کی ہے' آپ نے فرمایا ہے:

((اَلْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ' لَا یُعْجِبُنِیْ))

''گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔ یہ مجھے اچھا نہیں لگتا۔''

اسماعیل بن اسحاق ثقفی نے آپ سے یوں روایت کی ہے کہ آپ سے قصائد سننے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: میں اسے مکروہ اور ناپسندیدہ گردانتا ہوں' یہ بدعت ہے' ایسے لوگوں کے پاس مت بیٹھا جائے۔

ابو حارث نے آپ سے یہ روایت کی ہے' آپ نے کہا: تغبیر[1] بدعت ہے۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ اس سے دل نرم ہوتے ہیں پھر بھی آپ نے یہی جواب دیا: یہ بدعت ہے۔

یعقوب بن بختان نے آپ سے یوں روایت کی ہے: میں تغبیر کو ناپسند کرتا ہوں اور آپ نے اسے سننے سے روکا اور منع فرمایا ہے۔

مذکورہ سب روایات گانے کے مکروہ ہونے پر دلیل ہیں۔

ابوبکر خلال نے کہا: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے قصائد سننے کو ناپسند کہا ہے جب آپ کو یہ بتایا گیا کہ وہ ایک دوسرے سے ہنسی مذاق اور دل لگی کرتے ہیں۔

پھر آپ سے ایک روایت یہ بھی ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ان کے سننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مروزی نے کہا ہے: میں نے ابو عبداللہ سے قصائد کی بابت سوال کیا' تو آپ نے فرمایا: بدعت ہے' میں نے آپ سے عرض کی: کیا انھیں چھوڑا جائے اور ان سے ترک تعلق اختیار کر لیا جائے' تو آپ نے جواب دیا: البتہ انھیں اس مقام تک نہ پہنچایا جائے۔[2]

---

[1] تغبیر سے مراد ''لا الہ الا اللہ'' یا کسی بھی ذکر کو بار بار با آواز بلند دہرانا ہوتا ہے۔ (قاموس: ص ۵۷۶)

[2] ملاحظہ فرمائیں ضیاء مقدسی کی کتاب ''اتباع السنن واجتناب البدع'' (ص: ۲۳'۸۹)

یہ بھی روایت ہمیں ملی ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنے صاحبزادے صالح کے پاس ایک قوال کو سنا' تو اس پر کوئی اعتراض نہ کیا' تب صالح نے آپ سے عرض کیا: اے میرے ابا جان! آپ تو اسے قابل اعتراض گردانا کرتے تھے؟ تو آپ نے جواب دیا: مجھے یہ بتایا گیا تھا: کہ یہ لوگ منکرات کو زیر استعمال لاتے ہیں' اس لیے میں نے اسے ناپسند سمجھا تھا' رہا یہ قوال' اسے میں ناپسند نہیں سمجھتا۔

میں عرض کرتا ہوں: ہمارے اصحاب نے ابوبکر خلال اور ان کے ساتھی عبدالعزیز سے گانے کی اباحت ذکر کی ہے' اور انھوں نے اپنے دور میں پائے جانے والے قصائد اور زہدیات کی جانب اشارہ کیا ہے اور جن اشعار کو امام احمد رحمہ اللہ مکروہ نہ جانتے تھے انھیں اسی حقیقت پر محمول کیا جائے گا۔

میرے اس مؤقف پر وہ واقعہ بھی دلالت کرتا ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اس آدمی کے متعلق سوال کیا گیا جو مرتے وقت ایک لڑکا اور مغنیہ لڑکی چھوڑ گیا تھا' بعدازاں وہ لڑکا اس لڑکی کو فروخت کرنے کا حاجت مند بن گیا تو آپ نے فرمایا: اسے فروخت نہ کیا جائے کیونکہ وہ گانے والی ہے۔ آپ کو بتایا گیا کہ وہ تیس ہزار دراہم کے برابر قیمت کی ہے' اور اگر اسے سادہ حالت میں فروخت کیا جائے تو یہ فقط بیس دینار میں جائے گی' تو آپ نے یہ جواب دیا: اسے صرف سادہ حالت میں بیچا جائے۔

آپ نے یہ اسی بات کے پیش نظر فرمایا ہوگا کہ وہ مغنیہ زہدیات پر مبنی قصائد نہ پڑھتی ہوگی بلکہ وہ وجد آفریں اشعار گاتی ہوگی جو طبیعتوں کو عشق پر بھڑکاتے ہوں گے' اور یہ اس بات پر بین دلیل ہے کہ گانا ممنوع و حرام ہے۔ اگر وہ ممنوع و حرام نہ ہوتا تو آپ کسی صورت بھی مال یتیم کو سستے بھاؤ فروخت کرنا جائز نہ کرواتے۔

مروزی نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ ہیجڑے کی کمائی خبیث اور ناپاک ہے' کیونکہ وہ اسے گانے کے ذریعے کماتا ہے۔

اور اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ہیجڑا قصائد زہد نہیں گاتا بلکہ وہ تو صرف غزلیات اور نوحہ پر مبنی اشعار ہی گاتا ہے' تو اس جملے سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ امام احمد رحمہ اللہ

سے گانے کی کراہت اور اباحت پر مبنی جو دو مختلف روایات منقول ہیں ان کا تعلق پر ترنم زہدیات کے ساتھ ہے' رہا دور حاضر کا معروف و متداول گانا' تو یہ ان کے نزدیک ممنوع اور حرام ہی ہے۔

اگر آپ کو لوگوں کے جدید اضافے اور زیادتیاں معلوم ہو جاتیں تو پھر فتویٰ کیسے ہوتا؟!

② امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب و موقف

اسحٰق بن عیسٰی طباع بیان کرتے ہیں: میں نے امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ سے ان گانوں کے متعلق دریافت کیا جن کی بعض اہلِ مدینہ رخصت دیتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا: ایسا عمل صرف فاسق و نافرمان لوگ ہی کرتے ہیں۔

ابو الطیب طبری سے منقول ہے امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے گانے اور اس کے سننے سے منع کیا ہے اور یوں بھی فرمایا ہے: جب کوئی شخص کوئی لونڈی خریدے اور دیکھے کہ یہ تو مغنیہ (گانے والی) ہے تو اسے عیب دار قرار دیتے ہوئے وہ واپس کرنے کا حق رکھتا ہے۔

سارے اہل مدینہ کا یہی مذہب و مؤقف ہے ماسوائے ایک عالم دین ابراہیم بن سعد کے۔ زکریا ساجی نے ان کے متعلق حکایت بیان کی ہے کہ وہ گانے سننے میں کوئی حرج خیال نہیں کرتے تھے۔

③ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب

ابو الطیب طبری بیان کرتے ہیں: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ باوجود نبیذ پینے کو مباح قرار دینے کے گانا سننے کو مکروہ خیال فرماتے تھے اور آپ گانے سننے کو گناہوں میں شمار فرمایا کرتے تھے۔

ابو الطیب طبری کے بقول: سارے اہل کوفہ مثلاً ابراہیم' شعبی' حماد' سفیان ثوری وغیرہ کا یہی مؤقف ہے' ان کے مابین کوئی اختلافِ رائے نہیں ہے۔

پھر کہتے ہیں: اس کے مکروہ اور ممنوع ہونے میں اہل بصرہ کے درمیان بھی کوئی

اختلاف نہیں ہے' البتہ عبید اللہ بن حسن عنبری بیان کرتے ہیں کہ وہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

④ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک

حسن بن عبد العزیز جروی سے منقول ہے' کہتے ہیں: میں نے محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو کوفہ میں فرماتے ہوئے سنا: میں عراق میں ایک چیز پیچھے چھوڑ آیا ہوں جسے زندیقوں نے شروع کیا ہے جسے وہ "التغبیر" کا نام دیتے تھے' وہ اس کی وجہ سے لوگوں کو قرآن سے دور کر رہے ہیں۔[1]

ابو منصور ازہری نے ذکر کیا ہے: مُغَبِّرَۃ ایسے لوگ ہیں جو ذکر الٰہی کو دعاؤں اور انکساری کے ساتھ پڑھتے رہتے ہیں یعنی اس میں تکرار کرتے ہیں اور جن ذکر الٰہی پر مبنی اشعار کو وجد آفرین لہجے میں پڑھتے ہیں انھیں "تغبیر" کہتے ہیں۔ گویا کہ جب ان اشعار کو پرترنم لہجے میں گاتے' وجد میں آتے' جھومتے' رقص کرتے' تو اسی معنی میں انھیں "مُغَبِّرَۃ" کا نام دیا گیا۔

زجاج نے کہا ہے: ان کا نام "مغبرین" لوگوں کو دنیائے فانی سے بے رغبت بنانے کے باعث اور آخرت کی ترغیب دلانے کے باعث پڑا تھا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: گانا ایک لہو اور مکروہ عمل ہے جو باطل عمل کے مشابہ ہے اور جو بکثرت گانے سنے گا وہ احمق اور بے وقوف ہوگا' ایسے شخص کی شہادت نا قابل قبول ہوگی۔

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: تمام شہروں کے علماء کا گانے کے مکروہ اور ممنوع ہونے پر اجماع و اتفاق ہے' صرف ابراہیم بن سعد اور عبید اللہ العنبری نے جماعت سے علیحدگی اختیار کی ہے۔

میں کہتا ہوں: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے کبار اور جید اصحاب بھی گانے سننے کو ناپسند اور قابل اعتراض گردانتے تھے البتہ ان کے قدماء اور متقدمین میں اس کے متعلق کچھ بھی اختلاف رائے نہیں تھا جبکہ اکابر متاخرین انکار پر قائم ہیں' ان میں سے ابو طیب طبری کی تو

[1] دیکھیے "جزء اتباع السنن" (ص/۸۹)

گانے کی مذمت میں اوراس کی سماعت کے منع وحرام ہونے پر ایک کتاب بھی تصنیف شدہ ہے۔

فرماتے ہیں: گانا گانا' اس کا سننا اور باجا بجانا سب ناجائز امور ہیں۔

پھر لکھتے ہیں: جو شخص اس گانے کی امام شافعی رحمہ اللہ کی جانب نسبت کرے' تو بلاشبہ اس نے جھوٹ باندھا۔

بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ نے تو کتاب ''ادب القضاء'' میں باقاعدہ تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص مسلسل گانا سننے کا عادی ہے اس کی گواہی ناقابل قبول ہے اوراس کا عادل ہونا باطل ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ تھا فیصلہ علمائے شافعیہ کا اور ان کے دین دار طبقے کا' البتہ ان کے متاخرین میں سے جو خواہش نفسانی کے پیروکار' کم علم اور کم فہم تھے وہ رخصت کے قائل ہیں' اور ہمارے اصحاب میں سے فقہائے عظام کا یہ فیصلہ ہے کہ مغنی (گویے) اور رقاص کی شہادت قبول نہ کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ حق اور صواب کی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

گانا گانا اور نوحہ خوانی مکروہ ہے

ہمارے اصحاب نے قرآن' سنت آثار اور کچھ معنوی دلائل سے استدلال کیے ہیں۔

قرآن کریم سے دلائل

قرآن کریم سے دلائل تین آیات مبارکہ سے کیے ہیں:

پہلی آیت مبارکہ:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾ (لقمان: ۳۱/ ۶)

''اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو لغو باتوں کو خریدتے ہیں''[1]

ابو صہبا بیان کرتے ہیں: میں نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اللہ عزوجل کے اس فرمان اقدس کے متعلق دریافت کیا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾

---

[1] ملاحظہ فرمائیں تفسیر ابن کثیر (۳/۴۴۲، ۴/۲۶۰)

تو آپ نے یوں جواب دیا: ''اللہ کی قسم! اس سے مراد گانا ہے۔''[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت مبارکہ سے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

''یہ گانے اور اس سے ملتی جلتی چیزیں ہیں۔''[2]

سعید بن یسار بیان کرتے ہیں: میں نے ''لھو الحدیث'' کے متعلق عکرمہ سے استفسار کیا تو انھوں نے جواب دیا: گانا۔

اور اسی طرح حسن، سعید بن جبیر، قتادہ اور ابراہیم نخعی نے بھی کہا ہے۔

دوسری آیت مبارکہ: اللہ عزوجل کا فرمان گرامی ہے:

﴿ وَ اَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ﴾ (النجم : ۵۳/ ۶۱)

''(بلکہ) تم کھیل رہے ہو''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ''وَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ'' کے بارے میں یہ قول منقول ہے: قبیلہ حمیر کے لہجے میں اس سے مراد ''گانا'' ہے۔[3] وہ کہتے ہیں ''سَمَدَ لَنَا'' یعنی اس نے ہمارے لیے گانا گایا۔''

مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: یہ گانا ہے، کوئی گانا گائے تو اہل یمن کہا کرتے ہیں: ''سَمَدَ فُلَانٌ'' ''فلاں نے گانا گایا۔''

تیسری آیت مبارکہ: رب العزت کا فرمان ہے:

﴿ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ﴾ (بنی اسرائیل : ۱۷/ ۶۴)

''ان میں سے تو جسے بھی اپنی آواز سے بہکا سکے بہکا لے اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا''

مجاہد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

---

[1] ابن جریر نے ۲۱/ ۶۲ میں اور حاکم نے (۲/ ۴۱۱) میں اسے روایت کیا ہے، اس کی سند حسن ہے۔

[2] اسے ابن جریر نے ۲۱/ ۶۱ میں اور ابن ابی شیبہ نے ۶/ ۳۱۰ میں بیان کیا ہے، اس کی سند میں ضعف ہے لیکن اس کا ایک دوسرا طریق ابن جریر کے ہاں ۲۱/ ۶۱، ۶۲ میں موجود ہے جس سے یہ قوی ہو جاتا ہے۔

[3] اسے ابن جریر نے ۲۷/ ۸۲ میں اور بیہقی نے ۱۰/ ۲۲۳ میں ذکر کیا ہے، اس کی سند صحیح ہے۔

''اس سے مراد گانے اور بانسری وغیرہ ہیں۔''

سنت مبارکہ سے دلائل

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ایک چرواہے کی بانسری بجانے کی آواز سنی' تو آپ نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں' اور راستے سے ہٹ کر چلنے لگے اور دریافت کرتے رہے: اے نافع! کیا تو سن رہا ہے؟ میں کہتا رہا: جی ہاں! آپ مسلسل چلتے رہے' یہاں تک کہ میں نے عرض کیا: اب نہیں' آپ نے ہاتھوں کو نیچے کیا اور پھر آپ نے اپنی سواری کو بھی راستے پر چڑھایا اور یوں گویا ہوئے:

((رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سَمِعَ زَمَّارَةَ رَاعٍ' فَصَنَعَ مِثْلَ ذٰلِكَ))

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو بذات خود دیکھا تھا کہ آپ نے ایک چرواہے کی بانسری بجانے کی آواز کو سنا تھا' تو آپ نے بھی ایسا ہی کیا تھا''[1]

تو جب ایک ایسی آواز کے بارے میں ان کا یہ فعل تھا جو حد اعتدال سے باہر نہ تھی' تو دور حاضر کے گانوں اور ان کے آلات موسیقی کے متعلق ان کا کیا کردار ہوتا؟![2]

سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے یہ فرمان اقدس روایت کرتے ہیں:

((اِنَّمَا نُهِیْتُ عَنْ صَوْتَیْنِ أَحْمَقَیْنِ فَاجِرَیْنِ: صَوْتَ مِزْمَارٍ عِنْدَ نِعْمَةٍ وَصَوْتَ رَنَّةٍ عِنْدَ مُصِیْبَةٍ))[3]

''یقیناً مجھے حماقت اور فسق و فجور پر مبنی دو آوازوں سے روک دیا گیا ہے: نعمت ملنے کے موقعہ پر بانسری کی آواز' اور مصیبت کے موقعہ پر رونے کی زوردار آواز''

---

[1] سنن ابی داود' الادب' باب کراهیة الغناء والزمر' حدیث: ۴۹۲۳' ۴۹۲۵۔

[2] اس حدیث مبارکہ پر مزید تفصیلی مباحث سے مکمل آگاہی کے لیے اور اس شخص کی تردید کے لیے جو اس سے آلات موسیقی کے سماع کو جائز قرار دیتا ہے' مطالعہ فرمائیں ''مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ'' ۳۰/۲۱۲۔

[3] اسے ابن سعد نے ۱/۱۳۸ میں' ترمذی نے کتاب الجنائز' باب ما جاء فی الرخصة فی البکاء علی المیت: حدیث: ۱۰۰۵' اور طیالسی نے ۱۶۸۳ میں ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔ اس روایت کے شواہد بھی ہیں جو اسے تقویت دے رہے ہیں' جس سے یہ روایت حسن ہو جاتی ہے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اس وقت داخل ہوا تھا جبکہ آپ کے لخت جگر سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ جان کنی کے عالم میں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اٹھا کر اپنی گود میں رکھا' آپ کی آنکھوں نے بہنا شروع کر دیا۔ میں عرض پرداز ہوا: یا رسول اللہ! آپ خود تو رو رہے ہیں اور ہمیں رونے سے روکا کرتے ہیں؟ تو آپ نے یوں جواب ارشاد فرمایا:

''میں صرف رونے سے تو نہیں روکتا' بلکہ میں تو دو احمق اور فاجر آوازوں سے روکتا ہوں: خوشی و نعمت کے موقعہ پر لہو و لعب اور شیطانی بانسریوں کی آواز سے اور مصیبت و پریشانی کے موقعہ پر چہرہ پیٹنے' گریبان پھاڑنے اور شیطانی زوردار رونے کی آوازوں سے''[1]

آثار سے دلائل

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

''گانا دل میں نفاق اس طرح اگاتا ہے جس طرح پانی ترکاری کو اگاتا ہے۔''

اور یوں بھی فرمایا ہے: جب آدمی کسی جانور پر سوار ہوتا ہے اور ''بسم اللہ'' نہیں کہتا'' شیطان اس کے پیچھے سوار ہو جاتا ہے اور وہ کہتا ہے: ''گانا گا''! اگر وہ اچھا نہیں گا سکتا' تو پھر اسے یوں کہتا ہے: اس کی خواہش کر۔[2]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے جو احرام باندھے ہوئے تھے اور ان میں سے ایک شخص گانا گا رہا تھا: تو آپ نے فرمایا: سنو! یاد رکھو! اللہ تعالیٰ تمہاری دعا ہی نہ سنے۔

آپ ایک کم عمر بچی کے پاس سے گزرے جو گانا گا رہی تھی تو آپ نے فرمایا: اگر شیطان کسی کو چھوڑتا' تو یقیناً اسے چھوڑتا۔

اور کسی آدمی نے قاسم بن محمد سے گانے کے متعلق دریافت کیا' تو انہوں نے یوں

---

[1] دیکھئے ''نصب الرایہ ۴/۸۴' حدیث نمبر ۳۶' اس میں اس کی مکمل تخریج موجود ہے۔

[2] اسے عبدالرزاق نے ''المصنف'' ۱۰/۳۹۷ میں بہ سند صحیح ذکر کیا ہے۔

جواب دیا: میں تجھے اس سے روکتا ہوں' اور میں اسے تیرے لیے ناپسند و مکروہ خیال کرتا ہوں' وہ آدمی بولا: کیا یہ حرام ہے؟ اس نے پھر یوں جواب دیا: میرے بھتیجے دیکھو اور بتاؤ! جب اللہ تعالیٰ حق کو باطل سے جدا کرے گا تو گانے کو ان دونوں میں سے کس طرف رکھے گا؟[1]

شعبی بیان کرتے ہیں: گانے والا اور جس کے لیے گایا جائے' دونوں ہی ملعون ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادے کے اتالیق کو یوں لکھا' آپ کی تعلیم و تربیت میں یہ کام سب سے پہلے ہونا چاہیے کہ لہو و لعب کے بغض کا عقیدہ رکھیں' جس کی ابتدا شیطان کی طرف سے ہے' اور جس کا انجام اللہ رحمٰن کا غصہ ہے۔ کیونکہ مجھے ثقہ اہل علم سے یہ بات پہنچی ہے کہ باجوں گاجوں کی محافل میں جانا' گانوں کو سننا اور ان کا دلدادہ ہونا دل میں نفاق اگاتا ہے جس طرح پانی گھاس اگاتا ہے۔ مجھے اپنی عمر کی قسم![2] ایسے مقامات میں جانا چھوڑ کر اس انجام بد سے اپنے آپ کو بچانا ایک صاحب عقل آدمی پر اس امر سے زیادہ آسان تر ہے کہ اپنے قلب میں نفاق کو پختہ کرے۔

فضیل بن عیاض نے فرمایا ہے: گانا زنا کا منتر ہے۔

ضحاک نے کہا ہے: گانا دل کو خراب کرنے والا اور پروردگار کو ناراض کرنے والا ہے۔

یزید بن ولید نے کہا: اے بنی امیہ! تم گانے سے بچ کر رہنا' کیونکہ وہ شہوت کو بڑھاتا اور مروت کو گراتا ہے' یہ شراب کا قائم مقام ہے' یہ وہی نتائج دیتا ہے جو نشہ دیتا ہے' اگر تم لازماً ہی یہ کام کرنا چاہو[3] تو عورتوں سے الگ ہو کر کرنا' کیونکہ گانا زنا کاری کی طرف بلاتا ہے۔

میں عرض کرتا ہوں: کتنے ہی عابدوں اور زاہدوں کو گانے کی آوازوں نے فتنے میں ڈال دیا ہے' اور ہم نے اپنی کتاب ''ذم الھویٰ'' میں ایسے لوگوں کے کچھ حالات و واقعات قلم بند کر دیے ہیں۔[4]

---

[1] کتنا حکیمانہ جواب ہے۔

[2] یہ قسم جائز ہے' جس طرح کہ ہمارے شیخ علامہ حماد انصاری نے ایک الگ رسالے میں اس کی تحقیق کر دی ہے۔

[3] کس لیے؟

[4] یہ کتاب چھپ چکی ہے اور عام مل جاتی ہے۔

معنوی دلائل

ہم یہ حقائق بیان کر آئے ہیں کہ گانا انسان کو حد اعتدال سے نکال دیتا ہے اور انسانی عقل کو متغیر کر ڈالتا ہے۔

اس کا تفصیلی بیان کچھ اس طرح ہے کہ جب انسان وجد میں آتا ہے تو ایسے ایسے اعمال اور ایسی ایسی حرکات کرتا ہے جنھیں اپنی حالت صحت میں کسی دوسرے میں دیکھے تو برا سمجھتا ہے' مثلاً سر ہلانا' تالیاں بجانا' زمین پر پاؤں کو مارنا...... وغیرہ وغیرہ' جو کم عقل اور ماؤف عقلوں والے لوگ کرتے ہیں' گانا ایسی سب فضول حرکات کو واجب کرتا ہے بلکہ اس کے اثرات عقل پر پردے ڈالنے کے لحاظ سے قریب قریب شراب نوشی کے ہی ہوتے ہیں' اس لیے چاہیے کہ اس سے باز رہا جائے اور باز رکھا جائے۔

ابوسعید ضرار بیان کرتے ہیں: محمد بن منصور کے پاس قصیدے پڑھنے اور سننے والوں کا تذکرہ ہوا تو فرمانے لگے: یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے فرار ہونے والے ہیں' اگر یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول سے خیر خواہی' حسن معاملہ اور صدقِ نیت سے معاملہ رکھتے' تو یقیناً اللہ تعالیٰ بھی ان کے باطن میں ایسی باتیں القاء کرتا جو انھیں ایسی فضولیات میں مشغول ہونے سے باز رکھتیں۔

ابوعبداللہ بن بطہ عکبری نے کہا ہے: کسی سائل نے مجھ سے گانا سننے کی بابت دریافت کیا' تو میں نے اسے روکا اور منع کیا' اور میں نے اسے ساتھ یہ بھی سمجھایا کہ یہ ایسے امور میں سے ہے جنھیں علماء نے ناپسندیدہ اور کم عقل اور بے وقوفوں نے اچھا اور پسندیدہ بنایا ہوا ہے' لوگوں کے ایک گروہ نے اسے باقاعدہ اختیار کیا ہوا ہے جنھیں صوفی کہا جاتا ہے' محققین نے اس گروہ کا نام ''جبریہ'' رکھا ہے' یہ لوگ کم ہمت' کمینی سوچ والے اور بدعات کی راہوں پر چلنے والے لوگ ہیں' جو زہد کو ظاہر کرتے ہیں' حالانکہ ان کے سب ذرائع آمدنی ظلم پر مبنی ہیں' یہ لوگ خوف و رجا' امید وبیم سے بے نیاز اور آزاد ہو کر شوق ومحبت کے دعوے کرتے ہیں' کم عمر لڑکوں اور عورتوں سے گانے سنتے ہیں' وجد میں آتے' بے ہوش ہوتے ہیں' جعلی غشی اور بناوٹی موت مرتے ہیں اور یہ گمان رکھتے ہیں کہ یہ ان کی اللہ تعالیٰ

سے شدید اور انتہائی زیادہ محبت رکھنے کے باعث ہے' اس کی طرف شوق و اشتیاق رکھنے کے سبب ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کے ان فضول اور باطل اقوال سے بہت ہی زیادہ بلند ہے۔

گانے سننے کو جائز کہنے والوں کے شبہات

ان میں سے ایک شبہ یہ ہے جو حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کی جاتی ہے کہ دو چھوٹی بچیاں آپ کے پاس دف بجا رہی تھیں' بعض روایات میں الفاظ اس طرح بھی آتے ہیں:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے ہاں تشریف لائے' اس وقت میرے پاس انصار کی بچیوں میں سے دو چھوٹی بچیاں وہ اشعار گا رہی تھیں جو انصار نے جنگ بعاث کے روز فخریہ گائے تھے' ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا شیطانی گیت اور خانہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی نسبت ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((دَعْهُمَا يَا أَبَا بَكْرٍ اِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا' وَهٰذَا عِيْدُنَا))

''اے ابوبکر! ان کو رہنے دے' کیونکہ ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید کا روز ہے''

اس حدیث کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔[1]

ان میں سے ایک حدیث سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی ہے جو انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے:

((اَللّٰهُ أَشَدُّ أَذَنًا اِلَى الرَّجُلِ الْحَسَنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ صَاحِبِ الْقَيْنَةِ اِلٰى قَيْنَتِهٖ))

''یقیناً اللہ تعالیٰ خوش الحانی سے تلاوت قرآنی کرنے والے کی طرف اس سے کہیں بڑھ کر کان لگاتا ہے جتنا کوئی اپنی لونڈی کی طرف کان لگاتا ہے''[2]

ابن طاہر نے کہا ہے: اس حدیث سے وجہ حجت یہ ہے کہ اس حدیث نے گانا سننے کو

[1] اس کی تخریج پہلے گزر چکی ہے۔ دیکھئے میرا پمفلٹ ''احکام العیدین فی السنة المطهرة''

[2] مسند احمد ۶/۲۰۔ سنن ابن ماجه' اقامة الصلوات' باب فی حسن الصوت بالقرآن حدیث: ۱۳۴۰ واسناده ضعیف

جائز ثابت کر دیا ہے کیونکہ یہ جائز نہیں ہے کہ کسی حرام چیز پر قیاس کیا جائے (یعنی نبی اکرم ﷺ نے گانے پر قرآن کو قیاس کیا ہے) ان میں سے ایک حدیث جو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے اس طرح روایت کرتے ہیں:

((مَاأَذِنَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِشَيْءٍ مَّآ اَذِنَ لِنَبِيٍّ يَتَغَنّٰى بِالْقُرْاٰنِ))[1]

''اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کی بھی اتنی اجازت عطا نہیں فرمائی جتنی نبی کو قرآن گا گا کر پڑھنے کی اجازت دی ہے''

ان مرویات میں سے ایک وہ روایت ہے جس میں محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے آپ کا فرمان اقدس نقل کرتے ہیں:

((فَصْلُ مَابَيْنَ الْحَلَالِ وَ الْحَرَامِ الضَّرْبُ بِالدُّفِّ))[2]

''حلال اور حرام تعلق میں فرق دف بجانا ہے''

جوابات

رہی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث' اس پر پہلے گفتگو ہو چکی ہے اور وہاں ہم نے اس قدر تفصیل بیان کر دی ہے کہ وہ لوگ اشعار گایا کرتے تھے' بس انہی کو گانا کہا گیا ہے کیونکہ اس اندازِ شعر خوانی میں ایک قسم کا ٹھہراؤ اور آواز کو حلق میں گھمانا اور دہرانا ہوتا ہے' ایسی طرز طبیعتوں کو حد اعتدال سے باہر نہیں نکالتی۔

تو کس طرح اس انداز شعر خوانی سے' جو صاف اور پاکیزہ دلوں کے پاس اور فتنے سے محفوظ زمانے میں تھا' ایسی وجد آفرین' طرب انگیز آوازوں پر کس طرح دلیل لی جا سکتی ہے' وہ بھی ایسے لوگوں کے پاس جن کی خواہشات نفسانی غالب آ چکی ہوں اور پھر ایسے زمانے میں جو کدورت و گدلاہٹ والا ہے' یہ تو صرف ان لوگوں کے فہم کا قصور ہے!

---

[1] صحیح بخاری' فضائل القرآن' باب من لم يتغن بالقرآن' حدیث : ۵۰۲۳
صحیح مسلم' صلاۃ المسافرین' باب استحباب تحسین الصوت بالقرآن' حدیث: ۷۹۲۔

[2] سنن ترمذی' النکاح' باب ماجاء فی اعلان النکاح' حدیث: ۱۰۸۸۔
سنن نسائی' النکاح' باب اعلان النکاح بالصوت و ضرب الدف' حدیث: ۳۳۷۱۔
سنن ابن ماجه' النکاح' باب اعلان النکاح' حدیث : ۱۸۹۶۔ مسند احمد ۳/ ۴۱۸۔

کیا یہ بات صحیح حدیث میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی نہیں ہے کہ انھوں نے فرمایا:

''اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نئی نئی باتیں جو عورتوں نے ایجاد کر لی ہیں' دیکھ لیتے تو یقیناً انھیں مسجدوں میں آنے سے روک دیتے۔''[1]

ایک مفتی کو چاہیے کہ وہ بھی حالاتِ زمانہ کا اسی طرح موازنہ کرے جس طرح ایک طبیب کو چاہیے کہ وہ زمانے' عمر اور علاقے کا موازنہ کرے' پھر اس کے مطابق اس مقدار کے حساب سے نسخہ تجویز کرے۔

انصار نے یوم بعاث کے موقعہ پر جو اشعار خوشی میں پڑھے تھے بھلا کس طرح ان اشعار کی طرح ہو سکتے ہیں جو کسی نوخیز' نوعمر' بے ریش' خوبصورت لڑکے کے منہ سے' بہترین آلات پر اور پوری مہارت سے پڑھے جاتے ہیں' جن کی طرف نفوس کھنچے چلے آتے ہیں؟ اور وہ ایسے غزلیہ اشعار پڑھتے ہیں جن میں ہرن' ہرنی' رخساروں' چہرے کے کالے تلوں' قدوقامت اور ان کے دیگر اعضائے جسمانی کے اعتدال وموزونیت کا تذکرہ ہوتا ہے؟!

کیا ایسے موقعہ پر طبیعتیں ثابت رہ سکتی ہیں؟! بالکل نہیں' بلکہ نفس انسانی تو لذت دینے والی چیزوں کی جانب بے مہار ہو کر اشتیاق واشتہا دکھائے گا!

بجز جھوٹے یا انسانیت کی حدود سے خارج انسان کے کوئی بھی ایسا دعویٰ نہیں کرے گا۔

اور جو کوئی ان اشعار سے خالق کی جانب اشارے اخذ کرنے کی بات کہے گا' تو اس نے شانِ باری تعالیٰ کے متعلق ایسے الفاظ استعمال کیے جو اس کی شان کے شایان ہی نہ تھے' باوجود اس امر کے کہ طبیعت ان خواہشات اور شہوات کی جانب سبقت لے جائے گی جو اسے میسر آئیں گی۔

ابو طیب طبری نے اس حدیثِ مبارکہ کے متعلق ایک اور جواب بھی دیا ہے' انہوں نے فرمایا ہے:

---

[1] صحیح بخاری' الاول' باب انتظار الناس قیام امام العالم' حدیث: ۸۶۹
صحیح مسلم' الصلاۃ' باب خروج النساء الی المساجد...... حدیث: ۴۴۵

یہ حدیث تو ہماری حجت و دلیل ہے' کیونکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے شیطانی گیت فرمایا ہے' اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے اس قول پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا' بلکہ آپ نے اپنے حسنِ اخلاق کے ساتھ فقط آپ کے شدت سے انکار کرنے پر اعتراض کیا تھا اور بالخصوص وہ بھی عید کے روز۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت چھوٹی عمر والی تھیں' ان کے بالغ ہونے اور دینی علم حاصل کر لینے کے بعد ان سے بھی سوائے گانے کی مذمت کے اور کچھ منقول نہیں ہے۔

آپ کے بھانجے قاسم بن محمد بھی گانے کی مذمت کیا کرتے تھے اور انھیں سننے سے روکا کرتے تھے' حالانکہ انھوں نے علم دین اپنی پھوپھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے حاصل کیا تھا۔

دوسری حدیث میں جو پہلو ذکر کیا گیا ہے' وہ گانے کے معاملے میں صریح نہیں ہے' اس میں شعر خوانی اور دوسرے انداز بھی مراد لیے جا سکتے ہیں۔[1]

اور جو مالک کی اپنی لونڈی کی آواز کو بغور سننے کے ساتھ تشبیہ دینے والی بات ہے[2] تو یہ منع نہیں ہے کہ جس سے تشبیہ دی جائے حرام ہو کیونکہ اگر انسان یوں کہہ دے: میں نے شہد میں لذت شراب سے کہیں بڑھ کر لذت پائی ہے' تو یہ کلام صحیح ہوگا۔ حدیث مبارکہ میں ویسے

---

[1] اس حدیث کا موصوف نے تذکرہ نہیں کیا' تلخیص کرتے ہوئے یہ حدیث مبارکہ چھوڑ گئے ہیں' صاحب کتاب ابن جوزی رحمہ اللہ نے بایں الفاظ اسے ذکر کیا ہے:

ان میں سے ایک حدیث جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے کہ ایک خاتون جو ایک انصاری صحابی کے ساتھ بیاہی گئی تھی' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق پوچھا: اے عائشہ! ان کے پاس کیا کیا لہو کا سامان تھا؟ کیونکہ انصار کو لہو اچھا لگتا ہے۔

حسن درجے کی روایت ہے' اسے امام طبرانی رحمہ اللہ نے ''الاوسط'' میں ذکر کیا ہے' اسی طرح مجمع الزوائد (۲۹۲/۴) میں مندرج ہے۔ مزید ملاحظہ فرمائیں مشکوۃ (۳۱۵۵)

[2] یہ حدیث بالکل صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہے اور جس طرح کہ علماء نے اس کے متعلق لکھا ہے: ''التاویل فرع التصحیح'' یعنی کسی بات کی تاویل کرنا ایک طرح سے اس کو صحیح تسلیم کرنا ہے' اسے احمد نے ۱۹/۶ اور حاکم نے ۵۷/۱ میں منقطع سند سے روایت کیا ہے' اور امام احمد نے ۲۰/۶ میں اسے موصولاً بھی بیان کیا ہے اور ابن ماجہ نے اقامۃ الصلوۃ' باب فی حسن الصوت بالقرآن' حدیث: ۱۳۴۰ میں ایک ضعیف راوی کے ذکر کے ساتھ روایت کیا ہے۔ لہٰذا یہ روایت صحیح نہیں ہے!

بھی دونوں حالتوں میں کان لگانے کی تشبیہ واقع ہوئی ہے' تو ان دونوں میں سے ایک کا حلال یا حرام ہونا تشبیہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے یوں بھی تو فرمایا ہوا ہے:

((اِنَّكُمْ لَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ))[1]

''تم اپنے پروردگار کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح چاند کو دیکھتے ہو''

یہاں نبی کریم ﷺ نے دیدار الٰہی کو چاند کے دیکھنے کے ساتھ تشبیہ دی ہے جبکہ دونوں روایتوں کے مابین فرق ہے کیونکہ چاند تو ایسی جہت میں ہے جسے دیکھنے والے کی نظر احاطہ کر سکتی ہے اور حق تعالیٰ اس حالت سے منزہ اور بلند ہے۔[2]

اور فقہائے عظام وضو کے پانی کے متعلق کہتے ہیں کہ وضو کے پانی کو اعضاء سے خشک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ عبادت کا باقی اثر ہے' لٰہذا اسے پونچھنا مسنون نہیں[3] جیسے کہ شہید کا خون ہے' تو فقہاء نے اس جہت سے دونوں کو جمع کر دیا ہے کہ دونوں ہی عبادت میں مشترک ہیں' اگرچہ طہارت اور نجاست میں دونوں جدا جدا ہیں۔

ابن طاہر کا یہ استدلال کہ قیاس تو صرف مباح پر ہی ہو سکتا ہے' یہ صرف صوفیاء کی فقہ ہے' علماء کا علم نہیں ہے۔

---

[1] صحیح بخاری' مواقیت الصلاۃ' باب فضل صلاۃ العصر' حدیث : ۵۵۴
صحیح مسلم' المساجد' باب فضل صلاتی الصبح و العصر' حدیث : ۶۳۳ میں جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث مبارکہ نبیٔ اکرم ﷺ سے مروی متواتر احادیث میں سے ہے۔

[2] اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس سے منزہ اور پاک ہیں کہ اس کی مخلوقات میں سے کوئی بھی اس کا احاطہ کر سکے' البتہ کیا وہ ایک جہت سے دیکھا جا سکتا ہے یا کسی جہت سے بھی نہیں دیکھا جا سکتا' اس میں تفصیل ہے' جسے آپ ''شرح الطحاویہ'' ۱/۲۲۰ میں دیکھ سکتے ہیں۔
اس معاملے میں اصل الاصول یہ ہے: اس کی ذات اقدس پر مطلق ایمان بالغیب ہو' اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے رہنا چاہیے کہ وہ اپنے دیدار کا ہم پر احسان فرمائے' بلاشبہ وہ انتہائی سخی اور کریم ہے۔

[3] یہ دونوں طرح کا باری باری کا معمول ہے' کیونکہ نبی کریم ﷺ سے صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ آپ کا ایک پرانے کپڑے کا پارچہ (تولیہ نما) سا تھا جس سے بعد از وضو پانی خشک فرما لیا کرتے تھے' یہ حدیث صحیح ہے جسے آپ ''المتواری علی ابواب البخاری'' (ص/۸۱) پر میرے تعلیقہ میں دیکھ سکتے ہیں' یہ کتاب ''ابن المنیر'' کی ہے' جو ''دار عمار'' عمان سے شائع شدہ ہے۔

رہا نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان گرامی:

((يَتَغَنّٰى بِالْقُرْاٰنِ))

''قرآن کو گا گا کر پڑھتا ہے یعنی خوش الحانی سے پڑھتا ہے''

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر اس طرح بیان کی ہے' فرمایا: اس کا معنی ہے' اسے خوش الحانی سے پڑھے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے یوں تفسیر بیان کی ہے: اس کا معنی ہے کہ باریک آواز میں اور پرترنم لہجے میں پڑھے۔

ان دونوں کے علاوہ ایک اور نے یہ معنی کیا ہے: اسے سواروں کے گانے کی جگہ پر رکھے جب وہ چلیں۔

رہا معاملہ دف بجانے کا' تابعین کی ایک جماعت تو دفوں کو توڑ دیتی تھی' حالانکہ وہ ایسی نہ تھیں' اگر وہ یہ دیکھ لیتے تو پھر کیفیت کیا ہوتی؟!

اور حسن بصری فرمایا کرتے تھے: دف بجانے کا انبیاء کی سنت سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔

رہا یہ فرمان گرامی ((فَصْلُ مَا بَيْنَ الْحَلَالِ وَ الْحَرَامِ......))

''حلال اور حرام کے مابین فرق......''

تو اس کے متعلق ابو عبید قاسم بن سلام نے کہا ہے: جو اس حدیثِ مبارکہ کو صوفیاء کی طرف لے گیا ہے' اس نے رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے مراد سمجھنے میں خطا کھائی ہے اس کا ہمارے نزدیک معنی و مفہوم نکاح کا اعلان اور اس کی سر عام شہرت اور لوگوں میں اس کا تذکرہ کرنا ہے۔

میں عرض کیا چاہتا ہوں: اگر اس حدیث مبارکہ کو حقیقی دف پر بھی محمول کر لیا جائے' تب بھی صحیح اور جائز ہے' امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: مجھے امید ہے کہ تقریبات شادی وغیرہ میں دف بجا لینے میں کوئی مضائقہ اور حرج نہیں ہے[1] البتہ میں ڈھول بجانے کو

[1] شادی اور عیدین دونوں ہی مواقع ہیں' ان کے علاوہ کوئی تیسرا موقعہ نہیں ہے' جس طرح کہ احادیث [illegible] میں وارد ہے' جیسا کہ قبل ازیں اشارہ گزر چکا ہے۔

مکروہ سمجھتا ہوں۔

عامر بن سعد بجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے ثابت بن سعد کو تلاش کیا جو کہ بدری صحابی ہیں تو مجھے وہ اپنی شادی کی تقریب میں ملے۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ چند بچیاں دف بجانے کے ساتھ ساتھ گا رہی ہیں' میں نے عرض کی: آپ اس سے منع نہیں کرتے؟ بولے:

((لَا۔ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم رَخَّصَ لَنَا فِي هٰذَا))

''نہیں' بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس موقعے پر اس کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔''[1]

لیکن وہ تمام دلائل جن سے ان لوگوں نے حجت پکڑنے کی کوشش کی ہے' ان سے اس قسم کے گانوں کے جواز پر جو طبیعتوں پر اثر انداز ہو' استدلال کرنا جائز نہیں ہے۔

بعض لوگوں نے جو ''تصوف کی محبت'' کے نشے میں مست ہیں' بعض ایسے اندازوں اور طریقوں سے ان کے لیے دلائل فراہم کرنے کا کام سرانجام دیا ہے جن میں دلیل بھی نہیں ہوتی' ان میں سے ایک تو ابونعیم اصفہانی ہیں' انہوں نے کہا ہے:

''براء بن مالک رضی اللہ عنہ سماع کی طرف میلان رکھتے تھے اور پُرترنم آوازوں سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔''

ابونعیم نے سیدنا براء کے حوالے سے جو ذکر کیا ہے' وہ اس بنا پر ہے کیونکہ انہوں نے آپ سے یہ روایت بیان کی ہے[2] کہ آپ ایک دن چت لیٹے ہوئے تھے اور آپ نے ترنم سے پڑھا تھا!

اس عجیب و غریب دلیل پر ذرا غور فرمائیں' کیونکہ کوئی آدمی بھی ترنم سے خالی نہیں ہے' تو کہاں یہ ترنم اور کہاں یہ طرب انگیز اور وجد آفریں گانوں پر کان دھرنا؟!

محمد بن طاہر نے بھی ان لوگوں کے لیے بعض باتوں سے دلائل فراہم کرنے کی سعی

---

[1] اسے طبرانی نے ''الکبیر'' ۱۷/۲۴۷ میں' بیہقی نے ۷/۲۸۹ میں' طیالسی نے ۱۲۲۱ میں' حاکم نے ۲/۱۸۴ میں اور امام نسائی نے ۶/۱۳۵ میں روایت کیا ہے' اس کی سند صحیح ہے۔

[2] حلیة الاولیاء: ۱/۳۵۰

لاحاصل کی ہے' اگر ان باتوں پر کسی جاہل کے دھوکا کھا جانے کا اندیشہ نہ ہوتا' تو یہ ذکر کے قابل بھی نہیں ہے' کیونکہ ان کی پرکاہ کے برابر بھی حیثیت نہیں۔

ان میں سے ایک نے اپنی کتاب میں لکھا ہے:

((بَابُ الْاِقْتِرَاحِ عَلَى الْقَوَّالِ وَالسُّنَّةِ فِيْهِ))

''قوال سے فرمائش کرنے اور اس کے مسنون ہونے کا بیان''

انہوں نے قوال سے فرمائش کرنے کو سنت قرار دیا ہے اور اس روایت سے استدلال کیا ہے جو عمرو بن شرید نے اپنے باپ سے روایت کی ہے' کہتے ہیں:

((اِسْتَنْشَدَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ شِعْرِ اُمَيَّةَ' فَأَخَذَ يَقُوْلُ: هِيَ هِيَ' حَتّٰى اَنْشَدْتُّهُ مِائَةَ قَافِيَةٍ))

''رسول اللہ ﷺ نے مجھے امیہ کے اشعار میں سے کچھ پڑھنے کو کہا (چنانچہ میں پڑھنے لگا) تو فرماتے جاتے تھے اور' اور' حتیٰ کہ میں نے ایک سو اشعار پڑھ دیے۔''[1]

غور کریں' ابن طاہر کا احتجاج (حجت پکڑنا) کس قدر تعجب خیز ہے! کس طرح شعر خوانی سے گانے کے جواز پر حجت لے رہے ہیں؟! ان کی مثال تو بس اس آدمی کی ہے جو کہتا ہے: عود (سارنگی) کی پشت پر ہاتھ مارنا جائز ہے لہٰذا اس کے تاروں کو بجانا بھی جائز ہے' یا پھر یوں کہے: انگوروں کا رس نچوڑنا اور اسی دن پی لینا جو جائز ہے تو چند ایام گزرنے پر بھی اسے پینا جائز ہوا! حالانکہ وہ آدمی یہ حقیقت فراموش کر بیٹھا ہے کہ فقط اشعار پڑھنا اس قدر وجد آفریں نہیں ہوتا جس قدر گانا گانا وجد آفریں اور طرب انگیز ہوتا ہے۔

میں نے تو اسے فقط اس لیے ذکر کر دیا ہے تاکہ ان کی عقل و فقہ اور ان کی قوت استنباط کا مقام و مرتبہ پہچانا جا سکے' وگرنہ وقت اس سے کہیں زیادہ قیمتی ہے کہ اس جیسی اول فول اور ردی کلام میں اسے ضائع کیا جائے۔

ابو طیب طبری بیان کرتے ہیں: رہا مسئلہ کسی غیر محرم عورت سے گانا سننا' تو امام شافعی رحمہ اللہ

[1] حلیۃ الاولیاء: ۱/۳۵۰۔

کے اصحاب کا یہ کہنا ہے: بالکل ناجائز ہے' خواہ وہ آزاد ہو یا لونڈی۔
مزید یہ لکھا ہے: امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: جب کسی لونڈی کا مالک لونڈی کی زبان سے گانے سنانے کے لیے عوام الناس کو جمع کرے' تو وہ احمق ہے اور اس کی گواہی ناقابل قبول ہوگی۔
پھر اس معاملے میں قدرے سخت الفاظ استعمال کرتے ہوئے یوں کہا ہے:
''یہ دیوثت ہے۔''[1]
امام صاحب نے اس مالک کو بے وقوف اور فاسق اس لیے قرار دیا ہے کیونکہ وہ لوگوں کو باطل کی جانب دعوت دیتا ہے' اور جو شخص باطل کی دعوت دے وہ احمق اور فاسق ہی ہوگا۔
ابو عبد الرحمٰن سلمی نے یوں کہا ہے: سعد بن عبد اللہ دمشقی نے صوفیاء کی خاطر ایک قوال لونڈی خریدی' وہ ان کے لیے قصیدے پڑھا کرتی تھی۔
ابو طالب مکی نے اپنی کتاب (قوت القلوب) میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ہم نے مروان القاضی کو پایا ہے' ان کے پاس خوش الحانی سے گانا سنانے والی لونڈیاں تھیں' جن کو انہوں نے صوفیاء کی خاطر تیار کیا ہوا تھا۔
کہتے ہیں: عطاء کے پاس بھی خوش الحانی سے گانے والی دو لونڈیاں تھیں' عطاء کے بھائی (اور اصحاب) انھیں سنا کرتے تھے۔
لیکن سعد دمشقی جاہل شخص ہے' اور عطاء کے متعلق حکایت ناممکن اور جھوٹ ہے' اور اگر مروان کے متعلق حکایت صحیح ہے' تو وہ فاسق ہے' اور ہمارے کہے پر دلیل وہی ہے جو ہم نے امام شافعی رحمہ اللہ سے ذکر کیا ہے' اور یہ لوگ علم سے جاہل ہیں' اسی لیے خواہشات کی جانب مائل ہوتے ہیں۔
اگر یہ کہا جائے کہ آپ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں کہ عون بن عبد اللہ بیان سے فارغ ہوتے تو اپنی ایک لونڈی کو حکم دیتے' وہ قصے سناتی اور لوگوں کو وجد میں لاتی' مغیرہ کہتے ہیں: میں نے آپ کی خدمت میں پیغام ارسال کیا یا آپ کی خدمت میں پیغام بھیجے

[1] دیوث وہ آدمی ہوتا ہے جو اپنے گھر والوں کے متعلق بے غیرتی کا مظاہرہ کرے۔

کا ارادہ کیا کہ آپ تو خاندان صدق وصفا سے ہیں اور اللہ عز وجل نے اپنے نبی کو حماقت کی باتیں دے کر تو مبعوث نہیں فرمایا جبکہ آپ کا یہ عمل تو کسی احمق کا عمل ہے!

تو جواب اس کا یہ ہے: ہم یہ گمان نہیں کر سکتے کہ عون نے اپنی لونڈی کو غیر مردوں کے پاس قصے کہانیاں سنانے کا حکم دیا ہوگا' بلکہ انھوں نے تنہائی میں خود اسے سننا چاہا ہوگا کیونکہ وہ ان کی مملوکہ اور ملک تھیں' تب مغیرہ فقیہ نے مذکورہ بات آپ سے عرض کی اور لونڈی کا آپ کو وجد میں لانا ناپسند کیا' اس آدمی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہوگا جو غیر مردوں کو ان کی باتیں سناتا' ان سے رقص کرواتا اور ان کے باعث لوگوں کو وجد وطرب میں لاتا ہے؟

ابو طالب مکی نے ان کی خاطر گانے سننے کے جواز پر بعض منامات یعنی خوابوں سے بھی حجت لی ہے' پھر انہوں نے سماع کی چند اقسام بنائی ہیں' حالانکہ وہ صرف صوفیانہ تقسیم ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ جو آدمی گانے سننے کے ساتھ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ گانے نفس کو خواہشات کی طرف متحرک کرنے میں کچھ بھی اثر انداز نہیں ہوتے' تو وہ شخص جھوٹ بولتا ہے۔

ابو طیب طبری بیان کرتے ہیں: بعض نے یوں بھی کہا ہے: ہم گانے اس طبیعت کے ساتھ نہیں سنتے' جس میں سب خاص و عام مشترک ہوں!

اور پھر یوں کہتے ہیں: یہ اس آدمی کا دو امور کی وجہ سے ایک عظیم تجاہل ہے:

❀ اس قول کی بنا پر یہ لازم آتا ہے کہ وہ سارنگی' طنبور (ستار) اور باقی آلات لہو و لعب کو مباح اور جائز کہہ لے کیونکہ وہ ایسی طبع کے ساتھ گانوں کو سنتا ہے جس میں عوام الناس میں سے کوئی بھی اس کے ساتھ شریک نہیں ہوتا' اور اگر وہ ایسی چیزوں کو مباح نہیں کہتا تو اس نے اپنی بات کے الٹ کیا' اور اگر مباح مانتا ہے تو اس نے فسق کا مظاہرہ کیا۔

❀ یہ دعویدار اس امر سے بھی پیچھے نہیں رہتا کہ وہ اس بات کا بھی دعویٰ کر دے کہ وہ بشری طبائع سے الگ تھلگ ہے اور وہ فرشتوں کے مقام و مرتبہ پر پہنچ گیا ہے۔

اگر تو وہ اس کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ اپنی طبیعت پر دانستہ غلط بات کہتا ہے' اور ہر ذی عقل

اس کے جھوٹ اور غلط بیانی کو جان لے گا جب وہ اس کے دعویٰ پر تھوڑا سا دل میں سوچے گا' پھر یہ بھی واجب آئے گا کہ وہ اپنی جان کے لیے نہ تو مجاہدہ کرنے والا ہے اور نہ ہی اپنی خواہشات کی خلاف ورزی کرنے والا ہے اور نہ ہی اسے لذات وشہوات کے ترک کرنے پر ثواب ہی ملے گا' اور ایسی بات کوئی عقل مند نہیں کہہ سکتا۔

اور اگر وہ کہے گا: کہ میں بھی دوسرے انسانوں کی طبیعتوں پر ہوں جو خواہشات اور شہوات پر پیدا کیے گئے ہیں تو ہم اسے یہ عرض کریں گے: پھر تو کس طرح اپنی طبیعت کے بغیر طرب انگیز اور وجد آفریں گانے سن سکتا ہے' یا کس طرح ان گانوں کو سن کر وجد میں آتا ہے جو تیرے دل میں خواہش نفسانی ڈالی ہی نہیں گئی؟

ابوعلی روزباری سے اس آدمی کے متعلق پوچھا گیا جو ملاہی (دل کو غافل کرنے والی باتیں) سنتا ہے اور پھر یہ بھی کہتا ہے: کہ یہ میرے لیے حلال ہیں کیونکہ میں اس درجے تک رسائی حاصل کر چکا ہوں کہ اختلاف احوال مجھ پر کچھ اثر انداز نہیں ہوتے' ابوعلی فرماتے ہیں! جی ہاں! مجھے اپنی عمر کی قسم! یہ لوگ ضرور رسائی حاصل کر چکے ہیں' لیکن دوزخ تک!

ہم کہتے ہیں: اس حقیقت سے انکار نہیں کہ کوئی انسان کوئی شعر سنے یا کوئی قولِ حکمت سنے اور اس سے کوئی اشارہ اخذ کرے اور وہ انسان اس کے معنی سے بے قرار ہو جائے' بے قراری کی وجہ یہ نہ ہو کہ آواز ہی وجد آفریں ہو' جیسے کہ ایک مرید نے کسی مغنیہ سے یہ بول سنا تھا:

كُلَّ يَوْمٍ تَتَلَوَّنُ
غَيْرُ هٰذَا بِكَ أَجْمَلُ

''روزانہ ہی تو رنگ بدلتا رہتا ہے' اس عادت کو چھوڑ دے' تیرے لیے اچھا ہے۔''

اس نے ایک چیخ ماری اور مر گیا۔

تو اس مرید نے نہ تو عورت کی آواز کو سننے کا قصد کیا تھا اور نہ ہی اس کی خوش الحانی کی طرف ہی دھیان دیا تھا' بلکہ اسے تو فقط معنی اور مراد نے قتل کیا۔

پھر ایک قولِ حکمت یا کسی ایک شعر کا بلا قصد ہی سن لینا اس کی مثل کیسے ہو سکتا ہے کہ بہت سے وجد آفریں اشعار کو سننے کے لیے ہمہ تن گوش ہو جایا جائے اور جن کے ساتھ باجے گاجے اور تالیاں بجانا وغیرہ بھی شامل ہو۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ اس مرید نے سماع کا قصد بھی تو نہیں کیا تھا' اگر کوئی پوچھنے والا ہم سے پوچھے: کیا پھر میرے لیے ایسے اشعار کا سننا جائز ہے یا نہیں؟ تو ہم اسے منع ہی کریں گے۔

ابو حامد طوسی نے صوفیاء کے لیے کچھ اور چیزوں سے حجت پکڑی ہے جن میں وہ اپنے فہم کے رتبے سے انتہائی نیچے اتر آئے ہیں' ان کا خلاصہ کچھ یوں ہے: سماع کی حرمت پر کوئی نص یا قیاس نہیں ہے۔

اس جملے کا جواب وہ ساری باتیں ہیں جنھیں ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں اور انہوں نے مزید یوں بھی کہا ہے: کسی پاکیزہ اور خوبصورت آواز کے سننے کو حرام کہنے میں کوئی وجہ نظر نہیں آتی' جب وہ کلام وزن دار یعنی موزوں بھی ہو تو وہ بھی حرام نہیں ہے' پھر جب الگ الگ چیزیں حرام نہیں تو ان کا مجموعہ کس طرح حرام ہو گا' کیونکہ جس وقت حلال چیزیں اکٹھی ہو جائیں گی تو ان کا مجموعہ بھی حلال ہی رہے گا۔

اور پھر یوں کہا ہے: لیکن اس سے حاصل ہونے والے مفہوم پر غور و فکر کیا جائے گا' اگر تو اس میں کوئی منع شدہ اور حرام چیز ہو' تو اس کا نثر اور نظم بھی حرام ہو گا اور اس کو زبان پر لانا بھی حرام ہو گا۔

میں عرض کرتا ہوں: میں اس جیسی کلام و گفتگو سے انتہائی تعجب میں پڑ گیا ہوں' کیونکہ اگر صرف تار یا بغیر تار کے صرف لکڑی ہی بجائی جائے' نہ وہ حرام ہے اور نہ ہی طرب آفریں ہے' لیکن جونہی اکٹھی ہو جائیں گی' اور ان دونوں کو ایک مخصوص انداز سے بجایا جائے گا' وہ حرام بھی ہو گا اور بے قراری بھی دے گا۔

بالکل اسی طرح انگوروں کے رس کو پینا جائز ہے' لیکن جب اس میں وجد و طرب پیدا کرنے والی شدت و تیزی آ جائے گی' تو وہ حرام ہو جائے گا۔

علیٰ ہذا القیاس' اگر ان اشیاء کا مجموعہ طرب انگیز بن جائے اور وہ حد اعتدال سے نکالنے والے بن جائیں تو اس سے منع کیا جائے گا کیونکہ مذکورہ علت پیدا ہو چکی ہے۔

ابن عقیل نے کہا ہے: آوازوں کی تین اقسام ہیں: حرام' مکروہ اور مباح۔

حرام آوازیں

بانسری' پائپ' شہنائی' ستار' باجا اور ان کے مشابہ آلات طرب وموسیقی ہیں' ان کے متعلق امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے قطعی حرمت کا فیصلہ دیا ہے' اور اس کے ساتھ بیلچہ اور باجے کو بھی شامل رکھا جائے گا' کیونکہ یہ بھی طرب و وجد پیدا کرتے ہیں' اور حد اعتدال سے نکالنے والے ہیں' یہ سب مذکورہ آلات انسان کی طبیعت میں وہی کردار ادا کرتے ہیں جو نشہ کرتا ہے' ان آلات کا استعمال حزن وغم میں اشتعال دلانے کے لیے ہو یا خوشی ومسرت میں' یکساں حکم رکھتا ہے' کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو احمق آوازوں سے منع فرمایا ہے: ایک تو خوشی کے موقعہ کی آواز' اور دوسری مصیبت کے وقت کی آواز۔

مکروہ آوازیں

لکڑیاں بجانا' لیکن یہ فی نفسہ وجد آفرین نہیں ہیں بلکہ جب کسی آواز کے ساتھ بجتی ہیں تب وجد وطرب پیدا کرتی ہیں' اور یہ آواز کے ساتھ ہی بجتی ہیں اور آواز (یعنی گانے کی آواز) تو مکروہ ہے۔

ہمارے اصحاب میں سے ایسے بھی ہیں جو آلات لہو کی مثل ان لکڑیوں کو بجانا بھی حرام کہتے ہیں[1] تو اس میں بھی دو وجہیں ہوں گی جس طرح کہ نفس قول میں دو وجہیں ہیں۔

مباح آوازیں

دف بجانا' ہم امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول قبل ازیں ذکر کر آئے ہیں' کہتے ہیں مجھے امید ہے کہ شادی کی تقریب وغیرہ میں دف بجانے میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں ہے

---

[1] اور یہی جہت راجح ہے۔

البتہ ڈھول بجانے کو میں ناپسند اور مکروہ کہتا ہوں۔[1]

ابو حامد غزالی نے کہا ہے: جو آدمی اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے اور اس سے عشق کا دعویدار ہے، اور اس کی ملاقات کا مشتاق ہے، سماع اس کے حق میں اس کے عشق و اشتیاق کی تاکید کرنے والا ہی ہے۔

یہ کہنا اللہ تعالیٰ کے بارے میں انتہائی قبیح ہے کہ اس سے عشق کیا جاتا ہے۔ ہم قبل ازیں اس قول کا غلط اور فحش ہونا ذکر کر آئے ہیں۔

پھر ذرا سوچ کر بتاؤ، ایک گویے کے اس بول میں کون سی عشق الٰہی کی تاکید ہو رہی ہے:

ذَهَبِيُّ اللَّوْنِ تَحْسَبُ مِنْ
وَجْنَتَيْهِ النَّارُ تَقْتَدِحُ

''طلائی اور سنہرا رنگ معشوق گویا اس کے رخساروں سے شعلہ برستا ہے''

ابن عقیل نے کچھ صوفیاء کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا: اس گروہ کے مشائخ کی طبیعتیں جب ذرا ٹھہر جاتی ہیں تو ایک حدی خواں (گویا) اشعار سنا سنا کر انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف رواں کرتے ہیں۔

ابن عقیل نے یہ جواب دیا ہے: اس کہنے والے کے قول کی بالکل کوئی وقعت اور اہمیت نہیں ہے کیونکہ دلوں کو تو اللہ تعالیٰ کے قرآن میں بیان کردہ وعدوں اور اس کی وعیدوں اور سنت رسول ﷺ سے ہی رواں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا ﴾ (الانفال : ۸/ ۲)

''اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں''

اور اللہ تعالیٰ نے یوں نہیں فرمایا: ''کہ جب ان کے سامنے قصائد و اشعار گائے جاتے ہیں تو وہ وجد میں آ جاتے ہیں''

اور جس شخص کے لیے اس کے نفس نے انسانی جلد کے محاسن اور آواز کی خوبصورتی

---

[1] دف کو شادی اور عیدین کے مواقع میں بجانے کا محدود ہونا ہم پیشتر بھی لکھ آئے ہیں۔

سے عبرت حاصل کرنے کو آراستہ کر دیا ہو تو وہ فتنہ میں پڑا ہوا ہے' بلکہ ان تدابیر اور اشیاء کی طرف دیکھنا چاہیے جن کی طرف دیکھنے کا ہمیں کہا گیا ہے اور ہماری توجہ مبذول کروائی گئی ہے: اونٹ' گھوڑے' ہوائیں وغیرہ' کیونکہ یہ اشیاء ایسی ہیں جن کی طرف دیکھنے سے طبیعت میں اشتعال اور ہیجان پیدا نہیں ہوتا بلکہ فاعل اور بنانے والے کی عظمت کو دل میں جاگزیں کرتی ہیں۔

بلکہ تمہیں تو شیطان نے مبتلائے فریب کر رکھا ہے' لہٰذا تم اپنی شہوات کے غلام بن چکے ہو' پھر تم یہاں پر ہی نہ رکے حتیٰ کہ تم کہہ اٹھے' یہی حقیقت ہے' تم تو عبادت گزاروں کے روپ اور بھیس میں زندیق ہو بلکہ اس سے بدتر کہ زاہدوں کے لباس میں انتہائی حریص اور لالچی لوگ ہو' بلکہ تم لوگ تو فرقہ مشبہ اور مجسمہ ہو جو اللہ تعالیٰ کے متعلق اعتقاد رکھتے ہو کہ اس سے عشق ہو سکتا ہے اور اس کے شیدائی اور متوالے بن سکتے ہیں' اس سے الفت اور انس رکھ سکتے ہو!

یہ تو انتہائی برا توہم ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذوات کو باہم ایک دوسرے کا ہم شکل پیدا فرمایا ہے کیونکہ ان کی اصلیت ہم پر مشکل ہے' اس لیے یہ اپنے بنیادی عناصر اور نئی اشکال وصورتوں میں اپنی ملتی جلتی ترکیب سازی میں باہم متحد ہونے کی وجہ سے ایک دوسری سے انس بھی رکھتی ہیں اور دکھ بھی پاتی ہیں۔

یہی بنیادی وجہ ہے کہ ایک دوسرے کو ملامت کرتا ہے اور ان کا باہمی عشق و میلان ہوتا ہے' ان کی ظاہری صورتوں میں جس قدر تقارب ہو گا' اسی نسبت سے ان میں انس بھی زیادہ ہو گا۔

ہم میں سے ہر ایک پانی سے انس رکھے گا کیونکہ اس میں پانی موجود ہے' اور ہر کوئی نباتات سے انس رکھے گا کیونکہ قوت نشوونما کے باعث اس میں حیوانی قوت سے قرب موجود ہے' ہر کوئی حیوانات اور جانوروں سے انس رکھے گا کیونکہ اخص (سب سے خاص) یا اقرب (سب سے زیادہ قریب) نوع میں اس کا شریک ہے' خالق ومخلوق کے مابین کون سی مشارکت ہے' کہ اس کی جانب میلان اور جھکاؤ ہو جائے یا عشق اور اشتیاق کے فاصلے طے

ہونے لگیں؟ مٹی اور پانی کے درمیان اور آسمانوں اور زمینوں کے خالق کے درمیان کون سی تعلق داری اور مناسبت و مشارکت موجود ہے؟!

یہ لوگ ذات باری تعالیٰ کی ایک تصویر تصور کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں بیٹھ جاتی ہے' حالانکہ وہ اللہ عزوجل نہیں ہوتے بلکہ وہ تو فقط ایک صنم اور بت ہوتا ہے جسے ان کی طبیعتوں اور شیطان نے مل کر یہ شکل دے دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا وصف نہیں ہے جس کی طرف طبیعتیں مائل ہو سکیں اور جس کی طرف نفوس مشتاق ہو سکیں' بلکہ شان ربوبیت تو بالکل مخلوق کے خلاف ہے' یہی وجہ ہے کہ اس کا رعب' حشمت اور ہیبت دلوں پر طاری ہو جاتی ہے' صوفیاء کے طبقہ کے عشاق (عشق عشق کی رٹ لگانے والے) محبت الٰہی میں جو بلند بانگ دعوے کرتے ہیں یہ صرف اور صرف وہم ہے۔

ہم اس قسم کے ردی وسوسوں اور طبعی عوارض سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں جنھیں اپنے دلوں سے محو کرنے کا شریعت کا یہ وجوبی حکم ہے جس طرح بت شکنی کا حکم واجب ہے۔

سماع کے مسئلہ میں صوفیاء کے مسلک کا تنقیدی جائزہ

قدیم صوفیاء کی ایک جماعت مبتدی اور نو وارد کے لیے سماع کو ناپسند سمجھتی تھی کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ یہ ان کے دل میں کیا اثرات پیدا کرے گا!

عبداللہ بن صالح بیان کرتے ہیں: مجھے جنید نے فرمایا ہے: جب تو کسی مرید کو دیکھے کہ سماع کرتا ہے' تو جان لو کہ اس کے دل میں لہو و لعب کے اثرات باقی ہیں۔

احمد بن محمد برذعی نے کہا ہے: میں نے ابو حسین نوری کو اپنے بعض ساتھیوں سے یہ کہتے ہوئے سنا تھا: جب تو مرید کو دیکھے کہ وہ قصائد سنتا ہے اور خوش حالی اور آسودگی کی طرف مائل رہتا ہے' تو اس سے خیر کی امید نہ رکھو۔

میں عرض کرتا ہوں: یہ اس قوم کے مشائخ عظام کے فرامین ہیں' صرف ان کے متاخرین نے لہو و لعب کی محبت و فریفتگی میں اس کی رخصت دی ہے تو اس طریق سے دو

اعتبار سے ان کا شر بڑھا ہے:

① عوام کا ان کے متقدمین سے برا گمان شروع ہوا' کیونکہ وہ گمان کر لیتے ہیں کہ سبھی اسی طرح ہی کے تھے۔

② انھوں نے عوام کولہو ولعب کے امور پر دلیر بنا دیا ہے' کسی عام آدمی کے پاس اپنے کھیل کود کے لیے کوئی دلیل اس کے سوا ہوتی ہی نہیں' بس یہ کہتا ہے: فلاں یوں کرتا ہے اور فلاں یوں کر رہا ہے۔[1]

صوفیاء کی ایک بڑی جماعت کے دلوں میں سماع کی محبت گھر کر چکی ہے حتیٰ کہ انھوں نے قرآن کی تلاوت سننے پر بھی اسے ترجیح دے رکھی ہے' ان کے دلوں کی کیفیت یہ بن چکی ہے کہ سماع کے سنتے ہوئے ایسے نرم اور رقیق ہو جاتے ہیں جو کہ تلاوت قرآن سن کر نہیں ہوتے[2] اور یہ سب کچھ ان کی باطنی خواہشات اور ان کی طبیعتوں کے غلبے کی بنا پر ہے اور وہ اپنے خیال میں کچھ اور ہی سمجھے ہوئے ہیں۔!

ابو عبد الرحمٰن سلمی بیان کرتے ہیں: مجھے استاد ابو سہل صعلوکی کی زندگی میں مرو کی جانب نکال دیا گیا' اور میرے استاذ صاحب کے چند ایام مقرر تھے جن میں صبح کے وقت لوگ جمع ہوتے اور درس قرآن اور ختم قرآن کی مجلس بپا ہوتی تھی۔ میں نے اپنے نکلنے کے وقت دیکھا کہ وہ مجلس ختم کر دی گئی ہے اور عین اسی وقت میں ابن فرغانی کی قوالوں کی مجلس' یعنی گویوں کی مجلس منعقد کر دی گئی ہے' تو اس بارے میں میرے دل میں کچھ کھٹک سی پیدا ہوئی اور میں یوں کہا کرتا تھا: ختم قرآن کی مجلس کو قوالوں اور گویوں کی مجلس سے بدل دیا گیا

---

[1] دور حاضر میں اکثر عوام کا اور ان جیسے لوگوں کا آپ یہی جواب سنتے ہیں جب بھی آپ انھیں کسی شرعی حکم یا نہی شریعت یاد دلاتے ہیں۔

[2] نوجوانوں کی کثیر تعداد جن کے کانوں کو ڈھول اور دف کی تاپ پر نغموں اور گیتوں نے بھر رکھا ہے' ان کا یہی حال ہے' وہ اپنے اوقات کو انہی معمولات میں صرف کرتے ہیں۔ علم کو بھولے ہوئے ہیں' علماء کو چھوڑے ہوئے ہیں! اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت عطا فرمائے۔

کیا ہے کوئی نصیحت پانے والا!؟

ہے! ایک روز میرے استاذ صاحب نے دریافت کیا: لوگ کیا چہ میگوئیاں کرتے ہیں؟ میں نے عرض کی: وہ یہ کہتے ہیں: مجلس قرآن ختم کر دی گئی ہے اور گویوں کی مجلس لگا دی گئی ہے، تو فرمانے لگے: جس نے اپنے استاذ سے ''کیوں'' کا لفظ بولا، وہ کامیابی نہیں پا سکتا![1]

میں عرض کرتا ہوں: یہ صوفیاء کی عادت ہے جن کا کہنا ہے: کہ تمام اموال کو شیخ و پیر کے حوالے کر دیا جائے، حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کے سامنے ہم اپنے آپ کو سپرد کر دیں کیونکہ آدمی کو شرع اور عقل کے ساتھ اس کے ارادوں سے باز رکھا جاتا ہے اور جانوروں کو لاٹھی سے۔

صوفیاء کے ہاں گانے کا حکم

اس گانے کے متعلق جس کا ہم نے قبل ازیں ایک قوم سے حرمت کا اور کچھ دوسروں سے اس کی کراہت کا ذکر کیا ہے، صوفیاء کا خیال ہے کہ کچھ لوگوں کے لیے اس کا سننا مستحب ہے۔

ابو علی دقاق بیان کرتے ہیں: سماع عوام پر تو حرام ہے کیونکہ ان کے نفوس باقی ہیں، زاہدوں کے لیے مباح اور جائز ہے کیونکہ انھیں مجاہدے میسر آ چکے ہیں اور ہمارے اصحاب کے لیے مستحب ہے کیونکہ ان کے دل زندہ ہیں!!

یہ بات وجوہ سے غلط ہے!

① ہم نے ابو حامد غزالی کے حوالے سے یہ ذکر کیا ہے کہ اس کا سماع ہر ایک کے لیے مباح ہے اور ابو حامد اس کہنے والے سے کہیں زیادہ جانتے ہیں۔

② نفوس کی طبائع تبدیل نہیں ہوتیں، مجاہدہ تو صرف طبائع کے عمل کو روکتا ہے، اگر کوئی طبیعتوں کے تغیر و تبدل کا دعوے دار ہے تو وہ محال اور ناممکن چیز کا دعویدار ہے کیونکہ جونہی طبیعت کو متحرک کرنے والی کوئی چیز سامنے آ جاتی ہے تو وقتی رکاوٹ جس نے اسے روکا ہوتا ہے فوراً زائل ہو جاتی ہے اور طبیعت کی عادت پلٹ آتی ہے۔

---

[1] ''سیر اعلام النبلاء'' میں مجھے جہاں تک یاد آتا ہے، اس حکایت پر امام ذہبی نے یہ تعلیقہ لکھا ہے: ''ہاں کیوں نہیں اللہ کی قسم! وہ فلاح پا سکتا ہے۔''

③ علمائے کرام کا اس کی حرمت اور اباحت میں اختلاف ہے۔[1] ان میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو سامع کی طبیعت کو ملحوظ رکھتا ہو' کیونکہ انھیں معلوم ہے کہ سب طبیعتیں یکساں اور برابر ہوتی ہیں۔ تو جو کوئی عام آدمیوں کی طبائع سے اپنی طبیعت کو باہر سمجھے گا تو گویا اس نے محال امر کا دعویٰ کیا۔

④ اس امر پر اجماع ہو چکا ہے کہ سماع کوئی مستحب عمل نہیں ہے' اس کے متعلق آخری حکم ''مباح'' کا ہی ہے[2] تو اس کے مستحب ہونے کا دعویٰ کرنا اجماع کو ٹھکرانے اور اس سے باہر نکلنے والی بات ہے۔

⑤ اس سے تو یہ لازم آئے گا کہ سارنگی کا سننا اس آدمی کے لیے جس کی طبیعت متغیر نہیں ہوتی' یا تو مباح ہو یا مستحب ہو' کیونکہ سارنگی تو فقط اس لیے حرام ہے کیونکہ یہ طبائع میں اثر انداز ہوتی ہے اور خواہشِ نفسانی کی طرف اسے بلاتی ہے' تو جب یہ خطرہ ہی نہ رہا تو یہ کہنا چاہیے کہ یہ مباح ہے۔

ان کی ایک قوم نے یہاں تک دعویٰ کر دیا ہے کہ یہ سماع تو اللہ تعالیٰ کی قربت و نزدیکی کا باعث ہے۔

ابو طالب مکی نے کہا ہے: مجھے بعض شیوخ نے جنید کے حوالے سے یہ قول بیان کیا ہے: اس گروہ (صوفیاء) پر تین مقامات پر رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے: کھانے کے وقت' کیونکہ وہ فاقے آنے سے قبل کھاتے ہی نہیں ہیں' اور مذاکرے کے وقت (باہمی اجتماعی ذکر کے وقت) کیونکہ اس وقت وہ صدیقوں کے مقامات اور نبیوں کے احوال کی منازل طے کر رہے ہوتے ہیں اور سماع کے وقت' کیونکہ وہ وجد سے سماعت کرتے ہیں اور مشاہدۂ حق کرتے ہیں۔

میں عرض کرتا ہوں: اگر تو یہ حکایت جنید سے بالکل صحیح ثابت ہے تو ان کے متعلق حسن ظن کی وجہ سے یہ ان زہدیہ اشعار و قصائد کے سننے پر محمول ہو گی جنھیں وہ سنا کرتے

---

[1] جمہور علمائے سلف اور خلف اس کی حرمت کے قائل ہیں۔

[2] یہ مرجوح قول ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

تھے، کیونکہ ان کے سننے سے دلوں میں رقت اور آنکھوں میں رونا آتا ہے، لیکن سعدیٰ اور لیلیٰ کے اوصاف بیان کرنے پر رحمت کا نازل ہونا اور پھر انھیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفات پر محمول کرنے کا اعتقاد رکھنا کسی صورت بھی جائز نہیں ہے اور اگر اس سے اشارہ لینا درست ہو، تب بھی اشارۂ طبائع کے غلبہ کے پہلو میں مستغرق ہی ہوگا۔

اور جس معنی پر ہم نے اس امر کو محمول کیا ہے وہ اس لیے کہ زمانہ جنید میں آج کے دور کی طرح اشعار نہیں گائے جاتے تھے، صرف بعض متاخرین نے جنید کے کلام کو ہر قیل وقال پر محمول کر لیا ہے۔

حافظ عبدالوہاب بن مبارک کا بیان ہے: ابو الوفا منیر روزبادی رباط روزنی کے شیخ میرے دوست تھے، وہ مجھے فرمایا کرتے تھے: اللہ کی قسم میں تیرے لیے دعائیں مانگتا ہوں اور میں تجھے تکیہ وگدا اور گانے کے موقعہ پر یاد کرتا ہوں۔ عبدالوہاب بہت زیادہ اظہار تعجب کرتے اور پوچھتے: کیا تم اس کے متعلق یہ خیال کرتے ہو کہ وہ اس وقت کو قبولیت کی گھڑی ہونے کا عقیدہ رکھتا تھا؟! یہ تو بہت بڑا معاملہ ہے!

ابن عقیل نے کہا ہے: ہم نے بلاشبہ ان سے یہ بھی سنا ہے کہ گانے والے کے گانے کے وقت اور گدّے اور تکیے کی حاضری کے وقت دعائیں مقبول ہوتی ہیں، یہ اس لیے کہ ان کا اعتقاد ہے کہ یہ امور قربت الٰہی کے لیے سرانجام دیے جاتے ہیں۔

یہ کفر ہے، کیونکہ جو شخص کسی حرام یا مکروہ کام کے متعلق عقیدہ رکھے کہ باعث قربت ہے تو ایسا ایک کافر کا اعتقاد ہی ہوسکتا ہے!

حالانکہ لوگ اس کی حرمت وکراہت کے درمیان فیصلہ دیتے ہیں۔

صالح المری نے کہا ہے: ان خاک نشینوں اور گرے پڑے لوگوں میں سے زیادہ تاخیر سے وہی شخص اٹھے گا جو خواہش نفسانی کا پچھاڑا ہوا ہے کیونکہ وہ تو اسے قربت الٰہی قرار دیے ہوئے ہے اور قیامت کے روز مضبوط قدموں والا وہی ہوگا جو کتاب الٰہی اور سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو زیادہ تھامنے والا ہے۔

وجد اور صوفیاء پر ابلیسی حملہ

یہ گروہ جب گانوں کو سنتا ہے تو بزور وجد لانے کی کوشش کرتے ہیں' تالیاں بجاتے' چیختے چلاتے اور کپڑوں کو پھاڑتے ہیں۔ اس سلسلے میں ابلیس نے ان پر فریب کاری کے پردے ڈال رکھے ہیں اور خوب مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے' اور انھوں نے اس روایت سے حجت لی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾ (الحجر : ۱۵/ ۴۳)

''یقیناً ان سب کے وعدے کی جگہ جہنم ہے''

تو سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ایک چیخ ماری اور سر کے بل گر پڑے' پھر تین دن تک باہر ہی بھاگتے رہے۔

اور اس سے بھی دلیل پکڑتے ہیں جسے ابو وائل نے روایت کیا ہے' کہتے ہیں: ہم سیدنا عبداللہ کے ہمراہ باہر نکلے' ہمارے ساتھ ربیع بن خیثم بھی تھے' ہم ایک لوہار کے قریب سے گزرے' سیدنا عبداللہ وہاں بھٹی میں رکھے ایک لوہے کے ٹکڑے کو دیکھنے لگے' لیکن جونہی ربیع نے اس ٹکڑے کی طرف دیکھا تو لڑکھڑا ئے۔

پھر سیدنا عبداللہ مزید آگے چلے حتیٰ کہ ہم دریائے فرات کے کنارے ایک تنور پر پہنچ گئے' جب سیدنا عبداللہ نے اسے اور اس کے اندر دھکتی ہوئی آگ کو دیکھا تو ان آیات کریمہ کی تلاوت فرمائی:

﴿ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّ زَفِيْرًا ○ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ○ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴾ (الفرقان : ۲۵/ ۱۲-۱۴)

''جب وہ انھیں دور سے دیکھے گی تو یہ اس کے غصے سے جھنجلانا اور چلانا سنیں گے' اور جب یہ جہنم کی کسی تنگ جگہ میں مشکیں کس کر پھینک دیے جائیں گے تو

وہاں اپنے لیے موت ہی پکاریں گے (ان سے کہا جائے گا) آج ایک ہی موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو''

ان آیات کے سنتے ہی ربیع بے ہوش ہو گئے' ہم انہیں اٹھا کر ان کے گھر تک لائے' سیدنا عبداللہ ان کے پاس ہی رہے حتیٰ کہ نماز ظہر ادا ہو گئی' انہیں کوئی افاقہ نہ ہوا' پھر وہ نماز عصر تک ان کے پاس بیٹھے رہے' اب کے بھی کوئی افاقہ نہ ہوا' پھر نماز مغرب تک ان کے پاس تشریف فرما رہے' پھر کہیں جا کر افاقہ ہوا' ہوش آیا' پھر سیدنا عبداللہ اپنے گھر تشریف لائے۔

صوفیاء کا کہنا ہے: بندوں میں سے ایک خلق کثیر کے متعلق ایسی کیفیات مشہور ہیں کہ جب وہ قرآن کریم کی آیات سنا کرتے تھے' تو ان میں سے کئی موقعہ پر ہی فوت ہو گئے' کئی بے ہوش ہوئے' کچھ پر غشی کے دورے پڑے اور کئی چیختے چلاتے رہے۔

زہد کی کتابوں میں ایسی روایات بہت ہیں۔

ان کی دلیلوں کا جواب جو انھوں نے سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے متعلق ذکر کیا ہے' وہ تو محال اور کذب و دروغ گوئی پر مبنی ہے' اس کی کوئی سند ہی نہیں ہے' کیونکہ یہ آیت مبارکہ تو مکی دور کی ہے جبکہ سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ مدینہ میں مشرف باسلام ہوئے تھے' اور تمام صحابہ کرام میں سے کسی کے متعلق بھی ایسا بالکل سرے سے منقول ہی نہیں ہے۔

رہی ربیع بن خثیم کی حکایت' تو اس کے راوی ہی غیر معتبر ہیں۔ احمد بن حنبل نے کہا ہے: عیسیٰ بن سلیم جو ابووائل سے بیان کرتا ہے "لا اعرفه" مجھے اس کا علم نہیں ہے۔

حمزہ زیات بیان کرتے ہیں' انہوں نے سفیان سے دریافت کیا تھا' یہ لوگ ربیع بن خثیمہ کے متعلق روایت کرتے ہیں کہ وہ بے ہوش ہو گئے تھے تو آپ نے استفسار فرمایا: اس بات کا راوی کون ہے؟ اسے تو وہی قصہ گو یعنی عیسیٰ بن سلیم ہی روایت کرتا ہے' اس سے میری ملاقات ہوئی ہے' میں نے بذات خود اس سے پوچھا تھا: یہ تو کس سے روایت لیتا ہے؟ وہ بتا نہ سکا!

یہ سفیان ثوری ہیں جو ربیع بن خثیم کے متعلق انکار کر رہے ہیں کہ ان پر ایسی کیفیت

طاری ہوتی ہو' کیونکہ ہر شخص سلف اول کے نقش قدم پر گامزن تھا' ایسا کوئی واقعہ عہد صحابہ میں گزرا ہے اور نہ ہی دور تابعین میں۔

اگر واقعہ صحیح ہو تو تب بھی ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں' کہ بعض اوقات کسی خوف کے پیش نظر کسی انسان پر غشی طاری ہو سکتی ہے' بس خوف ہی اسے ساکن بنا دیتا ہے' اس طرح وہ میت کی مانند پڑا رہتا ہے' اور سچے آدمی کی علامت یہ ہے کہ اگر وہ کسی دیوار پر ہو تو نیچے گر جائے کیونکہ وہ غائب اور غیر حاضر ہے' لیکن جو شخص وجد کا دعویٰ بھی کرے اور اپنے قدموں میں کوئی لغزش بھی نہ آنے دے' پھر اس سے دو قدم آگے بڑھے اور اپنے کپڑے چاک کرنا شروع کر دے اور شرع کے منع کردہ امور کا ارتکاب کرنے لگے تو اس کے متعلق قطعی اور یقینی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ شیطان اس سے کھیل رہا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل تمام دلوں سے زیادہ صاف تھے۔ وہ تو وجد کے عالم میں بھی گریہ وزاری اور خشوع سے زائد کچھ نہیں کیا کرتے تھے۔

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

((وَعَظَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَوْعِظَةً، ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبَ))

''ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایسا وعظ و نصیحت پر مبنی خطبہ ارشاد فرمایا جس سے آنکھیں اشک بہانے لگیں اور دل کانپنے لگے!''[1]

ابوبکر آجری نے کہا ہے: صحابی نے یوں نہیں فرمایا: ہم چیخنے چلانے لگے! اور یوں بھی نہیں کہا: ہم نے اپنے سینوں کو پیٹا! جس طرح بہت سے جاہل کرتے رہتے ہیں جنھیں شیطان نے بازیچۂ اطفال بنایا ہوا ہے!

حصین بن عبدالرحمٰن کا بیان ہے: میں نے سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا: قراءت قرآن کریم کے وقت اصحاب رسول اور آل رسول ﷺ کی کیا کیفیت ہوا کرتی

---

[1] سنن ابی داؤد' السنة' باب فی لزوم السنة' حدیث: ۴۶۰۷۔
سنن ترمذی' العلم' باب ماجاء فی الاخذ بالسنة واجتناب البدع' حدیث: ۲۶۷۶۔
سنن ابن ماجه' المقدمة' باب اتباع سنة الخلفاء الراشدین المهدیین' حدیث: ۴۳

تھی؟ تو انھوں نے جواب دیا: وہ ایسے ہی تھے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کا تذکرہ فرمایا ہے یا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے اوصاف کو بیان فرمایا ہے کہ ان میں سے کسی کی آنکھوں سے آنسو بہتے تھے' ان کے جسم کانپ اٹھتے تھے۔ میں نے پھر دریافت کیا: ہمارے ہاں تو کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جب ان میں سے کسی کے پاس قرآن مجید کی تلاوت ہوتی ہے' تو اس پر غشی طاری ہو جاتی ہے' تو انھوں نے پھر جواب میں یوں فرمایا:

((أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ))

عکرمہ کہتے ہیں: میں نے سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے یہ بات پوچھی: کیا اسلاف میں سے کوئی ایسا بھی تھا کہ خوف کے باعث اس پر غشی کے دورے پڑتے ہوں' فرمانے لگیں! نہیں' لیکن یہ کیفیت بلاشبہ ضرور تھی کہ وہ رویا کرتے تھے۔

ابو حازم کا فرمان ہے: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک خاک آلود آدمی کے پاس سے گزرے جو اہل عراق میں سے تھا' آپ نے پوچھا: اس کی کیا حالت بنی ہوئی ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: جب اس کے سامنے تلاوت قرآن کی جاتی ہے تو اس کی یہ حالت بن جاتی ہے! تو آپ نے فرمایا:

((اِنَّا نَخْشَى اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَمَا نَسْقُطُ))

''ہم بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں لیکن ایسے گرتے نہیں ہیں''

سیدنا قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے استفسار کیا گیا: کچھ لوگ ایسے ہیں جب ان کے پاس قرآنِ کریم کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ بے ہوش ہو جاتے ہیں! تو آپ نے فی الفور فرمایا:

((هٰذَا فِعْلُ الْخَوَارِجِ))

''یہ خارجیوں کا فعل ہے''

احمد بن سعید دمشقی کا بیان ہے: سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو یہ اطلاع پہنچی کہ آپ کا صاحبزادہ عامر ایک ایسی قوم کا ہم نشین بنا ہوا ہے جو قراءت قرآن کے وقت بے ہوش ہو جاتے ہیں تو آپ نے اسے فرمایا:

''اے عامر! اگر مجھے آئندہ یہ معلوم ہو گیا کہ تو ان لوگوں کے پاس جا کر بیٹھا ہے جو تلاوت قرآن کے وقت بے ہوش ہو جاتے ہیں تو تجھے جی بھر کر کوڑے لگاؤں گا۔''

عامر بن عبد اللہ بن زبیر کہتے ہیں: میں اپنے ابا جان کی خدمت میں حاضر ہوا' تو انھوں نے مجھ سے پوچھا: تو کہاں گیا تھا؟ میں نے عرض کیا: میں نے چند ایسے لوگوں کو پایا ہے جن سے بہتر میں نے نہیں دیکھے' وہ ذکر الٰہی کرتے ہیں' ان میں سے ہر ایک یوں کانپتا تھا کہ اس پر خشیت ایزدی سے غشی طاری ہو جاتی تھی' بس میں انھی کے پاس بیٹھا رہا تھا۔

آپ نے فرمایا: آج کے بعد ان کے پاس بالکل نہ بیٹھنا۔

جب آپ نے میرے بارے میں خیال کیا کہ اس بات کا مجھ پر چنداں اثر نہیں ہوا' تو یوں گویا ہوئے: میں نے رسول اکرم ﷺ کو تلاوت قرآن کریم کرتے دیکھا ہے' میں نے سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کو قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے بچشم خود دیکھا ہے' ان پر تو ایسی کوئی کیفیت طاری نہ ہوتی تھی' کیا تو ان لوگوں کو سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا گمان کرتا ہے؟!

مجھے یہ یقین آ گیا کہ بات بالکل ایسی ہی ہے جیسے آپ فرما رہے ہیں' چنانچہ میں نے انھیں ترک کر دیا۔[1]

سیدنا عمرو بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم ابو الجوزاء کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جو ہمیں بیان کر رہے تھے کہ اچانک ایک آدمی گر پڑا' پھر تڑپنے لگا' ابو الجوزاء تیزی سے اس کی طرف دوڑے' آپ کو بتایا گیا: اے ابو الجوزاء! یہ آدمی تو مرگی کے مرض کا شکار ہے' تو آپ نے جواب دیا: میں تو اسے ان اچھلنے کودنے والے لوگوں میں سمجھ رہا تھا' اور اگر یہ (میرے خیال کے مطابق) ان لوگوں میں سے ہوتا تو میں اس کے متعلق حکم دیتا اور اسے مسجد سے باہر نکال دیا جاتا۔[2]

---

[1] اس میں نوجوانوں کی کثیر تعداد کے لیے سامان عبرت موجود ہے جو بعض ایسے ظاہری حالات بنانے والے اہل بدعت سے دھوکا کھا جاتے ہیں حالانکہ وہ لوگ ضلالت و گمراہی میں غرق ہوتے ہیں' ان لوگوں نے اپنے اوپر سنت کو لاگو نہیں کیا' بلکہ ایسے لوگوں نے صرف اپنے جذبات اور اپنی خواہشات کو ہی فیصل مان رکھا ہے!

[2] اسے ضیاء مقدسی نے ''اتباع السنن'' (ص ۸۸) میں ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا یوں ذکر خیر فرمایا ہے:

﴿ تَرَىٰٓ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ ٱلدَّمْعِ ﴾ (المائدہ: ۵/ ۸۳)

''تو آپ ان کی آنکھیں آنسو سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں''

یا یوں کہا:

﴿ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ ٱلَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ﴾ (الزمر: ۳۹/ ۲۳)

''جس سے ان لوگوں کے جسم کانپ اٹھتے ہیں جو اپنے رب کا خوف رکھتے ہیں''

جریر بن حازم کا بیان ہے: آپ محمد بن سیرین کے ہاں حاضرِ خدمت ہوئے' آپ سے دریافت کیا گیا: ادھر کچھ لوگ ہیں کہ جب ان میں سے کسی ایک کے پاس تلاوت قرآن کی جاتی ہے تو اس پر غشی طاری ہو جاتی ہے۔ محمد بن سیرین نے جواب میں فرمایا: ان میں سے کسی ایک کو دیوار پر بٹھاؤ' پھر اول تا آخر پورا قرآن مجید اس کے سامنے پڑھو' اگر تو وہاں سے گر جائے تو سمجھ لینا کہ وہ صادق الحال ہے!

محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ ان لوگوں کی یہ کیفیت مصنوعی اور بناوٹی ہے' ان کے دلوں میں اظہار حق اور اظہار حقیقت بالکل نہیں ہے۔

حسن رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن آپ نے وعظ فرمایا' تو مجلس میں موجود ایک شخص نے لمبا سانس لیا' سیدنا حسنؒ نے فرمایا: اگر تو یہ اللہ تعالیٰ کے ڈر کی وجہ سے ہے تو تو نے اپنے نفس کو مشہور کر لیا' اور اگر یہ غیر اللہ کے لیے ہے تو تو نے اپنے آپ کو ہلاک کر لیا۔

عبدالکریم بن رشید کہتے ہیں: میں حسن بصری رحمہ اللہ کے حلقہ درس میں بیٹھا تھا تو ایک آدمی نے بلند آواز سے رونا چلانا شروع کر دیا۔ حسنؒ نے فرمایا: اب اسے شیطان رلا رہا ہے۔

ابوصفوان بیان کرتے ہیں کہ فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے سے جو نیچے گرا پڑا تھا یہ فرمایا: اے بیٹے! اگر تو اپنے جذبے میں صادق تھا تو یقیناً تو نے اپنے آپ کو رسوا کر لیا' اور اگر تو کاذب ہے تو بلاشبہ تو نے اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈال لیا۔

محمد بن احمد نجار مرتعش کہتے ہیں: میں نے ابوعثمان سعید بن عثمان الواعظ کو دیکھا کہ آپ کے سامنے ایک آدمی حالتِ وجد میں پڑا ہوا تھا' تو آپ نے فرمایا: اے بیٹے! اگر تو تو سچا ہے پھر تو نے اپنے آپ میں موجود سب باتوں کو ظاہر کر دیا اور اگر تو نے کذب و اختراع سے یہ حال بنایا ہے' تو تو نے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا۔

وجد کے بارے میں مسالک صوفیاء کا تنقیدی جائزہ

اگر کوئی کہنے والا یوں کہے: پوری گفتگو کو صرف صادقین کے حال پر فرض کر لیا جائے اور اہل ریاء کے بارے میں ان باتوں کو محمول نہ کیا جائے تو جن لوگوں پر کیفیت وجد طاری ہوتی رہی اور وہ اسے دور کرنے کی قدرت و طاقت نہ پاتے ہوں تب آپ ایسے لوگوں کے بارے میں کیا فرمائیں گے؟

تو جواب یہ ہے: وجد کی ابتدائی کیفیت کے طور پر باطن میں ایک بے چینی سی اٹھتی ہے' اگر تو انسان اپنے نفس پر قابو پا لے تاکہ اس کی حالت پر کسی کو کوئی اطلاع نہ ہونے پائے' تو شیطان اس سے مایوس ہو جاتا ہے اور اس سے دور بھاگ جاتا ہے جیسے کہ ایوب سختیانی کا حال تھا جب آپ حدیث مبارکہ بیان فرماتے تو آپ کا دل نرم ہو جاتا' آپ اپنے ناک کو صاف کرتے اور فرماتے: کتنا سخت زکام ہے!

اور اگر کوئی شخص اپنے نفس پر قابو نہ پائے اور اپنے وجد کو ظاہر کرنے میں کوئی حرج نہ محسوس کرے' یا لوگوں کو اپنے نفس کی اطلاع دینے کو پسند کرے' تو شیطان پھولے نہیں سماتا' اور اس میں پھونک مارتا ہے' تب اس کی پھونک کے بقدر اس کی بے قراری بڑھتی ہے۔

وجد کو دور کرنے کا طریقہ

اگر کوئی قائل یوں کہے: ہم گفتگو کو ایسے لوگوں کے متعلق فرض کر لیتے ہیں جو وجد کی کیفیت کو دور ہٹانے کی پوری کوشش کرتے ہوں' لیکن وہ قدرت نہ پاتے ہوں بلکہ ان پر معاملہ غالب آتا رہا ہو' تو پھر شیطان کا عمل دخل کس طرح ہو سکتا ہے؟

جواب یہ ہے: ہم اس حقیقت سے انکاری نہیں ہیں کہ بعض طبیعتیں وجد کی حالت کو

دور کرنے سے کمزور ہوتی ہیں' مگر یہ ایک صادق اور سچے آدمی کی بھی علامت ضرور ہے کہ وہ کیفیت وجد کو دور نہیں کر پاتا' اسے پتا ہی نہیں چلتا کہ اس پر کیا بیت رہی ہے' بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے فرمان ذیل کے زمرے میں آئے گا:

﴿ وَخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا ﴾ (الاعراف : ۷/ ۱۴۳)

''اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے''

خالد بن خداش بیان کرتے ہیں: عبداللہ بن وہب پر کتاب ''احوال القیامہ'' کو پڑھا گیا' تو وہ غش کھا کر گر پڑے' بعد میں وہ کوئی ایک بات بھی نہ کر سکے' حتیٰ کہ چند روز کے بعد فوت ہو گئے۔

پندو نصائح کے سننے سے ایک خلقِ کثیر لقمہ اجل بن چکی ہے اور ان پر غشی کے دورے بھی پڑتے رہے ہیں۔

اور رہا یہ وجد جو ان بناوٹی وجد سازوں کی حرکات اور ان کی بلند آواز چیخ و پکار' ان کی مخبوط الحواسی پر متضمن و مشتمل ہوتا ہے تو اس سے ظاہراً یہی نظر آ رہا ہے کہ یہ بناوٹی اور مصنوعی اعمال ہیں اور ان پر شیطان ان کا مددگار ہوتا ہے۔

اور اگر یوں کہا جائے: کیا کسی مخلص شخص پر یہ کیفیت طاری ہو جائے تو کیا اس کے حق میں یہ کوئی نقص و عیب ہے؟

تو جواب دیا جائے گا: جی ہاں! کیونکہ اس کی دو وجوہ ہیں:

- اگر وہ علم کا قوی ہوتا تو اسے تھام لیتا۔
- وہ اس انداز سے طریق صحابہ اور راہ تابعین کی مخالفت کر رہا ہے' اس کے نقص و عیب کے لیے یہی بات کافی ہے۔

خلف بن حوشب کہتے ہیں: خوات ذکر کے موقعہ پر کانپنے لگتے تھے' تو ابراھیم نے انہیں فرمایا: اگر تو تو اپنے آپ پر قابو رکھتا ہے' تو مجھے کچھ پروا نہیں ہے کہ میں تجھے کچھ بھی شمار کروں! اور اگر تو بے قابو ہو جاتا ہے تو بلاشبہ تو نے اپنے پیش رو اسلاف کی مخالفت کی۔

ایک دوسری روایت میں ہے: تو بلاشبہ تو نے اپنے سے بہتر لوگوں کی مخالفت کی

ہے۔

میں عرض کرتا ہوں: ابراھیم سے مراد ابراھیم نخعی فقیہ ہیں جو سنتِ رسول کا دامن تھامنے والے اور راہ اسلاف کے شدت سے پابند تھے۔

اور خوات ان صالحین میں سے تھے جو بناوٹ و تصنع سے دور رہنے والے تھے' یہ ابراھیم نخعی کا خوات سے کہنا تھا' تو جس آدمی کے متعلق بناوٹ اور تصنع کا اندیشہ اور خدشہ موجود ہے اس کے بارے میں کیا خیال ہونا چاہیے؟!

اہل تصوف کا وجد

جب اہلِ تصوف کسی گانے کو سنتے سنتے جھوم اور وجد میں آتے ہیں' تو تالیاں بجانے لگتے ہیں۔

ابو علی الکاتب بیان کرتے ہیں: ابن بنان مصنوعی وجد بنایا کرتا تھا اور ابو سعید خراز اس کی خاطر تالیاں بجاتا تھا۔

تالیاں بجانا ناپسندیدہ اور منکر کام ہے جس کے باعث جھوم اٹھنا اور حد اعتدال سے باہر نکلنا شروع ہو جاتا ہے' عقل مند لوگ اس طرح کی حرکات سے بچ کر رہتے ہیں کیونکہ ایسا کرنے والا مشرکین کے عمل سے مشابہت اختیار کرتا ہے' جس طرح وہ بیت اللہ کے پاس تالیاں بجانے والا عمل کیا کرتے تھے' اور یہ ایسا فعل ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس پر ان کی مذمت فرمائی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ﴾

(الانفال: ۸/ ۳۵)

''اور ان کی نماز کعبہ کے پاس صرف یہ تھی' سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا''

''مکاء'' کا معنی سیٹیاں بجانا اور ''تصدیہ'' کا معنی تالیاں بجانا ہے۔

اور اس میں عورتوں کے ساتھ بھی مشابہت لازم آتی ہے' اور کوئی بھی عقل مند اس بات سے نفرت کرے گا جو اسے وقار اور شان سے نکال کر کافروں اور عورتوں جیسے افعال و اعمال کی جانب لے جائے۔

رقاص صوفی

جونہی ان کے جھومنے میں تیزی اور شدت پیدا ہو جاتی ہے' رقص کرنے لگتے ہیں اور ان میں سے ایک نے تو سیدنا ایوب علیہ السلام کے لیے اس حکم الٰہی سے بھی حجت لی ہے:

﴿ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ ﴾ (ص: ۳۸/ ۴۲)

''اپنا پاؤں مارو''

میں عرض کرتا ہوں: یہ بودی دلیل ہے' کیونکہ اگر تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حالت مسرت میں پاؤں زمین پر مارنے کا حکم دیا ہوتا' تب تو ان کے لیے کوئی شبہ کی گنجائش نکل سکتی تھی' لیکن اللہ تعالیٰ نے تو اس لیے حکم دیا تھا تاکہ پانی کا چشمہ پھوٹ پڑے۔

ابن عقیل نے کہا ہے: ایک مصیبت زدہ کے حال میں جسے مصیبت کو ہٹانے کے لیے یہ حکم مل رہا ہے کہ زمین پر اپنا پاؤں مارے' تاکہ معجزانہ طور پر وہاں سے پانی کا چشمہ جاری ہو جائے' رقص کے لیے کس طرح دلیل پائی جاتی ہے؟!

اگر یہ جائز مان لیا جائے تو ایک پاؤں اور ٹانگ کی حرکت کو جسے کیڑے مکوڑوں نے پوری طرح لاغر و کمزور بنا دیا ہو' اسلام میں رقص کرنے کے جواز پر دلیل بنائی جا سکتی ہے تو پھر یہ بھی جائز ہونا چاہیے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے فرمان ذیل:

﴿ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ ﴾ (البقرہ: ۲/ ۶۰)

''اپنی لاٹھی پتھر پر مارو''

کو جمادات پر لکڑیاں مارنے کی دلیل مان لی جائے۔

ہم شریعت کو ایسا بازیچۂ اطفال بنانے سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

ان کے بعض مددگاروں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہے اس فرمان سے بھی یہ دلیل لی ہے:

((اَنْتَ مِنِّی وَاَنَا مِنْكَ))

''تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں''

تب سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایک پاؤں اٹھا کر چلے۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا:

((أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَ خُلُقِي))

''تو خلقت اور اخلاق میں میرے مشابہ ہے''

تو وہ بھی حجل کی چال چلے تھے' اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا:

((اَنْتَ اَخُوْنَا وَ مَوْلَانَا))

''تو ہمارا بھائی اور ہمارا دوست ہے''

تو وہ بھی خوشی سے ایک پاؤں اٹھا کر چلے تھے۔[1]

اور ان میں سے ایک ایسا بھی ہے جس نے اس بات سے حجت پکڑی ہے کہ حبشیوں نے ناچ اور رقص کیا تھا اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں مشاہدہ فرما رہے تھے۔[2]

جواب اس طرح ہے کہ ''حجل'' تو چلنے کی ایک نوع کا نام ہے جو خوشی کے موقعہ پر اختیار کی جاتی ہے' تو اس کا رقص سے کیا جوڑ اور تعلق ہے۔

اور اسی طرح حبشیوں کا ناچنا بھی چلنے کی ایک نوع تھی جو لڑائی میں دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے بطور مشق تھی۔[3]

---

[1] اسے امام احمد نے مسند ۱/ ۱۰۸ میں اور بیہقی نے ''سنن الکبریٰ'' ۱۰/ ۲۲۶ میں روایت کیا ہے لیکن اس کی سند میں ''ہانی بن ہانی'' منکر الحدیث راوی موجود ہے۔
''حجل'' کا اس روایت میں ذکر منکر ہے' یہ راوی اس لفظ کے بیان کرنے میں تنہا ہے' جبکہ بہت سے دیگر طرق میں اس لفظ کے بغیر حدیث موجود ہے۔

[2] صحیح بخاری' العیدین' باب الحراب والدرۃ یوم العید' حدیث : ۹۵۰
صحیح مسلم' صلاۃ العیدین' باب الرخصۃ فی اللعب الذی لا معصیۃ' حدیث: ۸۹۲۔

[3] امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: علمائے کرام نے اسے اسلحہ کے ساتھ پھرتی سے کودنا اور اپنے نیزوں برچھیوں کے ساتھ کھیلنے پر محمول کیا ہے' جو تقریباً رقص کے ہی قریب قریب شکل بن جاتی ہے کیونکہ معتبر اور بڑی بڑی روایات میں یہی آیا ہے کہ ان کا اپنی برچھیوں اور نیزوں کے ساتھ ہی کھیلنا ہوتا تھا' اس لیے باقی روایات سے موافقت رکھتے ہوئے اس لفظ کی یہی تاویل وتفسیر کی جاتی ہے۔

اور ابو عبد الرحمٰن سلمی نے ان کے لیے رقص کو جائز قرار دینے کے لیے اس روایت سے حجت پکڑی ہے جسے سعید بن میسب رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے: وہ مکہ کی کسی گلی میں سے گزرے تو اخضر گویے کو سنا جو عاص بن وائل کے مکان میں درج ذیل اشعار گا رہا تھا:

تَضَوَّعَ مِسْكًا بَطْنُ نَعْمَانَ أَنْ مَشَتْ

بِهِ زَيْنَبُ فِي نِسْوَةٍ عَطِرَاتِ

''مشک کی خوشبو پھیل رہی ہے۔ زینب خوشبو میں بسی ہوئی عورتوں کے جلو میں ادھر سے گزر رہی ہے''

فَلَمَّا رَأَتْ رَكْبَ النُّمَيْرِيِّ أَعْرَضَتْ

وَكُنَّ مِنْ أَنْ يَلْقَيْنَهُ حَذِرَاتِ[1]

''جونہی اس نے نمیری کے ہرکاروں کو دیکھا تو اس نے رخ پھیر لیا' کیونکہ وہ اس کارواں کو ملنے سے ڈرنے والی تھیں''

راوی نے کہا ہے: سعید بن میسب رحمہ اللہ نے یہ اشعار سنے تو کچھ دیر کے لیے زمین پر اپنا پاؤں مارتے رہے اور کہا: یہ وہ چیز ہے جس کا سماعت کرنا لذت بخش ہے' بلکہ لوگ تو یہ اشعار ہی سعید بن میسب رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں۔

اس کی اسناد مقطوع اور مظلم (تاریک ترین) ہے'[2] ابن میسب رحمہ اللہ سے صحت سند سے ثابت نہیں ہے' اور نہ ہی یہ آپ کے شعر ہیں' ابن میسب رحمہ اللہ ایسی سوچوں سے کہیں عالی وقار ہیں' یہ اشعار محمد بن عبد اللہ بن نمیر النمیری الشاعر کے نام سے معروف ہیں!

پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ ابن میسب نے زمین پر اپنا پاؤں مارا ہوگا' پھر بھی اس میں رقص کے جواز پر کوئی حجت موجود نہیں ہے' کیونکہ انسان اکثر

---

[1] یہ دونوں اشعار محمد بن عبد اللہ بن نمیر ثقفی کے ہیں جس طرح کہ کامل للمبرد (۲/۲۲۷) میں مذکور ہے ''اللسان'' میں شعر اول کی نسبت مادہ ''نعم'' کے تحت اس کے باپ کی جانب کی گئی ہے' جبکہ حق وصواب یہی ہے جس طرح کہ مصنف نے فرمایا ہے کہ یہ محمد بن عبد اللہ ہی کا ہے۔ واللہ اعلم۔

[2] امام سخاوی نے ''تخریج الاربعین السلمیہ'' ص/۱۴۸ میں کہا ہے: ''مجھے مصنف پر تعجب ہے کہ کس طرح اس نے اس منقطع السند حکایت پر اکتفاء کر لیا ہے؟!''

اوقات اپنے پاؤں کو زمین پر مارتا ہے یا کسی بات کو سن کر اپنے ہاتھ سے زمین کو کوٹتا ہے' اسے رقص تو نہیں کہتے۔

یہ کتنا قبیح تعلق جوڑا گیا ہے! ایک آدھ بار یا دو بار زمین پر قدم مارنا کہاں اور ان کا یہ رقص جس کے ذریعے وہ عقل مندوں کے واضح راستے سے نکل جاتے ہیں وہ کہاں!

چلو ہم حجت بازی کو چھوڑتے ہیں' آیئے صرف عقول کی طرف ہی فیصلہ لیے چلتے ہیں: رقص میں اس کھیل کود کے سوا اور کیا معنی ہے جسے فقط بچے ہی کھیلا کرتے ہیں اور جو صرف بچوں کی عمر کے ہی لائق ہے؟!

اس رقص میں دلوں کو آخرت کی جانب متحرک کرنے والی کون سی چیز ہے؟!

یہ بات تو واللہ! سینہ زوری اور وہ بھی میں نہ مانوں والی بات ہی ہے۔

بلاشبہ مجھے ایک شیخ نے غزالی کی بابت یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: رقص تو دونوں کندھوں کے درمیان ایک حماقت ہے جو صرف تھکاوٹ کے ساتھ ہی زائل ہو سکتی ہے۔

ابو الوفاء بن عقیل نے کہا: رقص کی نہی تو قرآن مجید میں از روئے نص موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان اقدس ہے:

﴿ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ﴾ (لقمان : ۳۱/ ۱۸)

''اور زمین پر اترا اترا کر اکڑ کر نہ چل''

مزید برآں اللہ تعالیٰ نے تکبر کرنے والے کی بھی مذمت بیان فرمائی ہے اور یوں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴾ (لقمان : ۳۱/ ۱۸)

''کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا''

اور رقص تو انتہائی زیادہ اکڑ اور فخر و غرور کا نام ہے۔

کیا ہم وہی لوگ نہیں ہیں جنہوں نے نبیذ کو شراب پر ان دونوں کی طرب انگیزی اور نشہ آوری میں متفق ہونے کی بنا پر قیاس کیا ہے؟! پھر ہمیں کون سی رکاوٹ آن پہنچی ہے کہ

ہم طنبورہ (ستار)' بانسری اور طبلے پر اشعار خوانی اور لکڑیاں مارنے کو قیاس نہ کریں؟ حالانکہ ان دونوں میں طرب انگیزی برابر برابر موجود ہے؟!

کیا کوئی اور حرکت بھی اس سے بری ہوگی کہ "صاحب ریش" رقص کرے' جو حرکت عقل و وقار کو عیب لگانے والی اور حلم و ادب کے مقام و مرتبہ سے نکالنے والی ہو؟! ایسے عمر رسیدہ بوڑھوں کا کیا حال ہوگا جو خوش الحانی اور لکڑیاں بجنے کی آوازوں پر تالیاں بجانے لگیں اور رقص کرنے لگیں' بالخصوص جب وہ آوازیں مستورات کی ہوں یا جوانی اٹھتے ہوئے خوبرو لڑکوں کی؟!

کیا ایسے شخص کو اچھا لگتا ہے جس کے سامنے موت' قبر' حشر اور پل صراط کے مراحل ہوں' پھر اس کا دو ٹھکانوں میں سے ایک ٹھکانہ بھی لازماً بننے والا ہو پھر بھی وہ رقص کرتے ہوئے یوں چالاکیاں اور پھرتیاں دکھائے جیسے چوپائے اٹھکیلیاں بھرتے ہیں اور وہ عورتوں کی طرح تالیاں بجاتا پھرے۔

اللہ کی قسم! میں نے اپنے زمانے میں ایسے ایسے مشائخ عظام کی زیارتیں کی ہیں جن کا تبسم فرمانے میں کوئی دانت تک ظاہر نہیں ہوا' چہ جائیکہ وہ ہنسے ہوں' جبکہ میں ان کی صحبت میں عمر دراز تک رہا ہوں' مثلاً شیخ ابو قاسم بن زیدان' عبد الملک بن بشران' ابو طاہر بن علاف' جنید اور دینوری۔

صوفیاء اور وجد و طرب کی کیفیات

جب صوفیاء پر حالت رقص میں وجد و طرب کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو وہ کسی بیٹھے ہوئے کو کھینچ لیتا ہے' تا کہ وہ بھی اس کے ساتھ کھڑا ہو جائے' اور یہ بھی جائز نہیں...... ان کے مذہب کے مطابق...... کہ کھینچا ہوا بیٹھ رہے' باقی حاضرین بھی اس کی پیروی میں کھڑے ہو جاتے ہیں' پھر جب ان میں سے کوئی ایک اپنا سر ننگا کر لیتا ہے تو باقی سبھی اس کی موافقت کرتے ہوئے اپنے سروں کو ننگا کر لیتے ہیں!

کسی عقل مند پر یہ امر بھی مخفی نہیں ہے کہ سر کو ننگا رکھنا برا اور قبیح ہے[1] کیونکہ اس میں

[1] کیونکہ اس میں نبی اکرم ﷺ کے طریقے اور آپ کی سیرت طیبہ کی مخالفت ہے۔

مروت کو گرانا[1] اور ادب کو ترک کرنا ہے' فقط مناسک حج میں اللہ تعالیٰ کے حضور اظہار بندگی اور اظہار عجز و انکساری کے لیے ایسا واقع ہوتا ہے۔

تو جب ان لوگوں کا وجد و جھوم قدرے زیادہ ہوتا ہے تو وہ اپنے کپڑے گانے والے پر ڈال دیتے ہیں' ان میں سے بعض تو صحیح و سالم کپڑے اتار کر پھینکتے ہیں اور ان میں سے بعض پھاڑ کر پھینکتے ہیں۔

بعض جاہلوں نے ان کے لیے دلیلیں فراہم کی ہیں اور یوں کہا ہے: یہ لوگ اپنے آپ سے گزر جاتے یعنی بے خود ہو جاتے ہیں لہٰذا انھیں قابلِ ملامت نہ کہا جائے کیونکہ جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے بچھڑے کی پرستش کرنے کی خبر سے غموں سے مغلوب ہو گئے تھے تو انہوں نے تختیاں پھینک دی تھیں' انھیں توڑ دیا تھا اور انھیں کچھ خبر نہ رہی تھی کہ کیا کر رہے ہیں!

جواب میں ہم یوں عرض کرتے ہیں: اس بات کی کیا دلیل ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے انھیں توڑنے کے قصد سے پھینکا تھا اور جتنا قرآن کریم میں مذکور ہے کہ انھیں ڈال دیا تھا ہمارے لیے اتنا بیان ہی کافی ہے' یہ کہاں سے لیا ہے کہ وہ ٹوٹ بھی گئی تھیں؟!

پھر اگر یہ کہا جائے کہ وہ ٹوٹ بھی گئی تھیں' پھر بھی ہمارے پاس یہ ثبوت کہاں سے آ گیا ہے کہ انھوں نے توڑنے کا ارادہ بھی کیا تھا؟

پھر اگر ہمیں ان کے بارے میں پورے وثوق سے یہ علم ہو جائے' تو ہم عرض کریں گے: یہ ان کی بے خودی کے عالم میں ہوا تھا' حتیٰ کہ اگر اس موقعہ پر ان کے سامنے آگ کا کوئی سمندر بھی ہوتا تو یقیناً وہ اس میں بھی کود جاتے' ان صوفیاء کی بے خودی کی تصحیح کون کرتا ہے' حالانکہ وہ گانے والوں کی دوسروں سے خوب تمیز کر رہے ہوتے ہیں' اور وہ کسی کنویں میں بھی گرنے سے بچتے ہیں جو کوئی اگر ان کے قریب ہو!

پھر یہ کیسے جائز ہو گیا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے احوال کو سفہاء اور بے وقوفوں کے

---

[1] یہ مختلف ادوار میں لوگوں کے اپنے اپنے عرف عام کے اعتبار سے ہے' واللہ اعلم۔

احوال پر قیاس کیا جائے؟

اور میں نے اپنی آنکھوں سے ایک نوجوان صوفی کو بازاروں میں چلتا پھرتا دیکھا ہے جو چیختا چلاتا پھرتا تھا' چھوٹے بچے اس کے پیچھے پیچھے تھے' وہ غصے سے بڑبڑاتا تھا اور نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے چلا جا رہا تھا' وہ دوران نماز جمعہ بھی نعرے پر نعرے مارے جا رہا تھا' مجھ سے اس کی نماز کے متعلق پوچھا گیا؟ میں نے یوں جواب دیا: اگر تو نعروں کے وقت اس کا دماغ غیر حاضر ہے' تو اس کا وضو ہی باطل ہے[1] اور اگر اس کا دماغ حاضر باش ہے' تو یہ جعلی اور مصنوعی حرکتیں بنا رہا ہے۔

یہ آدمی بظاہر صحت مند اور توانا تھا لیکن کچھ کام نہیں کرتا تھا بلکہ اس کا ''کاسہ فقیر'' روزانہ گھر گھر پھیرا جاتا تھا' اس طرح اس کے اور اس کے ساتھیوں کے کھانے کے لیے جمع کیا جاتا تھا۔

یہ حالت تو خوب پیٹ بھر کر کھانے والوں کی ہے' توکل کرنے والوں کی تو نہیں ہے اگر ہم ان کی بے خودی اور غیر حاضر دماغی کی وجہ سے ان کے نعروں کو تسلیم کر لیں تو ان کا ایسی وجد و طرب کی کیفیات طاری کرنے والی باتوں کو سننا جو عقل پر بھی پردے ڈال دے' منع اور حرام ہے' جس طرح ہر اذیت دہ چیز سے دور رہنا ضروری ہے۔

ابن عقیل سے ان کے مصنوعی وجد اور گریبان چاک[2] کرنے کے متعلق پوچھا گیا ایک سائل نے یوں سوال کیا: انھیں تو معلوم ہی نہیں رہتا کہ کیا کر رہے ہیں![3]

---

۱ اس کی غیر حاضر دماغی کے باعث' کیونکہ یہ نقض وضو کا باعث ہے۔

۲ مال کو ضائع کرنے کے متعلق حدیث مبارکہ کی تخریج قبل ازیں ہو چکی ہے' البتہ رہی وہ حدیثِ مبارکہ جس میں گریبان چاک کرنے کی بات ہے' اسے امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ روایت کیا ہے:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ))

''وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو رخساروں پر مارے اور گریبانوں کو چاک کرے۔''

صحیح بخاری' الجنائز' باب لیس منا من ضرب الخدود' حدیث: ۱۲۹۷۔

صحیح مسلم' الایمان' باب تحریم ضرب الخدود و شق الجیوب' حدیث: ۱۰۳۔

۳ ایسی صورت حال میں تو وہ دیوانے اور مجنوں ہیں!!

انہوں نے جواب دیا: اگر تو ایسی جگہوں میں باوجود علم ہونے کے کہ وہاں طرب ان پر غالب آ جائے گا پھر ان کی عقول بھی زائل ہو جائیں گی' تو وہ گناہگار ہوں گے کیونکہ ان پر مخبوط الحواسی اور کم عقلی وغیرہ کی ایسی کیفیات طاری ہوتی ہیں جو خرابی کا باعث بنتی ہیں' ان سے شرعی خطاب ساقط نہیں ہوگا' کیونکہ ایسی جگہوں پر جانے سے قبل ان سے دور رہنے کا کہا گیا تھا جو انھیں ایسی کیفیات تک پہنچانے والی ہوں' جس طرح انھیں شراب نوشی اور منشیات کے استعمال سے روکا گیا ہے' تو جب وہ نشے میں مدہوش ہوں' اور ان سے مالوں کی تباہی ہو رہی ہو' مدہوشی کی وجہ سے وہ خطاب شرع سے ساقط تو نہیں ہوئے۔

بالکل اسی طرح یہ طرب انگیز مواقع ہیں جنھیں اہل تصوف نے وجد کا نام دے رکھا ہے' اگر تو یہ لوگ اس میں سچے ہیں' تو ان کی طبیعتوں کا نشہ ہے اور اگر وہ جھوٹے ہیں' تب نبیذ ہے' باوجود ان کی ہوش مندی اور عقل مندی کے' لہٰذا دونوں حالتوں میں کوئی خیر و سلامتی نہیں ہے' اور شک و شبہ کے مقامات سے دور رہنا واجب ہے۔

ابن طاہر نے ان کے کپڑے پھاڑنے کو جائز قرار دینے کے لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیثِ مبارکہ سے اس طرح حجت لی ہے' آپ فرماتی ہیں:

''میں نے اپنے لیے ایک پردہ نصب کیا تھا جس میں تصاویر تھیں' نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھینچا اور پھاڑ دیا۔''[1]

اس مسکین آدمی کی فقاہت پر نظر دوڑاؤ' کس طرح اس روایت کو اس آدمی کے حال پر قیاس کر رہا ہے جو اپنے کپڑے پھاڑ رہا ہے اور انھیں ختم کر رہا ہے' حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مال کو ضائع کرنے سے روکا ہوا ہے' اس پردے کے نصب کرنے پر جو ہٹانے کے دوران بلا قصد پھٹ گیا یا پھر قصداً بھی ہو سکتا ہے' ان تصاویر کی وجہ سے جو اس میں موجود تھیں۔

اور شارع کی طرف سے ایسی سختی برتنا ممنوعات کے معاملات میں جائز ہے جس

---

[1] صحیح بخاری' اللباس' باب ما وطی من التصاویر' حدیث: ۵۹۵۴' ۵۹۵۵۔
صحیح مسلم' اللباس' باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان' حدیث: ۲۱۰۷۔

طرح کہ آپ نے شراب کے مٹکوں کو توڑنے کا حکم صادر فرمایا تھا۔[1]

اگر اپنے کپڑوں کو چاک کرنے والا اس بات کا دعویٰ کرے کہ وہ تو غیر حاضر دماغ تھا، تو ہم عرض کریں گے: شیطان نے تجھے بے خود بنا دیا، کیونکہ اگر تو قولِ حق اور موقف صواب کے ہمراہ ہوتا تو ضرور وہ تیری نگہداشت رکھتا، کیونکہ حق فاسد نہیں ہوتا۔

---

[1] سنن ترمذی، البیوع، باب ما جاء فی بیع الخمر و النهی عن ذلك، حدیث: ۱۲۹۳۔ عن ابی طلحه رضی اللہ عنہ

اس کی سند میں ضعف ہے، اور امام ترمذی نے فرمایا ہے: "وفی الباب عن جابر و عائشة و ابی سعید و ابن مسعود و ابن عمر و انس۔"

یہ حدیث صحیح ہے۔

صوفیاء کے پھٹے پرانے کپڑے

مشائخ صوفیاء نے پھینکے ہوئے کپڑوں کے ٹکڑوں کے متعلق بھی کلام کیا ہے: محمد بن طاہر نے کہا ہے: اس بات پر دلیل، کہ کپڑے کا ٹکڑا جب پھینک دیا جائے تو جس کے لیے پھینکا جائے گا وہ اس کی ملکیت بن جاتا ہے، سیدنا جریر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:[1] ایک قوم موٹے دھاری دار کپڑے پہنے ہوئے آئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو صدقہ کرنے پر ابھارا، ایک انصاری صحابی ایک تھیلی لے کر حاضر خدمت ہوئے، پھر کیا تھا لوگ ان کی پیروی کرنے لگے، یہاں تک کہ میں نے کھانے اور کپڑوں کے دو ڈھیر دیکھے۔

ابن طاہر نے کہا ہے: اس امر پر دلیل، کہ کپڑوں کی تقسیم کے موقعہ پر جو جماعت آئے گی اس کا باقاعدہ حصہ نکالا جائے گا، سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غنیمت کا مال لایا گیا تو آپ نے ہمارا حصہ بھی مقرر فرمایا۔[2]

یہ آدمی بلاشبہ شریعت سے کھیل کر رہا ہے اور انہوں نے اپنے سوئے فہم سے وہ چیز کشید کرنے کی کوشش کی ہے جو متاخرین صوفیاء کے مذہب کے موافق اور ان کے اپنے خیال کے مطابق تھی، ہمیں یہ بات ان کے متقدمین میں بالکل نظر نہیں آئی۔

اس مسئلے کو نکالنے کی خرابی یوں واضح ہو رہی ہے کہ وہ آدمی جس نے کپڑے کو پھاڑا

---

1. صحیح مسلم، الزکاۃ، باب الحث علی الصدقة ولوبشق تمرة، حدیث : ۱۰۱۷۔
2. صحیح بخاری، فرض الخمس، باب ومن الدلیل علی ان الخمس لنوائب المسلمین، حدیث : ۳۱۳۶۔

صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل جعفر بن ابی طالب و اسماء بنت عمیس، حدیث : ۲۵۰۲۔

اور پھینکا ہے' اگر تو وہ حاضر دماغ تھا تو اس کے لیے پارچہ کرنا جائز اور روا نہ تھا' اور اگر وہ غیر حاضر دماغ تھا تو اس کپڑے میں تصرف کرنا (کسی دوسرے کے لیے) شرعی طور پر جائز نہیں ہے' اسے ہبہ کرنا یا اس کا مالک بننا بھی جائز نہیں ہے' پھر یہ بھی گمان رکھتے ہیں کہ اس کا کپڑا اس چیز کی مانند ہے جو کسی انسان سے گر پڑتی ہے اور وہ جانتا بھی نہیں کہ کہاں گری ہے تو کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس کا مالک بن بیٹھے' اگر تو اس نے وہ کپڑا اپنی حاضر دماغی میں پھینکا ہو' کسی آدمی پر نہ پھینکا ہو' تو اس کا مالک بننا کسی طور پر بھی درست نہیں اور اگر اس نے گویے پر پھینکا ہو وہ بھی مالک نہیں بنے گا کیونکہ ملکیت تو عقد شرعی کے بغیر ثابت نہیں ہوتی اور کسی چیز کو پھینکنا تو عقد نہیں ہے' پھر بغرض تسلیم کہ وہ گانے والے کی ملکیت بن گیا ہے تو باقی لوگوں کو اس میں تصرف کرنے کا اختیار دینے کی کون سی وجہ ہے؟!

پھر جب اس میں تصرف کا حق استعمال کرتے ہیں تو اس کے مزید پارچے بناتے ہیں تو یہ بھی دو وجوہ سے ناجائز ہیں:

- ایسی چیز میں تصرف کر رہے ہیں جس کے وہ مالک ہی نہیں ہیں۔
- یہ بے مقصد پارچے بنانا مال کو ضائع کرنا ہے۔

پھر جو آدمی موقعہ پر موجود نہیں ہے اس کے حصے نکالنے کی کیا وجہ ہے؟

رہی سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث' تو علمائے کرام نے فرمایا ہے جن میں سے ایک امام خطابی رحمہ اللہ ہیں: اس امر کا احتمال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں موجود حاضرین کی رضامندی سے دیا ہو یا آپ نے صرف مال خمس سے یہ حصہ نکالا ہو تو یہ آپ کا حق تھا۔

اور صوفیاء کے مذہب کے مطابق یہ حصہ اس شخص کا ہے جو بھی آ جائے گا' اس طرح یہ مذہب تو ''اجماع مسلمین'' سے خارج ہے۔

میں ان امور کو جو ان لوگوں نے اپنی فاسد آراء سے گھڑ لیے ہیں زمانہ جاہلیت کی ان رسوم سے مشابہ سمجھتا ہوں جو انھوں نے بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حام کے متعلق خود ساختہ احکام وضع کر رکھے تھے۔[1]

---

[1] ان کی تفصیل وتشریح کتاب کے اوائل میں گزر چکی ہے۔

ابن طاہر نے' جوان کے بڑوں میں سے ہیں' کہا ہے:

ہمارے مشائخ کا اس امر پر اجماع ہے کہ پھٹے ہوئے پارچے اوران کے موافق جو صحیح و درست کپڑے آئے ہیں' یہ تمام کے تمام جمع کے حکم میں ہیں' مشائخ وقت جو چاہیں اس میں تصرف کر سکتے ہیں! انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے حجت پکڑی ہے:

''غنیمت ہر اس آدمی کا حق ہے جو معرکہ میں شریک ہو۔''

جبکہ ہمارے شیخ ابو اسماعیل انصاری نے مخالفت کی ہے اوران کپڑوں کے ٹکڑوں کی دو اقسام بیان کی ہیں:

① جو تو پھٹے ہوئے پارچہ جات ہیں' وہ سبھی پر تقسیم کر دیے جائیں۔

② جو صحیح حالت میں ہیں' وہ قوال اور گویے کو دیے جائیں!

انھوں نے حدیث سلمہ رضی اللہ عنہ سے دلیل لی ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقتول کے بارے میں صحابہ سے پوچھا ''اس آدمی کو کس نے قتل کیا ہے؟'' صحابہ نے جواب دیا: ''سلمہ بن اکوع نے'' تو آپ نے فرمایا: ''اس کے لیے تمام تر مال سلب ہے'' (یعنی مقتول کا سارا مال ہی اس قاتل کا ہے)[1]

تو چونکہ یہاں پر قتل تو قوال کی طرف سے ہوا ہے لہٰذا پورا مال اسی کا ہونا چاہیے۔

دیکھو غور فرماؤ میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ سبھی کو ابلیس کی فریب کاریوں سے محفوظ رکھے' ان جاہلوں کے شریعت سے استہزاء کی طرف اوران کے مشائخ کے اجماع کی طرف' جن کا اجماع اونٹ کی مینگنی کے برابر بھی نہیں ہے کیونکہ فقہاء و مشائخ اس بات پر متفق ہیں کہ ہبہ شدہ چیز اسی کی ہے جس کو ہبہ کر دی جائے' خواہ وہ پھٹی پرانی ہو یا صحیح سالم ہو' کسی دوسرے کو اس میں تصرف یا کسی طرح کا عمل دخل دینا جائز نہیں ہے۔

پھر یہ بات بھی ملحوظ خاطر رکھیں کہ مقتول کا سارا مال جو اس پر موجود ہوتا ہے اس کا بن جاتا ہے' تو ان لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ صرف جو پھینکا جائے وہی اس کو دیتے ہیں!

پھر چاہیے کہ معاملہ کی تقسیم کار اس کے برعکس ہو جس طرح کہ انصاری نے کہا ہے

---

[1] صحیح مسلم' الجهاد' باب استحقاق سلب القاتل سلب القتیل' حدیث: ۱۷۵۴۔ اور اس کی اصل صحیح بخاری' الجهاد' باب الحربی اذا دخل دار الاسلام بغیر امان' حدیث: ۳۰۵۱ میں ہے۔

کیونکہ پھٹے کپڑے تو وجد کے سبب سے پھٹے ہیں تو یہی چاہیے کہ تمام پھٹے ہوئے پارچہ جات گویے اور مغنی کو دیے جائیں، صحیح کپڑا کوئی بھی اسے نہ دیا جائے!

ان لوگوں کے تمام تر اقوال محال اور خرافات پر مبنی ہیں۔

ابوعبداللہ تکریتی صوفی نے ابوفتوح اسفرائینی سے مجھے یہ حکایت بیان کی ہے کہ میں کم عمر تھا اور یہ سارا کچھ بچشم خود دیکھ رہا تھا کہ وہ بھی صوفیاء کے ایک خلوت خانے میں ایک بڑی جماعت میں حاضر تھا، اور وہاں پر ڈھول، لکڑیاں اور گھنگھرو سمیت دف بھی چل رہے تھے ابوفتوح بھی کھڑا ہو کر رقص کرنے لگا، یہاں تک کہ اس کی پگڑی گر گئی، پھر وہ ایسے ننگے سر ہی رہا!

تکریتی نے کہا ہے: ایک روز اس نے اپنے موزوں ہی میں رقص کیا تھا پھر اسے یاد آیا کہ صوفیاء کے نزدیک موزوں سمیت رقص کرنا خطا اور غلطی ہے، چنانچہ وہ خلوت میں گیا اور موزوں کو اتار کر آیا، پھر اس نے اپنے اوپر موجود ریشمی چادر اتار کر اس جرم کا کفارہ ادا کرنے کے لیے ان لوگوں کے سامنے رکھ دی، انھوں نے اس چادر کو چیر پھاڑ لیا۔

رہا مسئلہ پھینکے گئے کپڑوں کو پارہ پارہ کرنے کا اور انھیں باہم تقسیم کرنے کا، تو ہم پیشتر ازیں یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ کپڑوں کے مالک کا کپڑے کو گویے کی طرف فقط پھینک دینے سے وہ مالک نہیں بنتا، حتیٰ کہ وہ اسے مالک بنائے، تو جب وہ اسے مالک بنا دے، تو غیر کو اس میں تصرف کرنے کا کیا اختیار باقی رہتا ہے؟

اور میں بذات خود ان کے ایک فقیہ کے ہاں حاضر ہوا تھا جو کپڑوں کو پھاڑتا اور تقسیم کیا کرتا تھا، اور وہ کہتا تھا: ان پارچہ جات سے نفع اٹھایا جا سکتا ہے یہ کوئی تفریط اور مالی ضیاع تو نہیں ہے!

میں نے عرض کی: اس سے بڑھ کر مالی ضیاع اور تفریط اور کیا ہو سکتی ہے؟!

میں نے ان میں سے ایک اور شیخ کو دیکھا ہے، وہ کہتا تھا: میں نے اپنے شہر میں کپڑوں کو پارہ پارہ کرنے کا عمل کیا تھا، ان میں سے ایک پارچہ ایک آدمی کے حصے میں آیا تھا تو اس نے اس سے ایک تھیلا (اشیاء کو ڈالنے والا بیگ) بنا لیا، جسے اس نے پانچ دینار میں فروخت کیا تھا، میں نے اس سے عرض کیا: شرع ان نوادرات کے لیے ایسی ناسمجھی اور

رعونت پر مبنی باتوں کو جائز نہیں مانتی۔

ان دونوں شخصوں سے زیادہ تعجب تو مجھے ابو حامد طوسی پر آتا ہے' جو یوں کہتے ہیں: ان لوگوں کے لئے کپڑوں کو پھاڑنا اور پارہ پارہ کرنا مباح ہے' جب انھیں مربع قطعات میں پھاڑا جائے جو کپڑوں اور جائے نمازوں میں پیوند کاری کے لئے مناسب ہو سکتے ہیں کیونکہ کپڑے کو پھاڑ کر پارچہ جات بنا کر سلائی کر کے ہی قمیص بنایا جاتا ہے اور یہ کسی طرح بھی ضیاع مال نہیں ہوتا!

مجھے اس شخص پر بہت زیادہ حیرت و تعجب ہوتا ہے' کس طرح مذہب تصوف کی محبت نے اس آدمی کے دل سے اصول فقہ اور مذہب امام شافعی کو سلب کر لیا ہے' انھوں نے فقط ایک خاص انتفاع کو مدنظر رکھا ہے۔

پھر ان کے یہ کہنے کے کیا معنی ہیں: ''مربع قطعات'' جبکہ مستطیل شکل کے پارچہ جات سے بھی تو فائدہ لیا جا سکتا ہے!

پھر اگر کپڑوں کو موباف (سر کے بالوں کو گوندھنے کے لیے کپڑے کی پٹیاں) کی شکل میں پارہ پارہ بنا لیا جائے' ان سے بھی نفع رسانی ممکن ہے' اگر تلوار کو دو برابر ٹکڑوں میں توڑ لیا جائے' تو نصف سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے' بس یہ اصول شریعت ملحوظ رکھنا چاہیے کہ شرع عمومی فوائد کو مدنظر رکھتی ہے اور کسی چیز کو نا قابل نفع بنانے کے لیے نقص دار بنا دینا تلف کرنا کہلاتا ہے اس لیے صحیح و سالم درھم کو توڑنا منع ہے' کیونکہ ٹوٹنے کے باعث اس کی قیمت میں کمی واقع ہو جائے گی' ابلیس اگر جاہل صوفیاء پر تلبیسی حملے کرے تو قابل تعجب نہیں ہے بلکہ تعجب و حیرت تو ان فقہاء اور علماء پر ہے جنہوں نے ائمہ کرام مثلاً امام ابوحنیفہ' امام شافعی' امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کے حکموں کے باوجود صوفیاء کی بدعتوں کو پسندیدہ بنا لیا ہے۔

ان صوفیاء نے عجیب و غریب بدعات ایجاد کر رکھی ہیں' اور جو لوگ ان کی خواہشات کی جانب مائل ہوتے ہیں ان کی خاطر بے شمار معذرتیں بھی گھڑ رکھی ہیں۔

ان کے مذہب کے مطابق استغفار کے وقت سروں کو ننگا کرنا ایسی بدعت ہے جو مروت کو ساقط کر رہی ہے' وقار کے منافی ہے' اگر شرع میں حالت احرام میں سروں کو ننگا رکھنے کا حکم وارد نہ ہوتا' تو اس کی کوئی اور صورت وجہ جواز کی نہ ہوتی۔

نوخیز لڑکوں کی صحبت

اکثر صوفیاء نے اپنی جانوں پر اجنبی مستورات کو دیکھنے کا دروازہ بند کر رکھا ہے کیونکہ وہ ان کی ہم نشینی سے دور رہتے ہیں اور ان کے ساتھ گھل مل کر رہنے سے باز رہتے ہیں بلکہ نکاح کرنے کے بجائے عبادت گزاری ہی میں مشغول رہتے ہیں' لہٰذا ابلیس نے اظہار ارادت اور کنارہ کشی اور بے رغبتی کو ظاہر کرنے کے قصد سے نوخیز لڑکوں کے ساتھ صحبت رکھنے کو صوفیاء کے لیے باعث رغبت بنا دیا۔

نوخیز لڑکوں سے صحبت رکھنے کے اعتبار سے صوفیاء کی سات اقسام ہیں:

① سب لوگوں سے گندے' یہ وہ لوگ ہیں جو صوفیاء کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور عقیدۂ حلول کے دعویدار ہیں۔

ابو نصر عبد اللہ بن علی سراج کہتے ہیں: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حلولیہ فرقے کی ایک جماعت کا یہ گمان ہے کہ حق تعالیٰ نے ربوبیت کے معانی کو ظاہر کرنے کے لیے چند اجسام کو چن لیا ہے جن میں حلول فرماتا ہے۔

اور ان میں سے کچھ یوں کہتے ہیں: وہ حلول صرف خوب صورت اور خوبرو شکلوں ہی میں فرماتا ہے۔

ابو عبد اللہ بن حامد جو کہ ہمارے اصحاب میں سے ہیں' انھوں نے صوفیاء کی ایک جماعت کے متعلق یہ ذکر کیا ہے: وہ اللہ تعالیٰ کو دنیا میں دیکھتے رہتے ہیں اور انھوں نے اس بات کو بھی جائز مان رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی آدمی کی صفت میں ہو اور کسی اچھی خوبصورت شکل میں حلول کرنے سے بھی انکار نہیں کرتے حتیٰ کہ کسی سیاہ رنگت کے لڑکے کو دیکھنے میں

بھی مشاہدۂ حق کا دعویٰ کر دیتے ہیں۔

۲ جو صرف ملبوسات میں ان صوفیاء کی مشابہت اختیار کرتے ہیں لیکن ان کا مقصد فسق و فجور ہے۔

۳ جو خوبصورت شکل وصورت کو دیکھنا مباح کہتے ہیں، ابوعبدالرحمٰن سلمی نے ایک کتاب لکھی، جس کا نام ''سنن الصوفیہ'' رکھا، انہوں نے اپنی کتاب کے اواخر میں کہا ہے: باب في جوامع رخصهم (ان چیزوں کے بیان میں جن کی بابت صوفیاء کے ہاں رخصت ہے) تو اس باب میں انہوں نے رقص، گانا اور خوبصورت چہرے کو دیکھنا بیان کیا ہے، پھر اس میں نبی اکرم ﷺ سے مروی یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

((اُطْلُبُوا الْخَيْرَ عِنْدَ حِسَانِ الْوُجُوْه))

''تم خیر کو خوبصورت چہروں کے پاس تلاش کرو''

اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

((ثَلَاثَةٌ تَجْلُوا الْبَصَرَ: اَلنَّظَرُ اِلَى الْخُضْرَةِ، وَالنَّظَرُ اِلَى الْمَآءِ، وَالنَّظَرُ اِلَى الْوَجْهِ الْحَسَنِ))

''تین چیزیں بصارت کو جلا بخشتی ہیں: ہریالی و سبزے کی طرف دیکھنا، پانی کی طرف دیکھنا اور خوبصورت چہرے کو دیکھنا''

ان دونوں حدیثوں کی رسول اللہ ﷺ سے کوئی اصل نہیں ہے۔

پہلی حدیث کے متعلق تو امام عقیلی نے فرمایا ہے: نبی اکرم ﷺ سے اس باب میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے۔[1]

اور رہی دوسری حدیث[2] تو یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے، علمائے کرام کا

---

[1] مصنف نے موضوعات ۱/۱۵۹۔۱۶۴ میں متعدد طرق سے اسے بیان کیا ہے، پھر اس کے شدت ضعف اور اس کے بودے پن کو خوب خوب بیان کیا ہے۔
مزید ضعیف الجامع الصغیر حدیث: ۱۰۰۲ بھی ملاحظہ کر لیں، حافظ عراقی کی تخریج الاحیاء ۳/۱۰۵ پر بھی نگاہ ڈال لیں۔

[2] مصنف رحمہ اللہ نے موضوعات ۱/۱۶۳ میں روایت کرنے کے بعد یوں کہا ہے: "باطل" ←

''ابو البختری'' (ایک راوی کا نام) کے متعلق کوئی اختلاف ہی نہیں ہے کہ وہ کذاب اور وضاع (من گھڑت احادیث بنانے والا) تھا۔

اور احمد بن عمر بن عبید بھی مجہول راویوں میں سے ایک ہے۔

پھر ابو عبد الرحمٰن سلمی کو چاہیے تھا کہ جب انہوں نے خوبصورت چہرے کو دیکھنے کا ذکر کیا تھا تو اسے زوجہ یا لونڈی کے چہرے کی طرف دیکھنے کے ساتھ مقید کر دیتے' لیکن اس کا مطلق بیان کرنا ان کی دماغی خرابی اور بدی سے محبت رکھنے کی غمازی کر رہا ہے۔

اور ہمارے شیخ حافظ محمد بن ناصر نے کہا ہے: ابن طاہر مقدسی نے نوخیز بے ریش لڑکے کی طرف دیکھنے کے موضوع پر ایک کتاب بھی تالیف کر رکھی ہے۔[1]

اور فقہاء کہتے ہیں: جس آدمی کی شہوت کسی نوخیز بے ریش لڑکے کی جانب دیکھنے سے بھڑکتی ہو' تو ایسے آدمی پر اس کی طرف دیکھنا' نگاہ اٹھانا ہی حرام ہے' اور جب کوئی شخص اس امر کا دعویٰ کرے کہ اس کی نگاہ کسی خوبرو نوخیز بے ریش لڑکے کی جانب اٹھنے کے باوجود اس کی شہوت پر کچھ اثر انداز نہیں ہوتی' تو وہ جھوٹا ہے' صرف مطلق طور پر اسے مباح چھوڑا گیا ہے کہ کہیں زیادہ سختی سے منع رکھنے پر تنگی واقع نہ ہو کیونکہ معاشرے میں میل جول تو رکھنا ہی تھا' تو جس دیکھنے میں مبالغہ واقع ہو تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ شہوت کے انگیخت ہونے کا تقاضا ہے۔

سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے فرمایا ہے' جب تم کسی آدمی کو کسی بے ریش نوخیز لڑکے کی جانب نظریں جما کر دیکھتے ہوئے پاؤ تو اس پر تہمت لگا دو۔

④ یہ لوگ کہتے ہیں: ہم نظر شہوت سے نہیں دیکھتے' ہم تو فقط نگاہ حصول عبرت سے

← سیوطی رحمہ اللہ نے اللآلی ۱/ ۱۱۵۔۱۱۷ میں اس کا تعاقب کرتے ہوئے اس روایت کو درجہ حسن تک لانے کی سعی لا حاصل کی ہے' اور اسی طرح بعض طالع آزماؤں نے بھی ایسا کرنے کی جسارتیں کی ہیں! مزید دیکھیں شیخ البانی کی تالیف السلسلة الضعيفة ۱۳۴ اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز سے ہمیں مستفید فرمائے۔ ترجمہ کے وقت شیخ البانی رحمہ اللہ وفات پا چکے ہیں۔ ثاقب

[1] ملاحظہ فرمائیں سیر اعلام النبلاء ۱۹/ ۳۶۱ امام ذہبی رحمہ اللہ کی تالیف کو' اس میں مزید باتیں بھی موجود ہیں۔

دیکھتے ہیں' لہٰذا ہمارا یہ دیکھنا نقصان دہ اور مضر نہیں ہوگا!!

ناممکن بات ہے کیونکہ طبیعتیں باہم مساوی اور یکساں نہیں ہوتیں' تو جو کوئی اپنے جیسے انسانوں میں سے بلحاظ طبع اپنے نفس کی پاک دامنی اور بے عیبی کا مدعی بنے' تو اس نے محال اور ناممکن امر کا دعویٰ کیا۔

اور ہم سماع کے متعلق اپنی ابتدائی گفتگو میں اس کا تجزیہ پیش کر چکے ہیں۔

خیر النساج کہتے ہیں: میں مسجد الخیف میں محارب بن حسان صوفی کے ہمراہ تھا' اور ہم احرام باندھے ہوئے تھے' اہل مغرب میں سے ایک خوبرو لڑکا ہمارے پاس آ کر بیٹھ گیا' میں نے محارب کو اس لڑکے کی جانب ایسے دیکھتا ہوا پایا جسے میں ناپسند کر رہا تھا' اس لڑکے کے اٹھ جانے کے بعد میں نے یوں دریافت کیا: آپ تو حرمت والے مہینے' حرمت والے شہر اور حرمت والی جگہ میں ہیں اور پھر احرام بھی باندھے ہوئے ہیں اور میں نے آپ کو اس لڑکے کی طرف ایسی نظر سے دیکھتے ہوئے مشاہدہ کیا ہے' ایسی نگاہ سے تو صرف فتنہ میں مبتلا لوگ ہی دیکھ سکتے ہیں[1] تو وہ یوں بولا: اے دل و نگاہ سے شہوت میں پھنسے ہوئے! تو بھی مجھ سے یوں کہتا ہے' کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ مجھے دام ابلیس میں پھنسنے سے تین چیزیں روکے ہوئے ہیں؟! میں نے عرض کی: وہ کون کونسی ہیں؟ تو بولے ستر ایمان' عفتِ اسلام اور سب سے بڑی چیز اللہ تعالیٰ سے حیا۔ کہیں وہ مجھے اس حال میں نہ دیکھ لے کہ میں ایسی برائی پر اٹکا ہوں جس سے اس نے مجھے روکا ہوا ہے' پھر اس پر بے ہوشی کا دورہ پڑا' حتیٰ کہ لوگ ہمارے پاس جمع ہو گئے۔

اس احمق کی جہالت پر نگاہ ڈالو' یہ سمجھے ہوئے ہے کہ معصیت فقط اس ایک بے حیائی کا نام ہے' اسے اتنا بھی معلوم نہیں کہ شہوت کے ساتھ صرف دیکھنا بھی تو حرام ہے اور وہ اپنے نفس سے طبعی اثر کو اس دعویٰ کے ساتھ مٹا لیا ہے جسے ''نظر شہوت'' جھٹلا رہی ہے۔

بعض علماء نے مجھ سے یہ بیان کیا ہے کہ ایک بے ریش نوخیز لڑکے نے اس سے یوں کہا ہے' مجھے فلاں صوفی صاحب نے اس طرح کہا ہے اور وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے' اے

---

[1] حالانکہ یہ نظر بھی حرام ہے!!

نور چشم! اللہ کی قسم! مجھے تجھ میں آنا اور توجہ کرنا ہے' وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے میری حاجت تیرے نفس تک بنا دی ہے۔

اور یہ بھی حکایت بیان کی جاتی ہے کہ صوفیاء کی ایک جماعت احمد غزالی[1] کے ہاں داخل ہوئی' اس وقت ان کے پاس ایک امرد یعنی نوخیز بے ریش لڑکا موجود تھا' اور وہ اسے خلوت میں لیے بیٹھے تھے' ان کے درمیان میں ایک گلاب کا پھول بھی پڑا تھا' وہ ایک بار گلاب کے پھول کو دیکھتے اور دوسری بار اس امرد کو دیکھتے۔ جونہی وہ جماعت والے تشریف فرما ہوئے' ان میں سے ایک بولا: شاید ہم نے ادھر آ کر موصوف کو پریشانی میں ڈال دیا ہے! تو وہ جواب میں بولے: جی ہاں واللہ! تب سبھی نے بناوٹی وجد میں پرجوش نعرہ مارا!!

مجھے اس آدمی کے اس فعل پر اور اپنے چہرے سے شرم و حیا کی چادر اتار دینے پر کوئی خاص تعجب نہیں ہو رہا' بلکہ مجھے تعجب تو ان حاضر و موجود جانوروں اور چوپایوں پر ہو رہا ہے کہ اس پر انکار و اعتراض کرنے سے کس طرح خاموش رہے؟! لیکن افسوس! شریعت کی حمیت اکثر لوگوں کے دلوں سے ختم ہوگئی ہے۔

ابو طیب طبری بیان کرتے ہیں: اس گروہ سے جو سماع سنتے رہتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی کہ وہ اس کے ساتھ بے ریش نوجوان کا اضافہ بھی کرتے ہیں' اور بسا اوقات تو اس نوجوان لڑکے کو زیورات پہنا کر' رنگین زرق برق ملبوسات اور دیگر لوازمات سے آراستہ کر کے اپنے پاس بٹھاتے ہیں اور پھر یہ خیال کرتے ہیں کہ ایسی حالت میں اسے دیکھنا' اس سے عبرت حاصل کرنی' ایمان میں زیادتی کا باعث اور صانع کی صنعت گری سے قوی استدلال کا باعث بنتا ہے۔ یہ ان کی آخری درجے کی خواہشات نفسانی کی پیروی' عقل کا دھوکا اور خلاف علم حرکات ہیں۔

جبکہ اللہ تعالیٰ نے تو یوں فرمایا ہے:

﴿ وَفِيٓ اَنفُسِكُمْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴾ (الذاریات: ۵۱/ ۲۱)

''اور خود تمہاری ذات میں بھی (نشانیاں ہیں) تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟''

---

[1] یہ ابو حامد غزالی کے حقیقی بھائی ہیں' جیسے کہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔

اور دوسرے مقام پر یوں فرمایا ہے:

﴿ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴾ (الغاشیۃ : ۸۸/ ۱۷)

''کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیے گئے ہیں''

اور ایک جگہ یوں فرمایا ہے:

﴿ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ (الاعراف : ۷/ ۱۸۵)

''اور کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کے عالم میں''

جن اشیاء اور چیزوں کو حصولِ عبرت کے لیے دیکھنے کا اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا تھا' ان سے روگردانی اور بے رخی کرتے ہیں اور ان اشیاء اور چیزوں کی جانب دیکھتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے انھیں باز رہنے کو کہا تھا۔

اس گروہ کے لوگ عمدہ و نفیس کھانے کھانے اور مزیدار اشیاء خورد و نوش کرنے کے بعد مذکورہ افعال کرتے ہیں' تو جس وقت ان چیزوں سے ان کے جی اور دل بھر جاتے ہیں' تو ان کے دل ان سے ایسی چیزوں کا مطالبہ کرتے ہیں مثلاً سماع' رقص' بے ریش نوخیز نوجوانوں کے چہروں کے دیدار سے حصول لذت وغیرہ۔ اگر یہ لوگ کھانا کم مقدار میں کھاتے تو کبھی بھی سماع اور ایسی نظروں کی طرف مائل ہی نہ ہوتے۔

ابو طیب نے کہا: حالتِ سماع میں سامعین پر کیا کیفیات گزرتی ہیں' ان کی ایک صاحب نے شعروں میں یوں پردہ کشائی کی ہے:

اَتَذْكُرُ وَقْتَنَا وَ قَدِ اجْتَمَعْنَا
عَلٰى طِيْبِ السَّمَاعِ اِلَى الصَّبَاحِ

''کیا تجھے ہمارا وہ وقت یاد ہے' جب ہم صبح ہونے تک دل پسند گانے سننے کے لیے اکٹھے ہوئے تھے''

وَ دَارَتْ بَيْنَنَا كَاْسُ الْاَغَانِيْ
فَاَسْكَرَتِ النُّفُوْسَ بِغَيْرِ رَاحِ

''ہمارے درمیان گانوں اور راگوں کے جاموں کا دور جو بغیر شراب پیئے ہی

نفسوں کو مدہوش بنا ڈالتا تھا"

فَلَمْ تَرَ فِيهِمْ اِلَّا نَشَاوٰی
سُرُوْرًا وَ السُّرُوْرُ هُنَاكَ صَاحِیْ

"تو اس محفل میں سبھی سرور سے مست ہیں' کیونکہ سرور ہی وہاں پر چیخنے چلانے والا"

اِذَا لَبّٰی اَخُو اللَّذَّاتِ فِيْهِ
مُنَادِي اللَّهْوِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ

"جب لذتوں کے دلدادہ نے لہو ولعب کی ان الفاظ میں منادی پر لبیک کہا: آؤ کامیابی کی طرف۔"

وَ لَمْ نَمْلِكْ سِوَی الْمُهْجَاتِ شَيْئًا
اَرَقْنَاهَا لِاَلْحَاظ مِلَاحِ

"اس وقت ہمارے پاس سوائے خون دل کے کچھ بھی نہیں ہوتا' تو ہم ان خوبرو اور دلکش آنکھوں والیوں کی خاطر اسے ہی بہا ڈالتے ہیں"

ابوطیب نے کہا ہے: جب سماع کی دلوں پر اثر آفرینی کی یہ کیفیت ہے جو اس کہنے والے نے ذکر کی ہے' تو کس طرح سماع کوئی نفع پہنچا سکتا ہے یا کوئی معمولی سا فائدہ ہی دے سکتا ہے؟!

ابن عقیل نے کہا ہے' اگر کوئی یوں کہتا ہے: مجھے تو خوبصورت چہروں کو دیکھنے میں کچھ اندیشہ وخطرہ نہیں ہے' یہ قول کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتا' کیونکہ شریعت میں عمومی خطاب آیا ہے' جو کسی شخصِ واحد کو ممتاز نہیں کرتا' قرآنی آیات ایسے تمام باطل دعووں کا انکار کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ﴾

(النور : ۲۴/ ۳۰)

"مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی

حفاظت کریں''

اور پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اقدس ہے:

﴿ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ○ وَ اِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ○ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴾ (الغاشية : ۸۸/ ۱۷تا۱۹)

''کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیے گئے ہیں اور آسمان کو' کہ کس طرح اونچا کیا گیا ہے اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح گاڑ دیے گئے ہیں؟''

اللہ تعالیٰ نے تو صرف ایسی صورتوں کی طرف دیکھنے کو حلال کیا جن کی طرف نفس مائل نہیں ہوتا اور نہ نفس کا کوئی حصہ ہے بلکہ ایسی عبرت ہے کہ جس میں شہوت اور لذت کی ذرہ بھر آمیزش نہیں ہے۔

رہا معاملہ شہوت انگیزی پر مبنی صورتوں کا' تو ان کی تعبیر تو یہی ہو گی کہ وہ شہوت کی عبرت دیتی ہیں' اور ہر وہ صورت جو عبرت کے لیے نہیں ہے اسے تو دیکھنا ہی نہیں چاہیے کیونکہ بسا اوقات وہ صورت فتنہ کا باعث بن جاتی ہے' اس لیے تو اللہ تعالیٰ نے کسی عورت کو منصبِ رسالت کے ساتھ مبعوث نہیں فرمایا' نہ ہی اسے قاضی اور امام و موذن بنایا ہے' یہ سب کچھ اس مقصد کے پیش نظر ہے کہ عورت فتنہ اور شہوت کا باعث اور محل ہے۔

اس شخص کو جو یوں کہے: میں تو خوبصورت چہروں سے سامانِ عبرت پاتا ہوں' ہم اسے جھوٹا کہیں گے' اور ہر ایسے شخص کو جو اپنی طبیعت کو ہماری طبائع سے ممتاز گردانے کا دعویٰ کرے' ہم اسے بھی جھوٹا ہی قرار دیں گے کیونکہ یہ ایسے دعویٰ کنندگان کے لیے شیطانی فریب اور دھوکے ہیں۔

۵ جو بے ریش نوخیز لڑکوں سے صحبتیں رکھتے ہیں اور اپنے نفوس کو فواحش سے باز رکھتے ہیں' وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ اصل مجاہدہ ہے' اور وہ یہ نہیں جانتے کہ فقط ان کو اپنی صحبت میں رکھنا اور ان کی طرف نظرِ شہوت سے دیکھتے رہنا ہی معصیت ہے اور یہ صوفیاء کی مذموم خصلتیں اور عادات ہیں' حالانکہ ان کے متقدمین ایسے امور و معاملات پر نہیں تھے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے: وہ بھی انہی راہوں پر تھے' اور دلیل کے طور پر ابو علی روزبادی کا

شعر پیش کیا ہے:

أُنَزِّهُ فِي رَوْضِ الْمَحَاسِنِ مُقْلَتِي
وَ أَمْنَعُ نَفْسِي أَنْ تَنَالَ مُحَرَّمَا

''میں اپنی آنکھوں کو محاسن کے باغیچوں میں سیر کراتا ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ میں اپنی جان کو کسی حرام عمل کو پا لینے سے بھی بچائے رکھتا ہوں''

وَ أَحْمِلُ مِنْ ثِقَلِ الْهَوٰى مَا لَوْ أَنَّهٗ
عَلَى الْجَبَلِ الصَّلْدِ الْأَصَمِّ تَهَدَّمَا

''میں خواہشات وشہوات کا ایسا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں کہ اگر یہی بوجھ سخت ترین اور مضبوط ترین پہاڑ پر رکھا جائے تو دھیرے دھیرے گرتا چلا جائے''

عنقریب یوسف بن حسین کا واقعہ اور ان کے اس قول کا تذکرہ آئے گا جس میں انہوں نے کہا ہے: ''میں نے صد بار اپنے رب سے معاہدہ کیا ہے کہ کسی نوجوان لڑکے کے پاس نہ بیٹھوں گا لیکن میری قسم کو صحت مند قدوں اور سرگیں آنکھوں نے توڑ ڈالا۔''

یہ ایسی قوم نکلی کہ جب ابلیس نے انھیں دیکھا کہ وہ فواحش کی طرف نہیں لپکتے اور جھکتے' تو اس نے ان کے لیے فواحش کی شروعات اور ابتدا کو آراستہ کرنا شروع کیا' چنانچہ انھوں نے نظر رکھنے' صحبت میں بٹھانے اور ہم کلام رہنے والی لذتوں کو حاصل کرنے میں جلدی دکھائی اور نفس کا مقابلہ کرتے ہوئے اسے بے حیائی کے عمل سے روکے رکھا۔ اب اگر یہ لوگ صادق اور راست رو ہیں اور انھوں نے ایسا کر بھی لیا تو یہ نتیجہ بالضرور نکلا کہ وہ دل جسے دوسروں سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہنا چاہیے تھا' غیروں کے ساتھ مشغول ہو گیا اور وہ زمانہ' جسے دل کو صاف رکھ کر آخرت کے لیے نفع مند امور میں لگانا چاہیے تھا' طبیعت کے مصروفِ مجاہدہ رہنے نے بے حیائی کے عمل سے روکنے میں لگا دیا گیا۔

یہ جہالت اور آدابِ شرع سے باہر نکلنا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو ''غض بصر'' یعنی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا تھا کیونکہ یہی نگاہ ہی تو دل کی طرف کھلنے والا ایک راستہ ہے تا کہ

دل ان تمام شوائب اور خطرات سے سلامت ومحفوظ رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے لیے خالص رہے جن سے ہم ڈرتے رہتے ہیں۔

ان لوگوں کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جو کسی جھاڑی میں بے خبر بیٹھے ہوئے درندوں کی طرف آگے بڑھا ہو' جو اسے بالکل نہیں دیکھ رہے تھے' تو اس نے انھیں بھڑکایا اور اشتعال دلایا' ان سے لڑنے اور مقابلہ کرنے لگا' اب اگر وہ ہلاک نہ بھی ہو تو زخموں سے کسی طور بھی سلامت نہیں رہ سکتا!!

نفس کا مجاہدہ

ان لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جن کا مجاہدہ ایک مدت تک تو قوی اور مضبوط رہا' پھر کمزور پڑ گیا' اس کے نفوس نے انہیں بے حیائی کی طرف بلایا' تب وہ بے ریش نوخیز لڑکوں کی صحبت سے باز آ گئے۔

ابوحمزہ کہتے ہیں: میں نے محمد بن علاء دمشقی سے پوچھا جو کہ صوفیاء کے سردار تھے اور میں نے ایک عرصے تک انہیں ایک خوش شکل لڑکے کے ساتھ چلتا پھرتا دیکھا تھا' کہ آپ نے اس خوبرو نوجوان کو کیوں چھوڑ دیا ہے جسے میں آپ کے ہمراہ دیکھا کرتا تھا اور آپ اس کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے اور اس کی طرف مائل رہا کرتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میں نے اسے ناراضی کی بنا پر چھوڑا ہے اور نہ ہی کسی اکتاہٹ کی وجہ سے۔ میں نے پھر عرض کی: تب آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا: میں نے اپنے دل کو دیکھا کہ وہ مجھے اس لڑکے سے خلوت خانے میں' جب وہ میرے قریب ہوتا تھا' ایک وہ کام کرنے کی دعوت دیتا تھا جسے اگر میں کر گزرتا' تو میں اللہ تعالیٰ کی نگاہ سے گر جاتا' بس اس لیے میں نے اسے چھوڑ دیا ہے' اللہ تعالیٰ کے حضور سرخرو رہنے کے لیے اور اپنے نفس کو فتنوں کے چنگل سے بچانے کے لیے۔

توبہ اور لمبے لمبے گریے

ان میں ایسے بھی ہوئے ہیں جنھوں نے اپنی بے لگام نظروں سے توبہ کر لی ہے اور اس پر لمبے لمبے گریے وزاریاں کی ہیں۔

خیر النساج کہتے ہیں: میں امیہ بن صامت صوفی کے ساتھ تھا' جونہی اس نے ایک

لڑکے کو دیکھا' اس طرح پڑھنے لگا:

﴿ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴾

(الحدید : ۵۷/ ۴)

''اور جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے' اور جو تم کر رہے ہو اللہ دیکھ رہا ہے''

پھر وہ یوں کہنے لگا: اللہ تعالیٰ کے جیل خانے سے بھاگ کر کہاں جا سکتے ہو' حالانکہ اس نے تو سخت گیر اور زور آور فرشتوں سے اسے محفوظ بنایا ہوا ہے' اللہ برکتوں والا ہے' اس لڑکے کی طرف دیکھنے سے اس نے کس عظیم امتحان میں مجھے جانچا ہے۔ میرا اس کی طرف دیکھنا بس اس آگ کے مشابہ ہے جو کسی ہوا چلنے والے دن کسی سرکنڈے کو جا لگے پھر وہ کسی چیز کو باقی نہ چھوڑے۔

پھر اس نے کہا: میری آنکھوں نے میرے دل پر جو آفت ڈالی ہے' اس سے میں اللہ تعالیٰ سے معافی کا سوال کرتا ہوں' مجھے تو اس امر کا اندیشہ ہے کہ اس جرم سے چھٹکارا اور اس کے گناہ سے خلاصی نہیں پا سکوں گا' اگرچہ قیامت کے دن ستر صدیقوں کے اعمال لے کر جاؤں۔

پھر وہ اتنا رویا کہ قریب تھا کہ اپنے آپ کو ہلاک ہی کر ڈالے' میں نے اس کے رونے کے دوران یہ بھی سنا: اے آنکھ! میں تجھے بلاؤں کی طرف دیکھنے سے ہٹا کر گریہ و زاری کرنے میں مصروف و مشغول کیے رکھوں گا۔

شدت محبت سے امراض

ان میں سے ایسے بھی ہیں جن میں شدتِ محبت کے باعث امراض نے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں:

ابوحمزہ صوفی کہتے ہیں: عبداللہ بن موسیٰ صوفیاء کے سرداروں اور سرکردہ لوگوں میں سے تھا' اس نے ایک روز کسی بازار میں ایک حسین و جمیل لڑکا دیکھا' جس سے وہ مبتلائے آفت ہو گیا' قریب تھا کہ عشق و فریفتگی کے باعث اس کی عقل ہی زائل ہو جاتی۔ اس کے راستے میں اسے آتے اور جاتے ہوئے دیکھنے کے لیے کھڑا رہتا' اس کی وجہ سے اس کی بلا

دراز ہوتی گئی' بالآخر مرض اور لاغری نے اسے حرکت تک کرنے سے عاجز بنا دیا' وہ ایک قدم چلنے کی بھی ہمت نہیں رکھتا۔ ایک دن میں اس کی تیمارداری کی غرض سے اس کے ہاں آیا تو میں نے پوچھا: اے ابومحمد! آپ کا قصہ (سبب مرض) کیا ہے؟ اور یہ جو میں آپ کو مرض میں لاحق دیکھ رہا ہوں' یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: یہ چند امور ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے میرا امتحان لیا ہے' اور میں صبر نہ کر سکا' اور نہ ہی ان کی میرے پاس طاقت تھی۔ کتنے ہی گناہ ایسے ہوتے ہیں جنھیں انسان صغیرہ سمجھتا ہے جبکہ وہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کبیرہ گناہ سے بھی عظیم تر ہوتے ہیں بلکہ حق بنتا ہے کہ جو شخص نظرِ حرام کے درپے ہو اس کی امراض لمبی ہوتی جائیں' یہ کہہ کر وہ زار و قطار رونے لگا' میں نے پوچھا: آپ کو کس چیز نے رلایا ہے؟ بولا: مجھے اس بات کا خطرہ ہے کہ مجھے آتشِ جہنم میں لمبی دیر تک رکھا جائے گا۔ میں یہ باتیں سننے کے بعد وہاں سے پلٹ آیا اور جو میں نے اس کی پریشان حالی دیکھی' اس پر مجھے ترس آ رہا تھا۔

ابوحمزہ نے کہا ہے: محمد بن عبداللہ بن اشعث دمشقی نے جو کہ اللہ کے نیکوکار اور بہترین بندوں سے تھا ایک حسین و خوبرو لڑکے کو دیکھا' اس پر غشی طاری ہوگئی' اسے اٹھا کر اس کے گھر پہنچایا گیا' بیماری نے اسے آ دبوچا' حتیٰ کہ وہ دونوں ٹانگوں سے بھی رہ گیا' عرصہ دراز تک وہ ان پر کھڑا بھی نہ ہو سکا' ہم اس کی عیادت و خبر گیری کے لیے اس کے ہاں آتے جاتے تھے۔ ہم اس کے حال اور اس کے معاملے کے متعلق استفسار کیا کرتے' لیکن وہ اپنے قصے اور اپنی سبب مرض کے بارے میں کوئی خاص بات نہیں بتاتا تھا' جبکہ لوگ اس کے ''ماجرۂ نگاہ'' کو بیان کیا کرتے تھے۔

یہ بات اس لڑکے تک بھی پہنچ گئی اور ایک روز وہ لڑکا بھی اس کی بیمار پرسی کے لیے وہاں چلا آیا' اسے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر مسرت آ گئی' جسم میں کچھ حرکت آئی' اس کے چہرے کو دیکھ کر کچھ مسکرایا اور اس کے دیکھنے سے خوشی کے کچھ آثار نمایاں ہوئے' پھر وہ لڑکا مسلسل اس کی عیادت کرنے آتا رہا' حتیٰ کہ موصوف اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے لگا' اور اپنی پہلی حالت پر پلٹ آیا۔ لڑکے نے ایک دن اس سے اپنے گھر ساتھ چلنے کی درخواست

کی، اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ میں نے شیخ سے دریافت کیا: اس پر عمل کرنے سے آپ کون سی چیز مانع ہے۔ وہ بولا: میں فتنے اور آزمائشوں سے محفوظ نہیں ہوں، مجھے اس بات کا خطرہ ہے کہ کہیں شیطان کی وجہ سے متفقت میں نہ پڑ جاؤں اور میرے اور اس کے درمیان کسی معصیت کا ظہور ہو جائے اور میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤں!

بدکاری کے خوف سے خودکشی کرنا

ان میں کچھ ایسے بھی ہوئے ہیں جن کے نفوس نے بدکاری ولواطت کی طرف ارادہ کیا، لیکن انہوں نے خودکشی کر لی۔

حسین بن محمد دامغانی کہتے ہیں: بلاد فارس میں ایک مشہور و معروف صوفی رہتا تھا، وہ ایک لڑکے کے عشق میں مبتلا ہو گیا، وہ نفس کی دعوت گناہ پر اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکا، پھر اللہ کے خوف کی وجہ سے اسے اپنے فعل پر ندامت ہوئی، اس کا گھر ایک بلند جگہ پر واقع تھا، گھر کے عقب میں ایک دریا بہتا تھا، تو جب اسے ندامت محسوس ہوئی تو وہ گھر کی چھت پر چڑھ گیا، اپنے آپ کو دریا میں گرایا اور ساتھ اس فرمان ایزدی کی تلاوت کی:

﴿ فَتُوبُوٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾ (البقرہ: ۲/ ۵۴)

''اب تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو، اپنے کو آپس میں قتل کرو''

چنانچہ وہ دریا میں ڈوب مرا۔

غور فرمائیں، ابلیس نے درجہ بدرجہ اس بے چارے کو بے ریش نوجوان کی طرف دیکھنے سے مسلسل دیکھتے رہنے کی طرف، پھر اس کے دل میں محبت کو جاگزین کرنے تک، پھر بے حیائی کے عمل پر ابھارنے تک کس طرح پہنچایا، پھر جب اس نے اپنے آپ کو بچائے رکھنا چاہا، تو اس کی لاعلمی اور جہالت کے سبب اسے خودکشی کرنے کو اچھا باور کرایا، چنانچہ اس نے خودکشی کر لی، شاید اس نے گناہ کا ارادہ ہی کیا ہو، پختہ عزم نہ کیا ہو، اور اس کا ارادۂ گناہ تو نبی کریم ﷺ کے فرمان کے بموجب قابل معافی تھا:

((عُفِيَ لِأُمَّتِي عَمَّا حَدَّثَتْ بِهٖ نُفُوْسُهَا اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِي عَنْ اُمَّتِي

مَا وَسْوَسَتْ بِهِ صُدُورُهَا مَالَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَكَلَّمْ))[1]

''اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں کو معاف کر دیا ہے جب تک وہ انھیں عمل یا زبان پر نہ لائیں''۔

پھر جب اس نے اپنے خیال وارادے پر ندامت بھی کر لی تھی' اور ندامت بھی توبہ ہی ہے۔[2]

لیکن ابلیس نے اسے مکمل ندامت کے لیے یہ سمجھایا کہ خود کو قتل کر ڈالے جس طرح کہ بنی اسرائیل نے کیا تھا' تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان گرامی کے ساتھ ایسا کرنے کا حکم دیا تھا:

﴿ فَاقْتُلُوٓا أَنفُسَكُمْ ﴾ (البقرہ : ۲/ ۵۴)

''اپنے کو آپس میں قتل کرو''

جبکہ ہمیں اس فرمانِ اقدس کے ساتھ اس فعل سے روک دیا گیا ہے:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوٓا أَنفُسَكُمْ ﴾ (النساء : ۴/ ۲۹)

''اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو''

چنانچہ اس نے ایک بہت بڑے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کر لیا۔

اور صحیحین میں نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمانِ گرامی بھی موجود ہے:

((مَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ' فَهُوَ يَتَرَدَّى فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا

---

[1] صحیح بخاری' العتق' باب الخطاء و النسیان فی العتاقة والطلاق' حدیث : ۲۵۲۸۔ صحیح مسلم' الایمان' باب تجاوز اللہ عن حدیث النفس و الخواطر بالقلب' حدیث : ۱۲۷۔

میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ روایت ہے:

((إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِأُمَّتِي عَمَّا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهَا))

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دلوں میں آنے والے خیالات درگزر فرما دیے ہیں''

[2] اور یہ کلام نبی کریم ﷺ سے مرفوعاً بھی صحیح ثابت ہے۔ سنن ابن ماجہ' الزھد' باب ذکر التوبة' حدیث : ۴۲۵۲۔

مُّخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا))[1]

''میں نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا کر خودکشی کر لی' تو وہ آتش جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ گرتا ہی رہے گا''

اور ان جماعتِ صوفیاء میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ جنھیں ان کے محبوب سے علیحدہ کر دیا گیا تو انھوں نے اپنے محبوب لڑکے کو قتل ہی کر ڈالا۔

بعض صوفیاء کے متعلق مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ وہ ہمارے ہاں بغداد کے ایک صوفی خانے میں تھا' اور جس گھر میں وہ رہا کرتا تھا وہاں ایک چھوٹا بچہ بھی تھا' لوگوں نے اسے برا بھلا کہا' اور ان دونوں میں جدائی اور تفریق ڈال دی' صوفی موقعہ پا کر چھری لے کر اس بچے تک پہنچا اور اسے قتل کر ڈالا' پھر اس کے پاس بیٹھ کر رونے لگا' صوفی خانے والے لوگ آ گئے' انھوں نے اسے اس حال میں دیکھا اور اس کے متعلق دریافت کیا' تو اس نے بچے کو قتل کرنے کا اقرار کر لیا' چنانچہ انھوں نے اسے حوالۂ پولیس کر دیا' وہاں بھی اس نے اقبالِ جرم کریں' بچے کا باپ روتا ہوا آیا اور صوفی بھی روتا جا رہا تھا' اور وہ اسے یوں کہنے لگا: تجھے اللہ تعالیٰ کا واسطہ ہے' مجھ سے تو قصاص ضرور لے لے' اس نے کہا: اب تو میں نے تجھے معاف کر دیا ہے' صوفی بچے کی قبر پر آیا اور اس پر رونے لگا' پھر عمر بھر بچے کی طرف سے حج کرتا رہا اور اس کے نام پر ایصالِ ثواب کرتا رہا۔[2]

فتنہ کی قربت

اور ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو فتنے کے قریب پہنچے اور پھر اس میں گر پڑے' صبر اور مجاہدوں کے دعوے ان کے کچھ کام نہ آئے۔

---

[1] صحیح بخاری' الطب' باب شرب السم والدواء بہ' حدیث: ۵۷۷۸۔
صحیح مسلم' الایمان' باب بیان غلظ تحریم قتل الانسان نفسہ' حدیث: ۱۰۹۔

[2] اور یہ بھی راہِ حق اور مسئلہ صواب کے الٹ ہے' کیونکہ ثواب تو صرف فرع کا اپنے اصل کو یعنی اولاد کا اپنے آباء و اجداد کو پہنچتا ہے' جیسے کہ اس کی تحقیق آپ ہمارے استاد علامہ شیخ البانی کی کتاب ''احکام الجنائز'' ص ۱۷۳۔۱۷۶ میں دیکھ سکتے ہیں۔

ادریس بن ادریس بیان کرتے ہیں: میں مصر میں صوفیاء کی ایک جماعت کے ہاں حاضر ہوا' ان کے پاس ایک بے ریش نوخیز لڑکا تھا جو ان کے لیے گانے گایا کرتا تھا۔ ان میں سے ایک صاحب پر اس لڑکے کا پیار غالب آ گیا لیکن اسے سمجھ نہ آتی تھی' کیا کرے۔ اس نے کہا: ارے! یوں کہہ: لا الہ الا اللہ' لڑکے نے کہا: لا الہ الا اللہ' پھر اس نے کہا: میں اس منہ کو بوسہ دیتا ہوں جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہے!!!

۶ جن کا بے ریش نوخیزوں سے صحبت رکھنے کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا' ہوتا صرف یوں ہے کہ کوئی بچہ توبہ کرتا ہے اور زہد اختیار کرتا ہے اور از راہ عقیدت ہی ان کے پاس رہتا ہے' لیکن ابلیس ان پر اپنا دامِ فریب پھینکتا ہے' اور یوں کہتا ہے: اسے خیر سے محروم نہ رکھو۔

پھر ان کی نگاہیں بار بار ان کی طرف اٹھتی ہیں جو بلا قصد ہی رہتی ہیں' رفتہ رفتہ دل میں فتنے کو جنم دیتی ہیں حتیٰ کہ شیطان ان سے ممکنہ حد تک اپنی مراد پا لیتا ہے' اور بعض اوقات انھیں اپنے دینی مقام و مرتبے پر بڑا وثوق ہوتا ہے' شیطان اس طرح ان پر قابو پا لیتا ہے اور نتیجتاً انھیں بہت بڑے گناہ تک جا پھینکتا ہے۔

ان کی غلطی یہ ہے کہ اپنے آپ کو فتنوں کے سامنے پیش کیے رکھتے ہیں اور ایسے افراد کی صحبت اختیار کرتے ہیں جن کی ہم نشینی اور صحبت میں رہنا فتنے سے خالی نہیں ہے۔

اور اس قسم کے واقعات ہر دور میں صوفیاء اور دوسرے لوگوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں!!

۷ جو جانتے ہیں کہ بے ریش نوخیزوں کی صحبت میں رہنا اور ان کی طرف دیکھتے رہنا قطعی ناجائز ہے لیکن وہ اس بات پر قائم نہیں رہ پاتے۔

رازی کہتے ہیں: یوسف بن حسین نے کہا ہے: مجھے جو کچھ بھی کرتے ہوئے دیکھتے ہو' تم بھی کرتے جاؤ سوائے نوخیزوں کی صحبت اختیار کرنے کے' کیونکہ یہ سب فتنوں میں سے بڑا فتنہ ہے۔ میں نے بذاتِ خود اپنے پروردگار سے صد بار سے زائد وعدے کیے تھے کہ میں کسی نوخیز بے ریش کے پاس نہیں بیٹھوں گا' لیکن خوبرو رخساروں نے' خوبصورت قدوقامت نے اور سرمگیں آنکھوں نے میری قسم کو ہر بار توڑ دیا ہے' اللہ تعالیٰ مجھ سے ان کی صحبت میں رہنے کی

وجہ سے کوئی پرستش نہ کرے گا (کیونکہ میں نے کوئی عمل غلط نہیں کیا)

صریع الغوانی[1] نے اس معنی و مفہوم کو بیان کرتے ہوئے یہ اشعار کہے ہیں:

اِنَّ وَرْدَ الْخُدُوْدِ وَ الْحَدَقِ النُّجر

مل وَ مَا فِي الثُّغُوْرِ مِنْ أُقْحُوَانِ

وَ اعوِ جَاجَ الْأَصْدَاغِ فِيْ ظَاهِرِ الْخَدُ

وَ مَا فِي الصُّدُوْرِ مِنْ رُمَّانِ

تَرَكَتْنِيْ بَيْنَ الْغَوَانِيْ صَرِيْعًا

فَلِهٰذَا اُدْعٰى صَرِيْعَ الْغَوَانِيْ

"یقیناً رخساروں کے گلابی پن' وسیع و کشادہ آنکھوں' اور گل بابونہ کی مثل دانتوں' اور رخساروں پر گرتی خمیدہ زلفوں اور چھاتی پر موجود اناروں نے مجھے ایسی حسین و جمیل پیکروں میں لا پچھاڑا ہے' اس لیے تو مجھے "صریع الغوانی" (حسین جمیل پیکروں دوشیزاؤں کا پچھاڑا ہوا) کہا جاتا ہے۔"

اس آدمی نے اپنے اس عیب کو جس پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈالا ہوا تھا' بذات خود ہی بیان کر کے اپنی ذات کو رسوا کر ڈالا ہے' اس نے خود ہی خبر دی ہے کہ اس نے جب کبھی بھی ایسے فتنے کو دیکھا ہے' اس نے توبہ کو توڑ ڈالا ہے' کدھر گئیں صوفیاء کی عزیمتیں اور بلند بانگ دعوے کہ وہ ایسی مشقتوں کو برداشت کرنے اور ایسے مشکل مراحل کو بخیر و خوبی طے کرنے میں نفس پر قابو رکھتے ہیں؟!

پھر اس نے اپنی جہالت کے سبب یہ گمان کر رکھا ہے کہ معصیت تو صرف "فحش حرکت" کا نام ہے' اگر کچھ علم کی سمجھ رکھتا تو یہ بھی جان لیتا کہ ان کی صحبت رکھنا اور ان کی طرف دیکھنا بھی تو معصیت ہی ہے۔

اس جہالت کو دیکھئے' اپنے اصحاب و ارباب سے کیسا برتاؤ اور رویہ رکھتا ہے؟!

[1] اس سے مراد مسلم بن ولید انصاری ہے' اس کا ترجمہ سیر اعلام النبلاء ۸/۳۲۳ میں موجود ہے۔

علم کے فوائد اور نظر کے خطرات

ہر شخص جس سے علم دور رہے گا' دیوانہ اور خبطی ہی رہے گا' اور اگر اسے علم تو حاصل ہو جائے لیکن اس پر عمل نہ کرے' تو یہ اس سے بھی بڑی دیوانگی اور خبطی پن ہے' اور جو اللہ تعالیٰ کے فرمان اقدس میں موجود شرعی ادب کو زیر عمل لائے گا:

﴿ قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ ﴾ (النور: ۲۴/۳۰)

''مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں''

تو وہ ابتدائے امر ہی میں سلامت رہے گا کہ جس کے انجام امر پر معاملے کی صعوبتیں درپیش آتی ہیں۔

حالانکہ شریعت میں ایسے بے ریش نوخیز لڑکوں کے پاس بیٹھنے کی نہی وارد ہے' اور علمائے کرام نے اس کا حکم دیا ہے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: کسی عالم دین کے پاس کسی خطرناک درندے کے آنے سے مجھے اتنا خطرہ نہیں لگتا جتنا کسی بے ریش نوخیز لڑکے کے آنے سے لگتا ہے۔

حسن بن ذکوان نے کہا ہے: مال داروں کے بچوں کے ساتھ مت بیٹھا کرو' کیونکہ ان کی صورتیں عورتوں کی طرح ہوتی ہیں اور وہ کنواری دوشیزاؤں سے بھی زیادہ فتنہ خیز ہوتے ہیں۔

ابو سائب کہتے ہیں: میں ایک عبادت گزار کے لیے ستر دوشیزاؤں سے زیادہ ایک امرد لڑکے کو خطرناک سمجھتا ہوں۔

ابو علی روذباری کہتے ہیں: میں نے جنید کو یہ کہتے ہوئے سنا: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

کے پاس ایک شخص حاضر خدمت ہوا' اس کے ہمراہ ایک خوبرو لڑکا تھا' آپ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ اس نے جواب دیا: میرا بیٹا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ فرمایا: اسے دوبارہ اپنے ہمراہ نہ لانا' تو جس وقت وہ کھڑا ہوا' اسے کہا گیا: اللہ تعالیٰ شیخ کو مضبوطی عطا فرمائے' بلاشبہ یہ آدمی پاک دامن اور پرہیز گار ہے اور اس کا بیٹا اس سے بھی افضل تر ہے۔

تب امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: جس بات کا ہم نے ارادہ کیا ہے' ان دونوں کا تقویٰ اور پاک دامنی اس سے منع کرنے والا نہیں' اس طرز عمل پر ہم نے اپنے شیوخ کو پایا ہے اور اسی طرز فکر کی انھوں نے اپنے اسلاف سے ہمیں خبر دی ہے۔

بشر بن حارث بیان کرتے ہیں: ان بے ریش نوخیز لڑکوں سے دامن بچائے رکھو۔

ابو منصور عبدالقادر بن طاہر کہتے ہیں: جو شخص خوبرو نوخیز لڑکوں سے صحبت اور ہم نشینی رکھے گا' وہ نئے نئے گناہوں میں جا پڑے گا۔

ابوعبدالرحمٰن سلمی کہتے ہیں: مظفر قرمیسینی نے کہا ہے: جو شخص سلامتیٔ دل اور خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ نوخیز و بے ریش لڑکوں سے ہم نشینی رکھتا ہے تو وہ اسے بلاؤں اور مصیبتوں کی طرف لے جائے گا تو جو سلامتی قلب کے بغیر ان سے ہم نشینی رکھے گا اس کا کیا حال ہو گا!؟

بے ریش لڑکوں سے اعراض

سلف صالحین تو بے ریش نوخیز لڑکوں سے اعراض اور روگردانی کرنے میں مبالغہ آمیزی کی حد تک کوشش کیا کرتے تھے۔

عطاء بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ سفیان ثوری کسی نوخیز بے ریش کو اپنے پاس بیٹھنے نہیں دیا کرتے تھے۔

یحییٰ بن معین بیان کرتے ہیں: کسی امرد نے میری صحبت میں بیٹھنے پر کبھی طمع نہیں کیا۔

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: سفیان ثوری ایک حمام میں داخل ہوئے' پھر پیچھے ایک خوبصورت لڑکا بھی آ داخل ہوا' تو آپ نے فرمایا: اسے نکال دو' اسے نکال دو' کیونکہ

میں عورت کے ہمراہ ایک شیطان اور خوبرو بچے کے ہمراہ دس سے زیادہ شیطان دیکھتا ہوں۔

ابوعلی روذباری کہتے ہیں: ابوعباس احمد المؤدب نے مجھ سے کہا: اے ابوعلی! ہمارے دور کے صوفیاء نے بے ریش نوخیز لڑکوں سے انس ومحبت رکھنا کہاں سے اخذ کیا ہے؟ میں نے عرض کی: جناب محترم! آپ ہی ان کے متعلق بہتر جانتے ہیں' حالانکہ بہت سے معاملات میں سلامتی ان کے ساتھ رہتی ہے' وہ بولے: بہت غلط بات' ہم نے ان سے جو قوی ایمان والے تھے' انھیں بچشم خود دیکھا ہے کہ جب کسی بے ریش نوجوان کو آتے دیکھتے تھے تو اس سے یوں بھاگتے تھے جیسے میدان جنگ سے بھاگنا ہوتا ہے اور یہ صرف ان اوقات کے مطابق ہے جن میں لوگوں کے حالات غالب آ جاتے ہیں تو یہ حالات طبیعتوں کو تصرف کرنے سے باز رکھتے ہیں' کس درجہ خطرہ ہے اور کتنی عظیم غلطی ہے!

نوخیزوں کی صحبت

نوخیزوں سے صحبت رکھنا ابلیس کے وہ مضبوط ترین جال ہیں جن سے وہ صوفیاء کا شکار کرتا ہے۔

ابوبکر رازی بیان کرتے ہیں' یوسف بن حسین نے کہا: میں نے خلقت کی آفات کو دیکھا اور پہچانا ہے کہ یہ کہاں کہاں سے آتی ہیں' تو میں نے صوفیاء کی آفتوں کو نوخیزوں کو صحبت میں بٹھانے' جنس مقابل کے ساتھ رہنے اور مستورات سے شفقت ونرمی برتنے میں دیکھا ہے۔

نگاہ اٹھانے کی سزا

نوخیز بے ریش لڑکوں کی جانب نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی سزا کے بیان میں:

ابوعبداللہ بن جلاء کہتے ہیں: میں ایک نصرانی بچے کی جانب دیکھا کرتا تھا' ایک دفعہ ابوعبداللہ بلخی میرے پاس سے گزرے تو اس نے دریافت کیا: آپ ادھر کس مقصد کے لیے کھڑے ہیں' میں نے عرض کیا: چچا جان! کیا آپ خیال نہیں کر رہے ہے کہ ایسی صورت کس

طرح عذابِ جہنم سے دوچار ہوگی۔ اس نے میرے کندھوں کے درمیان ہاتھ مارا اور فرمایا: تو اس کی سزا ضرور بھگتے گا اگرچہ کچھ مدت کے بعد ہی سہی۔ کہتے ہیں: میں نے اس کی سزا اور عقوبت تقریباً چالیس برس بعد پائی' وہ یہ کہ مجھے قرآن کریم کا حفظ بھلا دیا گیا۔

اس باب میں میں نے کافی بحث کر دی ہے[1] کیونکہ اکثر لوگوں کے ہاں یہ آفت و مصیبت عام ہے' البتہ جو آدمی اس ضمن میں زیادہ باتیں پڑھنا چاہے اور نگاہ کو بے لگام استعمال کرنے سے متعلق اور اسبابِ محبت کے تمام طریقوں سے واقفیت حاصل کرنا چاہے' اسے ہماری کتاب ''ذم الھویٰ'' کا مطالعہ کرنا چاہیے' اس میں ان مقاصد کے لیے پورا پورا مواد جمع شدہ ہے۔

[1] مصنف نے یہاں بہت سے واقعات اور بہت سی حکایات نقل کی ہیں جنھیں میں نے حذف کر دیا ہے اور فقط ان میں سے اہم ترین کو ہی باقی رہنے دیا ہے۔

دعوئ توکل اور اموال و اسباب سے کنارہ کشی

ذوالنون مصری فرماتے ہیں: میں نے کئی برس سفر کیا لیکن فقط ایک بار ہی مجھے صحیح توکل ملا ہے' میں سمندری سفر کر رہا تھا کہ اچانک کشتی ٹوٹ گئی' اور میں کشتی کے تختوں میں سے ایک تختے کے ساتھ چمٹ گیا' میرے دل نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے متعلق ڈوبنے کا فیصلہ کر رکھا ہے' تو یہ تختہ تجھے کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے' لہٰذا میں نے وہ تختہ بھی چھوڑ دیا' چنانچہ میں تیرتا ہوا ساحل پر آ لگا۔

محمد بیان کرتے ہیں: میں نے مسئلہ توکل کے بارے میں ابو یعقوب زیات سے سوال کیا ہے: اس نے اپنے پاس موجود ایک درہم کو نکال دیا' پھر مجھے جواب دیا' چنانچہ اس نے توکل کا حق ادا کر دیا' اور یوں فرمایا: مجھے حیا آ رہا تھا کہ میرے پاس کوئی چیز موجود ہو اور میں آپ کو توکل کا مفہوم سمجھاؤں!

قلت علم نے اس بکواس اور اول فول بکنے پر ابھارا ہے' اگر یہ لوگ توکل کی اہمیت کو جانتے ہوتے تو یقیناً یہ بھی جان لیتے کہ توکل اور اسباب کو اختیار کرنے کے درمیان کچھ بھی تضاد نہیں ہے' وہ یہ کہ توکل تو وکیل واحد پر دلی اعتماد رکھنے کا نام ہے اور یہ اسباب کو استعمال میں لاتے ہوئے جسم کو حرکت دینے کے برعکس بھی نہیں ہے اور نہ ہی مال کو جمع رکھنے کے الٹ ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا﴾

(النساء: ۴/۵)

''بے عقل لوگوں کو اپنا مال نہ دو جس مال کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری گزران کے قائم

رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے"

یعنی تمہارے بدنوں کو قائم رکھنے کا باعث و ذریعہ بنایا ہے۔

اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

((نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ مَعَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ))[1]

"صالح مرد کے پاس مال حلال کیا ہی خوب ہے"

اور یہ بھی فرمایا ہے:

((اِنَّكَ اَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ اَغْنِيَآءَ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَّتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ))[2]

"بلاشبہ تو اپنے وارثوں کو مال دار چھوڑ جائے اس سے بہتر ہے کہ تو انھیں لوگوں کے سامنے کشکول لیے پھرنے والے چھوڑ جائے"

اور جس ذات نے توکل اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اس ہی نے بچاؤ کا سامان رکھنے کا حکم دیا ہے' اور یوں فرمایا ہے:

﴿ خُذُوْا حِذْرَكُمْ ﴾ (النساء : ۴/ ۷۱)

"اپنے بچاؤ کا سامان لے لو"

اور یہ بھی فرمانِ اقدس ہے:

﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ ﴾ (الانفال : ۸/ ۶۰)

"تم ان کے مقابلے کے لیے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری کرو"

اور یہ فرمان گرامی بھی ہے:

﴿ فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا ﴾ (الدخان : ۴۴/ ۲۳)

---

[1] اسے امام احمد نے (۴/ ۱۹۷) میں اور بغوی نے (۲۴۹۵) میں سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے سند صحیح سے روایت کیا ہے۔

[2] صحیح بخاری' الوصایا' باب ان یترك ورثة اغنیاء خیر من ان یتکففو الناس' حدیث: ۲۷۴۲۔
صحیح مسلم' الوصیة' باب الوصیة بالثلث' حدیث : ۱۶۲۸۔

''ہم نے کہہ دیا کہ راتوں رات تو میرے بندوں کو لے کر نکل''

اور رسول اکرم ﷺ نے ہمیں خبر دی ہے کہ توکل بچاؤ کا سامان اختیار کرنے کے منافی نہیں ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک آدمی نبیٔ کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور اس نے اونٹنی کو مسجد کے دروازے کے پاس چھوڑ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق سوال کیا تو اس نے جواب دیا: میں نے اسے کھلا چھوڑ دیا ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرلیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَعْقِلْهَا وَ تَوَكَّلْ))[1]

''اسے باندھو اور توکل کرو''

---

[1] جامع ترمذی' صفة القيامة' باب ٦٠' حديث : ٢٥١٧۔ اور ابونعیم نے ''الحلیة'' ٨/ ٣٩٠ میں اور ابن ابی الدنیا نے التوکل' حدیث: ١١ میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔
اس کی سند میں ایک راوی ایسا ہے جسے صرف ابن حبان نے ثقہ کہا ہے' اور اسے ابن حبان نے ٢٥٤٠ میں' امام حاکم نے ٣/٦٦٣ میں اور قضاعی نے ٦٣٣ میں سیدنا عمرو ابن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔
''اسے طبرانی نے کئی طرق سے روایت کیا ہے' اور ان میں سے ایک طریق کے راوی صحیح کے راوی ہیں' ماسوائے یعقوب بن عبداللہ بن عمرو بن امیہ ضمری کے' اور وہ بھی ثقہ ہے''
لیکن بذات خود ہی (١٠/٢٩١) میں اس کے برعکس کہا ہے اور یوں کہا ہے:
''اور اس میں عمرو بن عبداللہ بن امیہ ضمری ہے اور وہ واہی ہے اور اسے میں نہیں جانتا''
اپنے کہے سے خود ہی منحرف ہو گئے ہیں۔
اور عراقی نے ''تخریج الاحیاء'' ٤/٢٧٩ میں یہ فرمایا ہے:
''اسے ابن خزیمہ نے ''التوکل'' میں روایت کیا ہے' اور طبرانی نے حدیث عمرو بن امیہ کو اسناد جید سے روایت کیا ہے۔
میں کہتا ہوں: یعقوب کو سوائے ابن حبان کے کسی نے ثقہ قرار نہیں دیا ہے۔ لیکن یہ روایت ان دونوں طرق سے ان شاء اللہ حسن درجہ کی ہے۔
تنبیہ: شیخ شعیب ارنووط نے ''الاحسان'' پر تعلیقات لکھتے ہوئے حدیث : ٧٣١ میں اسے امام بیہقی کی طرف منسوب کیا ہے کہ انھوں نے ''التوکل'' ص ١٢ میں ذکر کیا ہے۔
حالانکہ اس کتاب کی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ یہ ابن ابی الدنیا کی کتاب ہے۔ واللہ اعلم۔

سفیان بن عیینہ نے فرمایا ہے: توکل کی تفسیر یہ ہے کہ ہر اس چیز پر راضی رہے جو اس کے ساتھ ہو رہا ہے۔

ابن عقیل نے کہا ہے: بعض لوگوں کا گمان ہے کہ احتیاطی تدابیر اور سامانِ بچاؤ کو اختیار کرنا توکل کے منافی اور متضاد ہے' بلکہ توکل تو نتائج سے بے پروا ہونے اور اپنے حفاظتی اقدامات کو ختم کرنے کا نام ہے اور علمائے کرام کے نزدیک یہ عاجزی اور کوتاہی ہے جس پر عقلاء کو زجر و توبیخ کرنی اور اسے عیب دار ٹھہرانا چاہیے۔

جبکہ اللہ تعالیٰ نے پورے بچاؤ' حفاظتی اقدامات اور حتی الوسع امور کو زیر استعمال لانے کے بعد توکل اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ﴾

(ال عمران : ۳/ ۱۵۹)

''اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں' پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسا کریں''

اگر احتیاط کا دامن تھامنا توکل کے لیے قابلِ اعتراض اور باعثِ نقص ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو یہ کہتے ہوئے حکم خاص عطا نہ کرتا:

﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ﴾ (النساء : ۴/ ۱۰۲)

''اور مشاورت تو اسی عمل کا نام ہے کہ ایسی آراء سے استفادہ کیا جائے جن سے دشمنوں سے حفاظت اور بچاؤ ممکن ہو''

احتیاط کے معاملے میں اس ہی پر اکتفا نہیں کیا کہ بس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آراء اور ان کے اجتہاد ہی پر بھروسا کر لیں بلکہ اس کے متعلق قطعی حکم بھی دیا ہے بلکہ اسے دورانِ نماز بھی' جو خاص ترین عبادات میں سے ایک ہے' اختیار کیے رکھنے کا حکم دیا ہے اور یوں فرمایا ہے:

﴿ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ ﴾

(النساء : ۴/ ۱۰۲)

''تو چاہیے کہ ان کی ایک جماعت تمہارے ساتھ اپنے ہتھیار لیے کھڑی ہو''

اور پھر اس کی وجہ اپنے اس فرمان گرامی میں بایں الفاظ بیان فرمائی:

﴿ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ﴾ (النساء : ۴/ ۱۰۲)

''کافر چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے بے خبر ہو جاؤ تو وہ تم پر اچانک دھاوا بول دیں''

اور جو آدمی جان لے کہ احتیاط اس طرزِ عمل کا نام ہے' پھر یہ نہیں کہا جائے گا: کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا اس چیز کو چھوڑ دینا ہے جو وہ جانتا ہے بلکہ توکل یہ ہے کہ جس کام میں اپنی وسعت اور طاقت نہیں ہے اسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

((أَعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ))

''اس کا گھٹنا باندھو' پھر توکل کرو'' [1]

اور اگر احتیاطی اقدامات کو ترک کرنے کا نام توکل ہوتا تو خیر الخلائق سیدنا محمد ﷺ سب سے بہترین عمل یعنی نماز میں اس کو اختیار کرتے' جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ تو ایسی صورت حال میں ہتھیار اٹھائے رکھنے کو واجب کہنے کی طرف گئے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم یوں ہے:

﴿ وَلْيَأْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْ ﴾ (النساء : ۴/ ۱۰۲)

''اور چاہیے کہ وہ اپنے ہتھیار پکڑے رہیں''

لہٰذا توکل احتیاطی اقدامات اور سامانِ بچاؤ کو منع نہیں کرتا' کیونکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے جب یہ کہا گیا تھا:

﴿ اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ ﴾ (القصص : ۲۸/ ۲۰)

''یہاں کے سردار تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں''

تو وہ وہاں سے چلے گئے تھے۔

اور ہمارے نبی اکرم ﷺ بھی اپنے برخلاف سازش کرنے والوں کے خوف سے مکہ سے باہر نکل گئے تھے اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غار کے سوراخوں کو بند کر کے آپ کو

[1] سنن ترمذی' صفة القيامة' باب حديث اعقلها وتوكل' حدیث: ۲۵۱۷۔

بچایا تھا[1]

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے بچاؤ اختیار کرنے کا پورا پورا حق ادا کیا' پھر توکل کو اختیار کیا' اور اللہ تعالیٰ نے خود احتیاط کے باب میں یہ فرمایا ہے:

﴿ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلَىٰٓ إِخْوَتِكَ ﴾ (یوسف : ۱۲/ ۵)

''اپنے اس خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا''

اور یہ بھی فرمایا ہے:

﴿ لَا تَدْخُلُوا۟ مِنۢ بَابٍ وَٰحِدٍ ﴾ (یوسف : ۱۲/ ۶۷)

''تم سب ایک دروازے سے نہ جانا''

اور یہ بھی فرمایا ہے:

﴿ فَٱمْشُوا۟ فِى مَنَاكِبِهَا ﴾ (الملک : ۶۷/ ۱۵)

''تاکہ تم اس کی راہوں میں چلتے پھرتے رہو''

اور یہ احتیاط اس لیے ہے کہ اپنے نفس سے ضرر کو دور رکھنے کے لیے حرکت کرنا اللہ تعالیٰ کی نعمت کو استعمال میں لانا ہے' جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ظاہر نعمتوں کا اظہار چاہتا ہے' اسی طرح وہ اپنی مخفی امانتوں (پوشیدہ انسانی توانائیوں) کا اظہار بھی چاہتا ہے' لہٰذا اس میں کوئی گنجائش نہیں ہے کہ اس کی مخفی امانتوں کو اس کی ظاہری عنایات ونوازشات پر بھروسا کرتے ہوئے معطل چھوڑے رکھا جائے' بلکہ اپنے پاس موجود چیزوں کو استعمال میں لائیں پھر جو اس کے پاس ہے وہ طلب کریں۔

اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے پرندوں اور چوپایوں کو اپنے اوپر وارد ہونے والے شر سے دفاع کے لیے اسلحہ اور تیار شدہ اوزار عطا فرما رکھے ہیں جیسے کہ پنجے' ناخن' نوکدار دانت (کچلی) ہے اور اللہ تعالیٰ نے آدمی کو عقل عطا فرمائی تاکہ ہتھیار اٹھانے میں اس کی رہنمائی کرے اور عمارتیں اور زرہیں بنا کر اپنی حفاظت کرنے کی رہنمائی فرمائی ہے۔

---

[1] سیرة ابن ہشام' ص : ۲۲۴' طبع جدید۔ دلائل النبوة للبیهقی ۲/ ۴۷۷ واسنادہ ضعیف

اور جو آدمی احتیاطی تدابیر ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو معطل رکھے تو بلاشبہ اس نے اس کی حکمت کو معطل کر دیا' یہ تو بالکل اس آدمی کی طرح ہے جو غذاؤں اور ادویات کو ترک کر دے' پھر بھوک یا مرض کے ساتھ ہی مر جائے۔

اس آدمی سے بڑھ کر کون احمق اور کم عقل ہو سکتا ہے جو عقل اور علم کا دعویدار تو ہو لیکن اپنے آپ کو بلاؤں کے سامنے اطاعت شعار بنا لے حالانکہ اس توکل کرنے والے کے اعضاء تو کسب و کمائی میں رہنے چاہئیں اور اس کا دل حق تعالیٰ کے سامنے پرسکون رہے' اس کو ملے یا نہ ملے' کیونکہ وہ تو فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر نگاہ رکھے بیٹھا ہے اور اپنی حکمت اور مصلحت کے ساتھ ہی تصرف کرتا ہے لہٰذا اس کا کسی چیز کو روک رکھنا بھی معنوی طور پر عطا ہی ہے۔

کتنے ہی عاجز و درماندہ لوگوں کے لیے ان کے نفوس نے ان کی عجز پسندی کو مزین اور خوشنما بنا دیا ہے کہ تفریط ہی توکل ہے' پھر وہ اسی دھوکے کے ساتھ اس شخص جیسا بن جائے جو ناعاقبت اندیشی کو شجاعت اور سستی کو دور اندیشی خیال کر بیٹھے۔

اگر کوئی کہنے والا یوں کہے: تقدیر لکھ جا چکی تھی' احتیاطی تدابیر کو اختیار کرنے کا کیا جواز ہے؟!

تو اسے کہا جائے گا: تقدیر لکھی ہونے کے باوجود اوامر الٰہی کے مطابق احتیاطی تدابیر کو کس طرح اختیار نہ کیا جائے؟! کیوں کہ جس ہستی نے تقدیر تحریر فرمائی ہے اسی ذات نے یہ حکم بھی دیا ہے اور فرمان باری تعالیٰ یوں ہے:

﴿ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ﴾ (النساء : ۴/ ۱۰۲)

توکل اور کسب و کمائی

اسباب کو ترک کیے رکھنے میں جو ان صوفیاء پر ابلیسی تلبیسات کا ہم نے قبل ازیں تذکرہ کیا ہے' اسی معنی میں یہ بات ہے کہ ابلیس نے ان میں سے ایک خلقِ کثیر پر یہ پرفریب چال چلی ہے کہ توکل کسب و کمائی کے منافی اور برعکس ہے۔

سہل بن عبد اللہ تستری کہتے ہیں: جس نے توکل میں زبانِ طعن دراز کی' بلاشبہ اس نے ایمان میں طعن کیا' اور جس نے کمائی و آمدنی میں زبان طعن دراز کی' بلاشبہ اس نے

سنت مبارکہ میں طعن کیا۔

محمد بن عبد العزیز کہتے ہیں: کسی آدمی نے ابوعبد اللہ بن سالم سے سوال کیا اور میں سن رہا تھا: کیا ہم کسب کو عبادت خیال کریں یا توکل کو؟

تو انھوں نے جواب دیا: توکل رسول اللہ ﷺ کا حال ہے' اور کسب رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔ جو شخص توکل کرنے سے ضعیف و کمزور ہے اس کے لیے کسب ہے' اور جو شخص درجۂ کمال یعنی آپ کے حال سے نیچے رہے اس کے لیے کسب مسنون رکھا گیا ہے' اور جو شخص توکل کی طاقت رکھے اس کے لیے کسب کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے سوائے کسب معاونت کے' یعنی وہ کسب ہی پر اعتماد نہ کرے' اور جو آدمی توکل کی اس حالت سے عاجز و کمزور رہے جو رسول اللہ ﷺ کا حال ہے اس کے لیے کسب میں طلب معاش مباح اور جائز ہے تاکہ وہ آپ کی سنت کے درجے سے بھی نیچے نہ رہ جائے جبکہ وہ آپ کے حال سے تو پہلے ہی گرا ہوا ہے!!

یوسف بن حسین کہتے ہیں: جب آپ کسی مرید کو دیکھیں کہ رخصتوں اور کسب مال ہی میں مشغول رہتا ہے' تو کچھ کمال کا کام اس سے رونما نہیں ہو سکتا۔

یہ اس قوم کی گفتگو ہے جو توکل کا معنی سمجھ ہی نہیں پائے' بلکہ انھوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ یہ ''ترک کسب'' کا اور ''عمل کرنے سے اعضاء کو معطل رکھنے'' کا نام ہے اور ہم قبل ازیں یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ توکل ''فعلِ قلب'' ہے جو اعضائے جسمانی کی حرکت و عمل کے منافی نہیں ہے۔

اور اگر تو کمائی کرنے والا متوکل نہیں ہے تو سارے کے سارے انبیائے کرام ہی متوکل نہیں تھے۔[1]

حالانکہ سیدنا ابوبکر صدیق' سیدنا عثمان' سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف' سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہم سبھی بزاز تھے' اور اسی طرح محمد بن سیرین اور میمون بن مہران بھی کپڑا فروش تھے۔

سیدنا زبیر بن عوام' سیدنا عمرو بن عاص' اور سیدنا عامر بن کریز رضی اللہ عنہم ریشم فروش تھے

[1] حالانکہ وہ سبھی اس الزام سے پاک ہیں۔

اور اسی طرح ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تیر درست اور سیدھے فرمایا کرتے تھے۔

سیدنا عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ درزی تھے۔

ان کے بعد تابعین عظام اور ان کے پیچھے آنے والے سبھی سلفی حضرات کمائی کیا کرتے تھے اور کسب کا حکم دیا کرتے تھے۔

عمرو بن میمون اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: جس وقت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مسندِ خلافت پر بٹھایا گیا تو انھوں نے آپ کا مشاہرہ دو ہزار مقرر کیا' تو آپ نے فرمایا: مجھے زیادہ دو' کیونکہ میرے بال بچے بھی ہیں اور تم نے مجھے عمل تجارت سے ادھر مشغول کر دیا ہے' چنانچہ انھوں نے پانچ سو کا مزید اضافہ کر دیا۔

اگر کوئی آدمی صوفیاء سے یہ بات کہے: میں اپنے اہل و عیال کو کہاں سے کھلاؤں؟ تو یقیناً وہ یہی جواب دیں گے: بلاشبہ تو نے شرک کیا!

اور اگر ان سے اس آدمی کی بابت استفسار کیا جائے جو تجارت کی غرض سے باہر جاتا ہے' تو وہ یہ جواب دیں گے' وہ نہ تو توکل رکھنے والا ہے اور نہ ہی یقین رکھنے والا ہے۔

ان کی یہ فضولیات توکل اور یقین کے معانی سے لاعلم اور جاہل ہونے کی بنا پر ہیں' اگر کوئی اپنے دروازے کو بند کر کے بیٹھا رہے اور پھر توکل کی بات کرے' تو یہ عمل ان کے دعویٰ کے قریب تر ہوتا' لیکن یہ لوگ تو دو امور کے درمیان ہیں:

یا تو زیادہ تر لوگوں سے لیتے ہیں' ان میں سے ایسے بھی ہیں جو دنیا کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور عوام الناس سے عطیات وصول کرتے ہیں' اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنے غلاموں کو روانہ کرتے ہیں جو کشکول لیے پھرتے ہیں اور ان کی خاطر جمع کر کے لاتے ہیں۔

یا پھر مساکین کی صورت میں خلوت خانوں میں بیٹھے رہتے ہیں اور یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ عبادت خانے تحائف و عطیات سے خالی نہیں رہ سکتے' جس طرح کہ دکان بیع و شرا اور خرید و فروخت کے معاملات سے خالی نہیں رہ سکتی۔

اور سعید بن مسیب فرمایا کرتے تھے: جو مسجد ہی سے چمٹ جائے اور عمل حرفت اور کاروبار چھوڑ دے اور جو کچھ اس کے پاس آئے قبول کرتا رہے تو یقیناً اس نے چمٹ کر سوال کیا۔

اسلاف کا حکم کسب

سلف صالحین ایسے کاموں میں پڑنے سے منع فرمایا کرتے اور کسب وعمل کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے فقراء کی جماعت! اپنے سروں کو اٹھاؤ کیونکہ راستہ بالکل صاف اور واضح ہے حسنات وخیرات میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاؤ اور مسلمانوں کے دست نگر بن کر مت رہو اور آپ جب کسی بچے کو دیکھتے جو آپ کو اچھا اور بھلا لگتا تو اس سے دریافت فرماتے: کیا کوئی شغل اور عمل حرفت کرتا ہے؟ اگر جواب ملتا کہ نہیں تو جواب دیتے: یہ شخص میری نظروں سے گر گیا ہے۔

ابو القاسم بن ختلی کہتے ہیں: میں نے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا اور عرض کی: آپ اس آدمی کے بارے میں کیا فرمائیں گے جو اپنے گھر یا اپنی مسجد میں بیٹھا رہے اور کہے: میں خود کوئی عمل اور پیشہ نہیں کروں گا بلکہ میرا رزق خود میرے ہاں آئے گا؟ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ ایسا آدمی ہے جو علم سے نابلد ہے۔ کیا تو نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان گرامی سماعت نہیں کیا:

((جَعَلَ اللّٰهُ رِزْقِيْ تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِيْ))[1]

''اللہ نے میرا رزق میرے نیزے کے سائے تلے رکھ دیا ہے''

ایک دوسری حدیث بھی ہے جس میں پرندوں کے علی الصبح خالی پیٹ جانے کا ذکر ہے[2]

---

[1] مسند احمد (۲/ ۵۰)۔ مصنف ابن ابی شیبه (۵/ ۳۱۳)

[2] مسند احمد (۱/ ۵۲)۔ سنن ترمذی' الزهد' باب فی التوکل علی الله' حدیث: ۲۳۴۴۔ سنن ابن ماجه' الزهد' باب التوکل والیقین' حدیث: ۴۱۶۴ عن عمر رضی اللہ عنہ' اس کے آپ سے اور طرق بھی مروی ہیں۔

اس حدیث مبارکہ میں ''خماصا'' کا لفظ وارد ہے جس کا معنی بوجہ بھوک پیٹوں کا بالکل کمزور ہونا مراد ہے۔

تو اس میں نبی اکرم ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ صبح دم خالی پیٹ طلبِ رزق میں پرواز کرتے ہوئے نکل جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں۔

﴿ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ﴾ (المزمل : ۷۳/ ۲۰)

''بعض دوسرے زمین میں چل پھر کر اللہ تعالیٰ کا فضل یعنی روزی کی تلاش کریں گے۔''

اور یوں بھی فرمایا ہے:

﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ (البقرہ : ۲/ ۱۹۸)

''تم پر اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے''

اور اصحاب رسول ﷺ تو بر و بحر میں تجارت کیا کرتے تھے اور اپنے کھجوروں کے باغات میں کام کیا کرتے تھے۔ ہمارے لیے ان حضرات میں بہترین نمونہ ہے۔

احمد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے آپ سے پوچھا: میں توکل کرتے ہوئے حج کا ارادہ رکھتا ہوں' تو آپ نے اسے جواب دیا تھا' کہ پھر بغیر قافلے کے چلے جاؤ' اس نے کہا: نہیں' تو فرمایا: اس طرح تو تو نے لوگوں کی تھیلیوں پر توکل کر لیا!

ابوبکر مروزی کہتے ہیں: میں نے ابوعبداللہ سے کہا: یہ توکل کرنے والا طبقہ کہتا ہے ہم ادھر بیٹھے رہیں گے اور ہمارا رزق تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے' آپ نے فرمایا تھا: یہ بالکل ردی بات ہے' کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہوا ہے:

﴿ اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ﴾ (الجمعة : ۶۲/ ۹)

''جمعہ کے دن نماز کی اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف جلدی آ جایا کرو اور خرید و فروخت چھوڑ دو''

پھر فرمایا: جب کوئی آدمی یوں کہے: میں کوئی کام نہیں کروں گا' پھر اس کے پاس کوئی چیز لائی جائے جو کمائی گئی ہو اور اس پر عمل کیا گیا ہو! تو وہ اس چیز کو کسی دوسرے سے کیوں

قبول کرتا ہے؟!

صالح بن احمد نے کہا ہے: میری موجودگی میں میرے ابا جان سے ایسی قوم کے متعلق سوال ہوا تھا جو بالکل کوئی پیشہ اور عمل نہیں کرتے' اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اہل توکل ہیں' آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا: یہ بدعتی لوگ ہیں۔

ابن عقیل نے کہا ہے: اسباب کو اختیار کرنا توکل میں کوئی قدغن نہیں لگاتا' کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام کے رتبہ سے بالاتر کسی رتبے کو چاہنا' دین میں نقص اور بربادی ہے۔

اور جس وقت سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا گیا تھا:

﴿ إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ ﴾ (القصص : ۲۸/ ۲۰)

''یہاں کے سردار تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں''

تو وہ چل پڑے' پھر جس وقت آپ کو بھوک لگی اور اپنے نفس کو پاک رکھنے کی حاجت ہوئی' تو آپ نے آٹھ برس تک اپنے نفس کو مزدوری میں لگائے رکھا۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا ﴾ (الملک : ۶۷/ ۱۵)

''تاکہ تم اس کی راہوں میں چلتے پھرتے رہو''

کیونکہ حرکت کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت کو استعمال میں لانا ہے اور اس نعمت سے مراد اعضائے جسمانی ہیں' لہٰذا جو تیرے پاس ہے اسے استعمال میں لا' پھر جو اللہ کے پاس ہے اس کی طلب کر۔

بعض اوقات انسان اپنے رب سے مانگتا ہے اور اپنے ذخیرہ شدہ اموال کو بھول جاتا ہے' پھر جب وہ اپنے مطلوبہ مقاصد کے ملنے میں کچھ تاخیر پاتا ہے تو ناراض ہو جاتا ہے' آپ بعض لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ زمینوں جائیدادوں کے مالک ہوتے ہیں لیکن جب خوراک کی تنگی آ جاتی ہے اور اس پر قرضہ بڑھ جاتا ہے' تو اسے یہ کہا جاتا ہے: اگر آپ اپنی کچھ زمین فروخت کر دیں تو جواب دیتا ہے: میں اپنی جائیداد میں کمی کیوں کروں اور میں لوگوں میں اپنے جاہ و مرتبہ کو ہیچ کیوں بناؤں؟!

اور بعض لوگ کمائی کرنے کو مشکل کام سمجھ کر چھوڑ بیٹھتے ہیں' ایسے لوگ دو قبیح امور کے درمیان ہوتے ہیں:

- یا تو اپنے اہل وعیال کو ضائع کرتے ہیں' اور فرائض کو کما حقہ ادا کرنے کو چھوڑ دیتے ہیں۔
- یا پھر ''صاحب توکل'' نام ٹکانے کی زینت دنیا بناتے ہیں' دیگر کمائی کرنے والے لوگ ان کے اہل وعیال پر ترس کھاتے ہیں' اور ان کی خاطر اپنے گھر والوں پر تنگی کرتے ہیں اور ان کو دیتے ہیں۔

یہ رذیل حرکت صرف کمینی اور رذیل طبیعت والے ہی میں آسکتی ہے وگرنہ کامل مرد تو وہی ہے جو اپنے مخفی جوہر اور اپنی پوشیدہ صلاحیت کو جو اللہ تعالیٰ نے اسے ودیعت کر رکھی ہے' ضائع نہیں کرتا' سستی اور کاہلی کے نام قربان نہیں کرتا' یا جاہلوں کے درمیان ناموری چاہنے والی زینت حاصل نہیں کرتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی انسان کو مالِ دنیا سے محروم رکھ کر اسے کوئی ایسا جوہر اور ہنر عطا فرما دیتا ہے' جو اس سے ایسا سبب رزق بنا لیتا ہے کہ لوگ اس کی طرف لپکے چلے آتے ہیں۔

ترک کسب میں ان کے بعض دلائل

کمائی کرنے سے فارغ بیٹھ رہنے والوں نے کچھ قبیح بہانوں کا دامن تھاما ہوا ہے' جن میں سے چند یہ ہیں:

❀ ہمارا رزق ہم تک ہر حال میں پہنچ کر رہے گا:

یہ بات تو انتہائی قبیح ہے' کیونکہ اگر کوئی آدمی اطاعت گزاری کرنا چھوڑ دے اور یہ کہے: میں اپنی اطاعت گزاری کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اپنے بارے میں لکھی ہوئی تقدیر کو تبدیل تو نہیں کر سکتا' اگر میں جنت والوں میں سے ہوں تو جنت کی طرف چلا جاؤں گا' اور اگر میں دوزخ والوں میں سے ہوں گا تو میں دوزخ کی طرف چلا جاؤں گا۔ ہم اسے یوں عرض کریں گے: یہ سوچ اور انداز تو تمام اوامر الٰہی کو رد کر رہا ہے' اگر کسی ایک کے لیے ایسا کرنا درست ہوتا تو سیدنا آدم علیہ السلام جنت سے نہ نکلتے' کیونکہ وہ یوں کہہ لیتے: میں نے بالکل

وہی کیا ہے جو میرے لیے مقدر کیا جا چکا تھا۔

اور یہ بات معلوم شدہ ہے کہ ہم سے حکم کے مطابق اعمال کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے' تقدیر پر بحث کرنے کا ہمیں حکم نہیں دیا گیا۔

❀ اور ان لوگوں میں بعض یہ کہتے ہیں: حلال کہاں ہے کہ ہم اسے طلب کریں؟!

یہ تو ایک جاہل کی بات ہے' کیونکہ حلال کبھی ختم نہیں ہوسکتا' نبیٔ کریم ﷺ کے اس فرمان گرامی کی وجہ سے:

((اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ' وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ))[1]

''حلال واضح ہے' اور حرام بھی واضح ہے''

اور یہ بات بھی بالکل عیاں اور معلوم ہے کہ حلال وہی ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے شرع نے اجازت دی ہے۔ یہ باتیں صرف ان لوگوں کی سست روی اور کسل مندی کے لیے ایک چال اور بہانہ ہے۔

ان میں سے بعض لوگ یوں بھی کہتے ہیں: جب ہم کمائی کریں گے' تو ہم ظالموں اور گناہ گاروں کی مدد کریں گے' جس طرح کہ ابراہیم خواص سے ایسی ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ اس نے کہا: میں نے ہر چیز سے رزقِ حلال تلاش کرنے کی کوشش کی ہے' بالآخر میں مچھلیوں کے شکار کے لیے نکل کھڑا ہوا' میں نے سرکنڈے کی ایک پوری لی' اس میں بال لگائے' اور پانی پر جا بیٹھا' میں نے مچھلی کے شکار کا کانٹا پھینکا' ایک مچھلی نکلی' میں نے اسے خشکی پر رکھا' اور کانٹے کو دوسری بار پھینکا' ایک اور مچھلی آئی' پھر میں نے تیسری بار اس کانٹے کو پھینکا' اچانک میرے پیچھے ایک تھپڑ لگا' میں بالکل نہیں جانتا کہ وہ کس کا ہاتھ تھا! اور نہ ہی میں نے کسی کو دیکھا' صرف میں نے کسی کو یہ کہتے ہوا سنا: تجھے کسی اور جگہ سے رزق ملا ہی نہیں ہے' صرف اس مخلوق کے پاس آ گیا ہے جو ہمارا ذکر کرتی ہے' تو نے انھیں مارنا شروع کر دیا ہے۔

کہتے ہیں: میں نے بال کاٹ ڈالے' سرکنڈے کی پوری کو توڑ ڈالا اور واپس پلٹ آیا!!

---

[1] صحیح بخاري' الایمان' باب فضل من أستبرا لدینه' حدیث : ۵۲۔
صحیح مسلم' المساقاة' باب اخذ الحلال و ترك الشبهات' حدیث : ۱۵۹۹۔

یہ قصہ اگر درست ہو' ویسے اس کی سند میں بعض ایسے راوی ہیں جو متہم ہیں' تو وہ تھپڑ مارنے والا ابلیس ہے' اور وہی ہے جس نے ہاتف غیبی لگائی ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو شکار کو مباح رکھا ہے' اور وہ اپنے مباح کردہ کام پر سزا نہیں دے سکتا' اور اسے کس طرح کہا جا سکتا تھا: تو ایسی مخلوق کا قصد کر رہا ہے جو ہمیں یاد کرتی ہے اور تو اسے قتل کرے گا! حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو خود ہی انھیں مارنے اور گوشت بنانے کو جائز رکھا ہے؟!

اور حلال روزی کو کمانا قابل مدح ہے' اگر ہم شکار کرنا اور جانوروں کو ذبح کرنا چھوڑ دیں اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں' تو ہمارے لیے کوئی ایسی خوراک نہیں رہ جاتی جو ہمارے اعضائے جسمانی اور قوائے ابدانی کو قائم رکھ سکے' کیونکہ ان اعضاء کو تو صرف گوشت ہی قائم رکھتا ہے!

مچھلی پکڑنے اور حیوانات کو ذبح کرنے سے پرہیز کرنا تو برہمنوں کا مذہب ہے' دیکھیں جہالت' کیا گل کھلا رہی ہے اور دیکھیں ابلیس کی طرف' کس طرح کام کر رہا ہے؟!

ترک علاج

علمائے کرام کا اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ علاج کروانا اور ادویات کو استعمال کرنا جائز ہے' اگرچہ بعض علماء کی رائے میں ترک ادویات عزیمت ہے۔

یہاں ہمارا یہ کہنے کا مقصود یہ ہے: جب بالاجماع ادویات کو استعمال کرنا ثابت ہو چکا ہے اور بعض علماء کے نزدیک اس کا استعمال مستحب ہے' تو اس قوم کے قول کی جانب چنداں التفات نہ کیا جائے گا جن کا خیال ہے کہ علاج معالجہ کرنا توکل سے خارج ہے' کیونکہ اجماع تو اس بات پر ہے کہ یہ توکل سے خارج نہیں ہے۔

اور یہ بھی صحت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے علاج کروایا ہے اور آپ نے علاج کروانے اور ادویات استعمال کرنے کا حکم بھی دیا ہے' اور اس وجہ سے آپ توکل سے خارج بھی نہیں ہوئے اور نہ ہی علاج معالجہ کروانے کا حکم دے کر اس عمل کو توکل سے خارج ہی کیا ہے۔

صحیح مسلم میں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے' نبی اکرم ﷺ نے ایک محرم کو حالتِ احرام میں جب اس نے آشوب چشم کی شکایت کی تھی' ایلوے کا لیپ کرنے کی رخصت دی تھی۔[1]

ابن جریر طبری نے کہا ہے: اس حدیثِ مبارکہ میں ان اہل تصوف اور عبادت گزاروں کے کم عقل اور ناسمجھ لوگوں کے اس قول کے فساد کی دلیل موجود ہے جن کا کہنا ہے کہ جو شخص کسی جسمانی مرض کی وجہ سے دوا کے ساتھ علاج کرے گا تو اس کا توکل درست

---

[1] صحیح مسلم' الحج' جواز مداواۃ المحرم عینیہ' حدیث : ۱۲۰۴۔

نہیں رہے گا کیونکہ ایسی صورت میں ان لوگوں کے نزدیک اس ہستی کو چھوڑ کر کسی دوسرے سے طلبِ عافیت لازم آتی ہے جس کے ہاتھ میں عافیت اور نفع ونقصان ہے۔

اور نبیٔ اکرم ﷺ کا محرم کی تکلیف رفع کرنے کے لیے ایلوے کے ساتھ مرضِ چشم کا مطلق علاج کرنے میں بہت بڑی دلیل موجود ہے کہ توکل کا کوئی اور معنی ہے جسے ان لوگوں کے قول کے حوالے سے ابھی ذکر کیا ہے۔

اور علاج کرنے والا اس عمل سے اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر پر راضی ہونے سے باہر نہیں نکلتا، جس طرح اگر کسی کو ''کلب الجوع'' (بھوک کی دیوانگی) کا مرض لاحق ہو جائے تو اس کا غذا کے لیے بے قرار ہو جانا اسے توکل سے اور قضا پر راضی ہونے سے نہیں نکالتا، کیونکہ

((مَا أَنزَلَ اللّٰهُ دَاءً إِلَّا أَنزَلَ لَهُ شِفَاءً))[1]

''اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں اتاری مگر اس کے لیے دوا بھی اتار دی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے مرض ختم کرنے کے لیے بھی ویسے ہی اسباب بنائے ہیں جس طرح بھوک ختم کرنے کے لیے کھانے کو ایک سبب بنایا ہے، حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس بات پر بھی قادر تھا کہ اپنی مخلوق کو اس کے بغیر بھی زندہ رکھ لیتا، لیکن انھیں حاجت مند پیدا کیا ہے، تو ان سے بھوک کی اذیت کسی اور طرح سے زائل نہیں ہو سکے گی بجز اس سبب کو اختیار کرنے کے جو اس کو زائل کرنے کے لیے بنایا گیا ہے اور یہی حال لاحق عارضہ ہے۔[2]

---

[1] صحیح بخاری، الطب، باب ما انزل الله داء الا انزل له شفاء، حدیث: ۵۶۷۸۔ مرفوعاً عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

لیکن اس میں "الا الموت" کے الفاظ نہیں ہیں!

[2] ابن قیم رحمہ اللہ نے ''زاد المعاد'' ۴/۱۵ میں یوں فرمایا ہے: ''احادیث صحیحہ میں علاج معالجہ کروانے کا حکم موجود ہے اور بلاشبہ یہ توکل کے منافی بھی نہیں ہے، بالکل اسی طرح جیسے کہ بھوک پیاس کی بیماری کو اور گرمی سردی کو ان کے اضداد اور برعکس چیزوں سے دور کرنا توکل کے منافی نہیں ہے، بلکہ حقیقت توحید تو ان اسباب کو بروئے کار لا کر ہی مکمل ہوتی ہے جنھیں خود اللہ تعالیٰ نے ان کے متقاضی مسببات کے لیے تقدیراً اور شرعاً تجویز فرما دیا ہے، بلکہ ان اسباب کو معطل قرار دینا نفسِ توکل میں کیڑے نکالنا قرار ←

اور اللہ تعالیٰ صحیح بات کی ہدایت دینے والا ہے۔

← پائے گا' جس طرح حکم الٰہی اور حکمت الٰہی میں قدغن لگانا لازم آ رہا ہے اور معطل کرنے والے کا یہ گمان اسے مزید کمزور بنا رہا ہے کہ ان کو ترک کیے رکھنا توکل سے زیادہ قوی ہے' بے شک ان اسباب کو ترک کرنا عجز ہے جو اس توکل کے منافی ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ دل اللہ پر اعتماد کرے اس چیز کے حصول میں جو بندے کو دین و دنیا میں فائدہ پہنچائے اور جو اس کے دین و دنیا کے لیے نقصان دہ ہیں اور اس اعتماد قلبی کے ساتھ اسباب کو بروئے کار لانا انتہائی لازمی اور ضروری ہے' بصورت دیگر وہ آدمی حکمت اور شریعت دونوں ہی کو معطل بنانے والا بنے گا' کوئی بندہ اپنے عجز کو توکل نہیں بنا سکتا اور نہ ہی اپنے توکل کو عجز بنا سکتا ہے۔''

اس اہم ترین مقدمے میں یہ انتہائی مضبوط ترین اور فیصلہ کن کلام ہے' اللہ تعالیٰ ابن قیم رحمہ اللہ پر رحمت فرمائے اور آپ کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

تنہائی اور خلوت نشینی

سلف صالحین لوگوں سے تنہائی اور خلوت نشینی کو علم اور عبادت گزاری میں اپنے آپ کو مشغول رکھنے کے لیے ترجیح دیا کرتے تھے، لیکن یہ یاد رہے، ان کی یہ خلوت گزینی انھیں جمعہ، نماز باجماعت، مریضوں کی عیادت، نماز جنازہ میں شمولیت اور دیگر حقوق کی ادائیگی میں کوئی رکاوٹ نہیں بنتی تھی، ان کی یہ خلوت نشینی تو فقط برائی اور برے لوگوں سے اور بے کار، نکمّے لوگوں کے ساتھ خلط ملط ہونے سے بچنے کے لیے ہوا کرتی تھی۔

ابلیس نے صوفیاء کی ایک جماعت پر اس طرح تلبیسی وار کیا ہے کہ ان میں سے کوئی تو کسی دامنِ کوہ میں راہبوں کی طرح تن تنہا ہی شب بسر کرتا ہے اور تن تنہا ہی صبح کرتا ہے، اس طرح اس کی نماز جمعہ اور باجماعت نمازیں اور اہل علم کی محافل میں حاضری سب فوت ہو جاتی ہیں۔

ان لوگوں کی عام نفری تو الگ خلوت خانوں میں عزلت گزینی اختیار کرتی ہے، اس طرح مساجد کی جانب کوشش کرنا ان سے فوت ہو جاتا ہے اور اس طرح وہ ''فرش راحت'' کو اپنا ٹھکانہ اور ''ترک کسب'' کو اپنا شغل قرار دے لیتے ہیں۔

ابو حامد غزالی نے کتاب ''الاحیاء'' میں یوں کہا ہے:

ریاضت سے مقصود دل کو فارغ البال بنانا ہے اور یہ کسی تاریک ترین جگہ میں خلوت گزینی کے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتا!

اور یہ بھی کہا ہے: اگر کوئی تاریک ترین جگہ میسر نہ ہو، تو پھر اپنے سر کو اپنے گریبان میں ڈال لے، یا کسی چادر میں اپنے آپ کو لپیٹ لے، یا کسی ازار بند میں اپنے وجود کو بند کر

لے' تو ایسی ظاہری صورت حال بنا لینے سے وہ ندائے حق کی سماعت کر سکے گا بلکہ ربوبیت کے جلال کا مشاہدہ بھی کر سکے گا!!

ان ترتیبات کو ذرا غور سے دیکھیں' کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک فقیہ اور عالم شریعت سے کس طرح یہ صادر ہو رہی ہیں!

اسے یہ کہاں سے معلوم ہوا ہے کہ جس آواز کو وہ سنے گا وہ حق تعالیٰ کی آواز ہو گی اور جس کا وہ مشاہدہ کرے گا وہ ربوبیت کا جلال ہی ہو گا؟!

مزید وہ اس خطرے سے مامون و محفوظ بھی نہیں رہ سکتا کہ جو کچھ وہ پائے گا وہ وسوسے اور خیالات فاسدہ ہوں' حالانکہ اس شخص کے متعلق یہ غالب گمان ہے جو غذا اور خوراک کو ضرورت سے کم استعمال کرے گا' ایسے شخص پر تو مالیخولیا کا غالب امکان ہے۔[1]

ایسی صورتِ حال میں وساوس سے کوئی انسان کم ہی سلامت رہتا ہے' مگر یہ بات یاد رکھیں کہ جب کوئی اپنے اوپر کوئی کپڑا اوڑھ لے' اپنے سر کو جھکا لے اور اپنی آنکھیں بند کر لے' فکر و تخیل کے گھوڑے کو دوڑائے' تو وہ یقیناً خیالات اور اوہام کا مشاہدہ کرے گا' پھر وہ انہی کو ربوبیت کا جلال یا دیگر باتیں گمان کر لیتا ہے جن کا موصوف نے تذکرہ کیا ہے!!

ہم ایسے وسوسوں اور خیالاتِ فاسدہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑتے ہیں۔

ابو عبید تستری سے یوں روایت کی جاتی ہے: کہ جب ماہ رمضان کا روز اول ہوتا وہ اپنے گھر میں داخل ہوتے اور اپنی رفیقۂ حیات سے یوں کہتے! میرے کمرے کے دروازے کو مٹی سے لیپ کر دو اور ہر شب اس روشن دان سے ایک چپاتی اندر پھینک دینا' تو جس دن روز عید ہوا' ان کی بیوی نے اندر جا کر دیکھا کہ گوشۂ حجرہ میں تیس چپاتیاں پڑی ہوئی ہیں' انھوں نے تو نہ کچھ کھایا ہے اور نہ ہی کچھ پیا ہے' کوئی نیا وضو بھی نہیں بنایا ہے' کسی نماز کے لیے کوئی تیاری بھی نہیں کی ہے بلکہ آپ آخر ماہ تک ایک ہی وضو اور طہارت پر باقی رہے ہیں!

میرے نزدیک یہ حکایت دو وجوہ سے درست نہیں ہے:

---

[1] مالیخولیا نفسیاتی امراض میں سے ایک ایسا مرض ہے جس میں مریض کو ایسی ایسی اشیاء خیال میں آتی رہتی ہیں جن کی کوئی اصل اور بنیاد ہی نہیں ہوتی۔

○ ایک تو یہ کہ ایک ماہ کامل تک آدمی کا وضو رہے اور پیشاب پاخانے یا نیند کی وجہ سے اس کا وضو نہ ٹوٹے۔

○ دوسری یہ وجہ ہے کہ مسلمان کو نمازِ جمعہ اور باجماعت نماز پنج گانہ جبکہ یہ واجب ہیں ان کا ترک کرنا حلال نہیں۔

اگر یہ حکایت درست ہو تو ابلیس نے اس شخص کو مبتلائے فریب رکھنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔

ابوالحسن بوشنجی صوفی بیان کرتے ہیں کہ اسے بارہا جمعہ' جماعت ترک کرنے پر اور اس سے پیچھے رہنے پر سزا بھی ملی ہے اور وہ یوں ہی کہتا رہا ہے: اگر باجماعت نماز کی ادائیگی میں برکت ہے' تو سلامتی خلوت نشینی میں ہے۔

ظاہری خشوع

جب خوف دل میں جگہ بنا لیتا ہے تو ظاہراً خشوع کو واجب کر دیتا ہے' پھر ایسا صاحب دل اسے اپنے سے دور ہٹانے کی قدرت نہیں پاتا۔ آپ اسے دیکھیں گے کہ سر جھکائے ہوئے ہے' بڑا باادب ہے اور عاجز منکسر المزاج ہے' سلف صالحین ایسی ظاہر ہونے والی حرکات کو چھپانے کی کوشش فرمایا کرتے تھے۔

محمد بن سیرین رحمہ اللہ دن کو ہنسا کرتے اور رات کو رویا کرتے تھے۔

ہم اس بات سے کسی عالم دین کو عوام الناس کے درمیان بے تکلفی اور خوش گپیاں لگانے کا حکم نہیں دے رہے' کیونکہ یہ بات انھیں اذیت ناک لگے گی' سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"جب تم علم کا تذکرہ کرو' تو کیفیت قلبی کو چھپائے رکھو' اسے ہنسنے کے ساتھ مخلوط نہ کرو' وگرنہ دل اسے تھوک دیں گے۔"

ایسی صورتِ حال کو ریا کا نام نہیں دیا جا سکتا' کیونکہ عوام الناس کے دل عالم دین کے اس اجر مباح میں تھوڑی سی گنجائش نکالنے کی تاویل سے تنگی محسوس کرتے ہیں لہٰذا ایک عالم دین کو یہی چاہیے کہ ان کے سامنے خاموش اور ادب سے رہے۔

مذموم تو یہ حالت ہے کہ بناوٹی خشوع اور تکلف سے رونے والا چہرہ بنائے اور سر کو جھکائے رکھے' تا کہ اسے زاہد انسان باور کیا جائے اور مصافحہ کرنے اور دست بوسی کے لیے اس کی طرف رغبت کی جائے یا بعض اوقات اسے یوں عرض معروض کی جائے: ذرا ہمارے لیے دعا فرما دیں پھر وہ دعا کرنے کے لیے کمر بستہ ہو جائے' گویا کہ قبولیت دعا اتار لے گا!

ابراہیم نخعی کے متعلق یہ روایت منقول ہے' آپ سے کہا جاتا کہ ہمارے لیے دعا فرما دیں تو آپ اس کو ناپسند فرماتے تھے بلکہ آپ پر یہ عرض گراں گزرتی تھی۔[1]

بعض مصنوعی ڈرنے والوں میں ایسے بھی ہیں جنھیں خوف انتہائی شرم اور عاجزی ظاہری ذلت پر ابھارتا ہے' اور وہ اپنی نگاہوں کو آسمان کی جانب بھی نہیں اٹھاتے' حالانکہ یہ کوئی شرف و فضیلت نہیں ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے خشوع سے بڑھ کر تو کوئی خشوع ہے ہی نہیں۔

صحیح مسلم میں سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَثِيْرًا مَّا يَرْفَعُ رَأْسَهٗ اِلَى السَّمَآءِ))[2]

''رسول اللہ ﷺ بکثرت آسمان کی طرف اپنے سر کو اٹھایا کرتے تھے''

اس حدیثِ مبارکہ میں یہ دلیل موجود ہے کہ آسمانی آیات و نشانات سے عبرت حاصل کرنے کے لیے آسمان کی جانب دیکھنا مستحب ہے۔

اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھی یوں فرمایا ہے:

﴿ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا ﴾ (ق : ۵۰/ ۶)

''کیا انھوں نے آسمان کو اپنے اوپر نہیں دیکھا! کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے''

اور پھر یوں بھی فرمایا ہے:

﴿قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ (یونس : ۱۰/۱۰۱)

''آپ کہہ دیجیے کہ تم غور کرو کیا کیا چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں ہیں''

---

[1] ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ''انك ان تدعو لنفسك خير من ان يدعو لك القاص'' یعنی ''اگر تم خود اپنے لیے دعاء کرو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ قصہ گو واعظ تمہارے لیے دعا کرے۔'' ابن ابی شیبہ ۱۰/۲۲۱) کیونکہ انسان کی اپنی دعا میں اس کا خلوص اور طلب بھی شامل ہوگی۔ واللہ اعلم۔ (کاشف)

کہا جاتا ہے کہ ایک بار سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی' آپ ہمارے لیے دعا فرمائیں! تو آپ نے یوں جواب دیا تھا: کیا ہم انبیاء ہیں؟

اسے ابن رجب نے اپنی کسی تصنیف میں نقل کیا ہے۔

[2] صحیح مسلم' فضائل الصحابة' باب بیان ان بقا النبی ﷺ امان لاصحابہ' حدیث: ۲۵۳۱۔

اور ان لوگوں نے اپنی بدعات کے ساتھ تشبیہ کی رمزوں کو بھی ملا لیا ہے اور اگر یہ جان لیتے کہ ان کا اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہوئے سر جھکائے رکھنا ان کے سر اٹھانے ہی کے مانند ہے' تو ایسا بالکل نہ کرتے' بس اتنی سی بات ضرور ہے کہ ابلیس ایسے جاہلوں کے ساتھ کھیل کود کرتا رہتا ہے۔

رہے علمائے کرام' تو ابلیس ان سے دور ہی رہتا ہے' اور ان سے بہت زیادہ خوف کھاتا ہے کیونکہ وہ اس کی تمام چالوں سے واقف ہیں اور وہ اس کے حیلہ و مکر سے بچے رہتے ہیں۔

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ اصحابِ رسول ﷺ نہ تو کج رو تھے اور نہ ہی جیتے جی خود کو مردہ ظاہر کرنے والے تھے' بلکہ وہ اپنی مجالس و محافل میں شعر گوئی بھی کر لیا کرتے تھے اور اپنے امور جاہلیت کا تذکرہ بھی فرما لیا کرتے تھے' لیکن جونہی ان میں سے کسی سے دینی موضوع پر کوئی تقاضا کیا جاتا تو اس کی آنکھوں کے ڈھیلے گھوم جایا کرتے تھے گویا کہ وہ مجنون ہو۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے یہ بات وارد ہے کہ آپ نے ایک نوجوان کو سر جھکائے ہوئے دیکھا' آپ نے اس سے فرمایا: ارے فلاں! اپنے سر کو اوپر اٹھاؤ' کیونکہ خشوع دلی کیفیت سے زائد نہیں ہے' تو جس نے دلی کیفیت سے زائد خشوع کو ظاہر کیا تو بلاشبہ اس نے نفاق پر نفاق کو ظاہر کیا۔

عاصم بن کلیب جرمی کہتے ہیں: کہ میرے ابا جان عبدالرحمٰن بن اسود سے اس حال میں ملے کہ وہ چلے جا رہے تھے اور وہ جب چلا کرتے تو دیوار کے ساتھ ساتھ سر جھکائے ہوئے خشوع سے اس طرح چلا کرتے تھے' پھر ابوبکر نے اپنی گردن کو قدرے جھکا کر دکھایا۔ میرے ابا جان نے پوچھا: آپ کو کیا ہے کہ جب بھی آپ چلتے ہیں دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں' اللہ کی قسم! سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب راستے میں چلا کرتے تو زمین پر تیزی سے قدم رکھا کرتے تھے اور آپ بلند آواز والے تھے۔

سلف صالحین تو اپنی حالتوں کو چھپایا کرتے تھے اور تصنع اور تکلف کو چھوڑنے میں

بناوٹ سے کام لیا کرتے تھے۔

ہم نے ایوب سختیانی رحمہ اللہ کی نسبت یہ بیان کیا ہے کہ وہ اپنے کپڑے کو قدرے لمبا رکھتے تاکہ اپنے حال کو پوشیدہ رکھیں۔

اور سفیان ثوری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: جو میرے اعمال ظاہراً ہوتے ہیں میں انھیں کسی شمار میں نہیں لاتا۔

اور ایک ساتھی کو نماز پڑھتے دیکھا تو اسے یوں فرمانے لگے: ایسی نماز تجھے کیا اجر دلوائے گی کہ لوگ تجھے دیکھ رہے ہیں۔

محمد بن زیاد کہتے ہیں: ابوامامہ ایک سجدہ ریز آدمی کے پاس سے گزرے تو یوں فرمایا: اس سجدہ کا کیا مقام ہوتا اگر یہی تیرے گھر میں ہوتا!

امام شافعی رحمہ اللہ یوں فرمایا کرتے تھے:

وَدَعِ الَّذِيْنَ اِذَا أَتَوْكَ تَنَسَّكُوْا

وَاِذَا خَلَوْفَهُمْ ذِئَابٌ حِقَافِ

''آپ ان لوگوں کو چھوڑ دیں کہ جب وہ تیرے پاس آئیں تو عابد و زاہد بن جائیں لیکن جب وہ خلوت میں جائیں تو پھرتیلے بھیڑیے بن جائیں''

ترکِ نکاح

جمہور فقہاء کے نزدیک بدکاری کے خوف کے باعث نکاح کرنا واجب ہے' اور خوف زنا کے بغیر سنت موکدہ ہے۔[1]

ابو حنیفہ اور احمد بن حنبل رحمہما اللہ کے مذہب میں ایسی حالت میں نکاح کرنا تمام نوافل سے افضل ہے' کیونکہ یہ وجود اولاد کا سبب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((تَزَوَّجُوا الْوُدُودَ الْوُلُودَ' فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ))[2]

''تم محبت کرنے والیوں اور زیادہ اولاد دینے والیوں سے شادی کرو' بے شک میں تمہاری کثرت سے امتوں پر فخر کروں گا''

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا شادی کے بغیر مجردانہ زندگی گزارنے کا مطالبہ رد کر دیا تھا' اگر آپ انہیں اس معاملے میں اجازت مرحمت فرما دیتے تو یقیناً ہم خصی ہو جاتے۔[3]

---

[1] اور تحقیق یہ کہتی ہے کہ اس تفریق کے بغیر استطاعت کے وقت یہ واجب ہے' اور خوف زنا کے وقت وجوب کی تاکید ہے۔ واللہ اعلم۔

[2] سنن ابی داود' النکاح' باب النھی عن تزویج من لم یلد من النساء' حدیث : ۲۰۵۰
سنن نسائی' النکاح' باب کراھیة تزویج العقیم' حدیث : ۳۲۲۹۔

[3] صحیح بخاری' النکاح' باب ما یکرہ من التبتل والخصاء' حدیث : ۵۰۷۳۔
صحیح مسلم' النکاح' باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسه الیه ......' حدیث: ۱۴۰۲

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے چند آدمیوں نے ازواج مطہرات سے آپ کے پوشیدہ اعمال کے متعلق استفسار کیا' انھوں نے ان صحابہ کو خبر دی' تو ان میں سے بعض نے کہا: میں عورتوں سے شادی نہیں کروں گا' اور ان میں سے بعض نے یہ کہا: میں رات بھر بستر پر نہیں سوؤں گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان فرمائی پھر فرمایا:

((مَا بَالُ اَقْوَامٍ قَالُوْا كَذَا وَكَذَا' لٰكِنِّىْ اُصَلِّىْ وَ اَنَامُ وَ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ' وَ اَتَزَوَّجُ النِّسَآءَ' فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِىْ' فَلَيْسَ مِنِّىْ))[1]

''لوگوں کا کیا حال بن گیا ہے انھوں نے ایسے ایسے باتیں کی ہیں' لیکن میں تو قیام اللیل بھی کرتا ہوں اور رات کو سوتا بھی ہوں' اور روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کر لیتا ہوں (یعنی ناغے بھی کر لیتا ہوں)' اور میں نے عورتوں سے شادیاں بھی کی ہوئی ہیں' اب جس نے میری سنت سے روگردانی کی' تو وہ مجھ سے نہیں ہے''

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: کنوارا رہنے کے عمل کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں' خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ عورتوں سے شادی فرمائی تھی اور جب آپ فوت ہوئے ہیں تو آپ کی نو بیویاں موجود تھیں۔

اور یہ بھی فرماتے ہیں: اگر لوگ نکاح کرنا چھوڑ دیتے تو نہ جہاد کرتے' اور نہ حج ہی کرتے' اور نہ یہ کام کر سکتے اور نہ ہی وہ کام کر سکتے' اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت ہوا کرتی تھی کہ صبح اٹھتے' گھروں میں کھانے کی کوئی چیز بھی نہ ہوتی تھی لیکن آپ نکاح کرنے کو پسند رکھتے تھے' اور اسی پر ترغیب دیتے تھے' آپ ترکِ نکاح سے منع فرمایا کرتے تھے' لہٰذا اب جو کوئی نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ اور عمل مبارکہ سے بے رغبتی اور روگردانی کرے گا تو وہ راہ حق پر نہیں ہوگا۔

---

[1] صحیح بخاری' النکاح' باب الترغیب فی النکاح' حدیث: ۵۰۶۳۔
صحیح مسلم' النکاح' باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسه الیه' حدیث: ۱۴۰۱۔

سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنی حالتِ غمی میں بھی شادی کی تھی اور آپ کے اولاد بھی ہوئی تھی۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

((حُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا النِّسَآءُ))[1]

''دنیا سے مجھے عورتوں کی محبت دی گئی ہے''

ترکِ نکاح میں صوفیاء کا مسلک

ابلیس نے صوفیاء کی ایک کثیر تعداد پر تلبیسی وار کیا ہے' نتیجتاً انھیں نکاح سے روک رکھا ہے۔ ان کے متقدمین نے تو عبادت گزاری میں مشغولیت و مصروفیت کی بنا پر اسے ترک کیے رکھا تھا اور انھوں نے نکاح کو اطاعت الٰہی کے راستے میں رکاوٹ سمجھا۔[2]

اور یہ لوگ' اگر تو انھیں حاجتِ نکاح ہوتی' یا انھیں اس کی طرف کوئی شوق و رجحان

[1] سنن النسائی' عشرۃ النساء' باب حب النساء' حدیث : ۳۳۹۱' السنن الکبریٰ للنسائی' عشرۃ النساء' باب حب النساء' حدیث : ۸۸۳۶' مسند احمد ۳/ ۱۲۸' البیھقی ۷/ ۲۸ میں ایسی سند سے روایت ہے جسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "التلخیص الحبیر" (۳/۱۱۶) میں حسن قرار دیا ہے۔ اس کے الفاظ یوں ہیں:

((حُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا اَلنِّسَاءُ وَالطِّیْبُ وَجُعِلَ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلَاۃِ))

''دنیا سے عورتوں کو میرے لیے محبوب بنا دیا گیا ہے' اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے''

فائدہ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''الکافی الشاف'' ص:۲۷ میں فرمایا ہے: اس روایت کے تمام طرق میں سے کسی میں لفظ ''ثلاث'' یعنی ''تین'' موجود نہیں ہے' بلکہ تمام کے نزدیک اس کی تفسیر یوں ہے' کہ تمھاری دنیا میں سے عورتیں میرے لیے محبوب بنا دی گئی ہیں...... الحدیث' اور تین کے لفظ کی زیادتی تو معنی کو فاسد کر دیتی ہے۔ باوجود اس کے امام ابوبکر بن فورک نے اس حدیث کی مستقل ایک کتابچے میں شرح بیان کرتے ہوئے اسے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح غزالی نے بھی ''الاحیاء'' میں اسے بیان کیا ہے اور یہ لوگوں کی زبانوں پر بھی مشہور ہوگئی ہے۔''

لیکن ابن فورک کوئی ائمہ فن میں سے نہیں ہیں لہٰذا اس کا قول کوئی حیثیت نہیں رکھتا!!

[2] حالانکہ یہ بھی تلبیس ابلیس ہے' کیونکہ خیر الناس اور انبیاء اور صحابہ نے تو شادیاں بھی کیں اور نکاح بھی کیے اور انھیں تو اس نے عبادت کے لیے وقت نکالنے سے کبھی دور نہیں کیا۔

ہوتا تو بلاشبہ وہ اپنے بدنوں اور اپنے دین کو خطرے میں ڈال لیتے لیکن چونکہ انھیں اس کی کوئی حاجت ہی نہ تھی' اس لیے اس فضیلت سے محروم ہی رہے۔[1]

صحیحین میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بایں الفاظ روایت ہے:

((وَفِیْ بُضْعِ اَحَدِکُمْ صَدَقَةٌ))

''تمہارے ایک عضو مخصوص میں بھی صدقہ ہے۔''[2]

صحابہ نے عرض کی: کیا ہم میں سے کوئی اپنی حاجتِ شہوت پوری کرتا ہے تو اس میں اسے اجر وثواب ملے گا؟! آپ نے فرمایا: ''ذرا بتاؤ تو' اگر اس عضو مخصوص کو کسی حرام جگہ میں رکھتا' تو کیا اس کو گناہ ملتا؟''

صحابہ نے عرض کی: جی ہاں! پھر آپ نے فرمایا: ''بالکل اسی طرح جب اسے حلال جگہ میں رکھے گا تو اسے اجر وثواب ملے گا''

پھر آپ نے یہ بھی فرمایا:

((اَفَتَحْتَسِبُوْنَ بِالشَّرِّ وَلَا تَحْتَسِبُوْنَ بِالْخَیْرِ))

''بھئی تم برائی اور گناہ کو تو شمار میں لا رہے ہو لیکن خیر کو کسی گنتی میں نہیں لا رہے''[3]

اور ان میں سے کچھ نے یوں کہا: نکاح تو اخراجات کو واجب و لازم کر دیتا ہے اور کمانا مشکل امر ہے۔

یہ دلیل تو کمائی کی مشقت سے بھاگنے کے لیے ہے۔

صحیحین میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[1] یہ بھی ذکر ہو چکی ہے کہ دونوں حالتوں ہی میں یہ واجب ہے۔

[2] اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم' الزکاۃ' باب بیان ان اسم الصدقة یقع علی کل نوع من المعروف' حدیث: ۱۰۰۶ میں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' لیکن افتحتسبون بالشر...... کے جملے کے بغیر' اور یہ اضافہ صحیحین میں ہے اور نہ ہی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' یہ زائد جملہ مسند احمد' ۵/۱۵۴' ۱۶۷ میں موجود ہے' لیکن اس کی سند منقطع ہے۔

[3] یہ اضافہ صحیح مسلم میں موجود نہیں ہے بلکہ یہ مسند احمد ۵/۱۵۴ میں ہے اور اس کی سند منقطع ہے۔ شواہد کی بنا پر حدیث صحیح ہے' دیکھیے مسند احمد بہ تحقیق شعیب الارنووط حدیث: ۲۱۳۶۳ (ثاقب)

((دِیْنَارٌ أَنْفَقْتَهٗ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ دِیْنَارٌ أَنْفَقْتَهٗ فِیْ رَقَبَةٍ وَ دِیْنَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهٖ وَ دِیْنَارٌ أَنْفَقْتَهٗ عَلٰی أَهْلِكَ أَعْظَمُهَا أَجْرًا الَّذِیْ أَنْفَقْتَهٗ عَلٰی أَهْلِكَ))

''ایک دینار جسے تو فی سبیل اللہ خرچ کرتا ہے' اور ایک دینار جسے تو غلام آزاد کروانے میں خرچ کر لیتا ہے' اور ایک دینار جسے تو مسکین پر صدقہ کر دیتا ہے' اور ایک دینار جسے تو اپنے اہل و عیال پر خرچ کر دیتا ہے' ان سب میں سے افضل دینار وہ ہے جسے تو اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے گا۔''[1]

اور ان میں سے کچھ نے یوں کہا ہے: نکاح دنیوی میلان کو واجب کر ڈالتا ہے' ہمیں ابوسلیمان دارانی سے یہ روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے کہا: جب کوئی آدمی حدیث طلب کرتا ہے یا طلب معاش میں سفر کرتا ہے یا شادی کرتا ہے' تو بلاشبہ وہ دنیا کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

یہ سبھی فضولیات شرع کے مخالف ہیں' اور کس طرح وہ حدیث طلب نہ کرے' حالانکہ فرشتے طالب علم کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں![2]

اور کس طرح وہ طلب معاش کے لیے نہ جائے' جبکہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: میں اپنی محنت سے اپنی روزی تلاش کرتا ہوا مر جاؤں تو یہ مجھے زیادہ محبوب ہے کہ میں فی سبیل اللہ لڑائی کرتا ہوا مروں۔

لہٰذا میں ان تمام فضولیات کو خلاف شرع ہی دیکھتا ہوں۔

---

1. اس روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت نہیں کیا' بلکہ یہ صرف امام مسلم نے روایت کی ہے' دیکھیے صحیح مسلم' الزکاۃ' باب فضل النفقة علی العیال والمملوك' حدیث: ۹۹۵۔ مزید دیکھیں ''تحفۃ الاشراف'' ۱۰/۳۱۶۔

2. جس طرح کہ نبی کریم ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ اسے ابن ماجہ نے المقدمہ' باب فضل العلماء و الحث علی طلب العلم حدیث: ۲۲۶۔ النسائی (۱/ ۹۸)' ابن حبان (۷۹)' احمد (۴/ ۲۳۹)' ابن خزیمہ (۱۹۳) البیهقی (۱/ ۲۷۶)' عبد الرزاق (۷۹۳) اور طبرانی نے ''الکبیر'' میں (۷۳۵۱) عاصم عن زر عن صفوان بن عسال روایت کیا ہے۔
اس کی سند حسن ہے' اس لیے کہ عاصم کے متعلق کچھ کہا جاتا ہے اور یہ ابن بہدلہ ہے!

البتہ رہی متاخرین صوفیاء کی جماعت؟ تو انھوں نے نکاح کو ترک کر رکھا ہے تا کہ انھیں ''زاہد'' کہا جائے اور عوام ایسے صوفی کی تعظیم بجا لاتے ہیں جس کی بیوی نہ ہو' کہتے ہیں: اسے عورت کی بالکل جان پہچان ہی نہیں ہے' تو یہ رہبانیت ہے جو ہماری شریعت کے الٹ اور مخالف ہے۔

ابو حامد نے کہا ہے: مرید کو چاہیے کہ خود کو شادی میں مشغول نہ کرے کیونکہ نکاح اسے ''سلوک'' سے دوسری جانب مشغول کر دے گا' وہ بیوی سے انس رکھے گا اور جو غیر اللہ سے انس رکھے گا وہ اللہ تعالیٰ سے مشغول ہو جائے گا۔

مجھے اس گفتگو پر انتہائی تعجب ہو رہا ہے! کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ اسے اتنا بھی معلوم نہیں کہ جو اپنے نفس کو پاک دامن رکھنے کا قصد رکھتا ہے یا حصول اولاد کی تمنا رکھتا ہے یا زوجہ کی عفت و پاک دامنی کا خیال رکھتا ہے تو وہ راہ سلوک سے باہر نہیں نکلتا۔

یا وہ بیوی سے طبعی انس کو دلوں کے طاعت الٰہی سے انس رکھنے کے منافی خیال کرتا ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان ذیل میں اپنی مخلوق پر یوں احسان کا تذکرہ فرمایا ہے:

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ ﴾ (الروم : ۳۰/ ۲۱)

''اور اس کی نشانیوں میں سے تمھاری ہی جنس کی بیویاں پیدا کرنا ہے' تا کہ تم ان سے آرام پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور مہربانی قائم کر دی ہے۔''

اور صحیح حدیثِ مبارکہ میں ہے جو سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے انہیں فرمایا تھا:

((هَلَّا تَزَوَّجْتَ بِكْرًا، تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ))

''تو نے کنواری سے شادی کیوں نہ کی کہ تو اس سے ہنسی کھیل کرتا اور وہ تجھ سے اٹھکیلیاں کرتی۔''[1]

---

[1] صحیح بخاری' النکاح' باب تزویج الثیبات' حدیث: ۵۰۸۰
صحیح مسلم' الرضاع' باب استحباب نکاح البکر' حدیث: ۷۱۵

اس میں تو ایسی کوئی چیز نہیں جو یہ بتاتی ہو کہ آپ اسے اللہ تعالیٰ کے انس کو منقطع کرنے والا کوئی عمل بتا رہے ہوں۔

آپ کا کیا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنی بیویوں سے خوش طبعی فرماتے تھے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوڑ لگاتے تھے[1] کیا آپ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کے انس سے نکل جایا کرتے تھے!

یہ ساری باتیں ہی علم سے دوری اور جہالت پر مبنی ہیں۔

ترک نکاح کے خطرات

نوجوان صوفیاء پر نکاح ترک کرنے کا عمل جب مداومت اختیار کر جاتا ہے تو انھیں تین انواع کی طرف نکال لے جاتا ہے:

① حبس ماء یعنی منی کو روکے رکھنے کے مرض میں مبتلا۔

جب کوئی آدمی مدتِ دراز تک اسے روکے رکھے گا تو یہ انتہائی نقصان کا باعث بنتی ہے۔

ابوبکر محمد بن زکریا رازی نے فرمایا ہے: میں ایک کثیر منی والی قوم کو جانتا ہوں' جس وقت انھوں نے اپنے نفوس کو فلسفہ میں حصولِ کمال کے لیے مباشرتِ زوجات سے روکے رکھا' تو ان کے بدن ٹھنڈے پڑ گئے' ان کی حرکتیں دشوار پڑ گئیں' حزن و ملال بلا سبب ہی ان پر آن پڑا' انھیں مالیخولیا کے عارضے لاحق ہو گئے' ان کی شہوانی طاقتیں اور قوت ہائے ہاضمہ ماند پڑ گئیں۔

اور مزید یوں کہا: میں نے ایک آدمی کو دیکھا جس نے ترک جماع کی عادت اپنا لی تھی' اس کی شہوت خوردنی بھی ماند پڑ گئی' اس کی حالت ایسی بن گئی تھی کہ اگر کچھ کھا لیتا تھا تو اسے ہضم نہیں کر پاتا تھا بلکہ قے کر دیتا تھا لیکن جب اپنی ''عادتِ جماع'' کی جانب پلٹ

---

[1] سنن ابی داود' الجهاد' باب فی السبق علی الرجل حدیث: ۲۵۷۸
السنن الکبریٰ للنسائی' عشرة النساء: ۵۶' ۵۷۔
سنن ابن ماجه' النکاح' باب حسن معاشرة النساء' حدیث: ۱۹۷۹

آیا تو اس کی یہ تمام بیماریاں جلد ہی ختم ہو گئیں۔

④ چھوڑے ہوئے کام کی طرف زیادہ تیزی سے لوٹنے والے۔

ان میں سے بہت سے لوگ ایسے بھی ہوئے ہیں جو ''ترکِ مباشرت'' پر زبردستی صبر کرتے رہے' چنانچہ مادۂ منویہ جمع ہوتا رہا' پھر گہری تشویش میں پڑ گئے اور اپنے علم سے پلٹ آئے' پھر انھوں نے عورتوں سے مباشرتیں کیں' پھر انھوں نے یہی لباسِ مباشرت اس طرح پہنا کہ اپنے اتارنے کی مقدار سے بھی کئی گنا زیادہ' یہ لوگ تو بالکل ویسے بن گئے جیسے کوئی آدمی طویل عرصہ تک بھوک رکھے' پھر اتنا کھا جائے جتنا صبر کے زمانے میں چھوڑا تھا!

⑤ بچوں کی صحبت کی طرف مائل۔

ان میں سے ایک قوم نے اپنے آپ کو نکاح سے مایوس ہی کر لیا' پھر جمع شدہ منی نے انھیں بے قرار اور پریشان کرنا شروع کر دیا جس کی بنا پر انھوں نے بے ریش نوخیز لڑکوں سے راحت قلبی حاصل کرنی شروع کر دی۔

ان کی ایک جماعت پر اس طرح تلبیسی حملہ کیا گیا کہ انھوں نے شادیاں تو کر لیں لیکن یوں کہنے لگے: ہم برائے شہوت رانی نکاح نہیں کر رہے۔

اگر یہ لوگ یوں ارادہ رکھتے کہ طلب نکاح سنت ہے تو جائز ہوتا' لیکن ان کا یہ خیال کہ انھیں نفسِ نکاح میں کوئی شہوت اور خواہش نہیں ہے' تو اس کا محال ہونا بالکل ظاہر ہے۔

جہالت اور لاعلمی نے بہت سے لوگوں کو اس امر پر بھی ابھارا ہے کہ انھوں نے اپنے اعضائے تناسل کو ہی جڑ سے کاٹ دیا ہے اور پھر یہ گمان لیے پھرتے ہیں کہ انھوں نے یہ فعل وعمل اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کرتے ہوئے کیا ہے۔

یہ انتہائی حماقت ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر اسی کی وجہ سے شرف بخشا ہے[1] اور اس عضو کو نسل آگے چلانے کے لیے ایک سبب بنایا ہے' اور جو شخص اس عضو کو جڑ سے کاٹ لیتا ہے تو وہ زبانِ حال سے یوں دعویٰ کرتا ہے: درست فیصلہ تو اس کے

---

[1] اسی سبب کے ساتھ فوقیت وشرف کو محصور سمجھنے پر کوئی دلیل نہیں ہے اور حقیقت حال کے متعلق اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔

برعکس ہے۔

پھر ان کے اس عضو مخصوص کو کاٹ دینا بھی دل سے شہوت نکاح کو زائل نہیں کر پاتا' اس طرح بھی انھیں اپنا مقصود حاصل تو نہ ہو سکا۔[1]

---

[1] "دلیل فراہم کرنے والوں" میں سے ایک صاحب نے اس نام کی کتاب لکھ ماری ہے "العلماء العزاب الذین اثروا العلم علی الزواج"!! اور اس میں ایسے متعدد اہل علم کے نام جمع کیے ہیں جنہوں نے شادی نہ کروائی تھی' فقط یہ گمان کرتے ہوئے کہ انہوں نے شادی کرنے پر حصول علم کو ترجیح دیتے ہوئے مجرد رہنا قبول کیا تھا' اور اس عمومی معنی کے اعتبار سے یہ باطل گمان ہے۔

اس پر ہمارے محترم بھائی شیخ بکر ابو زید نے ایک عمدہ رسالہ بنام "الذین لم یتزوجوا من العلماء' والنقض علی من وحد السبب" تحریر فرما کر اس کی تردید کر دی ہے اور ان نقل کرنے والوں کے رسالہ سے کئی گنا زیادہ مواد فراہم کر دیا ہے پھر اس میں مفید علمی بحثوں کے ساتھ تردید پیش کی ہے' طلب حق کے لیے اس کی طرف مراجعت بہت خوب رہے گی۔

طلبِ اولاد اور صوفیاء

ابو سلیمان دارانی کہتے ہیں: جو اولاد چاہتا ہے وہ احمق ہے، یہ تو پھر نہ دنیا کے لیے رہے گا اور نہ ہی آخرت کے لیے، کیونکہ پھر اگر یہ کھانا کھانا چاہے یا سونا چاہے یا جماع کرنا چاہے، تو وہ اس کے عیش کو مکدر اور کرکرا کر دے گا اور اگر وہ عبادت گزاری کا ارادہ کرے گا تو وہ اسے مشغول رکھے گا۔

یہ بہت بڑی غلطی ہے، اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دنیا ایجاد کرنے سے مراد یہ تھی کہ اسے مقررہ میعاد تک مسلسل چلایا جائے گا، جبکہ ایک آدمی اس دنیا میں پوری مدتِ دنیا کے لیے باقی نہیں رہ سکتا تھا ماسوائے وقتِ قلیل کے، تو اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کا جانشین اس جیسے دوسرے آدمی کو بنایا ہے تو اس سبب کے لیے اسے رغبت و شوق دیا ہے، طبعی طور پر بھی، یعنی آتش شہوت کو بھڑکا کر اور کبھی شرعی طور پر بھی۔ فرمان الٰہی ملاحظہ ہو:

﴿ وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ﴾

(النور : ۲۴/ ۳۲)

”تم میں سے جو مرد و عورت مجرد ہوں ان کا نکاح کر دو، اور اپنے نیک بخت غلام اور لونڈیوں کا بھی۔“

اور انبیائے کرام علیہم السلام نے بھی اولادیں مانگی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق بیان کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے:

﴿ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴾ (آل عمران : ۳/ ۳۸)

”(سیدنا زکریا علیہ السلام نے کہا) اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ

اولاد عطا فرما' بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔"

اور یہ بھی:

﴿ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ﴾ (ابراھیم: ۱۴/ ۴۰)

"اے میرے پالنے والے! مجھے نماز کا پابند رکھ اور میری اولاد سے بھی"

............ان کے علاوہ اور بہت سی آیات مبارکہ۔

صالحین کے وجود کے لیے یہی سبب بنا ہے' اور کتنے ہی جماع ایسے ہیں کہ اس سے امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما ایسے خوش نصیب لڑکے جنم لیتے رہے ہیں تو ایسا جماع ہزار برس کی عبادت سے بہتر ہوگا۔

احادیثِ مبارکہ میں یہ باتیں آتی ہیں کہ بیوی سے جماع کرنے اور اولاد اور اہل و عیال کو خرچہ دینے والے' جس کا بچہ فوت ہو جائے اسے اور جو اپنے پیچھے بچہ چھوڑ جائے دونوں کو ثواب ملتا ہے[1] لہٰذا جو آدمی طلب اولاد سے اور شادی کرنے سے اعراض اور روگردانی کرے گا' تو یقیناً اس نے مسنون اور افضل عمل کی مخالفت کی' وہ بہت بڑے اجر سے محروم ہو جائے گا۔[2] اور جو آدمی ایسا طرز عمل اختیار کرتا ہے تو وہ فقط راحت و سکون کا طلب گار ہے۔

جنید کہتے ہیں: اولاد حلال شہوت کی سزا ہے تو حرام کی سزا کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

یہ غلط بات ہے کیونکہ حلال چیز کو عقوبت اور سزا کہنا جائز نہیں ہے' کیونکہ حلال چیز سے ظہور پذیر ہونے والی چیز سزا نہیں ہو سکتی اور نہ ایسی چیز کو حلال کیا جاتا ہے جس کا حاصل برا ہو۔

---

[1] امام سیوطی رحمہ اللہ کا ایک رسالہ بنام "فضل الجلد عند فقد الولد" میرے پاس زیر تحقیق ہے' اللہ تعالیٰ اسے مکمل کرنے اور اسے نشر کرنے کی آسانی عطا فرمائے۔

[2] یہ اس گناہ سے علاوہ ہے جو اسے حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے کی پاداش میں ملنے والا ہے' جب وہ اس حکم پر عمل کرنے کی قدرت و استطاعت بھی پاتا ہو۔

سیر و سیاحت

ابلیس نے ان میں سے ایک خلقِ کثیر پر یہ تلبیسی وار کیا ہے کہ انھیں سیر و سیاحت کے لیے گھروں سے نکال دیا ہے' نہ کسی معروف و خاص جگہ کی طرف اور نہ ہی حصول علم کی خاطر' بلکہ ان میں سے اکثر تو تن تنہا بغیر زادِ سفر کے نکل جاتے ہیں' اور اس فعل کو توکل کا نام دیتے ہیں! کتنے ہی ایسے ہیں جن سے باجماعت نمازوں کی فضیلت فوت ہوتی رہتی ہے باوجود اس کے وہ خیال رکھتے ہیں کہ وہ مصروف اطاعت ہیں اور مقام ولایت کے قریب تر ہو رہے ہیں' حالانکہ یہ لوگ نافرمان اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مخالف ہیں۔

اوران لوگوں کی سیر و سیاحت کسی قیام مقصود کی طرف تو ہوتی ہی نہیں' جبکہ رسول اللہ ﷺ نے زمین میں بلا مقصد اور بغیر ضرورت و حاجت دوڑ دھوپ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

سنن ابی داؤد میں سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: یا رسول اللہ (ﷺ)! مجھے سیر و سیاحت کرنے کی اجازت عطا فرمائیں تو نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ سِیَاحَةَ أُمَّتِي الْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ))

''میری امت کی سیر و سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔''[1]

اسحاق بن ابراھیم بن ہانی نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے یہ روایت لی ہے' آپ سے ایک آدمی کے متعلق پوچھا گیا' جو زمین میں سیاحت کرتا اور عبادت گزاری میں مصروف

---

[1] سنن ابی داؤد' الجهاد' باب فی النهی عن السیاحة' حدیث: ۲۴۸۶ اور حاکم نے بھی (۷۳/۲) میں اسے روایت کیا ہے۔

رہتا ہے وہ آپ کو زیادہ محبوب ہے یا وہ جو شہروں میں اقامت گزیں رہتا ہے؟

فرمایا: سیر و سیاحت کا اسلام میں کوئی وجود نہیں ہے اور نہ ہی اس کا انبیائے کرام اور صالحین کے فعل سے کوئی رشتہ و تعلق ہے۔[1]

سیر و سیاحت کے معاملے میں صوفیاء کے مسلک کا تنقیدی جائزہ

تن تنہا گھر سے نکلنے سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے، سیدنا عمرو بن شعیب رحمہ اللہ اپنے باپ اور دادے سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اَلرَّاكِبُ شَيْطَانٌ، وَالرَّاكِبَانِ شَيْطَانَانِ، وَالثَّلَاثَةُ رَكْبٌ))

''ایک سوار شیطان ہے، دو سوار بھی شیطان ہیں اور تین سوار قافلہ ہے۔''[2]

---

[1] جدید اسلوب میں ایک سیاحت ہے جیسے بعض دعوتی اور تبلیغی جماعتوں کے لوگ گھر بار، اہل و عیال اور اپنے کاروبار ترک کرنے جیسے کام کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ ان کے گمان کے مطابق فی سبیل اللہ کے زمرے میں ہیں، حالانکہ جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں اس امت کے سلف صالحین سے ان کے طریقوں کے مطابق منقول نہیں ہے جیسا کہ قبل ازیں بھی میں نے اس کی جانب تعلیقاً اشارہ کیا ہے۔
اللہ سبحانہ تعالیٰ ہمارے شیخ البانی کو جزائے خیر عطا فرمائے، آپ نے انھیں ''دور حاضر کے صوفی'' قرار دیا ہے۔ اس طرح یہ بات بالکل اس بات کے مشابہ ہے جسے مصنف نے امام احمد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔ ذرا غور فرمائیں!

[2] اسے امام ابو داود نے الجهاد، باب فی الرجل يسافر وحده، حديث : ۲۶۰۷ ترمذی نے الجهاد، باب ماجاء فی كراهية ان يسافر الرجل وحده، حديث : ۱۶۷۴۔ اور حاکم نے (۲/۱۰۲) بیہقی نے (۵/۲۶۷) میں اور امام احمد نے (۲/۱۷۶، ۲۱۴) میں روایت کیا ہے۔
اور اس کی سند حسن ہے۔
اور ہمارے شیخ محترم نے ''السلسلة الصحيحة'' (حدیث ۶۲) میں اس کی تخریج کے بعد لکھا ہے:
''.........پھر اس حدیث مبارکہ میں بعض صوفیاء کے تن تنہا جنگلوں میں سیر و سیاحت کی غرض سے اور ان کے گمان کے مطابق تہذیب نفس کے لیے نکلنے پر صراحۃ تردید بھی موجود ہے۔
ان کی کثیر تعداد اس اثنا میں بھوک و پیاس کی وجہ سے لقمۂ اجل بھی بن جاتے ہیں یا پھر لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتے پھرتے ہیں جس طرح کہ انہوں نے ان کے بارے میں روایت شدہ حکایتوں میں ذکر کیا ہے۔ حالانکہ بہترین سیرت تو سیدنا محمد ﷺ کی سیرت ہے۔''

رات کا سفر

پھر یہ لوگ رات کو بھی تن تنہا چلتے پھرتے ہیں حالانکہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے' سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي الْوَحْدَةِ' مَا سَارَ أَحَدٌ وَّحْدَهُ بِلَيْلٍ أَبَدًا))

''جتنا میں جانتا ہوں' اگر لوگوں کو بھی اکیلے سفر (کی برائیوں) کے متعلق اتنا علم ہوتا تو کوئی سوار رات میں اکیلا سفر نہ کرتا۔''[1]

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَقِلُّوا الْخُرُوْجَ إِذَا هَدَأَتِ الرِّجْلُ' فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَبُثُّ فِيْ خَلْقِهٖ مَا شَآءَ))

''جب آمد و رفت خاموش ہو جائے تو کم باہر نکلا کرو' کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے پھیلا دیتا ہے۔''[2]

ان میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے سفر کرنے ہی کو اپنا شیوہ اور شعار بنا لیا ہے' حالانکہ سفر فی نفسہٖ مقصود نہیں ہوتا' نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ يَمْنَعُ أَحَدَكُمْ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ وَنَوْمَهُ فَإِذَا قَضٰى نَهْمَتَهُ فَلْيُعَجِّلْ إِلٰى أَهْلِهٖ))[3]

''سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے' جب کوئی اپنی ضرورت پوری کر چکے تو اپنے اہلِ خانہ

---

[1] صحیح بخاری' الجهاد' باب السير وحده' حديث: ۲۹۹۸۔

[2] اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے الادب المفرد: ۱۲۳۴ میں' امام احمد نے (۳/۳۰۶) میں' امام ابن حبان نے (۱۹۹۶) میں اور حاکم نے (۱/۴۴۵' ۴/۲۸۳) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں ''عنعنة ابن اسحق'' کی وجہ سے ضعف پایا جاتا ہے۔
البتہ اس کے دو دیگر طریق ''الادب المفرد'' (۱۲۳۳' ۱۲۳۵) میں موجود ہیں جن کے ساتھ یہ قوت پکڑ جاتی ہے' لہٰذا یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔ واللہ اعلم۔

[3] صحیح بخاری' العمرة' باب السفر قطعة من العذاب' حديث: ۱۸۰۴۔
صحیح مسلم' الامارة' باب السفر قطعة من العذاب' حديث: ۱۹۲۷۔ عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ

کی طرف جلد پلٹ آئے"

اب جس نے سفر کرنے ہی کو اپنا شیوہ بنا رکھا ہے تو وہ عمر ضائع کرنے کے ساتھ ساتھ نفس کو مبتلائے عذاب رکھے ہوئے ہے' جبکہ یہ دونوں مقاصد ہی فاسد اور فضول ہیں۔

بغیر زادِ راہ ویرانوں اور جنگلوں میں بسیرا

ابلیس نے ان میں سے خلق کثیر پر داؤ چلایا ہے اور انھیں یہ وہم دلایا ہے کہ توکل زادراہ کو چھوڑ دینے کا نام ہے اور ہم مذکورہ بالا مباحث میں اس کی خرابی کو واضح کر چکے ہیں' مگر یہ راہ و رسم ان جاہلوں میں عام رواج پذیر ہے اور بے وقوف قصہ گو حضرات ایسی داستانیں ان کے متعلق مدح وستائش کے رنگ میں بیان کرتے ہیں جن کے ضمن میں لوگوں کو ترغیب وتحریض ملتی ہے کہ وہ بھی ایسا کرنے کو وطیرہ بنائیں۔

ان لوگوں کے افعال سے اور ان قصہ گو حضرات کی ان صوفیاء کی ستائش وتعریف کرنے سے حالات خراب ہو چکے ہیں' اور عوام الناس پر راہ حق وصواب مخفی ہو چکی ہے۔

اس سلسلے میں ان سے بہت سی حکایتیں منقول ہیں' میں ان میں سے ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے مصداق چند ایک ذکر کرتا ہوں۔ فتح الموصلی کہتے ہیں: میں سفرِ حج کے لیے روانہ ہوا' جب میں وسیع وعریض جنگل میں پہنچا' اچانک میری نگاہ ایک چھوٹے سے لڑکے پر پڑی' میں نے دل میں کہا: کتنے تعجب کی بات ہے! وسیع وعریض جنگل' چٹیل میدان اور چھوٹا سا لڑکا۔

میں تیز تیز قدموں سے چل کر اس کے پاس پہنچا' اسے سلام عرض کیا اور پھر یوں پوچھا: ننھے برخوردار! تو تو ننھا سا لڑکا ہے' ابھی تو تیرے اوپر احکامِ شریعت بھی لاگو نہیں ہوئے۔ وہ بولا: چچا جان! مجھ سے بھی کم عمر بچے فوت ہو چکے ہیں۔ میں نے عرض کی: ذرا قدم بڑھاتے آؤ' کیونکہ سفر دراز درپیش ہے تاکہ آپ منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں۔ وہ بولا: ارے چچا جان! میرا کام فقط چلنا ہے' منزل تک پہنچانا اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے' کیا آپ

نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان گرامی نہیں پڑھا:

﴿ وَ الَّذِیۡنَ جَاهَدُوۡا فِیۡنَا لَنَهۡدِیَنَّهُمۡ سُبُلَنَا ؕ ﴾

(العنکبوت : ۲۹/ ۶۹)

''اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم انھیں اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔''

میں نے پھر اس سے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ میں آپ کے پاس کوئی زادِ سفر دیکھتا ہوں اور نہ ہی کوئی سواری' اس نے جواب دیا: اے چچا جان! یقین میرا زاد راہ ہے اور امید میری سواری ہے! میں نے عرض کی: میں نے تو آپ سے اشیائے خورد و نوش کے متعلق استفسار کیا ہے' وہ بولا: میرے چچا جان! ذرا آپ مجھے یہ بتائیں کہ اگر آپ کے بھائیوں میں سے کوئی بھائی یا آپ کے دوستوں میں سے کوئی دوست آپ کو اپنے گھر میں مدعو کرے' کیا آپ اپنے ساتھ اپنے گھر سے کھانا لے جانا اچھا خیال کریں گے تاکہ اس کے گھر پہنچ کر آپ اپنا کھانا تناول کریں؟ میں نے عرض کی: کیا میں آپ کو کھانا پیش کر سکتا ہوں؟ وہ یوں بولا: ارے فضول آدمی! مجھ سے دور ہٹ' وہی ہمیں کھلاتا اور پلاتا ہے۔

فتح الموصلی نے کہا ہے: میں نے اس سے کم عمر' اس سے زیادہ صاحبِ توکل نہیں دیکھا اور نہ ہی کسی بڑی عمر والے کو اس سے بڑھ کر صاحبِ زہد دیکھا ہے۔

اس طرح کی حکایت[1] سے امور و معاملات خراب ہو جاتے ہیں اور یہ گمان کر لیا جاتا ہے کہ یہی درست و صواب ہے' اور بڑا آدمی یوں کہتا ہے: جب چھوٹے نے ایسا کر لیا ہے' میں تو اس عمل کا اس سے زیادہ حقدار ہوں!

بچے پر تعجب نہیں ہے' بلکہ تعجب تو اس پر ہے جو اسے ملا تھا' اس نے اسے کیوں نہ معلوم کروایا کہ یہ جو کر رہا ہے یہ تو برا اور منکر ہے کیونکہ جس ذات نے تجھے اپنے گھر بلایا ہے اس نے ہی تجھے زادِ راہ ساتھ لے جانے کا حکم دیا ہے!!

لیکن افسوس تو یہ ہے کہ اس راستے پر اس قوم کے بڑے چلتے رہے ہیں تو چھوٹے

---

[1] میں تو اسے صحیح اور درست ہی نہیں مانتا۔

کیوں نہ چلیں گے!؟

احمد بن علی کہتے ہیں! ایک آدمی نے ابوعبداللہ بن جلاء سے کہا: آپ اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو جنگل میں بلا زادِ سفر ہی داخل ہوتا ہے؟ تو اس نے جواب دیا: یہ تو مردانِ حق کا کام ہے' پوچھنے والے نے پوچھا: اگر وہ مر جائے؟ اس نے جواب دیا: قاتل پر دیت ہے۔

یہ شرعی احکام سے جاہل اور لاعلم آدمی کا فتویٰ ہے جبکہ فقہائے اسلام کے مابین اس فتوئ میں کوئی بھی اختلاف نہیں ہے کہ جنگل میں بغیر زادراہ کے داخل ہونا ناجائز ہے اور جو اس طرح کرے اور بھوکا ہی مر جائے تو بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے' آتش جہنم میں داخل ہونے کا مستحق ہے۔ جب کوئی اپنے آپ کو ایسے معاملے میں جھونک دے جس میں غالبًا ہلاکت ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ نفوس ہمارے پاس امانت رکھے ہیں' اس نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوٓا أَنفُسَكُمْ ﴾ (النساء : ۴/ ۲۹)

''اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو''

اگرچہ یہ اس مسافر کے لیے ہے جو بغیر زادراہ کے سفر کرتا ہے لیکن یہ بات ضرور ہے کہ وہ اس فرمان الٰہی کی یعنی

﴿ وَتَزَوَّدُوا ﴾ (البقرۃ : ۲/ ۱۹۷)

''اور اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو''

کی مخالفت کر رہا ہے' اس کے لیے تو یہی کام کافی ہے!

ابوعبداللہ بن خفیف کہتے ہیں: میں اپنے تیسرے سفر میں شیراز سے چلا' میں وسیع جنگل میں اکیلا ہی بھٹکتا پھرا' مجھے بھوک و پیاس کی وہ شدت پہنچی کہ میرے آٹھ دانت گر گئے اور سارے بال بھی جھڑ گئے۔

یہ تو اس نے اپنی ذات کے متعلق بیان کیا ہے جس کا ظاہر یہی نظر آتا ہے کہ وہ اپنے فعل پر مدح کا خواہش مند ہے' حالانکہ اس عمل و فعل پر تو وہ خدمت کا زیادہ حقدار ہے۔

ابو حمزہ صوفی کہتے ہیں: میں تو اللہ تعالیٰ سے حیا محسوس کرتا ہوں کہ شکم سیری کی حالت میں جنگل میں داخل ہو جاؤں اور پھر توکل کا عقیدہ بھی رکھوں، کہیں میری شکم سیری ایسا زاد نہ بن جائے جسے میں زادراہ بنا کر چلا ہوں۔

میں عرض کرتا ہوں: اس طرح کی باتوں پر گفتگو پہلے گزر چکی ہے، ان لوگوں نے تو ترکِ اسباب کو توکل کا نام دے رکھا ہے، اگر معاملہ ایسا ہی ہوتا تو بلاشبہ رسول اللہ ﷺ جس وقت زادراہ لے کر غار کی طرف نکلے تھے آپ تو پھر توکل کی حدود سے باہر نکل گئے، اور بالکل اسی طرح سیدنا موسیٰ علیہ السلام جب سیدنا خضر علیہ السلام کی ملاقات کو چلے تھے تو مچھلی کا زادراہ لے کر چلے تھے۔[1]

اور اصحابِ کہف جس وقت نکلے تھے تو اپنے ساتھ درہم لے کر چلے تھے اور اپنی اشیاء کو چھپائے ہوئے چلے تھے!

لیکن ان لوگوں پر اپنی جہالت کے سبب توکل کا معنی ہی مخفی رہا ہے!

البتہ ابو حامد نے ان کی طرف سے یوں معذرت پیش کی ہے، کہا ہے کہ بغیر زادراہ کے جنگل میں داخل ہونا جائز نہیں ہے، مگر دو شرطوں کے ساتھ:

❀ انسان نے اپنے نفس کو سدھایا اور ہلایا ہوا ہو، اس طرح کہ ایک ہفتہ عشرہ تک بغیر طعام کے گزارا کرنا اس کے لیے ممکن ہو۔

❀ جنگلی گھاس اور جڑی بوٹیوں کو بطورِ غذا استعمال کرنا اس کے لیے ممکن ہو اور جنگل اس بات سے تو خالی نہ ہوگا کہ ایک ہفتہ بعد تک اسے کوئی آدمی مل جائے یا وہ جنگل میں پڑاؤ ڈالے ہوئے کسی قافلے کے پاس یا کسی گھاس پھوس کے پاس پہنچ جائے جس سے اسے غذا ملنے کی امید ہو۔

اس قول کی سب سے بڑی برائی یہ ہے کہ یہ ایک فقیہ کی زبان سے صادر ہوا ہے

---

[1] جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق سورۃ الکہف (۵۹۔۶۴) میں بیان فرمایا ہے۔
ملاحظہ فرمائیں امام سیوطی رحمہ اللہ کا رسالہ ''الفارق بین المصنف والسارق'' (ص:۷۱۔۷۷) اور اس پر میری تعلیقات، اس میں سیدنا موسیٰ اور خضر کے قصے کی تفصیل ہے۔

کیونکہ بعض اوقات ایسا بھی تو ہوسکتا ہے کہ اس کی کسی سے ملاقات ہی نہ ہو' اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ راستہ بھٹک جائے یا وہ بیمار ہی ہو جائے تو ایسی صورت حال میں گھاس کھانا اس کے لیے مفید نہ ہو' یا اس کی کسی ایسے سے ملاقات ہو جائے جو کھانے کو کچھ نہ دے سکتا ہو' یا کسی ایسے سے اس کا آمنا سامنا ہو جائے جو اس کی مہمان نوازی بھی نہ کرسکتا ہو' اور یہ بات تو یقینی ہے کہ نماز باجماعت تو اس کی فوت ہو رہی ہے اور یہ راستے میں لقمہ اجل بھی بن سکتا ہے اور کوئی اس کی طرف توجہ دینے والا بھی نہ ہو۔ ہم تنہا سفر کرنے کے بارے میں وارد شدہ احکاماتِ شرع کا تذکرہ کر چکے ہیں اور تنہا سفر کی تردید بھی پیش کر چکے ہیں۔

پھر سوچنے کی بات یہ ہے کہ ان مشکلات و مصائب کی طرف جانے کی ضرورت ہی کیا ہے' اگرچہ اسے اپنی عادت پر اعتماد ہو یا کسی شخص سے ملنے کی آس ہو یا گھاس پھوس کھانے کی امید ہی ہو؟! اس صورت حال میں کون سی فضیلت ہے کہ وہ اپنے نفس کو ہلاکت خیزیوں میں ڈال رہا ہے؟!

انسان کو کہاں حکم دیا گیا ہے کہ گھاس پھوس کو بطور غذا استعمال کرے؟ اور سلف صالحین میں سے کس نے ایسا کیا ہے؟!

گویا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر یہ لازم قرار دے رہے ہیں کہ وہ انھیں جنگل اور ویرانے میں رزق فراہم کرے! اور جس نے بھی ویرانے اور جنگل میں طعام طلب کیا ہے' اس نے بلاشبہ ایسا مطالبہ کیا ہے جو عادت اور دستور کے موافق نہیں ہے' کیا آپ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو دیکھ نہیں رہے کہ جب انھوں نے زمین کی ترکاری' ککڑی' گندم' دال اور پیاز وغیرہ کا سوال کیا تھا' تو اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو یہ فرما دیا تھا:

﴿ اِهْبِطُوْا مِصْرًا ﴾ (البقرہ: ۲/ ۶۱)

''اچھا شہر میں جاؤ''

کیونکہ انھوں نے جو اشیاء مانگی تھیں وہ شہروں میں ہوتی ہیں۔

لہٰذا یہ لوگ شرع اور عقل کی مخالفت کرنے کی بنا پر خواہشات اور نفس کے مطابق عمل کرنے کی بنا پر بڑی غلطی پر ہیں۔

محمد بن موسیٰ جرجانی کہتے ہیں: میں نے محمد بن کثیر صنعانی سے ایسے زاہدوں کے متعلق دریافت کیا جو زادِ راہ ساتھ لے کر جاتے ہیں‘ نہ جوتا پہنتے ہیں اور نہ ہی موزے پہنتے ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا: تو نے مجھ سے شیاطین کی اولاد کے متعلق سوال کیا ہے‘ زاہدوں کے بارے میں کچھ دریافت نہیں کیا! میں نے عرض کی: تو پھر زہد کیا چیز ہے؟ فرمایا: سنتِ پیغمبر سے وابستگی اور اصحابُ النبی ﷺ سے مشابہت۔

احمد بن حسین بن حسان بیان کرتے ہیں کہ امام ابوعبداللہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو بغیر توشے کے ویرانے کے سفر پر نکلنے کا ارادہ رکھتا ہے تو آپ نے اسے بڑی سختی سے منع فرمایا اور اس طرح فرمایا‘ اف‘ نہیں‘ بالکل نہیں‘ اور اپنی آواز کو قدرے بلند فرمایا: الا کہ زادِ سفر کے ساتھ اور رفقائے قافلہ کے ہمراہ۔

ابوبکر مروزی نے کہا ہے: ایک آدمی ابوعبداللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا ایک آدمی سفر کا ارادہ رکھتا ہے‘ آپ کو کون سا فعل محبوب ہے؟ وہ زادِ راہ لے کر عازمِ سفر ہو یا فقط توکل ہی کرے؟ ابوعبداللہ رحمہ اللہ نے یوں جواب دیا: وہ زادِ راہ لے کر چلے اور توکل کرے تا کہ لوگوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔

احمد بن نصر بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے ابوعبداللہ سے استفسار کیا: کیا کوئی آدمی اپنے ساتھ کچھ لیے بغیر توکل رکھتے ہوئے مکہ کی جانب جا سکتا ہے! آپ نے فرمایا: مجھے تو بالکل پسند نہیں‘ وہ کہاں سے کھائے گا؟ وہ بولا: وہ توکل کرے گا‘ اور لوگ اسے کچھ نہ کچھ عطا کر دیا کریں گے! آپ نے استفسار فرمایا: تو جب لوگ اسے کچھ نہ دیں گے‘ کیا وہ لوگوں کی طرف جھانکے گا نہیں تا کہ وہ اسے کچھ نہ کچھ دیں؟! لہٰذا مجھے یہ قطعاً ناپسند ہے‘ مجھے تو نبیٔ اکرم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اور تابعین عظام میں سے کسی سے ایسا کوئی فعل نہیں پہنچا۔

حسین رازی کہتے ہیں: میں بذاتِ خود امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اہلِ خراسان سے ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور یوں عرض پرداز ہوا: اے ابوعبداللہ! میرے پاس ایک درھم ہے‘ کیا میں اس کے ساتھ حج کر سکتا ہوں؟ تو امام احمد رحمہ اللہ نے اسے یوں جواب دیا: کرخ دروازے کی جانب جاؤ‘ اس درھم سے اور بوجھ اٹھایا کر‘ حتیٰ کہ

تیرے پاس تین سو درھم ہو جائیں پھر حج کو جانا۔ وہ بولا: اے ابوعبد اللہ! آپ لوگوں کے ذرائع آمدنی کو نہیں دیکھتے؟ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: اس طرف مت دیکھو' کیونکہ جو شخص اس جانب رغبت رکھے گا' وہ تو لوگوں کے روزگار کو خراب کرنے کا ارادہ رکھے گا۔ وہ آدمی پھر بولا: اے ابوعبد اللہ! میں توکل کر لیتا ہوں۔ آپ نے جواب ارشاد فرمایا: اچھا یہ بتا! تو اکیلا ہی جنگل میں داخل ہوگا یا لوگوں کے ہمراہ؟ وہ بولا: اکیلا تو نہیں' البتہ لوگوں کے ساتھ ہی جاؤں گا' آپ نے فرمایا: ایسی صورت میں تو جھوٹا ہے' تو توکل کرنے والا نہیں ہے' تو اکیلا ہی جنگل میں داخل ہو' وگرنہ تو لوگوں کی تھیلیوں پر توکل کرنے والا ہے۔

سیر و سیاحت اور خلاف شرع افعال

ابوحمزہ خراسانی کہتے ہیں: میں ایک سال حج کے لیے روانہ ہوا' میں راستے میں چلا جا رہا تھا' کہ ایک کنویں میں گر گیا۔ میرے دل نے مجھ سے جھگڑا کیا کہ میں فریاد کروں اور کسی کو مدد کے لیے پکاروں۔

میں نے کہا: نہیں' بالکل نہیں' اللہ کی قسم! میں کسی سے فریاد نہیں کروں گا' میں نے اپنے اس خیال کو بالکل پورا نہ کیا' حتیٰ کہ کنویں پر سے دو آدمی گزرے' ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: آؤ ہم اس کنویں کے منہ کو جو اس راستے میں واقع ہے بند کر دیں' چنانچہ وہ سرکنڈے اور بوریے لے آئے' پھر میں نے منہ ہی منہ میں یوں کہا: اس ذات کی طرف التجا کرتا ہوں جو ان دونوں کی نسبت میرے زیادہ قریب ہے! بالآخر میں چپ ہی رہا حتیٰ کہ انہوں نے کنویں کے منہ کو ڈھانک دیا' اچانک کوئی چیز آئی' اس نے کنویں کے منہ سے کچھ راستہ بنایا اور اپنی دونوں ٹانگیں کنویں میں لٹکا دیں اور وہ اپنی بڑبڑاہٹ یعنی اپنی آواز میں یوں کہہ رہا تھا: میرے ساتھ چمٹ جاؤ' لہٰذا میں اس سے چمٹ گیا' اس نے مجھے باہر نکال دیا میں نے اسے دیکھا' وہ تو کوئی درندہ تھا' پھر کسی ہاتفِ غیبی نے مجھے آواز دی اور یوں بولا: اے ابوحمزہ! کیا یہ اچھا نہیں ہے ہم نے تجھے ایک باعثِ تلف چیز سے دوسری باعث تلف چیز کے ذریعے نجات دے دی ہے!

جب وہ کنویں سے باہر نکلا تو یوں اشعار پڑھنے لگا:

نَهَانِیْ حَیَائِیْ مِنْكَ اَنْ اَكْشِفَ الْهَوٰی
فَاَغْنَیْتَنِیْ بِالْقُرْبِ مِنْكَ عَنِ الْكَشْفِ

مجھے میرے حیا نے روکے رکھا کہ میں اپنی خواہش وتمنا کا اظہار کروں چنانچہ تیرے قرب نے مجھے اظہار خواہش سے بے نیاز ہی رکھا"

تَرَاءَیْتَ لِیْ بِالْغَیْبِ حَتّٰی كَاَنَّنِیْ
تُبَشِّرُنِیْ بِالْغَیْبِ اَنَّكَ فِی الْكَفِّ

"تو باوجود غیب ہونے کے مجھے یوں نظر آیا گویا کہ تو عالم غیب سے مجھے یوں بشارت دے رہا تھا کہ تو تو بالکل سامنے ہے"

اَرَاكَ وَ بِیْ مِنْ هَیْبَتِیْ لَكَ وَحْشَةٌ
وَ تُؤْنِسُنِیْ بِالْعَطْفِ مِنْكَ وَ بِاللُّطْفِ

"میں تجھے اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں جبکہ تیری ہیبت کے مارے مجھ پر وحشت طاری تھی اور تو تھا کہ اپنے لطف وعنایت سے مجھے مانوس بنا رہا تھا"

وَ تُحْیِیْ مُحِبًّا اَنْتَ فِی الْحُبِّ حَتْفُهٗ
فَاَغْنَیْتَنِیْ بِالْقُرْبِ مِنْكَ عَنِ الْكَشْفِ

"تو ایسے محبّ کو زندۂ جاوید بنا دیتا ہے جسے تو راہ محبت میں ہلاک کرتا ہے' چنانچہ تیرے قرب نے مجھے اظہار خواہش سے بے نیاز ہی رکھا۔"

اس کنویں میں گرنے والے ابوحمزہ کے بارے میں اختلاف ہے' ابوعبدالرحمٰن سلمی نے کہا: وہ ابوحمزہ خراسانی ہے' جو کہ جنید کے ساتھیوں میں سے تھے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ دمشقی تھے۔

اور حافظ ابونعیم نے کہا: وہ ابوحمزہ بغدادی ہے اور ان کا نام محمد بن ابراہیم ہے۔

اور خطیب نے اسے اپنی "تاریخ"[1] میں ذکر کیا ہے اور ان کے نام پر یہ حکایت بھی بیان کی ہے۔

---

[1] تاریخ بغداد (۱/۳۹۰)

جو بھی ہو' وہ اپنے فعل میں خطا کار ہے اپنی خاموشی کی وجہ سے شریعت کے برخلاف عمل پیرا ہونے والا ہے' اپنے سکوت کے ساتھ اپنی جان کے برخلاف مدد کرنے والا ہے' حالانکہ اس پر واجب تھا کہ جب وہ کنویں کو ڈھانکنے لگے تھے' یہ چیختا چلاتا اور انھیں کنواں ڈھانکنے سے منع کرتا' جس طرح کہ اس پر واجب تھا کہ اپنے نفس کا اس آدمی سے دفاع کرتا جو اسے قتل کرنے کا قصد کرتا۔ اس کا یوں کہنا: ''میں کسی سے فریاد نہیں کروں گا'' یہ تو کسی کا یوں کہنا ہے! میں کھانا نہیں کھاؤں گا اور میں پانی نہیں پیوں گا' اور یہ ایسا کرنے والے کی جہالت اور تخلیق دنیا سے مقصود حکمت کی مخالفت ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیائے عالم کو حکمت کے ساتھ تخلیق فرمایا ہے۔ اس نے آدمی کو ہاتھ عطا فرمائے ہیں تاکہ ان سے دفاع کر سکے' زبان دی ہے تاکہ اس سے بول سکے' عقل سے نوازا ہے تاکہ نقصان دہ چیزوں کو دور کرنے اور مصلحتوں کے حصول کے لیے اس کی رہنمائی کرے' تمام غذاؤں اور دواؤں کو انسانوں کی مصلحت و منفعت کے لیے بنایا ہے' لہٰذا جو شخص ان اشیاء کو استعمال میں لانے سے روگردانی کرے جن مقاصد کے لیے انھیں بنایا گیا ہے' اور جن کے لیے رہنمائی فرمائی گئی ہے تو بلاشبہ وہ کلمہ شرع کا انکار کرنے والا ہے اور وہ صانع کی حکمت کو معطل ٹھہرانے والا ہے۔

اگر کوئی جاہل یوں کہے: میں تقدیر کے معاملے کے ساتھ اپنا بچاؤ کس طرح کر سکتا ہوں؟ ہم عرض کریں گے: کس طرح تقدیر میں لکھے ہونے کے باوجود اپنا بچاؤ نہ کیا جائے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

﴿ خُذُوا حِذْرَكُمْ ﴾ (النساء : ۴/ ۷۱)

''اپنے بچاؤ کا سامان لے لو۔''

اور نبیٔ اکرم ﷺ غار (ثور) میں چھپے رہے' آپ نے یوں نہیں فرمایا: میں توکل کرتے ہوئے باہر نکلتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کا بدنِ مبارک تو بدستور اسباب کے ساتھ ہی رہا ہے جبکہ آپ کا قلبِ مبارک مسبب الاسباب کے ساتھ تھا۔

اور ہم اس اصل قانون پر قبل ازیں سیر حاصل بحث کر چکے ہیں۔

ابوحمزہ کا یہ کہنا: "میرے باطن سے مجھے آواز آئی"[1] یہ تو نادان اور جاہل نفس کی بات ہے جس کے نزدیک جہالت کے باعث یہ نظریہ بن چکا ہے کہ توکل ترکِ اسباب کا نام ہے' کیونکہ شرع انسان سے ایسے امور کا مطالبہ نہیں کرتی جن سے اس نے منع کر رکھا ہو۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ اس کے باطن نے اسے اس جانور کی طرف ہاتھ بڑھانے' اس کی ٹانگوں سے چمٹنے اور ان کے ساتھ باہر نکلنے کے وقت کیوں نہ روکا' کیونکہ یہ بھی تو ترکِ اسباب کے دعویٰ کے متضاد تھا جس کا نام انھوں نے توکل رکھا ہوا ہے کیونکہ اس قول کہ میں کنویں میں ہوں اور اس لٹکی ہوئی چیز کو مضبوطی سے تھامنے کے مابین تو کوئی فرق نہیں ہے بلکہ دوسرا عمل تو زیادہ تاکیدی ہے کیونکہ فعل قول کی نسبت تاکیدی ہوتا ہے' تو وہ اس وقت بھی کیوں خاموش نہ بیٹھا رہا تاکہ بلا سبب ہی اٹھایا جاتا اور باہر لایا جاتا۔

لیکن اگر کہے: یہ تو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے بھیجا تھا!

تو جواب میں یوں عرض کریں گے: وہ جو کنویں پر آئے تھے وہ بھی تو اللہ تعالیٰ کے بھیجنے ہی سے آئے تھے اور زبان جو فریاد کر سکتی تھی وہ بھی تو اس کی پیدا کردہ چیزوں میں سے ہے' اگر وہ اس موقعہ پر زبان کو استعمال میں لاتا تو ان اسباب کو استعمال کرنے والا ہی ٹھہرتا جنھیں اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمایا ہے' تاکہ ان سے نفع اٹھاتے ہوئے اس آفت کو منع کر سکتا' لیکن اس نے اس سبب کو تو استعمال نہیں کیا! بلکہ اپنی خاموشی کے ساتھ اسباب کو معطل رکھا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس کے لیے ہی پیدا کیا تھا' اور اس نے حکمت کو بھی استعمال نہ کیا' لہٰذا ان اسباب کو ترک کیے رکھنے پر اس کی ملامت کرنی بالکل درست ہے۔

مومل مغابی بیان کرتے ہیں' میں محمد بن سمین کے ہمراہ رہا کرتا تھا' ایک مرتبہ ہم نے تکریت اور موصل کے درمیان سفر کیا' ہم ایک جنگل اور ویرانے میں سے گزر رہے تھے کہ اچانک ایک درندہ ہمارے قریب آ کر دھاڑا' میں گھبرا گیا' میرا رنگ متغیر ہو گیا بلکہ میرے چہرے پر اس کے آثار بھی نمایاں ہو گئے' قریب تھا کہ میں راہ فرار اختیار کر لیتا لیکن اس نے مجھے تھام لیا اور فرمانے لگے: اے مومل! توکل کا مظاہرہ یہاں کرو' صرف جامع مسجد میں

---

[1] جس طرح کہ اسی قصے کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں۔

ہی نہیں!

اس چیز میں مجھے تو کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ توکل کا اثر صاحب توکل میں سختیوں اور مصائب کے موقعوں پر ہی ظاہر ہوتا ہے لیکن اس کے تقاضوں میں یہ بات شامل نہیں ہے کہ اپنے آپ کو کسی درندے کے حوالے ہی کر دیا جائے۔ کیونکہ یہ ناجائز ہے۔

بعض مشائخ کہتے ہیں کہ علی رازی سے پوچھا گیا: کیا وجہ ہے کہ ہم آپ کو ابوطالب جرجانی کے ہمراہ نہیں دیکھتے؟ تو انہوں نے یوں جواب دیا: ہم ایک بار اکٹھے سفر پر گئے' راستے میں ہم ایک ایسی جگہ سونے کے لیے رک گئے جہاں درندے تھے' تو جب اس نے مجھے دیکھا' کہ میں تو سویا ہی نہیں ہوں' تو اس نے مجھے دھتکار دیا اور یوں کہا: آج کے بعد میرے ساتھ نہ رہنا۔

میں عرض کرتا ہوں: اس نے اس پر ظلم اور زیادتی کی ہے کیونکہ اس نے اپنے ساتھی سے ایسی چیز کو بدلنے کی کوشش کی ہے جو اس کی فطرت میں شامل ہے' اس کے اختیار میں نہیں ہے اور نہ شریعت اس کا مطالبہ کرتی ہے۔ اور یہ تو ایسا موقعہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بھی اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے اور سانپ کو دیکھ کر بھاگ نکلے۔

اس لیے یہ سب کچھ اس کی جہالت پر مبنی ہے۔

احمد بن علی وجدی بیان کرتے ہیں: دینوری نے ننگے پاؤں اور ننگے سر بارہ مرتبہ حج کیا' دوران سفر اگر اس کے پاؤں میں کوئی کانٹا بھی چبھ جاتا تھا تو اپنے پاؤں کو زمین پر رگڑ کر پھر چل پڑتے' زمین کی طرف جھک کر پاؤں سے کانٹا نکالنے کی بالکل کوشش نہیں کرتے تھے تاکہ صحت توکل میں کچھ فرق نہ پڑے۔

ذرا غور فرمائیں کہ جہالت ان جاہلوں کے ساتھ کیا کچھ کر رہی ہے' حالانکہ یہ کوئی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا عمل تو نہیں کہ کوئی ننگے پاؤں پورے جنگل کو طے کرے' کیونکہ ایسا شخص تو اپنے آپ کو انتہا درجے کی اذیت پہنچا رہا ہے' اور نہ ہی ننگے سر سفر کرنا کوئی اطاعت ہے۔

ذرا سوچو تو' اس عمل سے کون سی قربت الٰہی حاصل ہو رہی ہے؟ حالتِ احرام میں سر ننگا رکھنا واجب ہے اس لیے ننگا رکھا جاتا ہے۔ اگر یہ واجب نہ ہوتا تو سر ننگا رکھنے کا کوئی

معنی ہی نہ ہوتا۔

اسے کس نے حکم دیا ہے کہ اپنے پاؤں سے کانٹا بھی نہ نکالے؟!

اس سے کون سی اطاعت گزاری ہو رہی ہے؟!

اگر کانٹا پاؤں میں باقی رہنے سے اس کا پاؤں سوج جائے اور وہ ہلاک ہو جائے تو یقیناً اس نے اپنی جان کو تلف اور ضائع کرنے میں خود اعانت کی ہے۔ (گویا کہ خودکشی ہے۔)

پاؤں زمین پر رگڑنے کا مقصد بھی تو تکلیف کم کرنا ہے، پھر اس نے کانٹا نکال کر مکمل تکلیف دور کیوں نہ کر لی؟

اسی لیے تو شریعت نے اس آدمی کے لیے جو حالت احرام میں کسی تکلیف میں مبتلا ہو جائے، جائز رکھا ہے کہ وہ احرام کھول کر عام لباس پہن لے اور سر ڈھانپ لے اور پھر فدیہ ادا کر دے۔

میں نے ابو عبید کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے: میں خوب سوچ بچار کر کے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ آدمی کی عقل یہ چاہتی ہے کہ دھوپ میں چلنے کو چھوڑے اور سائے میں چلنے کو اختیار کرے۔

سفیان ثوری بیان کرتے ہیں: جس آدمی نے بھوکا ہونے کے باوجود سوال نہ کیا اور اسی طرح مر گیا، وہ جہنم میں جائے گا۔

فقہاء کے کلام پر غور کرو کس قدر خوبصورت اور قیمتی باتیں ہیں، بھوکے کے سوال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھوکے آدمی کے لیے سبب پیدا کرنے کو جائز رکھا ہے، جس وقت ظاہری اسباب ختم ہو جائیں تو ایسے آدمی کے لیے سوال کرنے کا اختیار موجود ہے، اس صورتِ حال میں یہی کسب کے قائم مقام ہے، اگر وہ اسے بھی ترک کیے رکھے تو یقیناً اس نے اپنی جان کے حق میں کوتاہی کا ارتکاب کیا ہے، حالانکہ یہ جان تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پاس ایک امانت تھی[1] لہٰذا وہ مستحق عذاب ٹھہرے گا۔

---

[1] انسانی اعضاء کی خیرات کاری کے مسئلہ پر میں نے جو تعلیقاً اشارہ کیا ہے، یہ بھی اس سے بالکل ملتا جلتا بیان ہے، یہ بھی اس کے منع ہونے کی دلیل ہے۔

ابو بکر دقاق بیان کرتے ہیں: میں ایک عرب قبیلے کا مہمان بنا' وہاں مجھے ایک خوبصورت عورت نظر آئی' میں نے اس کی طرف دیکھا' پھر میں نے اپنی وہ آنکھ ہی نکال دی جس کے ساتھ میں نے اس کی جانب دیکھا اور میں نے کہا: جو اللہ کے لیے دیکھتی ہے وہ بھی تو تیرے جیسی آنکھ ہی ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس مسکین کی جہالت اور شریعت سے دوری کی طرف دیکھو' کیونکہ اگر تو اس نے اس خاتون کی جانب بلا ارادہ دیکھا تھا تو اس پر کوئی گناہ نہیں تھا اور اگر دانستہ اور عمداً دیکھا تھا' تو بلاشبہ اس سے گناہ صغیرہ ہی ہوا تھا جس پر اسے ندامت کا اظہار ہی کافی تھا۔ لیکن اس نے تو آنکھ پھوڑ کر گناہ کبیرہ بھی ملا لیا' جس سے اس نے توبہ بھی نہیں کی' کیونکہ اس کا یہ عقیدہ بنا ہوا تھا کہ اس کو نکال دینا ہی قربت الٰہی ہے اور جو آدمی کسی ممنوع کام کو قربت الٰہی کا ذریعہ سمجھے تو یقیناً وہ غلطی کی انتہاء کو پہنچا ہوا ہے۔

بنی اسرائیل میں اس آدمی کا واقعہ سنا ہوگا جس نے ایک عورت کو دیکھ کر اپنی آنکھ نکال لی تھی۔ اول تو یہ کہ یہ حکایت صحیح نہیں ہے' اور اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو ممکن ہے کہ یہ اس شریعت میں جائز ہو' جبکہ یہ کام ہماری شریعت میں حرام ہے۔

گویا کہ ان لوگوں نے ایک نئی شریعت ایجاد کر رکھی ہے جس کا نام انھوں نے تصوف رکھا ہوا ہے اور اپنے نبی سیدنا محمد ﷺ کی شریعت کو ترک کر دیا ہے۔

ہم ایسی شیطانی چالوں سے اللہ کی پناہ پکڑتے ہیں۔

ابو الحسین علی بن احمد بصری جو کہ شعوانہ[1] کے غلام ہیں' بیان کرتے ہیں: مجھے شعوانہ نے یہ بیان کیا ہے کہ اس کے پڑوس میں ایک صالح خاتون رہتی تھی' ایک دن وہ بازار کی طرف نکلی' اسے دیکھ کر کوئی آدمی فتنے میں پڑ گیا' اور اس کے پیچھے پیچھے اس کے گھر کے دروازے تک چلا آیا۔ اس خاتون نے اس آدمی سے پوچھا: تو مجھ سے کیا چاہتا ہے؟ وہ بولا: تیری وجہ سے میں فتنے میں مبتلا ہو گیا ہوں! وہ بولی: تجھے میری کون سی چیز اچھی لگی ہے؟ وہ کہنے لگا: تیری دونوں آنکھیں' یہ سن کر وہ گھر میں داخل ہوئی اور اس نے اپنی دونوں

[1] صوفیاء کے نزدیک یہ عبادت گزار خواتین میں سے ایک ہیں۔

آنکھیں نکالیں اور دروازے کے پیچھے کھڑی ہو کر دونوں آنکھیں اس کی طرف پھینک دیں اور بولی: یہ لے لو اللہ تعالیٰ تمہیں برکت سے محروم رکھے۔

میرے بھائیو! غور کرو کس طرح ابلیس ان جاہلوں سے اٹھکیلیاں کرتا ہے۔ یہ آدمی تو نگاہ ڈالنے کی وجہ سے فقط گناہ صغیرہ کا مرتکب ہوا تھا لیکن وہ گناہ کبیرہ کی مرتکب بن بیٹھی، پھر اس نے یہ بھی گمان رکھا کہ وہ اطاعت الٰہی میں عمل پیرا ہے حالانکہ اسے تو یہ چاہیے تھا کہ کسی غیر محرم اجنبی سے بات تک نہ کرتی۔[1]

حالانکہ اسی قوم سے اس کے برعکس بھی حکایات ملتی ہیں جس طرح کہ ذوالنون مصری وغیرہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: میں جنگل میں ایک عورت سے ملا، میں نے اس سے اور اس نے مجھ سے باتیں کیں، حالانکہ یہ ان کے لیے حلال اور جائز نہ تھا۔

بلکہ ایک بیدار مغز عورت نے اس پر اعتراض بھی کیا جس طرح کہ محمد بن یعقوب عرجی نے کہا: میں نے ذوالنون کو یہ کہتے سنا ہے: میں نے ''بجہ''[2] کے علاقے میں ایک خاتون کو دیکھا، اور اسے بآواز بلند پکارا تو وہ بولی: مردوں کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ مستورات سے کلام کرتے پھریں، اگر تیری عقل میں نقص نہ ہوتا تو یقیناً تجھے کوئی چیز مار دیتی۔

ابو سعید خراز بیان کرتے ہیں: میں بغیر زاد سفر کے ایک بار جنگل میں داخل ہوا اور نوبت فاقوں تک آ پہنچی، مجھے دور سے ایک گاؤں نظر آیا، اور مجھے منزل پر پہنچنے کی وجہ سے بڑی خوشی ہوئی۔ پھر میں نے اپنے دل میں سوچا کہ میں نے بہت برا کیا ہے، میں نے غیر اللہ پر توکل کر لیا ہے، چنانچہ میں نے قسم کھالی کہ میں اس گاؤں میں بالکل داخل نہیں ہوں گا الا کہ مجھے کوئی اٹھا کر لے جائے، میں نے وہاں ریت میں ایک گڑھا کھودا اور سینے تک اپنے آپ کو اس میں چھپا لیا۔ آدھی رات کے قریب میں نے ایک بلند آواز سنی: اے گاؤں والو! میرا ایک ولی جس نے اپنے آپ کو ریت کے گڑھے میں روک رکھا ہے اس کے پاس پہنچو، چنانچہ اہل قریہ کی ایک جماعت آئی، مجھے وہاں سے نکالا اور اٹھا کر گاؤں لے گئے۔

---

[1] بلا ضرورت غیر محرم اجنبی سے باتیں کرنا سلف صالحین کی خواتین کا طریقہ ہرگز نہیں ہے۔ واللہ اعلم

[2] یہ فارس اور اصبہان کے درمیان ایک شہر کا نام ہے، جس طرح کہ یاقوت نے اپنی معجم میں (۱/۳۴۰) میں کہا ہے۔

اس آدمی نے اپنی طبیعت پر تکلف اور غلو سے کام لیا ہے۔ اس نے طبیعت سے ایسے کام کا مطالبہ کیا ہے جس کا اسے اختیار ہی نہ تھا۔ کیونکہ ابن آدم کی طبیعت ہے کہ وہ پسندیدہ چیز سے آرام و راحت پاتا ہے۔ جس طرح کسی پیاسے پر پانی کا اشتیاق کرنے کی وجہ سے کوئی ملامت نہیں ہے اور کسی بھوکے پر طعام کی خواہش و اشتیاق کرنے کی بنا پر کوئی ملامت نہیں ہے' بالکل اسی طرح ہر محبوب و مرغوب چیز کی طرف آرام و راحت پانے اور اس کا شوق ظاہر کرنے میں کوئی ملامت نہیں ہے۔

ایسے کام جو علم اور عقل سے دور ہیں ان سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

پھر اس آدمی کا نماز باجماعت سے اپنے آپ کو پیچھے رکھنے کا عمل بھی تو ہے' اس میں بھلا کون سا اللہ تعالیٰ کے حضور تقرب کا درجہ حاصل ہو رہا ہے؟ یہ تو محض جہالت ہے۔

بھائیو! دیکھو اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائے' اس علم سے دوری نے اس آدمی کے ساتھ کیا کچھ کیا ہے' حالانکہ یہ آدمی اہل خیر و صلاح میں سے تھا' اگر اس کے پاس علم کا نور ہوتا تو یقیناً جان لیتا کہ جو کچھ اس نے کیا ہے وہ تو اس کے لیے حرام تھا' ابلیس کا زاہدوں اور عبادت گزاروں کے لیے جہالت سے بڑھ کر کوئی مددگار و معاون نہیں ہے۔

احمد بن علی بن محسن' ابو اسحاق طبری سے بیان کرتے ہیں کہ مجھے جعفر خلدی نے یوں بیان کیا کہ میں چھپن برس تک میدان عرفات میں وقوف کر چکا ہوں' ان میں سے اکیس بار تو عین مذہب کے مطابق تھا۔ میں نے ابو اسحاق سے دریافت کیا: مذہب کے مطابق ہونے سے اس کی مراد کیا ہے؟ تو فرمانے لگے: یہ ناشریہ کے کماندار پل پر چڑھتے' پھر اپنی دونوں آستینوں کو جھٹکتے تاکہ یہ معلوم کروائیں کہ اس کے پاس کوئی زاد راہ ہے اور نہ ہی کوئی پانی' وہاں سے تلبیہ پڑھنا شروع کرتے اور عازم حج ہوتے۔

یہ تو شریعت کے مخالف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو یوں فرمایا ہے:

﴿ وَتَزَوَّدُوا ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۱۹۷)

''اپنا زاد سفر لے کر چلو۔''

اور رسول اللہ ﷺ بھی زاد راہ لے کر چلتے تھے' اور یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے کہ

اس آدمی کو مہینوں تک کسی خورد و نوش کی چیز کی حاجت نہ ہو' اگر اسے ضرورت پڑسکتی ہے اور وہ اپنے ساتھ زاد راہ لے کر نہیں جا رہا تو وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے جس کی وجہ سے وہ گناہ گار ہو گا۔ اور اگر لوگوں سے سوال کرے گا یا اپنے آپ کو ان کے سپرد کرے گا تو ایسی دونوں صورتوں میں اس کا دعویٰ توکل پورا نہیں ہو گا۔ اور اگر اس کا یہ دعویٰ ہو کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اکرام ملے گا اور اسے بلا سبب ہی رزق فراہم کیا جائے گا تو اس کے نظریے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس اکرام و انعام کا حقدار سمجھتا ہے' یہ ایک نئی مصیبت ہے۔

اگر وہ شریعت کی پیروی کرتے ہوئے اپنے ہمراہ زاد راہ لے کر چلتا' تو اس کے لیے ہر حال میں بہتر ہی بہتر رہتا۔

محمد بن طاہر بیان کرتے ہیں کہ ان کے پاس مکہ سے صوفیاء کی ایک جماعت آئی تو انہوں نے ان سے دریافت کیا! ''تم کن کے ہمراہ آئے ہو؟'' انہوں نے جواب دیا: یمن کے حاجیوں کے ہمراہ۔ تو انہوں نے کہا: اوہ! تصوف یہاں تک پہنچ چکا ہے یا توکل ختم ہو چکا ہے! تم لوگ طریقہ اور تصوف پر قائم رہتے ہوئے یہاں نہیں پہنچے بلکہ تم تو یمنی دستر خوان سے دستر خوان حرم تک آن پہنچے ہو۔

پھر کہا: دوستوں اور نوجوانوں کے حق کی قسم [1] ہم اس سفر میں چار رفقاء تھے' اور ہم بالکل خالی ہاتھ قبر نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے لیے چلے تھے [2] اور ہم اس بات کا عہد کر کے

---

[1] یہ تو غیر اللہ کی قسم ہے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

((مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ' فَقَدْ كَفَرَ اَوْ اَشْرَكَ))

''جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی' اس نے بلاشبہ کفر یا شرک کیا''

سنن ابی داود' الایمان والنذور' باب کراهية الحلف بالآباء' حدیث: ۳۲۵۱۔

سنن ترمذی' النذور والایمان' باب ما جاء فی ان من حلف بغیر اللہ فقد اشرك' حدیث: ۱۵۳۵۔

[2] جس طرح کہ محققین اہل علم کا مذہب و موقف ہے' صرف قبر کی زیارت کے لیے سفر کرنا ناجائز ہے' جیسے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ایک جماعت نے اس موقف کو قبول کیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں ابن عبدالہادی کی کتاب ''العقود الدریة فی مناقب شیخ الاسلام ابن تیمیة'' (ص/ ۳۲۰ تا ۳۶۱)

چلتے تھے کہ دوران سفر مخلوق کی طرف بالکل نہیں دیکھیں گے اور نہ ہی کسی معلوم واقف کار کے ہاں قیام ہی کریں گے۔ بالآخر ہم نبی اکرم ﷺ تک (یعنی آپ کی قبر تک) پہنچ گئے، ہم وہاں تین دن تک ٹھہرے رہے لیکن ہمارے پاس کسی طرف سے کوئی چیز نہ پہنچی، پھر ہم وہاں سے مکہ کی جانب چل رہے حتیٰ کہ ہم ''جحفہ'' جا پہنچے اور ہم نے وہاں پڑاؤ کیا۔ ہمارے سامنے دیہاتیوں کی ایک جماعت تھی، انھوں نے ہمارے پاس کچھ ستو بھیجے، ہم ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور کہنے لگے اگر ہم اس شان و مرتبہ والے ہوتے تو ہمارے لیے یہ صدقہ و خیرات بالکل نہ بھیجا جاتا، حتیٰ کہ ہم حرم کعبہ میں داخل ہو جاتے، چنانچہ ہم نے ان ستوؤں کو پانی کے ہمراہ استعمال کیا اور مکہ مکرمہ داخل ہونے تک یہی ہمارا کھانا رہا۔

میرے بھائیو! ان لوگوں کے توکل کو دیکھو، کس طرح ان کو زادراہ ساتھ لے جانے سے باز رکھا، پھر کس طرح انھیں لوگوں کے صدقات و خیرات قبول کرنے کا حاجت مند بنا دیا۔

پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ ان کا یہ گمان بھی ہے کہ وہ اپنے اس فعل کو مرتبہ اور عظمت بھی شمار کرتے ہیں جو کہ مراتب کی معرفت سے جہالت اور لاعلمی کا ثبوت ہے۔

ان کے سفروں کے متعلق جو قابل تعجب باتیں مجھ تک پہنچی ہیں ان میں سے ایک ابوعبدالرحمٰن سلمی کا واقعہ ہے جسے وہ یوں بیان کرتے ہیں:

مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ابوشعیب المقفع نے پیدل ہی ستر حج کیے تھے اور ہر بار بیت المقدس کے صخرہ کے پاس سے حج اور عمرہ کا احرام باندھا تھا اور میدان تبوک میں ہر بار ''توکل'' رکھتے ہوئے داخل ہوتے تھے، لیکن جب وہ اپنے آخری حج کے سفر پر رواں دواں تھے، تو انہوں نے راستے میں ایک کتے کو مارے پیاس کے ہانپتے ہوئے دیکھا، اور کہنے لگے: کون ہے جو پانی کے ایک گھونٹ کے عوض ایک حج خریدتا ہے؟ کہتے ہیں: ایک آدمی نے پانی کا ایک گھونٹ دے دیا، وہ انہوں نے کتے کو پلا دیا، پھر کہنے لگے: یہ میرے لیے میرے حج سے بہتر ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

((فِي كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ))[1]

---

[1] صحیح بخاری، المساقاۃ، باب فضل سقی الماء، حدیث: ۲۳۶۳۔
صحیح مسلم، السلام، باب فضل سقی البھائم، حدیث: ۲۲۴۴۔

"ہر ذی روح کے ساتھ نیکی کرنے میں اجر ملتا ہے"

میں نے ایسی چند باتوں اور واقعات کا اس لیے تذکرہ کیا ہے تاکہ عقل مند شخص ان لوگوں کی علمی رسائی اور ان کے توکل وغیرہ کے فہم کی سیر کر لے اور ان کے مخالف شرع کاموں اور معاملات سے آگاہ ہو جائے' اور کاش! مجھے معلوم ہو جاتا کہ وہ آدمی جو باہر نکلتا ہے اور اس کے ہمراہ وضو کا انتظام ہے اور نہ ہی نماز کا اہتمام' تو وہ حج کیسے کرے گا اور اگر اس کے کپڑے پھٹ جائیں اور اس کے پاس سوئی بھی نہ ہو' تو وہ کیا کرے گا؟!

حالانکہ انہی لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو قبل از روانگی ایسے ضروری سامان کی تیاری کرنے اور اسے ہمراہ لے جانے کا مسافر کو حکم دیا کرتے تھے۔

فرغانی بیان کرتے ہیں: ابراہیم خواص جو توکل میں یکتا اور معروف تھے اور اس معاملے میں انتہائی باریک بینی سے کام لیا کرتے تھے' سوئی' دھاگے' مشکیزہ اور قینچی کبھی بھی ان سے جدا نہیں ہوتے تھے' آپ سے پوچھا گیا: اے ابو اسحق! آپ ان اشیاء کو کیوں جمع رکھتے ہیں حالانکہ آپ دیگر اشیاء سے بالکل ہی منع کرتے ہیں؟! تو فرمانے لگے: ایسی اشیاء کو پاس رکھنے سے توکل ختم نہیں ہوتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر کچھ فرائض مقرر فرمائے ہیں' اور فقیر پر کم از کم ایک کپڑا تو ضرور ہونا چاہیے اور بعض اوقات وہ کپڑا پھٹ بھی جائے گا' تو اگر اس کے پاس سوئی دھاگہ نہیں ہوگا' تو اس کے قابل ستر اعضاء ننگے ہو جائیں گے' اس طرح اس کی نمازیں ہی فاسد ہو جائیں گی' اور اگر اس کے پاس مشکیزہ نہیں ہوگا تو اس کی طہارت فاسد رہے گی' تو جب آپ کسی فقیر کو بلا مشکیزہ اور بلا سوئی دھاگا دیکھیں' تو آپ اس پر اس کی نماز کے معاملے میں الزام لگا سکتے ہیں۔[1]

---

[1] بالکل یہی فیصلہ ان تمام اسباب کے اختیار کرنے میں ہوگا جن کو اپنانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے' اور یہ یقین کی دولت کے ساتھ توکل کے منافی نہیں ہیں' آپ پر اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے' ان لوگوں کے تناقض اور تضادِ بیان کو ملاحظہ فرمائیں۔

سفر سے واپسی اور صوفیاء

اس قوم کے مذہب میں یہ بات بھی ہے کہ جب مسافر سفر سے واپس آئے اور صوفیاء کی قیام گاہ میں داخل ہو تو صوفیاء کی موجودگی کے باوجود سلام نہ کرے بلکہ پہلے طہارت خانے میں داخل ہو اور وضو کر کے دو رکعات ادا کرنے کے بعد شیخ کو سلام کرے اور اس کے بعد دوسرے صوفیاء کو سلام کرے۔

یہ وہ بدعت ہے جو ان کے بعد والوں نے خلاف شریعت ایجاد کی ہے' کیونکہ فقہاء اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ جب کوئی ایسی جگہ جائے جہاں لوگ ہوں تو اس کے لیے یہ مسنون ہے[1] کہ انھیں سلام کرے' خواہ وہ باوضو ہو یا بے وضو یا پھر ان لوگوں نے اپنا یہ مسئلہ ''بچوں کے مذہب'' سے اخذ کیا ہے کیونکہ جب کسی بچے سے یہ کہا جاتا ہے: تو نے ہمیں سلام کیوں نہیں بولا؟ تو وہ جواب دیتا ہے میں نے ابھی تک اپنا منہ ہاتھ نہیں دھویا! یا پھر معاملہ اس کے برعکس ہے کہ بچوں نے ان بدعتیوں سے یہ مسئلہ سیکھا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں:

((لِيُسَلِّمُ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ، وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ، وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ))

---

[1] بعض اہل علم تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان ذیل سے استدلال کرتے ہوئے اس کے وجوب کی طرف گئے ہیں ((اَلسَّلَامُ قَبْلَ الْكَلَامِ، فَمَنْ بَدَأَكُمْ بِالسُّؤَالِ قَبْلَ السَّلَامِ، فَلَا تُجِيبُوهُ)) ''بات کرنے سے پہلے سلام ہے' تو جو کوئی سلام کرنے سے پہلے ہی سوال کر دے تو اس کی بات نہ مانو'' یہ حدیث اپنے تمام طرق کے ساتھ حسن درجہ کی ہے' جس طرح کہ ہمارے شیخ نے ''سلسلة الاحاديث الصحيحه'' (نمبر ۸۱۶) میں اس کی تحقیق کی ہے۔

”چاہیے کہ چھوٹا بڑے کو سلام کہے' اور گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کہے اور تھوڑے زیادہ افراد کو سلام کہیں“

دونوں اماموں نے ”صحیحین“ میں اسے روایت کیا ہے۔[1]

ان لوگوں کی دوران سفر اور سفر سے متعلق بہت سی دیگر بدعات اور محدثات بھی موجود ہیں۔

← اور یہ انتہائی قابلِ توجہ قول ہے جس کی دلیل بھی تائید کر رہی ہے۔

[1] صحیح بخاری' الاستئذان' باب تسلیم القلیل علی الکثیر' حدیث: ۶۲۳۱۔
صحیح مسلم' السلام' باب یسلم الراکب علی الماشی' حدیث: ۲۱۶۰۔
اور یہی روایت ”الصحیفة الصحیحة“ یعنی صحیفہ ہمام بن منبہ (حدیث: ۴۹ میری تحقیق سے آراستہ) میں بھی موجود ہے۔

صوفیاء اور میت

جب صوفیوں میں سے کوئی مرجائے تو اس ضمن میں ابلیس نے انھیں دو طرح سے دھوکا دیا ہے:

① یہ لوگ کہتے ہیں: کسی بھی مرنے والے پر بالکل نہ رویا جائے۔ جو کوئی کسی مرنے والے پر روئے گا تو وہ اہل معارف کے راستے سے خارج ہو جائے گا۔

ابن عقیل نے فرمایا ہے: ایسا دعویٰ تو شریعت میں اضافہ شمار ہوتا ہے بلکہ یہ تو "حدیثِ خرافہ"[1] ہے اور انسانی عادات اور طبائع سے خارج اور یہ معتدل مزاجی سے انحراف

---

[1] ((حَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ نِسَآءَهُ فَقَالَتْ اَمْرَاَةٌ مِّنْهُنَّ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! هٰذَا حَدِيْثُ خُرَافَةَ' فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اَتَدْرِيْنَ مَا خُرَافَةُ؟ كَانَ رَجُلًا فِيْ بَنِيْ عُذْرَةَ' اَسَرَتْهُ الْجِنُّ' فَمَكَثَ فِيْهِمْ دَهْرًا' ثُمَّ رَدُّوْهُ اِلَى الْاِنْسِ' فَكَانَ يُحَدِّثُ النَّاسَ بِمَارَاٰى فِيْهِمْ مِنَ الْاَعَاجِيْبِ' فَقَالَ النَّاسُ: حَدِيْثُ خُرَافَةَ))

"رسول اللہ ﷺ نے ایک شب اپنی ازواج سے باتیں کیں تو باتوں باتوں میں ایک بیوی نے کہا: یارسول اللہ! یہ تو "حدیث خرافہ" ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا تجھے معلوم ہے خرافہ کیا ہے؟ (پھر خود ہی وضاحت فرمادی) کہ بنی عذرہ میں ایک شخص تھا جسے جنات نے گرفتار کرلیا' پھر یہ شخص ایک مدت تک انھیں میں رہا' پھر ایک وقت آیا کہ انھوں نے اسے انسانوں کی طرف واپس بھیج دیا تو یہ شخص وہاں کی عجیب وغریب دیکھی ہوئی چیزیں لوگوں کو بیان کیا کرتا' تو لوگ کہنے لگے: "حدیث خرافہ"

یہ ایک ضرب المثل ہے جو ایسے افراد کے لیے استعمال کی جاتی ہے جو اپنی باتوں میں جھوٹ بولنے والے ہوں یا ایسے افراد پر بولی جاتی ہے جو تعجب خیز اور حیرت انگیز باتیں کرنے والے ہوں' جس طرح کہ امام ابن الاثیر نے "النھایہ فی غریب الحدیث والاثر" (۲/۲۵) میں فرمایا ہے۔

اور پہلو تہی ہے لہٰذا ایسے شخص کو چاہیے کہ مزاج کو اعتدال پر لانے کے لیے ادویات سے علاج کروائے' کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے ایک معزز و کریم نبی کی بابت ہمیں یوں خبر دی ہے اور فرمایا ہے:

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ''البدایہ والنھایہ'' (۶/۴۷) میں یوں فرمایا ہے: یہ حدیث ''غرائب الاحادیث'' میں سے ایک ہے' اس میں نکارت بھی ہے' اور مجالد بن سعید ایسا راوی بھی ہے جس کے متعلق محدثین نے کلام کیا ہے۔

میں عرض کرتا ہوں' یہ بات درست ہے' امام ہیثمی نے مجمع الزوائد (۴/۳۱۵) میں جو بات کہی ہے اس طرح نہیں ہے پھر انہوں نے امام بزار اور ابو یعلی کی طرف نسبت کرنے کے بعد یہ اضافہ لکھا ہے: ''احمد کے رجال (راوی) ثقات ہیں' ان میں سے بعض میں اگرچہ کلام ہے لیکن اس کا کوئی حرج نہیں ہے۔''

اس روایت کا ایک طریق خود مصنف کے ہاں ''العلل'' (حدیث: ۴۸) میں بھی ہے اور ابن حبان کے ہاں ''المجروحین'' (۲/۹۷) میں بھی ہے۔

اس کی سند میں ایک متروک راوی ہے جو حدیث کو مزید کمزور بنا رہا ہے!

﴿ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴾ (یوسف: ۱۲/ ۸۴)

''ان کی آنکھیں بوجہ رنج و غم کے سفید ہو چکی تھیں''

اور یوں بھی فرمایا ہے:

﴿ يٰاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ ﴾ (یوسف: ۱۲/ ۸۴)

''آہ یوسف!''

اور خود رسول اللہ ﷺ اپنے جگر گوشے کی موت پر روئے تھے اور یوں فرمایا تھا:

((اِنَّ الْعَيْنَ لَتَدْمَعُ))[1]

''بلاشبہ آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں''

---

[1] صحیح بخاری' الجنائز' باب قول النبی ﷺ ''ان بك لمحزونون'' حدیث: ۱۳۰۳
صحیح مسلم' الفضائل' باب رحمته ﷺ الصبیان و العیال' حدیث: ۲۳۱۵۔

اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یوں فرمایا تھا:

((وَا كَرْبَ أَبَتَاهُ، فَلَمْ يُنْكِرْ)) [1]

''ہائے میرے ابا جان کی تکلیف''

آپ نے انھیں روکا نہیں۔

ہر مصیبت میں مبتلا شخص کو لازماً نصیحت پکڑنی چاہیے اور جس آدمی کو خوشی اور خوش کن لمحات حرکت میں نہ لائیں یا اسے غم ناک مناظر پریشان نہ بنائیں' ایسا شخص تو جمادات کے قریب تر ہے۔ بلکہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو طبعی صفات سے عاری شخص کو معیوب سمجھا ہے۔ آپ نے اس آدمی سے جس نے آپ کے سامنے یہ کہا تھا: میں نے اپنی اولاد میں سے کبھی کسی کو بوسہ نہیں دیا' حالانکہ اس کے ہاں دس بچے تھے' یوں فرمایا تھا:

((اَوَ اَمْلِكُ لَكَ اِنْ نَزَعَ اللّٰهُ الرَّحْمَةَ مِنْ قَلْبِكَ)) [2]

''اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے رحمت و پیار کا جذبہ نکال لیا ہے تو میں تیرے لیے کیا کرسکتا ہوں۔''

شریعت سے باہر اور طبیعت کے مخالف کام کا تقاضا کرنے والا خود جاہل ہے اور اپنی جہالت کی وجہ سے ایسا مطالبہ کر رہا ہے جبکہ شریعت نے ہم سے تقاضا کیا ہے کہ ہم رخسار پر تھپڑ نہ ماریں اور نہ ہم گریبان کو چاک کریں۔ البتہ رہا معاملہ بہنے والے آنسوؤں اور دل کی غمی کا' تو یہ قابلِ اعتراض اور موردِ الزام معاملات نہیں ہیں۔

تلبیس ثانی

یہ لوگ کسی کے مرنے کے موقعہ پر ایک دعوت کا اہتمام کرتے ہیں اور اس کا نام

[1] صحیح بخاری' المغازی' باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم و وفاته' حدیث: ۴۴۶۲ عن انس رضی اللہ عنہ

[2] مصنف رحمہ اللہ نے دو روایتوں کو جمع کر دیا ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ اس اعرابی سے کہے تھے جس نے کہا تھا کہ آپ بچوں کا بوسہ لیتے ہیں' ہم تو ایسا نہیں کرتے اور دس بچوں والے شخص کا نام اقرع بن حابس تمیمی تھا۔ اس کے جواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ''مَنْ لَّا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ''. یعنی ''جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا'' دیکھیے صحیح بخاری' الادب' باب الولد و تقبیله......' حدیث: ۵۹۹۷' ۵۹۹۸ صحیح مسلم' الفضائل' باب رحمته صلی اللہ علیہ وسلم الصبیان و العیال' حدیث: ۲۳۱۷۔ ۲۳۱۸) (کاشف)

''عرس'' رکھتے ہیں۔ اس تقریب میں گانے گاتے' رقص کرتے' کھیل کود کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں: ہم اس میت کے اللہ تعالیٰ کی جناب میں جانے کی خوشی میں اظہار مسرت کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ان لوگوں پر شیطان نے تین طرح ڈاکا ڈالا:

پہلی وجہ

مسنون عمل یہ ہے کہ اہل میت کے لیے کھانا تیار کیا جائے کیونکہ وہ گھر والے بذات خود کھانا تیار کرنے سے بوجہ مصیبت کے مشغول ہیں اور یہ طریقہ سنت نبوی ﷺ میں موجود نہیں ہے کہ اہل میت کھانا تیار کریں اور دوسروں کو کھلائیں۔

اس کی دلیل سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ جب سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی خبر شہادت پہنچی تو نبی اکرم ﷺ نے یوں فرمایا تھا:

((اِصْنَعُوْا لِآلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا، فَاِنَّهُ قَدْ جَاءَهُمْ مَا يَشْغَلُهُمْ))[1]

''آل جعفر کے لیے کھانا تیار کرو' کیونکہ ان کے پاس ایسا معاملہ آ چکا ہے جس نے انھیں مشغول کر دیا ہے۔''

دوسری وجہ

یہ لوگ میت کے لیے اظہار خوشی کرتے ہیں اور کہتے ہیں: وہ اپنے رب تعالیٰ سے جا ملا ہے واصل حق بن گیا ہے۔ حالانکہ خوشی و مسرت کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے' کیونکہ اس میں اس کی مغفرت و بخشش کا تو کوئی یقین نامہ نہیں ملا اور ہمیں اس امر سے بے خوفی بھی نہیں ملی کہ ہم اظہار خوشی کرتے پھریں' ہوسکتا ہے وہ عذاب یافتہ لوگوں میں شامل ہوا ہو' عمر بن ذر نے اپنے صاحبزادے کی وفات پر یوں کہا تھا:

---

[1] سنن ابی داود' الجنائز' باب صنعة الطعام لاهل الميت' حديث: ۳۱۳۲۔
سنن ترمذی' الجنائز' باب ما جاء فی الطعام يصنع لاهل الميت' حديث: ۹۹۸
سنن ابن ماجه' الجنائز' باب ما جاء فی الطعام يبعث الى اهل الميت' حديث: ۱۶۱۰
اس کی سند میں ایک ایسا راوی ہے جسے فقط ابن حبان ہی نے ثقہ قرار دیا ہے۔
لیکن اس روایت کا ایک شاہد بھی ہے جس کی طرف ہمارے شیخ البانی نے ''احکام الجنائز'' (ص ۱۶۸) ←

مجھے تیرے متعلق لاحق ہونے والے غم نے تیرے اوپر مغموم ہونے سے مشغول کر لیا ہے۔ سیدہ ام العلاء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: جس وقت سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فوت ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے تو میں نے کہا: اے ابو السائب! تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو! میں تمہارے متعلق یہ شہادت دیتی ہوں یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہارا اکرام کیا ہے۔ تب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((وَمَا یُدْرِیكِ اَنَّ اللّٰهَ اَكْرَمَهٗ))[1]

''تمہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا اکرام کیا ہے؟''

تیسری وجہ

یہ لوگ اس دعوت میں رقص کرتے اور کھیل کود کا مظاہرہ کرتے ہیں، اس طرح یہ لوگ سلیم الفطرت طبع سے باہر نکل جاتے ہیں، جن سلیم الفطرت طبیعتوں کے ہاں کسی کی جدائی اور فراق اثر کرتا ہے۔

پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اگر اس کی میت کو بخشش کا پروانہ مل گیا ہے تو کیا اس کے شکریہ میں یہ رقص اور یہ کھل کود مناسب ہے؟ اور اگر وہ عذاب میں پھنس چکا ہے تو ان کے چہروں پر کون سے آثار حزن و ملال ہیں؟!

← میں اشارہ کیا ہے اور اس کے ساتھ اسے قوی بنایا ہے۔
پھر میں نے ''تہذیب الکمال'' (۷۸/۸) کے حاشیہ میں دیکھا کہ ابن خلفون نے بھی اس کی توثیق کی ہے ''میزان'' (۲۴۲۳/۱) میں، گویا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ اس کے ''حسن لذاتہ'' ہونے کی طرف میلان رکھتے ہیں۔
فائدہ: ثقات کے متعلق ابن خلفون کی کتاب کا نام ''المنتقیٰ فی اسامی الائمة المرضیین والثقات المحدثین والرواۃ المشتہرین من التابعین فمن بعدھم'' ہے جیسے کہ ''برنامج تجیبی'' (ص/۲۶۰) میں ہے پھر اس نے یوں کہا ہے: یہ دیوان اس باب میں موجود دیگر مفید دواوین میں سے ایک ہے، میں نے (قاضی القضاۃ) الامام المتقن (خوش اسلوب) ابن دقیق العید رحمہ اللہ کے سامنے یہی بات رکھی تھی، تو انھوں نے بھی اس کو بنظر استحسان دیکھا تھا اور اسے میرے پاس سے خود تحریر کر لیا تھا۔ یہ اہم ترین فائدہ تھا۔ میں نے اسے یہاں فراموش کرنے کو مناسب نہیں سمجھا، اور اللہ ہی رحمت کی توفیق فرمانے والا ہے۔

[1] صحیح بخاری، الجنائز، باب الدخول علی المیت بعد الموت، حدیث: ۱۲۴۳۔

علمی مشاغل کا ترک

جان لیں کہ ابلیس نے ان لوگوں کو علم سے روک کر پہلا تلبیسی وار کیا ہے، کیونکہ علم نور ہے، جب اس نے ان کے چراغوں کو ہی گل کر دیا ہے تو پھر جس طرح چاہا انھیں تاریکی میں مخبوط الحواس بنائے رکھا۔

اس بارے میں اس نے صوفیاء پر کئی دروازوں سے دخل اندازی کی ہے:

شیطان نے ان میں سے اکثر کو حصول علم سے بالکل ہی باز رکھا ہے اور انھیں یہ باور کروایا ہے کہ اس کے لیے مشقتیں اور کلفتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں، نتیجتاً ان کے لیے آرام و راحت کو خوب صورت کر کے دکھایا، لہٰذا انھوں نے جبے اور پیوند شدہ لباس زیب تن کرنے ہی کو بہتر سمجھا اس طرح وہ بے روزگاری اور بے کاری کی بساط ہی پر بیٹھے رہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ قول ہے: أُسِّسَ التَّصَوُّفُ عَلَى الْكَسَلِ یعنی تصوف کی بنیاد ہی سستی پر ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے قول کی وضاحت اس طرح ہے کہ نفس کا مقصود یا تو دنیوی تعلق داریاں ہیں اور یا پھر دنیا طلبی۔

علوم کے ذریعے دنیا طلبی کا سفر قدرے دراز ہے، اس میں بدن تھک جاتا ہے اور پھر یہ امر بھی ہے کہ مقصود حاصل ہو یا نہ ہو؟!

صوفیاء نے دنیوی تعلق داریاں تو انتہائی سرعت و تیزی سے حاصل کر لی ہیں کیونکہ وہ زہد کی آنکھ سے دیکھے جاتے ہیں، رہا معاملہ دنیا طلبی کا، تو یہ ان کی طرف بڑی تیزی سے رخ کرتی ہے۔

ابو حفص بن شاہین کا بیان ہے: صوفیاء میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں جنھوں نے علماء کی مذمت کی ہے اور انھوں نے یہ سمجھا ہے کہ علم میں مشغول ہونا بے کار کام ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''ہمارے علوم بلا واسطہ ہیں۔'' کیونکہ انھیں طلب علم کی راہیں دور اور بعید نظر آتی ہیں۔ انھوں نے کپڑوں کو چھوٹا رکھا' جبوں کو پیوند لگائے' چھوٹے ڈل اٹھائے اور اپنے آپ کو ''صاحبان زہد'' ظاہر کیا۔

دوسرا: ان میں سے ایک گروہ نے بالکل تھوڑے سے علم ہی پر قناعت کی ہے' اس طرح علم کے کثیر منافع وفوائد میں سے فضل کثیر سے وہ محروم ہی رہے' انھوں نے احادیث مبارکہ کے چند جملوں ہی پر اکتفاء کیا' ابلیس نے انھیں یہ وہم دلایا کہ ''علو اسناد'' اور ''طلب حدیث'' کے لیے زانوئے تلمذ طے کرنا طلبِ ریاست اور طلب دنیا ہے اور اس میں نفسانی لذت ہے!

اس ابلیسی چال کا تجزیہ کچھ یوں پیش خدمت ہے کہ ہر بلند مرتبے میں فضیلت بھی ہوتی ہے اور خطرات بھی' بلاشبہ امارت' قضاء اور فتویٰ سبھی میں خطرات موجود ہیں' اور ان میں نفس کی لذت بھی موجود ہے' جبکہ ان میں عظمت و رتبہ بھی بہت بلند تر ہے۔ بالکل ایسے جیسے گلاب کے پھول کے ساتھ کانٹے ہوتے ہیں۔ لہٰذا یوں ہونا چاہیے کہ فضائل کو طلب کیا جائے اور ان کے ضمن میں آفتوں اور مصیبتوں سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔

رہی یہ بات کہ طبع میں جو حب ریاست ہے تو وہ فقط اس غرض کے لیے ہے کہ اس فضیلت کو حاصل کیا جائے' جس طرح کہ نکاح کی رغبت اس لیے رکھی گئی ہے تاکہ اولاد حاصل ہو' اور علم کی محبت سے عالم کا مقصود مستحکم ہوتا ہے جس طرح کہ یزید بن ہارون نے کہا ہے:

''ہم نے غیر اللہ کے لیے علم حاصل کیا' لیکن علم نے انکار کر دیا کہ وہ تو فقط اللہ ہی کے لیے ہوگا۔''

اس کا معنی یہ ہے کہ علم نے ہمیں اخلاص کی رہنمائی فرمائی' اور جو آدمی اپنی طبعی خواہش کو کاٹ کر اور دبا کر نفس سے اس کا مطالبہ کرے گا وہ حاصل کرے گا۔

تیسرا: ابلیس نے ان کی ایک جماعت کو یہ وہم دلایا کہ اصلی مقصود تو ''عمل'' ہے انھیں یہ بات سمجھ نہ آئی کہ علم کے ساتھ مشغولیت بھی تو مکمل عمل ہے۔ پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ عالم اگرچہ عمل میں سست بھی ہو پھر بھی وہ حق کا راہی ہے' اس کے برعکس عابد جو بے علم ہے وہ راہ راست سے بھٹکا ہوا ہے۔

چوتھا: ابلیس نے ان کی ایک بڑی تعداد کو یوں دکھایا ہے کہ عالم ''علم باطنی'' سے کچھ حاصل نہیں کر پاتا حتیٰ کہ ان لوگوں کو بعض اوقات کوئی وسوسہ لاحق ہوتا ہے جسے وہ یوں کہتا ہے: میرے دل نے مجھے میرے رب سے یہ حدیث بیان کی ہے۔

اور شبلی یوں کہا کرتا تھا:

اِذَا طَالَبُوْنِی بِعِلْمِ الْوَرَق
بَرَزْتُ عَلَیْهِمْ بِعِلْمِ الْخِرَق

''جب بھی انھوں نے مجھ سے اوراق کے علم کا مطالبہ کیا تو اس وقت میں نے ان کے سامنے خرق وکرامات کا علم رکھا۔''

ان لوگوں نے علم شریعت کا نام علم ظاہر رکھا ہے اور دل میں آنے والے خیالات کو علم باطن کا نام دیا ہوا ہے اور اس کے لیے انہوں نے سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ[1] کی بیان کردہ حدیث کو بطور حجت مان رکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یوں فرمایا ہے:

((عِلْمُ الْبَاطِنِ سِرٌّ مِّنْ سِرِّ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، وَحُكْمٌ مِّنْ أَحْكَامِ اللّٰهِ تَعَالٰی، يَقْذِفُهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِیْ قُلُوْبِ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ اَوْلِيَآئِهٖ))

''علم باطن اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے' اور اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے ایک حکم ہے' جسے اللہ عزوجل اپنے اولیائے کرام کے دلوں میں سے

[1] سیدنا علی بن ابی طالب جو کہ جلیل القدر صحابی اور خلیفہ راشد ہیں ان کو ''کرم اللہ وجہہ'' کے الفاظ سے مخصوص کرنا شیعی اصول ہے' اہل سنت کو ایسی باتوں سے اپنا دامن بچا کر رکھنا چاہیے' آپ کا معاملہ بھی بالکل دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسا ہی رکھنا چاہیے۔ ملاحظہ فرمائیں شیخ بکر ابو زید کی کتاب ''معجم المناهی اللفظیة'' (ص ۲۷۱)

جس کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔‘‘

اس حدیث کی نبی اکرم ﷺ سے کوئی اصل نہیں ہے۔ اس کی اسناد میں مجہول اور غیر معروف راوی موجود ہیں۔[1]

ابو موسیٰ بیان کرتے ہیں: ابو یزید کے پڑوس میں اس محلے کا عالم اور فقیہ رہتا تھا' وہ ابو یزید کے ہاں آیا اور اس سے پوچھا: مجھے آپ کے متعلق چند عجیب وغریب حکایات سننے کو ملی ہیں! تو ابو یزید نے کہا: جو آپ نے میری عجیب وغریب حکایات سن نہیں پائیں وہ تو ان سے بھی زیادہ ہیں۔ تو اس عالم نے یوں کہا: اے ابو یزید! آپ کا یہ علم کس راوی سے ہے؟ کہاں سے ہے؟ اور کس آدمی کا ہے؟ تو ابو یزید نے جواب دیا: میرا یہ علم اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے اور اس فرمان نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بنیاد پر ہے:

((مَنْ عَمِلَ بِمَا يَعْلَمُ وَرَّثَهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَالَمْ يَعْلَمْ))[2]

’’جو شخص جتنا علم جانتا ہے اس پر عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اسے ایسے علم کا وارث

---

[1] مصنف رحمہ اللہ نے اسے ’’العلل المتناهيه‘‘ (۱/۴۷) میں روایت کرنے کے بعد یوں کہا ہے:
((لَا يَصِحُّ وَعَامَّةُ رُوَاتِهِ لَا يُعْرَفُوْنَ))
’’یہ روایت صحیح نہیں ہے' اور اس کے عام راوی غیر معروف ہیں‘‘
ابن عراق نے ’’تنزیہہ الشریعۃ‘‘ (۱/۲۸۰) میں امام ذہبی کی ’’تلخیص الواہیات‘‘ سے یہ قول نقل کیا ہے:
((هذا باطل))
ان کے باوجود سیوطی نے ’’الجامع الصغیر‘‘ (۵۴۷۳) میں اس کے ضعف پر ہی اکتفاء کیا ہے اور مناوی نے ’’فیض القدیر‘‘ (۴/۳۲۶) میں اس کی متابعت کی ہے۔ جبکہ ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے ’’السلسلة الضعيفه‘‘ (حدیث نمبر ۱۲۲۷) میں اس کے موضوع ہونے کا حتمی فیصلہ درج کیا ہے۔

[2] یہ روایت ’’حلیۃ الاولیاء‘‘ (۱۰/۱۴۔۱۵) میں ابو نعیم کی اپنی اسناد سے ہے' پھر یوں فرمایا ہے: امام احمد بن حنبل نے اس کلام کو بعض تابعین کے ذریعے سے سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے ذکر کیا ہے' لیکن اس سے بعض راویوں کو یہ وہم ہوا ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ سے ذکر ہوا ہے۔ اس نے اس سند کو خود وضع کیا ہے۔ کیونکہ اس کے اور امام صاحب کے درمیان بڑا تھوڑا فاصلہ ہے جبکہ یہ سند امام احمد کی نسبت سے ہو ہی نہیں سکتی۔ اور ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے الضعیفہ ۴۲۲ میں یوں فرمایا ہے: ’’اس کی سند میں امام صاحب تک ایک جماعت موجود ہے جنھیں میں نہیں جانتا' میں نہیں جانتا کہ ان میں سے کس نے اسے وضع کیا ہے‘‘ (یعنی خود گھڑا ہے۔)

بنائے گا جو وہ نہیں جانتا۔"

اور اس فرمان اقدس کی وجہ سے:

((اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ: عِلْمٌ ظَاهِرٌ وَهُوَ حُجَّةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى خَلْقِهِ، وَعِلْمٌ بَاطِنٌ، وَهُوَ الْعِلْمُ النَّافِعُ))[1]

"علم دو طرح کا ہے: ایک علم ظاہری' اور یہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر حجت و برھان ہے اور دوسرا علم باطنی' اور یہی علم نافع ہے۔"

اور اے شیخ! آپ کا علم تو ایک دوسرے سے سن کر حاصل ہوا ہے جبکہ میرا علم تو براہ راست اللہ تعالیٰ سے بذریعہ الہام ہے۔ شیخ نے اسے یوں جواب دیا: میرا علم تو ثقہ راویوں سے' رسول اللہ ﷺ سے' سیدنا جبریل امین سے اور اپنے رب عز وجل سے مروی ہے' تو ابو یزید نے یوں کہا: اے شیخ! کیا نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے کچھ علم ایسا بھی حاصل تھا جس سے نہ جبریل مطلع تھا اور نہ ہی میکائیل؟ تو اس نے کہا: جی ہاں! لیکن میں تو یہ چاہتا ہوں کہ مجھے صحیح طور پر آپ کا وہ علم معلوم ہو جائے جسے آپ اللہ عز وجل کی طرف سے فرماتے ہیں۔ تو وہ کہنے لگا' اچھا! میں آپ کے سامنے بس اتنا سا ہی بیان کروں گا جس قدر آپ کے دل میں اس کی معرفت آ سکتی ہے۔

پھر بولا! اے شیخ! آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا ہے اور سیدنا محمد ﷺ سے بغیر حجاب کے گفتگو بھی فرمائی ہے اور دیدار بھی کروایا ہے[2] اور انبیائے

---

[1] یہ حدیث موضوع ہے۔
خود مصنف رحمہ اللہ نے بھی اسے "العلل المتناهية" (۱/۷۳) میں طریق الدیلمی (۱۹۴) سے ذکر کیا ہے۔

[2] یہ بھی صحیح نہیں ہے۔
سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:
((مَنْ حَدَّثَكُمْ اَنَّ مُحَمَّدًا قَدْ رَاٰى رَبَّهُ، فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَى اللّٰهِ الْفِرْيَةَ))
"جو تمہیں یہ بیان کرے کہ محمد ﷺ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے تو بلاشبہ اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔"
صحیح بخاری' التفسیر' تفسیر سورة النجم' حدیث: ۴۸۵۵۔

کرام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں! تو شیخ نے فرمایا: جی ہاں! پھر بولا: کیا آپ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ صدیقین اور اولیاء سے اللہ تعالیٰ کی کلام بذریعہ الہام ہی ہوتی ہے' اور پھر اس کے فوائد دلوں میں جاگزیں ہو جاتے ہیں اور پھر اقوال حکمت ان کے مونہوں سے باہر نکلتے ہیں' اور پھر اللہ تعالیٰ ان کے باعث امت کو نفع پہنچاتا ہے اور میری فرمودہ باتوں کی تاکید اس سے بھی ہو رہی ہے' جو اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کی طرف یہ الہام فرمایا تھا کہ موسیٰ کو تابوت میں ڈال دے' چنانچہ انھوں نے اسے ڈال دیا' اور اللہ تعالیٰ نے سیدنا خضر کو کشتی' غلام (بچے) اور دیوار کے متعلق بھی تو الہام فرمایا تھا اور انھوں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے یہ فرمایا تھا:

﴿ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ۚ ﴾ (الکھف : ۱۸/ ۸۲)

''میں نے اپنی رائے اور اختیار سے کوئی کام نہیں کیا۔''

روایت کی جاتی ہے کہ کوئی آدمی ابو یزید کی مجلس میں حاضر ہوا اور لوگ یوں کہہ رہے تھے: کہ فلاں شخص فلاں سے ملا ہے اور اس نے اس سے علم حاصل کیا ہے' اور اس سے کثیر لوگوں نے روایات تحریر کی ہیں' اور فلاں فلاں سے ملا ہے۔ ابو یزید بولے! یہ لوگ مساکین ہیں' انھوں نے اپنا علم ایک مردے سے دوسرے مردے سے لیا ہے' جبکہ ہم نے اپنا علم ایسے زندہ لازوال سے اخذ کیا ہے جسے بالکل موت ہی نہیں ہے۔

میں عرض کرتا ہوں: پہلی حکایت کی فقاہت تو قلت علم کا شاہکار ہے' کیونکہ اگر وہ عالم ہوتا' تو یہ بات بالیقین جان لیتا کہ کسی چیز کا الہام علم کے منافی نہیں ہوتا' اور نہ ہی الہام کی آڑ میں علم سے دور ہی بھاگا جا سکتا ہے' اور اس بات سے بھی انکار کرنا ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ انسان کی طرف الہام فرماتا ہے' جس طرح کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

((اِنَّ فِی الْاُمَمِ مُحَدَّثِیْنَ' وَ اِنْ یَّکُنْ فِیْ اُمَّتِیْ' فَعُمَرُ))[1]

← صحیح مسلم' الایمان' باب معنی قول اللہ عز و جل (ولقد راہ نزلۃ اُخری)' حدیث: ۱۷۷
مزید دیکھیں ''الوصیۃ الکبریٰ'' (ص: ۳۸۔ ۴۰ بتحقیقی) جو کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔

[1] حدیث صحیح ہے۔
صحیح بخاری' فضائل اصحاب النبی ﷺ باب مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ' حدیث: ۳۶۸۹۔

''بلا شبہ سابقہ امتوں میں ''محدث'' (جس کا گمان صحیح ثابت ہو) ہوئے ہیں اور میری امت میں اگر کوئی ایسا ہوتا' تو وہ عمر (رضی اللہ عنہ) ہے۔''

کیونکہ محدث بنانے سے مراد ''خیر کا الہام'' کرنا ہے' البتہ جب کسی کو ایسا الہام ہو جو علم کے مخالف ہو[1] تو اسے اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہوگا' ایسی صورت میں اس کا الہام شیطانی ہوگا رحمانی نہیں!۔

رہا معاملہ سیدنا خضر علیہ السلام کا' تو راجح بات یہ ہے کہ وہ نبی تھے[2] اور انبیائے کرام کو بذریعہ وحی انجام اور نتائج کی اطلاع دے دینے کا کوئی انکار نہیں ہے۔

الہام کا علم کے مقابلے میں کوئی وزن نہیں ہے' یہ تو فقط علم اور تقویٰ کا ثمرہ ہے' اور ان کے حامل لوگوں کو خیر کی توفیق ملا کرتی ہے' اور انھیں ہی رشد و ہدایت الہام کی جاتی ہے۔

اور اگر کوئی علم کو چھوڑ کر یوں کہے: ''وہ تو الہام اور دل میں پیدا ہونے والی باتوں پر ہی اعتماد رکھے گا' تو یہ کوئی قابلِ اعتماد اصول نہیں ہے کیونکہ جب علم نقلی نہ ہوگا تو ہم پہچان نہ سکیں گے کہ جو دل میں واقع ہو رہا ہے کیا وہ الہام خیر سے ہے یا وسوسۂ شیطان سے ہے؟

اور یہ بات بھی جان لیں کہ علم الہامی جو دلوں میں القاء کیا جاتا ہے وہ علم منقول (جو قرآن وسنت سے حاصل ہوتا ہے) کی جگہ پر کام نہیں دے سکتا' بالکل جس طرح علوم عقلیہ علوم شرعیہ کی جگہ پر کار آمد نہیں ہو سکتے' کیونکہ عقلی علوم غذاؤں کی مثل اور شرعی علوم دواؤں کی مانند ہیں۔ یہ ایک دوسرے کی جگہ پر قائم مقام نہیں بن سکتے۔

رہا اس کا یہ قول: ''انھوں نے اپنے علم کو مردے سے پھر دوسرے مردے سے اخذ

---

[1] بلکہ وہ تو شیطانی الہام ہوگا جس طرح کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ''الفرقان بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطان'' میں اس کی تفصیل بیان کی ہے' لہٰذا اسے دیکھ لیا جائے۔

[2] یہی مؤقف درست ہے جس سے بھاگا نہیں جا سکتا جیسے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''الزہر النضر'' میں اس کی تفصیل ذکر کی ہے۔

اور خود مصنف رحمہ اللہ کی بھی اس سلسلے میں ایک کتاب ہے' جس طرح کہ ''سوانح نگاروں'' نے تذکرہ کیا ہے۔ (اور خود بھی ''المنتظم'' (۳۶۳/۱) میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے' اور اس کا نام "عجالة المنتظر

کیا ہے" زیادہ بہتر یہی بات ہے کہ جس نے یہ بات کہی ہے وہ جانتا ہی نہیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے وگرنہ یہ تو براہ راست شریعت پر طعن ہے۔

ابوحفص بن شاہین نے کہا ہے: صوفیاء میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو علم میں مشغول ہونے کو بے کاری خیال کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں: ہمارے علوم تو بلاواسطہ ہیں۔

اور پھر یوں کہا ہے: کہ متقدمین صوفیاء تو قرآن وفقہ اور حدیث وتفسیر میں یکتائے زمانہ ہوا کرتے تھے لیکن ان لوگوں نے فارغ البالی اور بے کاری ہی کو محبوب مشغلہ بنا رکھا ہے۔

ابو حامد طوسی نے کہا ہے: یہ بات جان لیں کہ اہل تصوف نے تعلیم و تدریس کے بجائے الہامی امور کی طرف میلان رکھا ہے اس لیے وہ سیکھنے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے اور نہ ہی تحصیل علم کی طرف اور مصنّفین کی تصنیفات کی جانب حریص ہوئے ہیں بلکہ ان کا کہنا ہے: صحیح راستہ یہ ہے کہ صفات مذمومہ کو مٹانے اور تمام تعلقات کو منقطع کرنے کے ساتھ ساتھ مجاہدات کو مقدم رکھے' اور اپنے قلب وجگر کی اتھاہ گہرائیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف پیش قدمی کرے' اور یہ تبھی ممکن ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی سوچوں کو اہل و مال سے اور اولاد و علوم سے بالکل الگ تھلگ رکھے' اور کسی گوشۂ عافیت میں خلوت گزیں ہو جائے اور صرف فرائض وسنن راتبہ (سنن موکدہ) پر ہی اکتفاء رکھے' اپنی سوچوں میں تلاوت قرآن کو شامل نہ کرے اور نہ ہی معانی قرآن میں غور وفکر کرے اور نہ ہی حدیث نبوی وغیرہ کو تحریر کرنے کا خیال کرے بلکہ لگاتار یہی وظیفہ زبان پر رکھے' اللہ' اللہ' اللہ[1]...... تا کہ بالآخر ایسے حال تک رسائی پا سکے کہ زبان کو حرکت دینا بھی چھوڑ دے اور پھر دل سے اس لفظ کی صورت کو بھی محو کر دے!!

ایسی کلام کا ایک فقیہ کے قلم سے نکلنا مجھ پر گراں گزرا ہے' کیونکہ اس کلام کی قباحتیں کسی طور پر بھی پوشیدہ نہیں ہیں کیونکہ اس گفتگو میں درحقیقت بساط شرع کو لپیٹنے کی کوشش

---

[1] حالانکہ ایسے انداز سے ذکر کرنا بھی بدعت ہے۔ علمائے امت اور صلحائے امت اس انداز ذکر سے آشنا نہیں ہیں جیسا کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مستطاب "العبودیہ" (ص ۱۵۸۔۱۵۹) میں اس کی وضاحت کی ہے۔

ہے جو تلاوت قرآن اور طلب علم پر ابھارتی ہے۔

اس مذہب کی روشنی میں' میں شہروں کے اجل علمائے کرام کو دیکھتا ہوں کہ وہ اس راستے پر گامزن نہیں ہوئے بلکہ وہ تو اولاً علم کے حصول ہی میں مشغول ہوئے ہیں۔

اور ابو حامد کی ترتیب کردہ راہوں پر چلنے سے نفس وساوس اور خیالات کے لیے خالی ہو جاتا ہے' اس کے پاس ان وسوسوں اور خیالوں کو دور کرنے والا کوئی علم موجود نہیں ہوتا' پھر ابلیس اس کے ساتھ جس طرح چاہتا ہے کھیلتا رہتا ہے' بلکہ وہ تو ان وسوسوں کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی اور مناجات دکھاتا ہے۔

ہم اس چیز سے انکاری نہیں ہیں کہ جب قلب طہارت کا پیکر بن جائے تو اس پر ہدایت کی کرنیں پڑتی ہیں' وہ اللہ تعالیٰ کے نور کی روشنی میں دیکھتا ہے[۱] مگر شرط یہ کہ اس کی طہارت علم کے تقاضوں کے مطابق ہونی چاہیے نہ کہ علم کے منافی امور کے ساتھ' کیونکہ انتہائی سخت بھوک' زیادہ جاگنے اور تخیلات میں وقت برباد کرنے والے ایسے امور ہیں جن سے شریعت نے منع کیا ہوا ہے۔ کیونکہ صاحب شریعت سے کوئی ایسی بات نہیں لی جاسکتی جو اس کے منع کردہ امور سے حاصل ہو سکے۔

پھر یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ علم اور ریاضت[۲] کے مابین بھی کوئی منافات نہیں ہے بلکہ علم تو ریاضت کی کیفیت سکھاتا ہے اور اسے صحیح طور پر ادا کرنے پر مدد فراہم کرتا ہے۔

شیطان علم سے دور رہنے والے لوگوں سے اٹھکیلیاں کرتا ہے۔ وہ ریاضت کو ایسے

---

۱ یعنی انھیں خیر وصلاح کے الہام ہوتے ہیں۔

رہا جو ان الفاظ میں روایت شدہ ہے:

((اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ' فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ))

''مومن کی فراست سے بچو' کیونکہ وہ تو اللہ کے نور کے ساتھ دیکھتا ہے۔''

تو یہ کسی طور بھی صحیح نہیں ہے' اس پر تحقیقی کلام ملاحظہ فرمانے کے لیے ''تخریج الاربعین السلمیة فی التصوف'' (نمبر ۳۷ بتحقیقی) دیکھیں اور ''کشف المتواری من تلبیسات الغماری'' (ص ۱۹۔۲۲) میرے قلم سے تحریر کردہ کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔

۲ ریاض یعنی مجاہدہ کے معنی میں ہے۔

انداز سے اختیار کرتے ہیں جس سے علم روکتا ہے کیونکہ علم ان لوگوں سے انتہائی بعید ہوتا ہے' بعض اوقات یہ لوگ ایسے افعال کرگزرتے ہیں جو ممنوع و حرام ہوتے ہیں اور بعض اوقات اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کو اختیار کر لیتے ہیں۔

حالانکہ ایسی صورت اور حالات میں علم ہی فتویٰ صادر کرتا اور رہنمائی کرتا ہے' تو یہ لوگ اس سے کنارہ کش بلکہ محروم ہیں۔

ہم ایسی ذلت ورسوائی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ کے طالب ہیں۔

ابوعلی البناء کہتے ہیں: ہمارے ہاں ''بازار اسلحہ'' میں ایک شخص رہتا تھا جو یہ کہا کرتا تھا کہ قرآن حجاب ہے' اور رسول بھی حجاب ہے' فقط دو چیزیں ہیں: ایک بندہ اور دوسرا رب' اس کی وجہ سے ایک جماعت فتنہ کا شکار ہوگئی تھی' انھوں نے عبادات کو بھی چھوڑ دیا تھا' پھر وہ اندیشہ قتل کے خوف سے روپوش ہوگیا تھا!

ضرار بن عمرو بیان کرتے ہیں: کہ ایک قوم نے علم کو چھوڑ دیا' اہل علم کی ہم نشینی سے لاتعلق ہو بیٹھے' پھر انھوں نے الگ محراب (خلوت خانے) بنا لیے' وہیں نمازیں پڑھنے اور روزے رکھنے لگے' حتیٰ کہ ان کی کھالیں ان کی ہڈیوں پر خشک ہونے لگیں' انھوں نے خلاف سنت راہ اختیار کی' اور بالآخر ہلاک ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے' جس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے' کوئی بھی آدمی جہالت پر قائم رہتے ہوئے کوئی عمل نہیں کرتا مگر اس کا وہ عمل اصلاح کی نسبت فساد وخرابی کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

حقیقت اور شریعت

بہت سے صوفیاء نے شریعت اور حقیقت کے درمیان تفریق کی ہے[1] اور ایسا کہنے والے کی جہالت کا یہ بین ثبوت ہے کیونکہ ساری کی ساری شریعت ہی حقائق پر مبنی ہے۔ اگر ان لوگوں کی اس تفریق سے مراد رخصت اور عزیمت ہے' تو یہ دونوں ہی شریعت ہیں۔

---

[1] اس کے قریب قریب وہ بعض اسلامی جماعتیں ہیں جو اپنے آپ کو حقیقت تصوف سے متصف بیان کرتی ہیں اس لفظ ''حقیقت'' کا اس قوم کے ہاں ایک خاص معنی ہے' لفظ کے مخصوص رموز و اسرار ہیں' اس سے آگاہ و خبردار رہیں اور غافلوں میں سے مت رہیں۔

جبکہ ان کے قدماء نے شریعت کے ظاہر سے روگردانی کرنے والوں پر اعتراضات کیے ہیں۔

ابوالحسن بن سالم بیان کرتے ہیں: سہل بن عبداللہ کے پاس ایک آدمی آیا جس کے ہاتھ میں دوات اور کتاب تھی' اس نے سہل سے عرض کیا: میں آپ کی خدمت میں بیٹھ کر چند ملفوظات تحریر کرنا چاہتا ہوں جن سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع پہنچائے' تو وہ بولے: لکھو! اگر آپ استطاعت رکھتے ہیں کہ اس حال میں اللہ تعالیٰ سے ملیں کہ آپ کے ہاتھ میں دوات اور کتاب بھی ہو تو کر لیں! اس نے پھر عرض کیا: اے ابومحمد! مجھے کوئی مفید بات لکھوائیں۔ یوں بولا: ساری کی ساری دنیا جہالت ہے' ماسوائے علم کے' علم سارے کا سارا حجت و دلیل ہے' ماسوئے عمل کے' اور عمل سارے کا سارا موقوف (معطل اور بے فائدہ) ہے بجز اس کے جو کتاب وسنت کی دلیل پر ہو' اور سنت تقویٰ پر قائم ہے۔

سہل بن عبداللہ بیان کرتے ہیں: سیاہی کی بیاض پر حفاظت کر لو یعنی روشنائی سے صاف کاغذ پر لکھ لو۔ کیونکہ کوئی بھی ظاہر کو ترک نہیں کرتا مگر وہ زندیق (بے دین) ہو جاتا ہے۔

سہل بن عبداللہ بیان کرتے ہیں' کہ اللہ تعالیٰ سے ملنے کے لیے علم سے بڑھ کر کوئی راستہ نہیں ہے اور اگر تو راہ علم سے ہٹ کر ایک قدم بھی چلے گا تو چالیس روز تک اندھیروں میں بھٹکتا پھرے گا۔

ابوبکر الدقاق بیان کرتے ہیں' میں نے ابوسعید خراز کو کہتے سنا ہے: ہر وہ باطن جو ظاہر کے مخالف ہو' باطل ہے۔

امام ابوحامد غزالی نے اپنی کتاب ''الاحیاء'' میں یہ کہتے ہوئے تنبیہ کی ہے: جس نے کہا: کہ حقیقت شریعت کے برعکس ومخالف ہے یا باطن ظاہر کے الٹ ہے' تو ایسا شخص ایمان کے بہ نسبت کفر کے زیادہ قریب تر ہے۔

ابن عقیل نے کہا ہے: صوفیاء نے اپنی شریعت کا ایک الگ نام رکھا ہوا ہے اور وہ کہتے ہیں اس سے مراد ''حقیقت'' ہے۔

پھر فرماتے ہیں: یہ انتہائی قبیح بات ہے' کیونکہ شریعت کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی

مصلحتوں اور عبادتوں کے لیے مقرر فرمایا ہے تو پھر اس کے بعد حقیقت نام کی کوئی اور چیز باقی نہیں رہ جاتی' ماسوائے اس بات کے کہ دل میں شیطانوں کے القاء سے کوئی چیز واقع ہو جائے۔

اب جو شخص بھی شریعت کے علاوہ کسی اور چیز میں حقیقت کا متلاشی ہو گا تو وہ فریب خوردہ اور دھوکا زدہ ہے۔[1]

علمی کتابوں کا دفن اور دریا بردی

صوفیاء کی ایک جماعت علمی باتیں لکھنے میں مشغول رہا کرتی تھی' پھر ابلیس نے انھیں مبتلائے فریب کر دیا اور یوں کہا: اصل مقصود تو فقط عمل ہے' چنانچہ انھوں نے اپنی بہت سی کتب کو دفن کر دیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ احمد بن ابو الحواری نے اپنی کتابوں کو یہ کہہ کر سمندر میں پھینک دیا تھا: تم کتنی ہی بہترین دلیل تھیں' لیکن منزل پر پہنچنے کے بعد دلیل اور راہ نمائی میں مشغول رہنا امر محال ہے۔

احمد بن ابو الحواری نے عرصہ تیس برس تک حدیث کا علم سیکھا' لیکن جس وقت اس میں کمال تک رسائی پا لی' تو پھر اپنی کتابوں کو سمندر پر لے گیا اور انھیں یہ کہہ کر غرق کر دیا: اے علم! میں نے تیرے ساتھ یہ حرکت تجھے ذلیل و حقیر سمجھتے ہوئے کی ہے اور نہ ہی ترے حق و مرتبہ کو کمتر سمجھتے ہوئے' لیکن میں تو تجھے اس لیے حاصل کیا کرتا تھا تاکہ تیرے ذریعے سے اپنے رب تک راہ یاب ہو جاؤں' جب میں تیری وجہ سے ہدایت یافتہ ہو چکا ہوں' تو اب میں تجھ سے بے نیاز ہو گیا ہوں۔

ابونصر طوسی کہتا ہے: میں نے ''رے'' کے مشائخ کی ایک جماعت کو یہ کہتے ہوئے سنا: ابوعبداللہ مقری اپنے باپ سے جاگیر اور زرعی زمین کے علاوہ پچاس ہزار دینار کا وارث بنے لیکن وہ ان تمام چیزوں سے اس طرح باہر نکل گئے کہ سب کچھ فقراء پر خرچ کر دیا۔

---

[1] اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو دیکھنے کے لیے ''اَلْفَارِقِ بَیْنَ الْمُصَنِّفِ وَالسَّارِقِ'' (ق ٢٦) پر میری تعلیقات ملاحظہ فرمائیں۔ یہ کتاب امام سیوطی کی ہے جو کہ زیرِ طبع ہے۔

راوی کہتا ہے: میں نے اس بارے میں ابوعبداللہ سے دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا: ایک وہ وقت تھا جب میں ابھی بچہ ہی تھا' میں نے احرام باندھا اور تن تنہا ہی اس حال میں مکہ کا عازم ہو چلا کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز باقی نہ تھی کہ جس کی طرف میں واپس چلا آؤں' اور میری یہ انتہائی کوشش تھی کہ میں اپنی کتب سے بھی بے رغبت اور بے نیاز ہو جاؤں۔ کیونکہ جو میں نے علمی ذخیرہ اور احادیث پر مبنی مواد جمع کیا تھا وہ میرے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی کہ میں مکہ کی جانب نکلوں اور دور دراز کے سفر کروں اور اپنی جاگیر و زمین سے دور چلا جاؤں!

میں عرض کیا چاہتا ہوں: یہ بات قبل ازیں بھی گزر چکی ہے کہ علم ایک نور ہے' اور ابلیس انسان کے لیے اس نور کو بجھانا بہتر خیال کرتا ہے تاکہ جہالت کے اندھیروں میں اس پر مکمل قابو پائے رکھے اور جہالت کے اندھیرے سے بڑھ کر کوئی بڑا اندھیرا نہیں ہے۔ اور جب ابلیس کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ یہ لوگ بھی مطالعہ کتب کی طرف پلٹ سکتے ہیں یا کسی وقت بھی اس ابلیسی چال سے ان کتابوں کے ذریعے سے آگاہ ہو سکتے ہیں تو اس نے ان کے لیے کتابوں کو دفن کرنے کو ہی اچھا اقدام باور کرایا اور ان کتب کو تلف کرنے ہی کو اچھا عمل دکھایا اور یہ یقیناً ایک قبیح اور ممنوع فعل ہے اور کتابوں کے مقصود سے لاعلمی ہے!

اس کی وضاحت کچھ اس طرح ہے کہ تمام علوم کی اصل تو قرآن وسنت ہے تو جب شریعت کو معلوم ہوا کہ ان دونوں کو بلحاظ حفظ محفوظ رکھنا دشوار عمل ہے تو امت کو قرآن اور حدیثِ مبارکہ کی تحریر کر لینے کا حکم دیا گیا۔

رہا معاملہ قرآن کریم کی تحریر کا' تو رسول اللہ ﷺ پر جب کوئی آیتِ مبارکہ نازل ہوتی تو آپ کسی کاتب کو بلاتے' اسے املاء کرواتے' وحی لکھنے والے اس وقت کھجور کی کھال' پتھر اور شانے کی ہڈیوں پر لکھا کرتے تھے' پھر بعد میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کی پوری حفاظت کرنے کی خاطر سارے قرآن کو ایک جگہ اکٹھا کر دیا' بعد ازاں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس قرآن سے نقلیں تیار کیں اور یہ سب کچھ قرآن کی حفاظت کی خاطر ہی تھا تاکہ اس میں سے کوئی حصہ الگ تھلگ نہ رہ جائے۔[1]

---

[1] اس سلسلے میں شیخ عبدالفتاح القاضی رحمہ اللہ کی کتاب "تاریخ المصحف الشریف" کی طرف رجوع فرمائیں۔

البتہ جہاں تک سنت کا معاملہ ہے تو نبیِ اکرم ﷺ نے ابتدائے اسلام میں لوگوں کو صرف قرآن کریم لکھنے ہی پر محدود بنا دیا تھا اور یوں فرمان اقدس جاری فرمایا تھا:

((لَا تَكْتُبُوا عَنِّي وَمَنْ كَتَبَ عَنِّي غَيْرَ الْقُرْآنِ فَلْيَمْحُهُ))[1]

''میری طرف سے کچھ نہ لکھو اور جس نے قرآن کے سوا لکھا' وہ اسے مٹا دے''

لیکن جب احادیث بکثرت ہو گئیں اور نبی کریم ﷺ نے ان کی حفاظت کی کمی کو ملاحظہ فرمایا تو انھیں حدیث لکھنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ملتی ہے[2] کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے قلتِ حافظہ کی شکایت کی تو آپ نے ارشاد فرمایا: اپنی چادر بچھاؤ' چنانچہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی چادر بچھا دی' پھر نبیِ کریم ﷺ نے احادیث بیان فرمائیں اور آخر میں فرمایا: اس چادر کو اپنے ساتھ چمٹا لو۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے جو احادیث مجھے بیان فرمائی تھیں ان کو اس کے بعد بالکل نہیں بھولا۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے یہ فرمان نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام روایت کیا ہے:

''علم کو قید کر لو''

میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس کو قید کرنے سے کیا مقصود ہے؟

آپ نے فرمایا: لکھنا۔[3]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کے الفاظ' آپ کی حرکات اور آپ کے افعال

---

[1] امام مسلم نے اسے کتاب الزھد' باب التثبت فی الحدیث......' حدیث : ۳۰۰۴ میں سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

[2] صحیح بخاری' العلم' باب حفظ العلم' حدیث: ۱۱۹۔

صحیح مسلم' فضائل الصحابة' باب من فضائل ابی هريرة رضی اللہ عنہ' حدیث: ۲۴۹۲۔

اس روایت کو صیغۂ تمریض یعنی صیغہ مجہول سے اس لیے بیان کیا ہے کہ اختصار سند پیش نظر ہے جس طرح کہ قدمائے اہل حدیث بھی کبھار ایسا کر لیتے ہیں۔

[3] مستدرك حاكم (۱/ ۱۰٦)' طبرانی فی الكبير و الاوسط كما فی المجمع (۱/ ۱۰۰۲)' نیز دیکھیے السلسلة الصحيحة للالبانی (۲۰۲٦)

ضبط اور تحریر فرمائے ہیں' اور ایک ایک روایت جمع کرنے ہی سے شریعت جمع ہوئی ہے۔

اور بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

((بَلِّغُوا عَنِّي))[1]

''میری طرف سے پہنچاؤ''

اور یہ بھی فرمایا ہے:

((نَضَّرَ اللّٰهُ أمْرَأَ سَمِعَ مَقَالَتِيْ، فَوَعَاهَا، فَأَدَّهَا كَمَا سَمِعَهَا))[2]

''اللہ تعالیٰ اس آدمی کے چہرے کو تروتازہ اور پررونق بنائے جس نے میری بات کو سنا' پھر اسے یاد رکھا' اور اسے ویسے ہی آگے پہنچایا جیسے اسے سنا تھا''

اور کسی بات کو بالکل ویسے ہی آگے پہنچانا جیسے کہ سنی ہو یہ بغیر احاطۂ تحریر میں لانے کے مشکل امر ہے' کیونکہ یادداشت خیانت کر جاتی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ حدیث مبارکہ کو بیان فرمایا کرتے تھے۔ آپ سے یوں عرض کیا گیا: آپ اس کی قوت حافظہ سے املاء کروائیں' تو فرمانے لگے: نہیں' بلکہ کتاب ہی سے۔

علی بن مدینی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: مجھے میرے سید احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے حکم فرمایا تھا کہ میں فقط کتاب ہی سے حدیث بیان کروں۔

تو جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سنت کی روایت کی ہے اور تابعین نے اسے قبول فرمایا ہے اور محدثین نے بے شمار سفر اختیار فرمائے تھے بلکہ زمین کے مشرق و مغرب تک کو طے کر لیا تھا تاکہ کوئی لفظ یہاں سے حاصل کریں اور کوئی لفظ وہاں سے حاصل کریں اور انھوں

---

[1] صحیح بخاری' احادیث الانبیاء' باب ما ذکر عن بنی اسرائیل' حدیث: ۳۴۶۱۔

[2] سنن ابی داود' العلم' باب فضل نشر العلم' حدیث: ۳۶۶۰۔
سنن ترمذی' العلم' باب ما جاء فی الحث علی تبلیغ السماع' حدیث: ۲۶۵۶۔
یہ حدیث صحیح متواتر ہے جو کہ تیس تا انتیس صحابہ کرام سے روایت شدہ ہے' ملاحظہ فرمائیں "الحطة" (ص ۶۸) اور اس پر میری تعلیقات۔ مزید برادر مکرم سلیم ہلالی کی مشارکت سے میرے قلم سے نکلے ہوئے الفاظ "الرد العلمی" (۱/۷۳) بھی دیکھ لیے جائیں۔

نے جو صحیح روایت ہے اسے صحیح قرار دیا اور غیر صحیح روایات کے کھوٹ اور بطلان کو واضح کیا۔ انھوں نے حدیث کے راویوں پر جرح بھی کی اور ان کی تعدیل بھی بیان فرمائی، سنتوں کی تہذیب کی اور پھر انھیں کتابوں میں تصنیف و تالیف بھی کیا۔

اب جو شخص اس کو ڈھوڈالے (یعنی اس کو مٹانے اور ختم کرنے کی کوشش کرے) اور اس جفاکشی کو امارت بنانے کی سعی لاحاصل کرے اور کسی واقعے میں وہ حکم الٰہی بھی نہ جانتا ہو کہ اس طرح کے حکم میں شریعت کی کس طریقے سے مخالفت کی گئی ہے، کیا ہماری شریعت سے قبل کسی اور شریعت میں اپنے نبی تک سند موجود ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ تو فقط ہماری امت ہی کی خصوصیت ہے۔[1]

ہمیں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ روایت کی گئی ہے کہ آپ نے طلب حدیث میں شرق و غرب کے چکر لگانے کے باوجود اپنے صاحبزادے سے یہ دریافت فرمایا: تو نے فلاں سے کیا روایت کیا ہے؟ تو اس نے یوں بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

((كَانَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْعِيدِ مِنْ طَرِيقٍ وَيَرْجِعُ مِنْ أُخْرَى))[2]

"آپ عید کے دن ایک راستے سے جایا کرتے اور دوسرے راستے سے واپس آیا کرتے تھے۔"

تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں ایک سنت مجھ تک نہیں پہنچی!

یہ ہے قول اس امام کا، باوجود بکثرت احادیث بیان کرنے اور ذخیرۂ احادیث بنا لینے کے، تو اس شخص کا کیا حال ہوگا جس نے حدیث کو لکھا ہی نہیں؟ اور جب کبھی لکھتا ہے تو

---

[1] "علم مصطلح الحدیث اور اس کے قواعد" کا یہی بنیادی اور اساسی ثمرہ ہے جس طرح کہ اس کی تفصیل اس کے مقام میں موجود ہے۔ اب جو آدمی اس علم سے غافل رہتے ہوئے اپنی کد و کاوش کو ذکر کتب اور نسبت کتب تک ہی محدود رکھے وہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے وہ فرع اور شاخ کے ساتھ ہی مشغول رہا ہے اور اس کی اصل اور جڑ سے بے خبر ہی رہا، بس ذرا خبردار ہو جائیں اور کثرت حواشی آپ کو دھوکے میں نہ رکھیں۔

[2] صحيح بخاري، العيدين، باب من خالف الطريق اذا رجع يوم العيد، حديث: ٩٨٦۔

اسے دھوڈالتا ہے!

ذرا آپ سوچ کر بتائیں کہ جب کاپیوں کو دھوڈالا جائے اور انھیں دفن کر دیا جائے تو مسائل و حوادث میں فتویٰ دیتے ہوئے کن چیزوں پر اعتماد کیا جائے گا؟! کسی فلاں زاہد پر یا کسی فلاں صوفی پر! یا ان دلی خیالات پر جو ان میں وقوع پذیر ہوں گے۔

ہم ہدایت کے بعد گمراہ ہونے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

علمی کتب دفن کرنے میں صوفیاء کے مسلک کا تنقیدی جائزہ

جو کتابیں ان لوگوں نے دفن کیں یا دریا برد کر دی ہیں وہ اس امر سے خالی نہیں ہوں گی کہ یا تو ان کتب میں حق ہوگا یا باطل' یا پھر حق و باطل کی آمیزش ہوگی۔

اگر تو ان کتب میں باطل تھا' تو انھیں دفن کرنے پر کوئی ملامت نہیں ہے۔

اور اگر ان کتابوں میں حق باطل کے ساتھ ملا ہوا تھا اور اسے الگ کرنا ناممکن تھا' پھر تو انھیں تلف کرنا قابل قبول ہے' کیونکہ کچھ لوگوں نے ثقہ راویوں اور کذابوں سے روایات لے کر کتب لکھی تھیں پھر ان پر معاملہ خلط ملط ہو گیا تھا' انہوں نے اپنی کتابوں کو دفن کر دیا تھا۔

سفیان ثوری بیان کرتے ہیں کتابوں کا دفن کرنا بھی اسی پر محمول کیا جائے گا۔

اور اگر ان کتب میں حق اور شرع کی باتیں تھیں' تو ان کا تلف کرنا کسی صورت بھی حلال نہ تھا کیونکہ وہ علم و مال کے لیے اصل ضابطہ تھیں۔

چاہیے تو یہ کہ جو آدمی ان کتب کو تلف کرنے کا قصد رکھتا ہے اس سے اس کا مقصود پوچھا جائے۔

اگر تو وہ کہے: یہ مجھے عبادت سے روکتی ہیں!

اسے عرض کی جائے گی: تجھے تین طرح سے جواب دیے جا سکتے ہیں:

❀ اگر تجھے فہم نصیب ہو جاتا تو جان لیتا کہ علم میں مشغول ہونا مکمل ترین عبادت ہے۔

❀ جو بیدار مغزی اور روشن خیالی آپ کو ملی ہے یہ ہمیشہ نہیں رہے گی' گویا کہ میں تو

آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ تو ان کتابوں کی تلفی کے بعد نادم ہو رہے ہیں۔

اور یہ بات یاد رکھیں کہ قلوب اپنی صفائی اور نیکی پر ہمیشگی نہیں پاتے بلکہ یہ زنگ آلود ہو جاتے ہیں' پھر انھیں صیقل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور انھیں صیقل کرنا مطالعہ کتب اور ورق گردانی ہی سے ممکن ہوتا ہے۔[1]

یوسف بن اسباط نے اپنی کتابوں کو دفن کر دیا تھا پھر ان سے روایت حدیث کرنے سے صبر بھی نہ ہو سکا' چنانچہ انہوں نے اپنے حافظے سے حدیث بیان کرنا شروع کر دی پھر اس میں گڈمڈ کرنے لگے۔[2]

❀ ہم اس بات کو فرض کر لیتے ہیں کہ آپ کی بیدار مغزی اور روشن خیالی مکمل صورت کی اور دائمی ہوگی اور آپ کی ان کتب سے بے نیازی بھی مستقل ہی ہوگی' تو پھر آپ نے کیوں نہ یہ کتب کسی ابتدائی طالب علم کو ہدیۃً پیش کیں' جو علمی درجے میں آپ کے مقام و مرتبہ تک نہ پہنچا تھا' یا آپ نے انھیں نفع اٹھانے والوں کے لیے وقف ہی کیوں نہ کر دیا' تا کہ آپ انھیں فروخت کر کے ان کی قیمت خیرات کر دیتے' تا کہ انھیں تلف کرنا چاہیے تھا' جو کسی بھی حال میں حلال نہیں ہے۔

مروزی نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے یہ روایت کی ہے کہ آپ سے ایسے آدمی کے متعلق پوچھا گیا جو اپنی کتابوں کو دفن کرنے کی وصیت کر جاتا ہے تو آپ نے فرمایا: مجھے علم کو دفن کرنا پسند نہیں ہے۔ انہی سے یہ قول بھی بیان کیا جاتا ہے کہتے ہیں: میں نے امام احمد بن حنبل سے یہ سنا ہے' آپ فرما رہے تھے: مجھے کتابوں کو دفن کرنے کا کوئی معنی سمجھ نہیں آتا۔

---

[1] آپ ایسے چشموں کو دیکھیں گے جو ان کتابوں کے متعلق بہائے گئے ہیں جن میں ان کتابوں کے فوائد اور ان کی اہمیت اور ان سے نفع حاصل کرنے کے طریقے ذکر کیے گئے ہیں' تقریباً تقریباً ایسی تمام قریب و بعید کی باتیں آپ میری کتاب "حلية الكتاب و بلغة المطالع" میں موجود پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اسے تمام کرنے کی توفیق آسان فرمائے۔

[2] تهذيب التهذيب (۴۰۸/۱۱)

طلاب علم اور صوفیاء

یہ لوگ دو گروہوں میں منقسم ہو گئے:

① طلب علم کے معاملے میں سست روی اور کاہلی کا شکار رہنے والے۔

② یہ گمان کرنے والے کہ عبادت گزاری کے صلے اور ثمرے میں دل میں آنے والا ہی علم ہے۔ اس علم کا نام انھوں نے ''علمِ باطن'' رکھا ہے۔ ایسے لوگوں نے علمِ ظاہری میں مشغول ہونے سے منع کیا۔

جعفر خلدی کہتا ہے: اگر صوفیاء مجھے چھوڑ دیتے تو میرے پاس دنیا کی اسناد ہوتیں، میں عباس الدوری کی خدمت میں حاضر ہوا تھا جبکہ میں ابھی نوعمر ہی تھا، میں نے ایک مجلس کی سب روایات تحریر کر لی تھیں، پھر میں ان کے پاس سے چلا آیا، راستے میں مجھے ایک صوفی ساتھی مل گیا، اس نے دریافت کیا: آپ کے پاس یہ کیا چیز ہے؟ میں نے اسے یہ اوراق دکھا دیئے، تو وہ بولا: تیری ہلاکت ہو تو علم خرق کو چھوڑ کر علم ورق کو لیتا ہے! پھر اس نے ان اوراق کو پھاڑ ڈالا، اس کی باتیں میرے دل میں جاگزیں ہو گئیں، پھر میں اس کے بعد کبھی عباس کی مجلس میں نہ گیا!!

میں عرض کرتا ہوں! مجھے ابو سعید الکنی سے یہ قول پہنچا ہے: میں صوفیاء کے خلوت خانے میں آیا جایا کرتا تھا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ خفیہ طور پر حدیث کا علم سیکھا کرتا کہ انھیں خبر نہ ہو۔ ایک روز میری آستین سے دوات گر گئی، تو مجھے ایک صوفی نے یوں پھبتی کسی: ''اپنی شرمگاہ کو چھپاؤ!''

حسین بن احمد الصفار کا قول ہے: میرے ہاتھ میں دوات تھی، مجھے شبلی نے کہا: مجھ سے

اپنی سیاہی غائب کرو' کیونکہ میرے لیے میرے قلب کی سیاہی ہی کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے سب سے بڑی دشمنی اور مخالفت یہ ہے کہ اس کی راہ سے روکا جائے اور اللہ تعالیٰ کا واضح ترین راستہ تو علم ہی ہے' کیونکہ یہی تو اللہ تعالیٰ پر دلیل ہے اور یہی احکام الٰہی اور شرع الٰہی کا بیان ہے اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ تمام امور کی وضاحت کرنے والا ہے' لہٰذا علم سے روکنا اللہ تعالیٰ کی اور اس کی شریعت کی مخالفت اور عداوت ہے' لیکن اس سے منع کرنے والوں کو کچھ خبر نہیں ہورہی کہ کیا کچھ کر رہے ہیں!

ابوعبداللہ بن خفیف کہتے ہیں: علم کو سیکھنے میں مشغول ہو جاؤ اور کلام صوفیاء تمھیں دھوکے میں مبتلا نہ کر دے' کیونکہ میں اپنی دوات کو اپنے چوغے کی جیب میں اور کاغذ کو اپنی شلوار کے نیفے میں چھپائے رکھتا تھا' اور میں چھپ چھپ اہل علم کی مجالس میں آیا جایا کرتا تھا' لیکن جونہی انھیں میرے متعلق معلوم ہوا تو انھوں نے مجھ سے لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا[1] اور کہنے لگے! تو کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ پھر اس کے بعد وہ میرے دست نگر اور محتاج بن گئے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ طالب علم کے ہاتھوں میں روشنائی کی دواتیں پکڑے دیکھتے تو فرماتے: یہ تو اسلام کی قندیلیں ہیں۔

اور بذات خود کبرسنی کے باوجود دوات کو اٹھائے پھرتے' ایک آدمی نے آپ سے کہا: اے ابوعبداللہ! کب تلک یہ دوات اٹھائے رکھو گے؟ تو جواب میں فرمایا:

((اَلْمِحْبَرَةُ اِلَى الْمَقْبَرَةِ))

''یہ دوات قبر تک''

---

[1] آج گزرے ہوئے کل سے کس قدر مشابہ بن چکا ہے۔ دور حاضر کی کتنی ہی جماعتیں اور پارٹیاں ہیں جو اس سے بھی چار قدم آگے بڑھ گئی ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ یہ لوگ گمان رکھتے ہیں کہ یہ اچھے کام کر رہے ہیں۔ ہم تو ایسے لوگوں سے بھی آشنا ہیں جو سنت کے دعویدار ہیں لیکن ان کے علماء سنت سے بیزار ہیں اور ان کے سادات و روسائے سنت سے کوسوں دور بھاگتے ہیں اور ایسے راستوں پر گامزن ہیں جو اسلام کی فطرت اور سنت کے چشمہ صافی کے بالکل مخالف ہیں۔ فلاقوۃ الا باللہ

اور آپ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمانِ ذیل کے متعلق یوں فرمایا ہے:

((لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي مَنْصُوْرِيْنَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ))[1]

''میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ نصرتِ الٰہی سے فیض یاب رہے گا' ان کی مدد سے دست کش ہونے والا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا' حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے۔''

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: اگر طائفہ منصورہ اصحاب الحدیث نہیں ہیں تو میں نہیں جانتا پھر طائفہ منصورہ کون لوگ ہیں۔

آپ سے پوچھا گیا: ایک شخص اصحاب الحدیث کے متعلق یہ بات کہتا ہے: یہ برے لوگ ہیں' تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وہ زندیق ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب میں اصحاب الحدیث میں سے کسی شخص کو دیکھ لیتا ہوں تو یوں لگتا ہے گویا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی آدمی کو دیکھ لیا ہے۔[2]

علمی مسائل پر صوفیاء کا کلام

ان لوگوں نے جب علم کو ترک کر دیا' تو اپنی آراء کے تقاضوں کے مطابق اپنی الگ انفرادی ریاضتوں اور مجاہدوں میں لگ گئے' لیکن اس کے باوجود علوم میں گفتگو کرنے سے

---

۱ یہ متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے' ان میں سے ایک سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ دیکھئے صحیح بخاری' المناقب' باب (۲۸)' حدیث: ۳۶۴۱۔

صحیح مسلم' الامارہ' باب قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ''لا تزال طائفۃ من امتی'' حدیث: ۱۰۳۷/۱۷۴

۲ حدیث کے طالب علموں اور اصحاب الحدیث کی مدح و ثناء میں علمائے کرام کے فرمودات کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں اور اہل علم کی تصنیفات میں ایسی باتیں نثر و نظم کی شکل میں موجود ہیں۔

میں نے بھی اس ضمن میں ایک الگ کتاب بنام "اتحاف النابہ بشرف الحدیث و اصحابہ" میں ایسی چند چیزیں جمع کی ہیں اور میں نے اسے اس کتاب کے ساتھ شامل کر دیا ہے جو ہم تک ''مخطوطۃ الظاھریۃ'' کے توسط سے کتاب "فضل الحدیث واھلہ" جو کہ ضیاء المقدسی کی کتاب ہے' یہ کتاب تخریج و تحقیق شدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے پورا کرنے اور اسے نشر کرنے کی آسانی فراہم فرمائے۔ (آمین)

صبر بھی نہ کر سکے۔ انھوں نے اپنے واقعات پر کلام کیا' ان سے انتہائی قبیح غلطیوں کا ارتکاب ہوا' کبھی تو یہ تفسیر قرآن میں رائے زنی کرتے ہیں' کبھی حدیثِ مبارکہ میں گفتگو کرتے ہیں اور کبھی فقہ وغیرہ میں عقل کے گھوڑے دوڑاتے ہیں اور پھر ان علوم کو اپنے مخصوص علم کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کرتے ہیں جس میں یہ منفرد ہیں۔

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی بھی عہد اور زمانے کو ایسے لوگوں سے خالی نہیں رکھے گا جو اس کی شریعت کو قائم رکھنے والے ہوں گے' شریعت میں عقلی گھوڑے دوڑانے والوں کی تردید کرتے رہیں گے اور ایسے غلط کاروں کی غلطیوں کو واضح کرتے رہیں گے۔

قرآن کریم میں رائے زنی کے چند نمونے

جعفر بن محمد خلدی بیان کرتا ہے: میں اپنے شیخ جنید کی خدمت میں حاضر تھا' کیسان نے آپ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان اقدس:

﴿ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ﴾ (الاعلیٰ : ۸۷/ ۶)

''ہم تجھے پڑھائیں گے پھر تو نہ بھولے گا۔''

سوال کیا: تو جنید نے کہا: ''تو آپ اس پر عمل پیرا ہونا نہ بھولیں۔''

اور اس نے اللہ تعالیٰ کے فرمانِ گرامی:

﴿ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ﴾ (الاعراف : ۷/ ۱۶۹)

''اور انھوں نے اس کتاب میں جو کچھ تھا اس کو پڑھ لیا''

کے متعلق پوچھا تو جنید نے اسے کہا: ''انھوں نے اس پر عمل کرنا ترک کر دیا تھا'' تو اس نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کے منہ کی مہر نہ توڑے!

میں عرض کرتا ہوں: ان کا یہ کہنا: ''تو آپ اس پر عمل پیرا ہونا نہ بھولیں'' ایسی تفسیر ہے جس کے صحیح ہونے کی کوئی وجہ ہی نہیں ہے' اس میں غلطی بالکل واضح ہے کیونکہ وہ اس کی تفسیر صیغہ نہی کے اعتبار سے کر رہا ہے' حالانکہ یہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ تو نہی کے بجائے خبر ہے اور اس کی تقدیر یوں ہے: ''فَمَا تَنْسٰى'' کیونکہ اگر یہ نہی ہوتی تو یہ مجزوم (ساکن)

ہوتا' لہٰذا یہ تفسیر علماء کے اجماع کے خلاف ہے۔[1]

اسی طرح ان کا کہنا: ''انھوں نے اس پر عمل کرنا ترک کر دیا تھا۔'' ''وَ دَرَسُوْا مَا فِيْهِ'' کی تفسیر میں یہ لفظ ''درس'' یعنی پڑھنے اور تلاوت کرنے سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان گرامی میں ہے:

﴿ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴾ (ال عمران : ۳/ ۷۹)

''اور تمہارے کتاب پڑھنے کے سبب''

یہ ''دَرُوْسُ الشَّيْءِ'' سے نہیں ہے جس کا معنی کسی چیز کا نام ونشان مٹانا ہے۔[2]

احمد بن محمد بن مقسم بیان کرتے ہیں: میں ابوبکر شبلی کے پاس حاضر ہوا' ان سے اللہ کے اس فرمانِ مبارک کے متعلق پوچھا گیا:

﴿ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ ﴾ (ق : ۵۰/ ۳۷)

''اس میں ہر صاحبِ دل کے لیے عبرت ہے اور اس کے لیے جو دل سے متوجہ ہو۔''

تو انہوں نے کہا: اس آدمی کے لیے جس کا اللہ تعالیٰ دل ہو جائے۔[3]

---

[1] دیکھئے مصنف کی تفسیر ''زاد المسیر''

[2] حوالہ سابقہ

[3] ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑتے ہیں' یہ تو کفریہ حلولی عقیدہ ہے اور ایسے آدمی پر اعتماد کرنا ہے جس نے نبی کریم ﷺ پر یوں جھوٹ بولا ہے:

((مَا وَسِعَنِيْ اَرْضِيْ وَلَا سَمَائِيْ' وَلٰكِنْ وَسِعَنِيْ قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ)) (حدیث قدسی)

''مجھے میری زمین سما سکتی ہے اور نہ ہی میرا آسمان' بلکہ مجھے میرے مؤمن بندے کا دل سمو سکتا ہے۔''

اسی طرح یہ قول ہے:

((اَلْقَلْبُ بَيْتُ الرَّبِّ))

''دل رب کا گھر ہے۔''

یہ دونوں ہی جھوٹ ہیں!

ملاحظہ فرمائیں امام سخاوی کی کتاب ''المقاصد الحسنہ'' (نمبر ۷۶، ۹۹۰)

اور امام فتنی کی کتاب ''اَحَادِيْثُ الْقَصَّاصِ'' (۶۷) اور امام فتنی کی ''تذکرۃ الموضوعات'' (۳۰)' اور ملا علی قاری کی ''اَلْاَسْرَارُ الْمَرْفُوْعَةُ'' (ص ۲۶۰) اور عجلونی کی ''كَشْفُ الْخَفَاء'' (۲/ ۹۹)۔

ابوعبدالرحمٰن سلمی[1] نے تفسیر قرآن کے نام سے ان کی ایسی باتیں دو جلدوں میں جمع کر دی ہیں جو اکثر ہذیان اور یاوہ گوئی پر مبنی ہیں جو بالکل ناجائز ہیں' انہوں نے اس کتاب کا نام "حقائق التفسیر" رکھا ہے' فاتحۃ الکتاب کے متعلق ان سے یوں نقل کیا گیا ہے: اس کا نام فَاتِحَۃُ الْکِتَاب اس لیے رکھا گیا ہے' کیونکہ یہ ایسی چند شروعات ہیں جن کے ساتھ ہم تجھ سے اپنے خطاب کو شروع کر رہے ہیں' اگر تو نے ان کا ادب و احترام ملحوظ رکھا تو بہتر ہو گا ورنہ تو بعد میں مذکور لطائف و حقائق سے محروم رہے گا۔

یہ بہت بری بات ہے کیونکہ تمام مفسرین کا اس امر میں ذرہ بھر بھی اختلاف نہیں ہے کہ سورۃ الفاتحہ ایسی سورت نہیں ہے جو آغاز میں نازل ہوئی۔ اور انہوں نے انسان کے "آمین" کہنے کے متعلق یہ کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: "تیری طرف قصد کرنے والے!"

میں عرض کرتا ہوں: یہ بھی بالکل غلط معنی ہے' کیونکہ یہ لفظ "ام" سے نہیں ہے' اگر یہ ایسے ہوتا تو میم مشدد پڑھی جاتی۔[2]

اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی:

﴿ وَإِنْ يَأْتُوكُمْ أُسٰرٰى ﴾ (البقرہ: ۲/ ۸۵)

"ہاں جب وہ قیدی بن کر تمہارے پاس آئیں"

کے متعلق یوں کہتے ہیں کہ ابوعثمان نے کہا ہے: "گناہوں میں غرق شدہ لوگ" اور واسطی نے کہا ہے: "اپنے افعال دیکھنے میں ڈوب جانے والے" اور جنید نے کہا ہے: "اسباب دنیا میں گرفتار لوگ"

میں عرض کرتا ہوں: یہ آیتِ کریمہ تو فقط انکار یعنی مذمت کرنے کے لیے نازل ہوئی

---

[1] دیکھئے "تَارِیْخُ الْخَطِیْب" (۲/ ۲۴۸) "سیر اعلام النبلاء" (۱۷/ ۲۵۲) "میزان الاعتدال" (۳/ ۵۲۳)

اور "تخریج الاربعین السلمیۃ" پر میرا مقدمہ (ص ۱۳۔۱۴)

[2] یعنی پھر یوں ہوتا: "آمِّین" نہ کہ آمِین (میم کی تشدید کے بغیر) اور "ام" کے معنی ہے قصد کیا' جیسا کہ قرآن پاک میں ہے: "آمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ" (سورۃ المائدہ: ۵/ ۲) "حرمت والے گھر کا قصد کرنے والے"

ہے' اور اس کا معنی یوں ہے' جب تم ان سے لڑائی کرتے ہو تو ان کے ضامن بنتے ہو' اور ان لوگوں نے ایسے انداز سے اس کی تفسیر بیان کی ہے جو مدح وستائش کے قابل ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان اقدس:

﴿ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۔﴾ (آل عمران : ۳/ ۹۷)

''اس میں جو آ جائے امن والا ہو جاتا ہے۔''

کے متعلق کہتے ہیں: یعنی نفس کے اندیشوں اور شیطان کے وسوسوں سے' حالانکہ یہ نہایت قبیح تفسیر ہے' کیونکہ آیت کے الفاظ تو خبر کے ہیں' اور ان کا معنی حکم کا ہے' اس کی تقدیری عبارت یوں ہے:

((مَنْ دَخَلَ الْحَرَمَ فَاٰمِنُوْهُ))

''جو حرم میں داخل ہو جائے' تو اسے امن دو''

اور ان لوگوں نے اس کی تفسیر صیغۂ خبر کے ساتھ کی ہے' پھر ان کے لیے اس کی صداقت وصحت بھی درست نہ رہی کیونکہ کتنے ہی حرم پاک میں داخل ہونے والے ہیں جو نفس اور وساوس شیطان سے مامون اور محفوظ نہیں رہتے۔

اور فرمان الٰہی کے متعلق کہتے ہیں:

﴿ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۔﴾ (الرعد : ۱۳/ ۴۲)

''لیکن تمام تدبیریں اللہ ہی کی ہیں''

حسین نے کہا: اس سے بڑھ کر بندوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کا اور کیا مکر ہو سکتا ہے کہ انھیں وہم دلا دیا ہے کہ بندوں کو ہر حال میں اس کی طرف راستہ پاتا ہے۔

جو کوئی اس معنی پر تامل اور تفکر کرے گا' وہ جان لے گا کہ یہ تو کفرِ محض ہے کیونکہ وہ اس سے اشارہ کر رہا ہے کہ وہ مذاق کرنے اور کھیل کود کرنے کی مثل ہے' لیکن یہ یاد رہے کہ یہ حسین الحلاج ہے اور اس کے یہی لائق ہے!

ساری کتاب ''حقائق التفسیر'' ہی اسی طرح کی ہے۔ ویسے میرا ارادہ تھا کہ اس کتاب سے کافی اقتباسات نظر قارئین کروں گا' پھر مجھے خیال آیا کہ ایسی کفریہ اور یاوہ گوئی

پر مبنی باتیں درج کرنے میں وقت ضائع کرنے کے سوا اور کچھ مقصد نہیں۔

اور یہ بالکل اسی طرح کی باتیں ہیں جو ہم باطنیہ کی نسبت درج کر آئے ہیں جو کوئی اس کتاب میں موجود مواد کے متعلق جاننا چاہتا ہے تو اس کے لیے یہ معمولی سی جھلک ہے۔

ابو نصر سراج نے کتاب ''اللمع'' میں ذکر کیا ہے اور یوں لکھا ہے: صوفیاء کے چند استنباط ہیں' ان کا ایک قول یہ ہے کہ فرمان الٰہی:

﴿ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ ﴾ (یوسف : ۱۲/ ۱۰۸)

''میں اللہ کی طرف پورے یقین اور اعتماد کے بعد بلاتا ہوں''

واسطی نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: میں اپنے نفس کو نہیں دیکھتا۔

شبلی نے کہا: اگر تو ہمارے سوا سب پر اطلاع پا لے[1] تو بالیقین ان سے بھاگ کر ہمارے پاس چلا آئے۔

میں عرض کرتا ہوں: یہ کہنا بالکل صحیح نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو صرف ''اہل کہف'' ہی مراد لیے ہیں۔

اور یہ سراج ہے جو اپنی کتاب میں ان اقوال کو ''مستنبطات'' کا نام دے رہا ہے!

ابو حامد طوسی نے کتاب ''ذم المال'' میں اللہ عز وجل کے فرمانِ گرامی:

﴿ وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴾ (ابراهيم : ۱۴/ ۳۵)

''اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے پناہ دے۔''

کے متعلق کہتا ہے: کہ (سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے) اس سے مراد سونا اور چاندی لیا ہے' کیونکہ رتبہ نبوت اس سے کہیں بالاتر ہے کہ اس امر سے ڈرا جائے کہ وہ جھوٹے معبودوں اور اصنام کی پرستش کرے گا' بلکہ یہاں عبادت کرنے سے مراد ان کی یعنی سیم و زر کی محبت رکھنا اور ان پر فریفتہ ہونا ہے۔

میں عرض کرتا ہوں: یہ ایسا معنیٰ ہے جو مفسرین میں سے کسی نے بھی نہیں کیا اور شعیب علیہ السلام

---

[1] سورۃ الکہف کی آیت نمبر ۱۸ کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

نے کہا ہے:

﴿ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ﴾
(الاعراف : ۷/ ۸۹)

''اور ہم سے ممکن نہیں کہ تمہارے مذہب میں پھر آ جائیں لیکن ہاں یہ کہ اللہ ہی نے جو ہمارا مالک ہے' مقرر کیا ہو۔''

اور یہ معلوم ہے کہ انبیائے کرام کا شرک کی جانب میلان ہونا بالکل ناممکن ہے' اس لیے نہیں کہ ان کے لیے محال ہے بلکہ ان کی عصمت کی وجہ سے' پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے نفس کے ساتھ ان لوگوں کو بھی شامل کیا ہے جن کے حق میں شرک و کفر کا تصور ہو سکتا ہے' تو آپ نے اسے جائز رکھا ہے کہ اپنی جان کو بھی ان کے ساتھ داخل کریں' اور یوں فرمایا:

﴿وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ﴾

''مجھے اور میری اولاد کو پناہ دے''

اور پھر یہ بات بھی معلوم شدہ ہے کہ آپ کی اولاد عرب ہیں اور عرب کے کثیر لوگوں نے اصنام پرستی کی ہے۔

ابوحفص بن شاہین کہتے ہیں: صوفیاء کے ایک طبقہ نے تفسیر قرآن میں ایسی ایسی باتیں کر دی ہیں جو بالکل ناجائز ہیں' انھوں نے فرمان باری تعالیٰ:

﴿ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴾ (ال عمران : ۳/ ۱۹۰)

''آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں''

اس کا کہنا ہے: یہ صوفیاء حضرات میری نشانیاں ہیں۔

ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف اس بات کو منسوب کر دیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے عقل مند بندوں کے لیے رکھا ہے اور یہ قرآن کو بدلنا ہے۔

انھوں نے کہا ہے:

﴿ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ ﴾ (سباء: ۳۴/ ۱۲)

''اور ہم نے سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا''

کہتے ہیں: اس کا معنی یہ ہے ''سلیمان والی ہٹنے!!''

میں عرض کرتا ہوں: میں ان لوگوں پر انتہائی تعجب کرتا ہوں حالانکہ یہ لوگ تو ایک ایک لقمہ اور ایک ایک کلمہ (بات) کے بارے میں ورع اور تقویٰ ظاہر کرتے ہیں لیکن یہ لوگ تفسیر قرآن میں اس حد تک بے تکلفی پر قدرت رکھتے ہیں؟!

رویم بیان کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزوں کو دوسری چیزوں میں پوشیدہ کر رکھا ہے' اس نے اپنے مکر کو اپنے علم میں چھپایا ہوا ہے' دھوکے کو اپنے لطف میں چھپایا ہوا ہے اور اس نے اپنی سزاؤں کو اپنی کرامات کے بیان میں پوشیدہ کر رکھا ہے۔

اور یہ اس جنس سے تخلیط (فضول گوئی) اور جرأت ہے' ہم ایسی تخلیط' یاوہ گوئی اور علم میں خود رائے ہونے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں' مزید ایسی غیبی خبروں کے متعلق خبریں فراہم کرنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں جنھیں ماسوائے کسی نبی کے کوئی نہیں جانتا' اگر وہ برحق ہیں تو اس رویم کو ان چیزوں کا علم کہاں سے ہو گیا ہے؟!

فقط ان لوگوں کی علم سے دوری اور اپنے ہی فاسد واقعات پر قناعت کرنے نے انھیں اس فضول بکواس میں لا دھکیلا ہے۔

اور یہ امر بھی ذہن نشین رکھا جائے کہ خیالات اور واقعات آدمی کے علم کا نتیجہ اور ثمرہ ہوتے ہیں' لہٰذا جو آدمی عالم ہو گا' اس کے خیالات صحیح ہوں گے کیونکہ اس کے علم کے ثمرات ہیں اور جو آدمی جاہل ہو گا تو جہالت کے تمام ثمرات ہی اس آدمی کا نصیبہ ہوں گے۔

میں نے ابن عقیل کے ہاتھ کا لکھا ہوا نوشتہ دیکھا ہے: ابو یزید یہودیوں کے قبرستان سے گزرے تو کہنے لگے: یہ لوگ کیا ہیں کہ تو انھیں عذاب کرے گا' بس یہ لوگ تو ہڈیوں کی مٹھ ہیں اور ان پر تقدیر کی قلمیں چل چکی ہیں' انھیں معاف کر دے۔

یہ کم علمی ہے' اور اس کا یہ کہنا ''ہڈیوں کی مٹھ'' یہ تو آدمی کی تحقیر ہے' کیونکہ جب کوئی

مؤمن فوت ہو جاتا ہے تو وہ بھی ہڈیوں کی مٹھ بن جاتا ہے۔ اور اس کا یہ کہنا ''ان پر تقدیر کی قلمیں چل چکی ہیں'' بالکل اسی طرح فرعون پر بھی تو تقدیری قلمیں چل چکی ہیں۔

اور اس کا یہ بول ''انھیں معاف کر دے'' یہ شریعت سے جہالت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود خبر دی ہے کہ جو حالت کفر میں مرے گا وہ اس کا شرک معاف نہیں فرمائے گا[1] اگر اس کی سفارش اور دعا کو کسی کافر کے حق میں قبول کر لیا جائے تو یقیناً سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد کے حق میں[2] اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اپنی والدہ کے حق میں قبول کر لی جاتی۔[3]

چنانچہ ہم اللہ تبارک تعالیٰ سے قلتِ علم کی پناہ مانگتے ہیں۔

ان صوفیاء کی حدیث مبارکہ وغیرہ میں گفتگو

عبد اللہ بن احمد بن حنبل بیان کرتے ہیں: ابو تراب نخشی میرے ابا جان کے پاس آئے' میرے ابا جان فرمانے لگے: فلاں راوی ضعیف ہے اور فلاں راوی ثقہ ہے۔

---

[1] جس طرح کہ درج ذیل فرمان اقدس میں ہے!

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (النساء: ۴/۴۸)

''یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔''

[2] یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان گرامی میں موجود ہے!

﴿وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ﴾ (سورة التوبة: ۹/۱۱۴)

''اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت مانگنا وہ صرف وعدے کے سبب سے تھا جو انھوں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا' پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے محض بے تعلق ہو گئے' واقعی ابراہیم بڑے رحیم المزاج اور حلیم الطبع تھے''

[3] جس طرح کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''میں نے اپنے رب تعالیٰ سے اجازت چاہی کہ میں اپنی ماں کے لیے دعائے مغفرت مانگوں' تو اس نے مجھے اجازت نہ دی' پھر میں نے اللہ تعالیٰ سے ان کی قبر دیکھنے کی اجازت چاہی' چنانچہ اس نے مجھے اس کی اجازت دے دی'' (صحیح مسلم' الجنائز' باب استئذان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ربہ فی زیارۃ قبر امہ' حدیث: ۹۷۶)

ابوتراب بولے: اے شیخ! علمائے کرام کی غیبت مت کرو۔[1] میرے والد محترم نے ان کی طرف دیکھا اور بولے: تیری بربادی ہو، یہ تو خیر خواہی ہے، یہ غیبت تو نہیں ہے۔

محمد بن فضل عباسی کہتے ہیں: ہم عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہ ہمیں کتاب ''الجرح والتعدیل'' سناتے ہوئے یوں بولے: میں اہل علم کے احوال ظاہر کرتا ہوں کہ ان میں سے کون ثقہ یا غیر ثقہ ہے، تو یوسف بن حسین نے انہیں کہا: اے ابومحمد! مجھے آپ پر شرم محسوس ہو رہی ہے، اس اہل علم کی قوم میں سے کتنے لوگ ہیں جو اپنی سواریاں ایک صدی یا دو صدیوں سے جنت میں اتار چکے ہیں اور آپ اِدھر روئے زمین پر ان کے تذکرے غیبت کے لہجے میں کر رہے ہیں! اس پر عبدالرحمٰن رونے لگے اور بولے: اے ابو یعقوب! اگر میں آپ کی یہ بات اپنی اس کتاب کے تصنیف کرنے سے قبل سن لیتا، تو اسے بالکل تصنیف ہی نہ کرتا!

میں عرض کرتا ہوں: اللہ تعالیٰ ابن ابی حاتم کو معاف فرمائے، اگر یہ شخص فقیہ ہوتا تو بالکل ایسے ہی اس کا رد کرتا جس طرح امام احمد رحمہ اللہ نے ابوتراب کا رد کیا تھا کہ اگر جرح و تعدیل کا علم نہ ہوتو پھر باطل سے صحیح کی معرفت کس طریقے سے ہو سکے گی؟

پھر ان لوگوں کا جنت میں چلے جانا اس امر سے مانع تو نہیں ہے کہ ہم ان میں موجود

---

[1] ان لوگوں کی بدعات وخرافات کے وارث آج بھی ایسی عبارات دہراتے رہتے ہیں اور انھیں کے الفاظ گاتے رہتے ہیں، جب ان شر پسندوں اور فتنہ بازوں میں سے کسی کی تردید کرنے کے لیے کوئی اہل سنت میں سے کچھ لکھتا ہے یا کسی اتہام و الزام سے دفاع کرنا چاہتا ہے جس کے باعث ان کا جھگڑا یا ایسی ہی کوئی دوسری صورت حاصل سامنے آتی ہے، تو ''صفوں میں وحدت کے داعی'' اور ''کلمہ وحدت'' کے شیدائی چیخ اٹھتے ہیں: یہ تو امت میں افتراق و انتشار ہے، اور یہ تو غیبت ہے اور ...... اور ......!!

یہ لوگ اہل بدعت کو نمایاں کرنے میں اور اہل ہواء کی تردید کرنے میں سلفی علماء کے منہج سے آشنا نہیں ہیں اگر یہ شور وغوغا کرنے والے اس منہج اسلاف میں سے کچھ بھی جانتے ہوتے تو جرأتِ انکار نہ کرتے اور نہ ہی بغیر حجت کے کلام کرتے! درحقیقت یہی لوگ اپنی خاموشی اور اپنی مداہنت کے ساتھ ''امت کی ''صفوں'' کو الگ الگ کرنے والے اور ان کے ''کلمہ وحدت'' کو پارہ پارہ کرنے والے ہیں!

اللہ تعالیٰ انھیں صحیح منہج کا فہم اور دعوت الی اللہ کا درست مؤقف عطا فرمائے۔

باتوں کا تذکرہ نہ کریں۔

اس بیان کو غیبت کا نام دینا بری بات ہے۔

پھر جو شخص جرح و تعدیل کو نہ جانتا ہو وہ کس طرح صحیح اور غلط کو پہچان سکتا ہے۔

ابوالعباس بن عطاء کہتے ہیں: جو آدمی اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے وہ اپنی ضرورتوں اور حاجات کو اس کے حضور پیش کرنے سے رکا رہتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ باری تعالیٰ اس کے تمام احوال سے باخبر ہے!

میں عرض کرتا ہوں: یہ تو سوال اور دعا کا دروازہ بند کرنے کے مترادف ہے اور یہ علم سے جاہل ہونے کی دلیل ہے۔

ابوبکر صوفی کہتے ہیں: میں نے شبلی سے سنا کہ ان سے کسی نوجوان نے سوال کیا: اے ابوبکر (شبلی)! آپ کیوں کہتے ہیں: ''اللہ'' اور آپ یہ کیوں نہیں کہتے ''لا الہ الا اللہ''؟ تو شبلی نے یہ جواب دیا تھا: میں نفی کے بعد اثبات کی طرف متوجہ ہونے سے حیا محسوس کرتا ہوں! اس نوجوان نے کہا: مجھے اس سے زیادہ مضبوط دلیل چاہیے! تو وہ بولے: مجھے اس چیز کا ڈر ہے کہ میں کہیں کلمہ انکار ہی پر نہ پکڑ لیا جاؤں اور میں کلمہ اقرار تک رسائی بھی نہ پا سکوں!

اس علمی باریک بینی کو دیکھو! کیونکہ رسول اللہ ﷺ تو ''لا الہ الا اللہ'' کہنے کا حکم دیتے ہیں اور اس کی ترغیب فرما رہے ہیں۔

صحیحین[1] میں یہ روایت موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے بعد یہ پڑھا کرتے تھے:

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ))

اور آپ جب قیام اللیل کے لیے کھڑے ہوتے تو یوں فرماتے:

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ))[2]

---

[1] صحیح بخاری' الاذان' باب الذکر بعد الصلاۃ' حدیث: ۸۴۴۔
صحیح مسلم' المساجد' باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ' حدیث: ۵۹۳

[2] صحیح بخاری' التہجد' باب التہجد باللیل' حدیث: ۱۱۲۰
صحیح مسلم' صلاۃ المسافرین' باب صلاۃ النبی ﷺ باللیل' حدیث: ۷۶۹۔

''تیرے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں ہے''

اور آپ ﷺ نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہنے والے کا بڑا ثواب بیان فرمایا ہے۔[1]

شریعت پر اس پیش قدمی اور زیادتی' اور جسے رسول اللہ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا اسے پسند کرنے پر غور فرماؤ!

فقیہ ابو القاسم عبد الرحیم بن جعفر سیرافی کا بیان ہے: میں شیراز میں شہر کے قاضی ابوسعید بشر بن حسن داودی کے پاس تھا' ان کے پاس ایک صوفی اور صوفیاء کو لایا گیا' جبکہ اس شہر میں صوفیاء کا معاملہ انتہائی بڑھا ہوا تھا حتیٰ کہ ان کی تعداد ہزاروں تک بیان کی جاتی ہے۔ صوفیاء نے قاضی صاحب سے اپنے خاوند کے خلاف مدد مانگی۔ جس وقت دونوں حاضر ہوئے' تو وہ خاتون بولی: اے قاضی صاحب! میرا یہ شوہر مجھے طلاق دینا چاہتا ہے' حالانکہ اسے یہ حق نہیں ہے۔ اگر ہو سکے تو آپ اپنا حق استعمال کرتے ہوئے اسے روکیں! راوی کہتا ہے: قاضی ابوسعید یہ سن کر تعجب کرنے لگے' اور صوفیاء کے مذہب پر انتہائی برہم اور غضب ناک ہوئے اور اس عورت سے کہنے لگے: وہ کس طرح؟ تجھے تو اس کا (طلاق کے معاملے میں کسی چیز کا) حق ہی نہیں ہے۔ وہ بولی! کیونکہ اس نے میرے ساتھ شادی کی تھی اور اس کا مطلب میرے ساتھ قائم تھا' اب یہ کہہ رہا ہے کہ اس کا مطلب مجھ سے پورا ہو چکا ہے' جبکہ میرا مطلب ابھی تک اس سے قائم ہے وہ ختم نہیں ہوا' لہٰذا اس پر واجب و لازم ہے کہ اس حال تک میرے ساتھ چلے حتیٰ کہ اس سے میرا مطلب بھی پورا ہو

---

[1] مثلاً نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے۔ دیکھئے:

سنن ترمذی' الایمان' باب ما جاء ان دعوۃ المسلم مستجابۃ' حدیث: ۳۳۸۳۔

سنن ابن ماجہ' الادب' باب فضل الحامدین' حدیث: ۳۸۰۰۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ یہ قیامت کے دن گناہوں کے (۹۹) رجسٹروں پر بھاری ہوگا' دیکھئے:

سنن ترمذی' الایمان' باب ما جاء فمن یموت وھو شھد ان لا الہ الا اللہ' حدیث: ۲۶۳۹۔

سنن ابن ماجہ' الزھد' باب مایرجی من رحمۃ اللہ یوم القیامۃ' حدیث: ۴۳۰۰۔

امام ابن البناء کا ایک کتابچہ بنام ''فضل التھلیل و ثوابہ الجزیل'' ہے' جس میں انہوں نے تقریباً پچاس حوالہ جات سے اسے مزین کیا ہے' یہ کتابچہ حال ہی میں طبع ہوا ہے۔

جائے جس طرح اس کا مطلب مجھ سے پورا ہو چکا ہے!

ابوسعید نے مجھ سے کہا: اس فقہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟! پھر انہوں نے دونوں کے درمیان صلح کروادی' اور وہ دونوں بغیر طلاق کے چلے گئے۔

ابو حامد طوسی نے اپنی کتاب ''الاحیاء'' میں ذکر کیا ہے کہ فیاء میں سے ایک نے کہا: ربوبیت کا ایک راز ہے' اگر وہ ظاہر ہو جائے تو نبوت باطل ہو جائے' نبوت کا بھی ایک راز ہے' اگر وہ عیاں ہو جائے تو علم باطل ہو جائے' اللہ تعالیٰ کو جاننے والے علماء کا بھی ایک راز ہے' اگر وہ اسے ظاہر کر دیں تو احکام باطل ہو جائیں۔

میں عرض کرتا ہوں! اے میرے بھائیو! اس انتہائی قبیح اول فول اور بکواس کی طرف دیکھو اور ان کی شریعت پر اس زبان درازی پر غور کرو کہ شرع کے ظاہر کو باطن کے برعکس باور کرواتے ہیں۔

ابو حامد نے کہا: کسی صوفی کا ایک چھوٹا بچہ گم ہو گیا۔ اسے کہا گیا: آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ اسے آپ کو واپس لوٹا دے صوفی بولا: اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کردہ امور پر میرا اعتراض اور نکتہ چینی کرنا مجھ پر میرے صاحبزادے کے جانے سے بھی زیادہ گراں ہے۔

میں کہتا ہوں! ابو حامد پر مجھے تعجب ہو رہا ہے کہ کس طرح ایسی باتوں کو اچھا سمجھتے اور ان کے قائلین پر اظہارِ رضا مندی کرتے ہوئے انھیں نقل کر رہے ہیں' حالانکہ وہ بخوبی سمجھتے ہیں کہ دعا اور سوال کرنا نکتہ چینی اور اعتراض نہیں ہے۔

یہ چند نمونے ہیں ان لوگوں کی کلام اور فقہ کے' جو ان کے علم' سوئے فہم اور کثرت خطا پر ہمیں آگاہی دے رہے ہیں!

صوفیانہ نعرے اور دعوے

علم خوف' کسر نفسی اور لمبی خاموشی کا باعث بنتا ہے' جب آپ علمائے سلف کا جائزہ لیں گے تو آپ ان پر خوف کو غالب دیکھیں گے' ایسے دعوے ان سے دور ہی ہوں گے جس طرح کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بوقت مرگ فرمایا تھا:

((اَلْوَيْلُ لِعُمَرَ إِنْ لَّمْ يُغْفَرْ لَهُ))

''عمر کے لیے ویل ہے اگر اسے معاف نہ کیا گیا''

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

((لَيْتَنِي إِذَا مِتُّ لَا أُبْعَثُ))

''کاش کہ میں مرجانے کے بعد دوبارہ زندہ نہ کیا جاؤں''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا:

((لَيْتَنِي كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا))

''کاش کہ میں بھولی بسری بن جاتی''[1]

سفیان ثوری نے حماد بن سلمہ کو اپنی موت سے قبل کہا: کیا آپ کو امید ہے کہ مجھ جیسے کو معافی مل جائے گی؟

ان بزرگوں سے اس طرح کی باتیں ان کی اللہ تعالیٰ کی معرفت و علم کی قوت کی بنا پر صادر ہوتی ہیں اور ایسی قوت علمی خوف و خشیت لاتی ہے' جس طرح کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

---

[1] صحیح بخاری' التفسیر' تفسیر سورة النور' باب لولا اذ سمعتموه......' حدیث: ۴۷۵۳۔

﴿ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ﴾ (فاطر : ۳۵/ ۲۸)

''اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں''

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اَنَا اَعْرَفُكُمْ بِاللّٰهِ، وَاَشَدُّكُمْ لَهٗ خَشْيَةً))[1]

''میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتا ہوں اور تم سب سے بڑھ کر اس سے ڈرنے والا ہوں''

چونکہ صوفیاء کی قوم علم سے دور ہی ہوتی گئی' انھوں نے اپنے اعمال کو ملاحظہ کیا تو اتفاقاً ان میں سے بعض سے جو کرامات سے مشابہ لطیف چیزیں رونما ہوگئیں' تو انھوں نے بلا تکلف بلند بانگ دعوے شروع کر دیے۔

ابو یزید بسطامی کہتے ہیں: میں پسند کرتا ہوں کہ قیامت قائم ہو جائے اور میں اپنا خیمہ دوزخ کی پشت پر نصب کرلوں۔ کسی آدمی نے دریافت کیا: اے ابو یزید! وہ کس لیے؟ تو بولے: کیونکہ مجھے یقین ہے کہ جب جہنم مجھے دیکھے گی تو ٹھنڈی ہو جائے گی اور بجھ جائے گی تو میں مخلوق کے لیے رحمت بن جاؤں گا!

یہ کلام انتہائی قبیح اقوال میں سے ہے کیونکہ یہ قول' اللہ تعالیٰ کی اس دوزخ اور آگ کو حقیر بنانے پر مشتمل ہے جسے اللہ عزوجل نے بہت عظیم وفخیم انداز سے بیان فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ نے مبالغہ کی حد تک یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ﴾ (البقرہ : ۲/ ۲۴)

''تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں''

اور یوں فرمایا ہے:

﴿ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ﴾ (الفرقان : ۲۵/ ۱۲)

---

[1] صحیح بخاری' الادب' باب من لم یواجه الناس بالعتاب' حدیث : ۶۱۰۱۔
صحیح مسلم' الفضائل' باب علمه ﷺ باللّٰه تعالیٰ و شدة خشیة' حدیث : ۲۳۵۶۔

''جب وہ انھیں دور سے دیکھے گی تو یہ اس کا غصے سے جھنجھلانا اور چلانا سنیں گے''

ان کے علاوہ اور بھی آیات ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ نَارَكُم هٰذِهٖ، مَا يُوقِدُ بَنُوْ اٰدَمَ، جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِيْنَ جُزْئًا مِّنْ حَرِّ جَهَنَّمَ))

''بلاشبہ تمہاری یہ آگ جسے بنو آدم جلاتے ہیں' جہنم کی حرارت کے ستر حصوں میں سے فقط ایک حصہ ہے''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! اگر دنیا کی آگ ہوتی تو بلاشبہ یہی کافی تھی۔

تو آپ نے فرمایا:

''وہ تو اس سے انہتر درجے زیادہ ہے' اور سارے کے سارے درجے ہی اس حرارت کی طرح ہوں گے''

''صحیحین'' میں اسے روایت کیا گیا ہے۔[1]

امام مسلم کی افرادیات[2] میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت یوں ہے' نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بیان کرتے ہیں:

((يُؤْتٰى بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لَّهَا سَبْعُوْنَ اَلْفَ زِمَامٍ، مَعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ يَجُرُّوْنَهَا))

''اس روز جہنم کو ایسے حال میں لایا جائے گا کہ اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے ہوں گے''

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بیان کیا جاتا ہے' آپ نے کہا: اے کعب! ہمیں ڈرائیں تو وہ بولے: اے امیر المومنین! ایک آدمی کے اعمال کی طرح عمل کریں' اگر آپ

---

[1] صحیح بخاری' بدء الخلق' باب صفة النار و انها مخلوقة' حدیث: ۳۲۶۵۔
صحیح مسلم' الجنة' باب جهنم اعاذنا الله منها' حدیث: ۲۸۴۳۔

[2] صحیح مسلم' الجنة' باب جهنم اعاذنا الله منها' حدیث: ۲۸۴۲۔

قیامت کے دن ستر انبیاء کے اعمال لے کر بھی حاضر ہوں گے' تب بھی آپ اپنے اعمال کو حقیر ہی جانیں گے جتنے کہ آپ دیکھ رہے ہوں گے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ دیر تک اپنے سر کو جھکائے رکھا پھر کچھ افاقہ ہوا' کہنے لگے: اے کعب! کچھ اور زیادہ' میں نے عرض کی: اے امیر المومنین! اگر مشرق کی طرف سے ایک بیل کے نتھنے کے برابر جہنم کا ایک سوراخ کھول دیا جائے اور کوئی آدمی مغرب میں ہو تو اس کا دماغ کھول کھول کر اس کی حرارت کی شدت سے بہنے لگ جائے گا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پھر سر کو جھکا لیا' پھر کچھ افاقہ ہوا تو عرض کی: اے کعب! کچھ مزید سناؤ' میں نے کہا: اے امیر المومنین! یقیناً قیامت کے روز جہنم ایک لمبا سانس باہر نکالے گی' کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی برگزیدہ نبی بھی باقی نہ رہے گا مگر اس کے باعث وہ اپنے گھٹنوں کے بل نیچے گر پڑے گا اور کہنے لگے گا: میرے رب! میری جان' میری جان' آج میں تجھ سے اپنی جان کے سوا کچھ نہیں مانگتا۔[1]

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ایک روز رو رہے تھے' تو آپ کی زوجہ محترمہ نے پوچھا: آپ کو کیا ہوا کہ رو رہے ہو؟ تو وہ بولے! مجھے بتایا گیا ہے کہ میں جہنم پر وارد ہونے والا ہوں[2] لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ میں اس سے نکل بھی آؤں گا!!

جب اس وقت کے بہترین افراد کی یہ حالت اور ان کی گھبراہٹ اور پریشانی کا یہ عالم ہوگا' تو اس دعویٰ کرنے والے کی کیا کیفیت ہوگی؟

پھر یہ اپنی جان کے لیے اس بات کا قطعی فیصلہ دے رہا ہے جس ولایت اور نجات کے بارے میں وہ بالکل جانتا ہی نہیں ہے اور یہ بھی یاد رکھیں کہ اس سے نجات پانے کا قطعی فیصلہ تو بس صحابہ کرام کی ایک خاص جماعت کے لیے کیا گیا ہے؟!

---

1. اس کی سند ضعیف ہے۔ علی بن زیاد بن جدعان ضعیف راوی ہے۔

2. اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی جانب اشارہ ہے:

﴿وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا﴾ (سورة مريم: ۱۹/۷۱)

''تم میں سے ہر ایک وہاں ضرور وارد ہونے والا ہے' یہ تیرے پروردگار کے ذمے قطعی فیصلہ شدہ امر ہے''

ابن عقیل نے بیان فرمایا: ابویزید سے یہ قول نقل کیا جاتا ہے! کہ جو آدمی یہ کہے کہ یہ مخلوق ہمیشہ سے ہے تو وہ زندیق ہے' اس کا قتل کرنا واجب ہے' کیونکہ کسی چیز کی شان میں کمی لانا اور اس کی بے قدری کرنا اس کے انکار کا نتیجہ ہوتا ہے کیونکہ جو شخص جنوں پر ایمان لاتا ہے وہ تاریکیوں میں اس سے کانپتا رہتا ہے اور جو ایمان نہیں لاتا وہ بالکل پریشان نہیں ہوتا' بلکہ بعض اوقات تو وہ یوں بھی کہہ دیتا ہے: ارے جنو! مجھے پکڑ لو! ایسی باتیں کرنے والے شخص کے چہرے کے سامنے موم بتی لانا چاہیے' جب وہ پریشان ہونے لگے تو اسے یوں کہہ دیا جائے! یہ تو آگ کا انگارہ ہے۔

طیفور الصغیر کا بیان ہے: میں نے اپنے چچا جو کہ ابویزید کا خادم تھا' اس سے سنا ہے' وہ کہتا تھا میں نے ابویزید کو یہ کہتے سنا تھا:

((سُبُحَانِیُ' سُبُحَانِیُ مَا أَعُظَمَ شَأْنِیُ))

''میں پاک ہوں' میں پاک ہوں' میری شان کس درجہ عظیم ہے''

اور پھر یوں کہتا تھا:

((حَسُبِیُ مِنُ نَّفُسِیُ حَسُبِیُ))

''مجھے میرا نفس ہی کافی ہے' مجھے میرا نفس ہی کافی ہے''

میں عرض کرتا ہوں: یہ باتیں اگر تو اس سے صحیح ثابت ہوں' کیونکہ بعض اوقات ایسا ہو جاتا ہے کہ راوی بات کو سمجھ نہیں پاتا' اور اس امر کا احتمال ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی ذات کی بزرگی اور عظمت بیان کر رہے ہوں تو اس سلسلے میں انہوں نے یوں کہا ہو: ''سبحانی'' اور اس سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان مراد لے رہے ہوں' اور اپنی ذات مراد نہ لیں۔

اور جنید نے کسی قدر ان کی خاطر اس کی تاویل بھی بیان کی ہے' اگر وہ میری کہی ہوئی بات کی طرف راجع نہیں ہے تو وہ کچھ بھی وزن نہیں رکھتی۔

جعفر خلدی کا بیان ہے انہوں: جنید سے پوچھا گیا: کہ ابویزید کہتے تھے:

((سُبُحَانِیُ' سُبُحَانِیُ' اَنَا رَبِّیَ الْاَعُلٰی))

''میں پاک ہوں' میں سبحان ہوں' میں ہی اعلیٰ رب ہوں''۔

تو جنید نے کہا تھا: آدمی مشاہدۂ حق عز و جل میں غرق ہو جاتا ہے اور پھر وہی بول بولنے لگتا ہے جس کے سبب وہ غرق ہوا ہوتا ہے تو عالمِ مشاہدہ میں حق تعالیٰ اسے اپنے نفس سے غافل بنا دیتے ہیں، وہ صرف حق تعالیٰ ہی کا مشاہدہ کرتا ہے، اس لیے وہ اس کی صفات کا بیان کرتا ہے۔

میں عرض کرتا ہوں: انہی خرافات میں سے یہ باتیں ہیں:

عبداللہ بن علی سراج کا بیان ہے: میں نے احمد بن سالم بصری سے بصرہ میں سنا تھا، وہ ایک دن اپنی مجلس میں کہہ رہے تھے: فرعون نے ایسی بات نہیں کہی جو بات ابویزید نے کہی ہے، کیونکہ فرعون نے تو یہی بات کہی تھی:

﴿ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ (النازعات: ۷۰/ ۲۴)

''تم سب کا رب میں ہی ہوں''

اور رب کا لفظ تو مخلوق پر بھی بولا جاتا ہے اور یوں کہا جاتا ہے: رَبُّ الدَّارِ ''گھر کا مالک'' جبکہ ابویزید نے یہ کہا ہے: سُبْحَانِیُ اور سبحانی تو فقط اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، کسی دوسرے کے لیے جائز نہیں ہے۔

میں نے عرض کی: کیا آپ کے نزدیک ابو یزید کی طرف سے یہ جملہ ثابت ہے؟

انہوں نے کہا: بلاشبہ اس نے یہ بات کہی ہے۔

میں نے کہا: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کلام سے پہلے کوئی گفتگو ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور حکایت کہہ رہے ہوں: سبحانی، کیونکہ اگر ہم کسی شخص سے یہ سنیں کہ وہ کہہ رہا ہو:

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا))

''کوئی معبود نہیں سوائے میرے''[1]

سو ہم یہی سمجھیں گے کہ وہ تلاوت کر رہا ہے۔

میں نے اہل بسطام کی ایک جماعت سے جو ابویزید کے اہل خانہ میں سے تھے، اس جملے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا: ہم اس کے متعلق نہیں جانتے!

---

[1] اس سے وہ سورۂ طہٰ کی آیت نمبر ۱۴ مراد لے رہا ہے کہ وہ اس کی تلاوت کر رہا ہو۔

ابو یزید کا بیان ہے: میں خانہ کعبہ کے گرد طواف کر رہا تھا' جب میں اس تک پہنچا' تو میں نے دیکھا کہ خانہ کعبہ تو میرے گرد طواف کر رہا ہے!

طیفور الصغیر کا بیان ہے: میں نے ابو یزید کو یہ کہتے ہوئے خود سنا ہے: میں نے پہلی مرتبہ حج کیا تو میں نے بیت اللہ کو دیکھا' پھر میں نے دوسرا حج کیا تو میں نے صاحبِ بیت اللہ کو دیکھا اور بیت اللہ کو بالکل نہ دیکھا' پھر میں نے تیسرا حج کیا تو میں نے بیت اللہ کو دیکھا اور نہ ہی صاحب بیت اللہ کو!

ابو یزید سے لوحِ محفوظ کے متعلق سوال ہوا تو انہوں نے کہا: لوح محفوظ تو میں ہی ہوں!

ابو موسیٰ دُبَیلی کہتے ہیں کہ میں نے ابو یزید سے کہا: مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تین اشخاص کے دل سیدنا جبریل علیہ السلام کے دل جیسے ہیں؟

وہ بولے: وہ تینوں میں ہی ہوں۔ میں نے دریافت کیا: وہ کس طرح؟ تو بولے: میرا دل ایک ہے' میری فکر و غم ایک ہے' اور میری روح ایک ہے۔

راوی کہتا ہے میں نے کہا: اور مجھے یہ خبر ملی ہے کہ ان میں سے ایک کا دل تو سیدنا اسرافیل علیہ السلام کے دل جیسا ہے! وہ پھر بولے: وہ ایک بھی میں ہی ہوں' میری مثال تو بحرِ بے کنار کی ہے' جس کا کوئی اول ہے اور نہ ہی کوئی آخر۔

سہلکی کہتے ہیں: ابو یزید کے پاس ایک آدمی نے یوں پڑھا:

﴿ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴾ (البروج : ۸۵/ ۱۲)

''یقیناً تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے''

تو ابو یزید بولے: مجھے اس کی زندگی کی قسم! بلاشبہ میری پکڑ تو اس کی پکڑ سے بھی شدید تر ہے۔

ابو یزید سے کہا گیا: ہمیں معلوم ہوا کہ آپ ساتوں میں سے ایک ہیں' تو بولے: میں ہی ساتوں ہوں!

ان سے کہا گیا: ساری خلقت ہمارے آقا سیدنا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے ہو

گی' تو کہنے لگے: اللہ کی قسم! میرا جھنڈا تو سیدنا محمد ﷺ کے جھنڈے سے بھی بڑا ہو گا' میرے جھنڈے کے نیچے جو نور کا ہو گا' سب جن وانس ہوں گے حتیٰ کہ سب انبیائے کرام بھی۔

ابو یزید نے کہا:

((سُبْحَانِيْ، سُبْحَانِيْ، مَا أَعْظَمَ سُلْطَانِيْ))

''میں پاک ہوں' میں پاک ہوں' میری سلطنت کس درجہ عظیم ہے' میری مثل نہ تو آسمان میں پائی جاتی ہے' اور نہ میری صفت کی مثل زمین ہی میں کوئی شناسائی ہے' میں وہ ہوں' اور وہ میں ہوں' اور وہ وہ ہے''

ابو یزید سے پوچھا گیا: آپ ان ساتوں ابدال[1] میں سے ایک ہیں جو زمین کی میخیں ہیں؟ تو وہ بولے: وہ ساتوں میں ہی ہوں۔

حسن بن علی بن سلام کا بیان ہے: ابو یزید ایک شہر میں داخل ہوئے تو بہت سے لوگ ان کے پیچھے لگ گئے[2] انہوں نے ان کی جانب پلٹ کر دیکھا' تو یوں بولے:

﴿إِنَّنِيْ أَنَا اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِيْ﴾ (طٰہٰ:۲۰/ ۱۴)

''بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں' میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے لہٰذا میری عبادت کرو''

لوگوں نے یہ سن کر کہا: ابو یزید دیوانہ ہو گیا ہے' جس پر لوگوں نے انہیں چھوڑ دیا۔[3]

۱۔ ابدال کے بارے میں کوئی بھی حدیث صحیح نہیں ہے جس طرح کہ میں نے ضیاء المقدسی کی کتاب ''اتباع السنن'' (ص ۶۰۔۶۱) میں تعلیقات میں لکھا ہے' عبداللہ غماری کی اس مسئلہ میں ایک نہایت درجہ فحش تدلیس ہے جسے میں نے ''کشف المتواری من تلبیسات الغماری' (ص ۱۶۔۱۹) میں بیان کیا ہے۔

۲۔ بالکل اسی طرح ہی ہر جگہ اور ہر وقت میں ہوتا آیا ہے کہ معمولی درجے کے لوگ ایسے اہل بدعت اور گمراہ لوگوں کی پیروی میں لگ جاتے ہیں جن کا حق سے کچھ بھی تعلق نہیں ہوتا' فقط ان کی خوشنما آوازیں ہیں جو لوگوں کو دھوکا دیتی ہیں' ان کے اسلوب بیان ہیں جو لوگوں پر جادو کر دیتے ہیں' ان کی فلسفیانہ موشگافیاں ہیں جو انھیں اپنا اسیر بنا لیتی ہیں!

۳۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ انھوں نے اسے پہچان لیا اور اسے چھوڑ دیا' کچھ دوسرے ہوتے ہیں جو حق کو ٹھکراتے ہوئے' غرور کی روش پر قائم رہتے ہوئے اور اپنی حرکات بد پر اتراتے ہوئے ایسے نہیں کرتے۔

ابو یزید کہتے ہیں: مجھے ایک مرتبہ اوپر لے جایا گیا حتیٰ کہ میں حق تعالیٰ شانہٗ کے عین سامنے کھڑا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا: اے ابو یزید! میری مخلوق یہ پسند کرتی ہے کہ وہ تجھے دیکھ لیں۔ میں نے عرض کی: اے میرے پیارے! اور میں بھی اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ وہ مجھے دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اے ابو یزید! میں چاہتا ہوں کہ میں خود تجھے انھیں دکھلا دوں۔ میں نے عرض کی: اے میرے پیارے! اگر وہ مجھے دیکھنا چاہتے ہیں' اور تو بھی یہی چاہتا ہے' تو پھر میں تیری مخالفت کی تو بالکل طاقت نہیں پا سکتا۔ مجھے اپنی وحدانیت کے قریب کر لے' اور مجھے اپنی ربانیت کا لباس زیب تن کروا دے' اور مجھے اپنی احدیت کے مقام پر بلند فرما دے' حتیٰ کہ جب مجھے تیری مخلوق دیکھے' تو یہی کہیں: ہم نے تجھے دیکھ لیا ہے' اور وہ تو ہی ہو اور میں بالکل وہاں نہ ہوں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ یہی معاملہ فرمایا۔ مجھے کھڑا کیا' مجھے تیار کیا اور مجھے مقام بلند تک اٹھایا' پھر یوں فرمایا: میری مخلوق کی جانب باہر آؤ۔ میں فقط ایک قدم ہی جناب باری تعالیٰ سے مخلوق کی طرف چلا تھا' جونہی میں نے دوسرا قدم اٹھایا تو مجھ پر غشی طاری ہو گئی۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے بآواز بلند فرمایا: میرے حبیب کو واپس لے آؤ' کیونکہ یہ ایک لحہ بھر کے لیے بھی میری جدائی برداشت نہیں کر سکتا!

ابو یزید سے یہ حکایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا ہے: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کر لیں' اور ادھر میں ہوں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنے کا بالکل ارادہ نہیں کیا بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے میرا دیدار کرنے کا ارادہ فرمایا ہے!

جنید بن محمد بیان کرتے ہیں: گزشتہ رات میرے پاس اہل بسطام میں سے ایک آدمی آیا' اس نے تذکرہ کیا کہ اس نے ابو یزید بسطامی کو یہ کہتے سنا ہے: اے میرے اللہ! اگر تیرے سابقہ علم میں یہ بات ہے کہ تو اپنی مخلوق میں سے کسی کو عذاب کرے گا تو تو میرے جثے کو اتنا عظیم وکبیر بنا دے کہ اس آگ میں میرے علاوہ کسی دوسرے کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔

ان کے متذکرہ دعوے تو اپنی بکواسات کی وجہ سے بالکل واضح قباحت پر مبنی ہیں۔

جبکہ ان کا مذکورہ قول تین وجوہ کی بنا پر غلط ہے:

❀ انہوں نے کہا ہے: ''اگر تیرے سابقہ علم میں یہ بات ہے'' حالانکہ ہم قطعی طور پر یہ جانتے ہیں کہ مخلوق کو آگ کا عذاب لازماً ہوگا بلکہ ان میں سے چند ایک کا اللہ تعالیٰ نے خود بھی نام لیا ہے جیسے کہ فرعون اور ابولہب' تو اتنے یقینی اور قطعی علم کے بعد یہ کہنا کس طرح جائز ہے کہ: ''اگر تیرے علم میں ہے۔''

❀ ان کا کہنا ''میرے جثّے کو عظیم وکبیر بنا دے'' اگر تو یہ بات کہتے کہ میں مومنوں سے دفاع کرلوں! تو بات ہوتی' لیکن انہوں نے تو یوں کہا ہے: حتیٰ کہ اس جہنم میں میرے سوا کسی دوسرے کی گنجائش بھی نہ ہے تو انہوں نے تو کفار پر بھی نرمی کر دی ہے' یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت پر دست اندازی کے مترادف ہے۔

❀ ممکن ہے کہ وہ اس آگ کے اندازے سے جاہل ہوں یا صبر کے معاملے میں انہیں اپنی جان پر وثوق ہو' حالانکہ یہ دونوں باتیں ہی ان کے ہاں نہیں ہیں۔

میں عرض کرتا ہوں: انہوں نے تو یہ بھی کہا ہے: اللہ کی قسم! میں نے گزشتہ شب اس مسئلہ پر سیدنا خضر علیہ السلام سے بھی گفتگو کی ہے! اور فرشتے میرے مؤقف کی داد دے رہے تھے اور اللہ تعالیٰ بھی میری گفتگو سن رہا تھا' اس نے بھی مجھ پر کوئی عیب نہیں لگایا' اور اگر وہ مجھ پر کوئی عیب لگاتا تو بالضرور مجھے گونگا بنا دیتا۔

میں کہتا ہوں: اگر اس آدمی کی دیوانگی اور دماغی کیفیت کی تبدیلی کی طرف نسبت نہ کی گئی ہوتی' تو اس کی تردید لازم ہو جاتی!

سیدنا خضر علیہ السلام کہاں ہیں؟[1] اور انہیں کہاں سے معلوم ہوا کہ فرشتے ان کی باتوں کی داد دے رہے تھے؟ اور کتنی ہی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو معیوب اور قابل گرفت ہوتی ہیں لیکن ان کے کہنے والے کو جلد گرفت میں نہیں لیا جاتا؟![2]

---

[1] تحقیق شدہ بات یہی ہے کہ آپ وفات پا چکے ہیں جیسا کہ قبل ازیں بھی گزر چکا ہے...... اور مصنف رحمہ اللہ کا ایک رسالہ بنام "الروض النسر فی خبر الخضر" مخطوط بھی موجود ہے۔

[2] اس کے کہنے اور کرنے والے کو مہلت اور ڈھیل دیتے ہوئے اور اسے توبہ وانابت کی طرف جلدی کرنے سے قبل ہی سزا کا اچھی طرح حقدار بنانے کے لیے۔

میمونہ عبدہ سے مجھے یہ بات پہنچی ہے: اس نے کہا ہے: مجھے اپنے محب سمنون سے یہ بات ملی ہے کہ وہ اپنے آپ کو کذاب کہا کرتا تھا' اپنے ان اشعار کی وجہ سے' جن میں اس نے یہ کہا تھا:

وَ لَيْسَ لِیُ فِیُ سِوَاكَ حَظٌّ
فَكَيْفَ مَا شِئْتَ فَامْتَحِنِّیُ

''مجھے تیرے سوا کسی اور میں کچھ مزا اور خوشی نہیں ملتی' لہٰذا تو مجھے جس طرح چاہتا ہے آزمائش میں ڈال دے۔''

چنانچہ اس کا پیشاب بند ہو گیا اور پھر وہ اپنے فیصلے پر جم بھی نہ سکا' اس کے بعد وہ درس گاہوں میں گھوما پھرا کرتا اور اس کے ہاتھ میں ایک شیشی ہوا کرتی تھی جس سے اس کا پیشاب قطرہ قطرہ ٹپکتا رہتا تھا اور وہ بچوں سے یہ کہا کرتا تھا: اپنے کذاب چچا کے لیے دعا کرو۔

بلاشبہ اس بات سے میرے تو رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں' کیا آپ دیکھ رہے ہیں کہ کس جھوٹی طاقت کے دعوے کر رہا ہے؟

یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے بارے میں لاعلمی اور جہالت کا ثمرہ اور نتیجہ ہے' اگر وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو پہچانتا ہوتا تو وہ اللہ تعالیٰ سے سوائے عافیت کے کوئی دوسرا سوال نہ کرتا۔

ابو العباس بن عطاء کا بیان ہے کہ میں ایسی کرامات کی تردید کیا کرتا تھا حتیٰ کہ مجھے ایک ثقہ راوی نے ابو الحسین نوری سے یہی باتیں بیان کیں' میں نے ان سے دریافت کیا' تو انہوں نے جواب دیا: اسی طرح ہے۔ وہ کہتا ہے: ہم دریائے دجلہ میں ایک کشتی میں تھے' لوگوں نے ابو الحسین سے کہا: ہمارے لیے دریائے دجلہ سے ایک ایسی مچھلی نکالیں جس میں تین رطل اور تین اوقیے ہوں' چنانچہ انہوں نے اپنے ہونٹوں کو جنبش دی' تو فوراً ایک مچھلی جس میں تین رطل اور تین اوقیے تھے' پانی سے نمودار ہوئی' اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کشتی میں آ گری۔ ابو الحسین سے عرض کی گئی: ہم تجھے اللہ کا واسطہ دے کر سوال کرتے ہیں کہ تو ہمیں بتا کہ تو نے کن الفاظ سے دعا مانگی ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے عرض کی تھی: مجھے تیری عزت کی قسم! اگر تو نے ایسی مچھلی نہ نکالی جس میں تین رطل اور تین اوقیے ہوں' تو میں

دریائے دجلہ میں اپنے آپ کو غرق کر لوں گا!!

جنید کہتے ہیں: میں نے نوری کو کہتے ہوئے سنا ہے:

میں رقہ میں تھا' وہاں کے مرید میرے پاس آئے اور یوں بولے: ہم مچھلی کے شکار کے لیے باہر جا رہے ہیں' انہوں نے مجھے بھی کہا: لا ایک ایسی مچھلی ...... اپنی عبادت گزاری اور اپنے اس مجاہدے کے زور پر جس پر تو قائم ہے...... جس میں گوشت صرف تین رطل ہو' کم ہو نہ زیادہ! چنانچہ میں نے اپنے مولا سے عرض کی: اگر اِسی لمحے تو نے ایسی مچھلی نہ نکالی جس میں ان کی بیان کردہ خوبی بھی موجود ہو تو میں اپنے آپ کو دریائے فرات میں ڈال دوں گا' چنانچہ میں نے ایک مچھلی نکالی' اس کا میں نے وزن کیا' تو وہ پوری تین رطل کی تھی' کچھ زیادہ تھی اور نہ ہی ذرہ بھر کم!

جنید نے کہا: میں نے ان سے عرض کیا: اے ابوالحسین! اگر وہ مچھلی نہ نکلتی تو کیا تو نے اپنے آپ کو دریا میں ڈال دینا تھا؟ بولے: جی ہاں!

ابو یعقوب خزاط کہتے ہیں: مجھے ابو الحسین نوری نے کہا: ان کرامات کے متعلق میرے دل میں کچھ شبہ اور اعتراض تھا' چنانچہ میں نے بچوں سے ایک نرسل لیا اور پھر میں دو کشتیوں کے درمیان میں کھڑا ہو گیا اور میں نے یوں کہا: اے پروردگار! تیری عزت کی قسم! اگر تو نے ایسی مچھلی نہ نکالی جو تین رطل کی ہو' اس سے کم ہو اور نہ اس سے زیادہ' تو میں کوئی چیز نہیں کھاؤں گا!

کہتے ہیں: یہ خبر جنید تک پہنچی' تو انہوں نے کہا: اس کا حکم یہی ہے کہ تو اس کے لیے کوئی ناگ نکال دے جو اسے ڈس لے!

ابوسعید خراز بیان کرتے ہیں: میرا سب سے بڑا گناہ اس کی معرفت ہی ہے!

اس جملے کو اگر اس معنی پر محمول کیا جائے: کہ میں نے اس کی معرفت حاصل کی ہے لیکن اس کے تقاضوں کے مطابق عمل نہیں کر سکا' تو میرا گناہ عظیم بن گیا ہے' جس طرح کہ اس آدمی کا جرم عظیم ہوتا ہے جو جانتا پہچانتا ہے اور باوجود اس کے نافرمانی کرتا ہے' بصورت دیگر یہ جملہ نہایت قبیح ہے۔

شبلی کہتے ہیں: مخلوق تو تجھ سے تیری نعمتوں کے سبب محبت رکھتی ہے' جبکہ میں تیری بلاؤں کے سبب تجھ سے محبت رکھتا ہوں۔

ابوعبداللہ احمد بن محمد ہمدانی کہتے ہیں: میں شبلی کے پاس گیا' جونہی میں باہر آنے کے لیے کھڑا ہوا' تو وہ مجھے اور میرے ساتھ والوں کو' جب ہم گھر سے باہر نکل آئے' یوں کہنے لگے: تم جہاں جی چاہے چلتے جاؤ' میں تمہارے ساتھ ہی ہوں' اور تم میری نگرانی اور حفاظت میں ہو۔

منصور بن عبداللہ کہتے ہیں: شبلی کی مرض الموت میں ایک قوم ان کے پاس آئی اور یوں کہنے لگی: اے ابوبکر آپ اپنے آپ کو کیسا پاتے ہیں؟

تو انہوں نے یہ اشعار پڑھے!

اِنَّ سُلْطَانَ حُبِّهٖ قَالَ لَا اَقْبَلُ الرِّشَا
فَسَلُوْهُ فَدَيْتُهٗ مَا لِقَتْلِي تَحَرُّشَا

''اس کی محبت کے بادشاہ نے کہا ہے' میں رشوتوں کو قبول نہیں کرتا''

ابن عقیل نے کہا ہے: شبلی سے یہ جواب بھی نقل کیا گیا ہے: یقیناً اللہ سبحانہ وتعالی نے یوں فرمایا ہے:

﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ﴾ (الضحی : ۹۳/ ۵)

''تجھے تیرا رب بہت جلد انعام دے گا اور تو راضی وخوش ہو جائے گا''

اللہ کی قسم! محمد ﷺ اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک آپ کی امت میں سے کوئی ایک بھی دوزخ میں ہوگا۔

پھر یوں بولے: بلاشبہ سیدنا محمد ﷺ اپنی امت کی سفارش کریں گے' پھر آپ کے بعد جو آگ میں ہوں گے' ان کے لیے میں سفارش کروں گا حتیٰ کہ آگ میں کوئی بھی باقی نہیں رہے گا!!

ابن عقیل نے یہ بھی کہا ہے: پہلا دعویٰ نبیٔ کریم ﷺ پر کھلا جھوٹ ہے' کیونکہ نبی اکرم ﷺ تو فاجروں کو عذاب ہونے پر راضی ہوں گے' کس طرح ہوسکتا ہے جبکہ آپ نے

تو بذاتِ خود شراب کے متعلقین دس افراد پر لعنت کی ہے۔[1] تو اب اس بات کا دعویٰ کرنا کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بدکاروں فاجروں کے عذاب کرنے پر آپ راضی نہ ہوں گے' بالکل باطل دعویٰ ہے اور شرعی حکم پر ایک جاہلانہ اقدام ہے۔

اور ان کا یہ دعویٰ کرنا کہ وہ تمام جنوں انسانوں کی سفارش کرنے کے اہل ہیں اور دوسرا یہ دعویٰ کرنا کہ وہ محمد ﷺ سے بھی زائد سفارش کریں گے' کفر ہے' کیونکہ جب کوئی انسان اپنی ذات کے متعلق قطعی فیصلہ کرے کہ وہ اہل جنت میں سے ہے' تو وہ اہل دوزخ میں سے ہو گا' ایسے شخص کا کیا بنے گا جو اپنی ذات کے بارے میں یہ گواہی دے رہا ہے کہ وہ ایسے مقام پر فائز ہے جو مقام نبوت سے بھی بالاتر ہے' بلکہ اس کا مقام تو مقام محمود سے بھی کہیں بڑھ کر ہے' حالانکہ وہی شفاعت عظمیٰ ہے' تو اس کا کیا انجام ہو گا؟!

ابن عقیل نے فرمایا ہے: اہل بدعت کے حق میں جو میری زبان اور میرے دل میں جوش موجزن ہے' اگر تلوار چلانے میں مجھے اتنی قدرت مل جائے تو میں ایسی مخلوق کے ناپاک خون سے زیر زمین کی مٹی کو سیراب کر دوں۔

ابو العباس بن عطا کہتے ہیں: میں نے قرآن کریم پڑھا ہے' میں نے اللہ تعالیٰ کو کسی بندے کا اس انداز میں ذکر کرتے ہوئے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ستائش و مدح فرمائی ہو پھر اسے آزمائشوں میں ڈال دیا ہو' میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ وہ مجھے آزمائشوں سے دوچار کر دے۔ بس چند دن ہی گزرنے پائے تھے کہ بیس سے کچھ زائد میتیں میرے گھر سے نکلیں' ان میں سے کوئی بھی واپس نہیں پلٹا۔

مزید کہتے ہیں: ان کا مال ختم ہو گیا' ان کی عقل جاتی رہی' ان کی بیوی بچے مر گئے' تقریباً عرصہ سات سال یا اس کے برابر اسی غلبہ میں گرفتار رہے' اس غلبے سے صحت یاب ہونے کے بعد جو انہوں نے پہلا بول بولا' وہ یہ تھا:

---

[1] سنن ترمذی' البیوع' باب: ۵۹' حدیث: ۱۲۹۵۔
سنن ابن ماجہ' الاشربۃ' باب لعنت الخمر علی عشرۃ اوجہ' حدیث: ۳۳۸۱۔
اس کی سند حسن ہے' اس باب میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات ہیں۔

حَقًّا اَقُوْلُ لَقَدْ كَلَّفْتَنِيْ شَطَطًا
حَمْلِيْ هَوَاكَ وَ صَبْرِيْ اِنَّ ذَا عَجَبُ

''مجھے یہ کہنے کا حق پہنچتا ہے کہ تو نے مجھے بہت زیادہ ظالمانہ مصائب میں مبتلا کیا ہے' میرا بوجھ تیری محبت ہے اور میرا صبر بلاشبہ قابل تعجب ہے''

میں عرض کرتا ہوں' اس آدمی کی کم علمی کا نتیجہ اور صلہ ہے کہ اس نے اپنے لیے بلاؤں اور آفتوں کا مطالبہ کیا' سب سے بڑی قباحت ہے کہ جھوٹی طاقتوں کو ظاہر کرنے کے لیے مصیبتوں کا سوال نہ کرے۔

اور شطط کا معنی ظلم ہے' اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس بارے یہی سمجھا جائے کہ اس نے دیوانگی کے ایام میں یہ شعر کہے تھے۔[1]

محمد بن حسین سلمی کہتے ہیں: میں نے ابوالحسن علی بن ابراہیم حصری کو کہتے ہوئے سنا: مجھے اور میری آزمائشوں اور مصیبتوں کو کھلا چھوڑ دو' کیا تم اس آدم (علیہ السلام) کی اولاد نہیں ہو جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ مبارک سے تخلیق فرمایا' اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی' اور اس کے سامنے ملائکہ کو سجدہ ریز کیا' اور اسے اپنا حکم دیا جس کی اس نے خلاف ورزی کی؟!

تو جب تیل والے برتن میں اول ہی تلچھٹ ہوگی' تو اس کے آخر کا کیا کہنا؟!

مزید کہتے ہیں: حصری نے یہ بھی کہا ہے: ایک عرصہ تک میں جب تلاوتِ قرآن کرنے لگتا تو شیطان سے پناہ نہیں مانگتا تھا بلکہ میں یوں کہا کرتا تھا: کون ہے شیطان جو کلام حق کی تلاوت کے وقت حاضر ہو جائے؟

یہ تو واضح طور پر اللہ عزوجل کے حکم کی خلاف ورزی ہے کیونکہ اس نے تو فرمایا ہے:

﴿ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴾

(النحل : ۱۶/ ۹۹)

''قرآن پڑھنے کے وقت مردود شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرو''

---

[1] یعنی اس کے رذیل عمر میں داخل ہونے کا زمانہ' اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے برے احوال سے اپنی پناہ میں رکھے۔

ابو العباس احمد بن محمد دینوری کا بیان ہے: ان لوگوں نے تصوف کے ارکان کو توڑ ڈالا' اس کے راستوں کو خراب کر دیا' اس کے معانی و مطالب کو بدل ڈالا اور انھوں نے اس کے خود ساختہ نئے نام تجویز کر لیے۔[1] انھوں نے طمع کا نام زیادتی اور بے ادبی کا نام اخلاص' حق سے باہر نکلنے کا نام صوفیانہ نعرہ' مذموم اشیاء سے حصول لذت کو طیب و خوشگوار' سوئے خلق اور بداخلاقی کو شان و شوکت' بخل کو باہمتی و جواں مردی' خواہشات کی پیروی کرنے کو آزمائش' دنیا کی طرف رجوع کرنے کو' وصلِ حق' بھیک مانگنے کو' عمل' اور بدزبانی کو ملامت کا نام دے رکھا ہے۔

ابن عقیل نے فرمایا: صوفیاء نے حرام کاموں کی ایسی عبارتوں سے تعبیریں کر رکھی ہیں کہ اپنے مخصوص معانی مراد لینے کے لیے انھوں نے ان کے نام ہی تبدیل کر رکھے ہیں۔ انھوں نے لہو ولعب اور گانوں پر اکٹھا ہونے کا نام ''اوقات'' رکھا ہے' بے ریش نوخیز لڑکوں کے لیے ''شب'' (جوان) کا نام ہے' معشوقہ کے لیے ''اخت'' (بہن) کا نام' محبت کرنے والی کے لیے ''مریدہ'' (ارادت مند خاتون) کا نام' رقص و سرور اور طرب انگیز کیفیات کے لیے ''وجد'' کا نام' اور فضول اور بے کار افعال سرانجام دینے والی جگہ کو ''رباط'' (خلوت خانہ) کا نام دیا ہوا ہے۔ ناموں کی اس تبدیلی سے وہ اشیاء اور افعال حلال تو نہیں ہو سکتے۔[2]

صوفیاء کے عجیب وغریب کام

صوفیاء کے بیشتر افعال کا تذکرہ گزر چکا ہے' جو تمام کے تمام برے اور قبیح ہیں'

---

[1] اہل انحراف اور کج رو لوگوں کا حال اسی طرح کا ہے جو مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ ناموں کو تبدیل کر کے خود ساختہ نام رکھتے رہتے ہیں' آپ دیکھیں گے کہ وہ پارٹی بازی کا نام اجتماعی عمل رکھتے ہیں' حقد و حسد کا نام اللہ تعالیٰ کے لیے بغض رکھنا رکھتے ہیں' تکبر و خود پسندی کا نام نفس کی تیاری اور امتیازی پہچان رکھتے ہیں' دنیا اور اہل دنیا کا اہتمام کرنے کو اجتماعیات (معاشرتی ضرورتیں) کا نام سجاتے ہیں!!!
ان کے علاوہ بھی' جن کا فقط ایسے قماش کے لوگوں پر ہی اثر و رنگ چڑھتا ہے!!

[2] داعیان حق اور طلبہ علم کے لیے یہ ایک انتہائی اہم ترین قاعدہ کلیہ ہے' انھیں اس سے غافل نہیں ہونا چاہیے' اس قاعدے کے ذریعے حق پر پردہ ڈالنے والوں کی ملمع سازیاں اور کج رو لوگوں کی جعل سازیاں پہچانی جا سکتی ہیں۔

یہاں ایسے عجیب وغریب اور اہم ترین افعال کا تذکرہ کرنا چاہیں گے۔

ابوجعفر بن کریتی کا بیان ہے جس کا خلاصہ کلام یہ ہے: ایک رات مجھے جنابت لاحق ہوگئی، مجھے غسل کرنے کی حاجت تھی جبکہ رات بھی ٹھنڈی تھی، میں نے اپنے جی میں کچھ تاخیر اور کوتاہی پائی، مجھے میرے جی نے یوں کہا:

اگر تو صبح ہونے تک ایسے ہی رہے تاکہ تیرے لیے پانی گرم کیا جائے یا تو حمام میں داخل ہو سکے تو بہتر ہے، وگرنہ تو اپنی جان کے لیے فتنہ کھڑا کرلے گا!

میں نے کہا: کیا خوب مشورہ ہے، واہ! ساری عمر میرا اللہ تعالیٰ سے معاملہ رہا ہے، اس وجہ سے اب میرا حق بنتا ہے کہ میں غسل کرنے میں جلد بازی نہ کروں، اور مجھے تاخیر کرنے، اور کچھ دیر ٹھہرنے کی ضرورت بھی ہے، میں قسم کھاتا ہوں کہ صرف نہر ہی میں غسل کروں گا اور پھر یہ بھی قسم کھاتا ہوں کہ اسے دھوپ میں بیٹھ کر خشک کروں گا۔

اس نے ان باتوں کا لوگوں کے سامنے تذکرہ فقط اس لیے کیا ہے تاکہ لوگوں کو بتا سکے کہ اس نے بہت اچھا اور عمدہ فعل سرانجام دیا ہے، اور لوگوں نے اس کی نسبت سے اس لیے بیان کیا ہے تاکہ اس کی فضیلت وشان کو واضح کریں، حالانکہ یہ جہالت ہے، کیونکہ اس شخص نے اپنے عمل سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نافرمانی ہی کی ہے۔

یہ فعل تو بے وقوف عوام ہی کو خوش کر سکتا ہے علماء کو نہیں۔ اور کسی آدمی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی جان کو سزا دے۔ اس شخص نے تو اپنے آپ کو کئی طریقے سے مبتلائے عذاب کیا ہے: اپنے آپ کو ٹھنڈے پانی میں ڈالنا، جبکہ وہ ایسے لباس میں ہے جس میں اپنی مرضی کے مطابق حرکت جسمانی بھی ممکن نہیں، اور شاید کہ جسم کے کچھ حصوں تک (مثلاً بغل وغیرہ) اس طرح پانی بھی نہ پہنچا ہو، کیونکہ یہ کپڑا کافی موٹا تھا، اور پھر مسلسل ایک ماہ تک وہ خشک ہوتا رہا، وہ اس دوران میں لذتِ نیند میں بھی رکاوٹ بنا۔

اس کے تو سبھی کام غلطی اور گناہ کے زمرے میں آتے ہیں، بعض اوقات یہی افعال اس کی مرض یا اس کی موت کا پیش خیمہ بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔

احمد بن احمد بن عبداللہ اصبہانی کا بیان ہے: احمد بن خضرویہ کی بیوی نے اس شرط پر

اپنے خاوند سے حق مہر لینے سے دست برداری کا اظہار کر دیا تھا کہ وہ اسے ابویزید بسطامی کی زیارت کروائے گا' چنانچہ وہ اسے ان کے پاس لے گیا۔ وہ ان کے پاس پہنچی اور ننگے چہرے کے ساتھ ان کے بالکل سامنے بیٹھ گئی تو خاوند احمد نے اسے کہا: میں نے تجھ سے عجیب عمل دیکھا ہے کہ تو نے ابو یزید کے سامنے اپنے چہرے کو کھول لیا ہے؟[1] وہ بولی: جب میں نے ان کی طرف دیکھا تھا تو میں اپنے نفس کے حواس گم کر بیٹھی' جونہی میں آپ کی طرف دیکھتی ہوں تو میرے حواس واپس پلٹ آتے ہیں!! احمد نے جس وقت ابویزید کے پاس سے واپس جانے کا ارادہ کیا تو احمد ان سے عرض کرنے لگے: مجھے کچھ نصیحت فرمائیں۔ انہوں نے کہا: اوصاف جواں مردی اپنی بیوی سے سیکھ لو!!

جسم و مال میں ان کی خلاف ورزیاں

یوسف بن حسن کا بیان ہے: احمد بن ابو الحواری اور ابوسلیمان کے درمیان معاہدہ تھا کہ وہ جس چیز کا بھی حکم دے گا' وہ اس کی کسی بھی معاملے میں مخالفت نہیں کرے گا۔[2] ایک روز احمد اس کے پاس آیا تو وہ مجلس میں محو کلام تھا۔ اس نے کہا: تنور کو ہم نے جلا لیا ہے' اب آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ تو ابوسلیمان نے کوئی جواب نہ دیا' پھر اس نے اس بات کو ایک دو بار دہرایا' تو اس نے تیسری مرتبہ یوں جواب دیا: جا اور اس میں جا کر بیٹھ جا' چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

ابوسلیمان فوراً بولا: اس کی خبر لو' کیوں کہ اس کے اور میرے مابین معاہدہ ہے کہ وہ

---

1. ہم اپنے ملک میں آج بھی ایک ایسے تصوف کے شیخ کو جانتے پہچانتے ہیں جس کے مریدوں کی بیویاں اس کے سامنے ایسا ہی کرتی ہیں' بلکہ ان میں سے کئی ایک تو اپنی بیوی کو اپنے شیخ سے شادی رچانے کی بھی کھلی چھٹی دے دیتے ہیں اور ان شیخ صاحب نے بذات خود اپنے کئی مریدوں کی بیویوں کے ساتھ یہ کام کیا ہوا ہے اور ان کی عدت ختم ہونے سے قبل ہی ان سے شادیاں کر لی ہیں!!!
صرف صبر جمیل ہی ہو سکتا ہے' ان لوگوں کے بیان کردہ پر فقط اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگی جا سکتی ہے۔
2. آج کی پارٹی بازی کے داعیوں کا بھی یہی منشور ہے' اگرچہ ان کی صورتیں متعدد' ان کے سائن بورڈ اور لیبل مختلف' اور ان کے نام کئی ہیں!!
ایسا معاہدہ اور عقد اہل بدعت کا ایجاد شدہ ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔

میرے کسی بھی حکم کی خلاف ورزی نہیں کرے گا' ساتھ ہی ابوسلیمان خود بھی کھڑا ہو گیا اور اس کے رفقاء بھی اس کے ساتھ ہی کھڑے ہو گئے' جب تنور پر پہنچے تو اسے وسط تنور میں بیٹھا پایا۔ چنانچہ ابوسلیمان نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر کھڑا کیا' لیکن اسے ایک خراش تک بھی نہیں آئی تھی۔

یہ حکایت حقیقت سے دور ہے' اور اگر یہ صحیح بھی ہو تو اس کا آگ میں داخل ہونا ہی گناہ کا کام ہے۔

صحیحین[1] میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے' فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ فرمایا' اور ایک انصاری کو اس لشکر کا امیر مقرر فرما دیا۔ جس وقت وہ چلے گئے' تو اس امیر لشکر نے اپنے ان ماتحتوں کے بارے میں کچھ ناراضی محسوس کی' تو ان سے کہنے لگا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھیں میری اطاعت کا حکم نہیں دیا ہے؟ وہ بیک آواز بولے: جی ہاں کیوں نہیں! تو وہ کہنے لگا: ایندھن جمع کرو' چنانچہ انھوں نے جمع کر دیا' پھر اس نے آگ منگوائی اور اسے بھڑکا دیا' پھر بولا: میں تم پر لازم قرار دیتا ہوں کہ اس میں کود جاؤ۔

راوی کہتے ہیں: لوگوں نے اس میں کود جانے کا ارادہ کر لیا' تو ان میں سے ایک نوجوان نے کہا: بلاشبہ تم تو آگ سے بچنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے ہو' لہٰذا اس معاملے میں جلد بازی مت کرو جب تک کہ تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہ کر لو' اگر وہ آپ کو اس میں داخل ہونے کا حکم دیں گے تو داخل ہو جانا۔ چنانچہ وہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے' اور آپ کو پورا ماجرا بیان کیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یوں فرمایا:

((لَوْ دَخَلْتُمُوْهَا' مَا خَرَجْتُمْ مِنْهَا اَبَدًا' اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ))

''اگر تم اس میں کود جاتے' تو کبھی بھی اس سے نکل نہ سکتے' اطاعت گزاری تو صرف نیکی کے کام میں ہے''

عبداللہ بن ابراہیم جزری کا بیان ہے: ابوالخیر دیلمی نے کہا ہے: میں خیر النساج کے

---

[1] صحیح بخاری' المغازی' باب سریة عبد الله بن حذافة السهمی' حدیث: ۴۳۴۰۔
صحیح مسلم' الامارة' باب وجوب طاعة الامرا فی غیر معصیة' حدیث: ۱۸۴۰۔

پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پاس ایک خاتون آئی' اور اسے یوں کہنے لگی: مجھے وہ رومال دے دیں جو میں نے آپ کو دیا تھا۔ اس نے کہا: اچھا' چنانچہ اس نے اسے وہ رومال دے دیا۔ وہ بولی! کتنی اجرت ہے؟ وہ بولا! دو درہم۔ اس نے کہا: فی الحال تو میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے' پہلے بھی میں آپ کی خدمت میں متعدد مرتبہ آتی رہی ہوں لیکن میں نے آپ کو نہیں دیکھا تھا' میں ان شاء اللہ تعالیٰ یہ رقم آپ کے پاس کل لے آؤں گی۔ خیر النساج نے اسے کہا: اگر تو دو درہم میرے پاس لائے اور مجھے ادھر نہ پائے' تو ان دونوں کو دریائے دجلہ میں پھینک دینا' جب میں آؤں گا تو انھیں پکڑ لوں گا۔ اس عورت نے کہا: آپ دریائے دجلہ سے کیسے لے لیں گے؟ تو خیر النساج نے اسے جواب دیا: اس کی تفتیش کرنا آپ کے لیے فضول ہے' جو میں نے آپ کو حکم دے دیا ہے آپ اتنا ہی کریں۔ وہ بولی: ان شاء اللہ' بالآخر وہ عورت چلی گئی۔

ابوالخیر النساج کہتا ہے: میں اگلے روز بھی آیا' اور خیر النساج غائب تھا' اور وہ عورت بھی آ گئی' اس کے پاس ایک موٹا سا کپڑا تھا جس میں دو درہم تھے' اس نے خیر کو نہ پایا' تو بالآخر اس نے دونوں درہم دجلہ میں پھینک دیے۔ اچانک ایک کیکڑا آیا اور اس کپڑے کے ساتھ لپٹ گیا اور غوطہ لگایا' کچھ دیر کے بعد خیر آیا' اس نے اپنی دکان کا دروازہ کھولا' اور پھر دریا پر وضو کرنے کے لیے جا بیٹھا۔ اچانک کیکڑا پانی سے نکل کر اس کی جانب دوڑنے لگا' اور وہی موٹا کپڑا اس کی پشت پر تھا۔ جونہی وہ شیخ کے قریب پہنچا' شیخ نے اسے پکڑ لیا۔

میں نے اس سے عرض کی: میں نے ایسے ایسے خود مشاہدہ کیا ہے' تو وہ بولا: میں پسند کرتا ہوں کہ آپ میری زندگی میں اس راز کو نہ کھولیں' چنانچہ میں نے اس بات کو قبول کر لیا۔

اس قسم کے واقعات بالکل صحیح نہیں' اگر یہ صحیح بھی ہوں تو یہ فعل شرع کے مخالف ہونے سے خالی نہیں ہے کیونکہ شریعت نے تو حفاظت مال کا حکم دیا ہے جبکہ اس فعل میں مال کا ضیاع ہے' جبکہ صحیح میں یہ حکم موجود ہے' کہ نبی اکرم ﷺ نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔[1]

---

[1] اس کی تخریج قبل ازیں گزر چکی ہے۔

اس آدمی کے قول کی طرف بالکل دھیان نہ دیں جو یہ گمان رکھتا ہے کہ یہ کرامت ہے کیونکہ اللہ عزوجل ایسے شخص کا بالکل اکرام نہیں فرماتا جو اس کی شریعت کی خلاف ورزی کرتا ہو۔

علی بن عبدالرحیم کا بیان ہے: میں ایک روز ابوالحسین نوری کے ہاں گیا تو میں نے ان کے دونوں پاؤں کو پھولا اور سوجا ہوا دیکھا۔ میں نے ان سے وجہ دریافت کی تو انہوں نے یوں کہا: میرے نفس نے مجھ سے کھجوریں تناول کرنے کا مطالبہ کیا' لیکن میں اسے ٹالتا ہی رہا' لیکن میرا نفس متواتر انکار ہی کرتا رہا' چنانچہ میں باہر نکل گیا' اور میں نے کھجوریں خرید لیں۔ جب میں نے انھیں کھا لیا تو میں نے اس نفس سے کہا: اٹھ! اور نماز پڑھ' اس نے میرا کہنا ماننے سے انکار کر دیا۔ میں نے کہا: اللہ کے لیے اب میں چالیس روز تک بجز تشہد میں بیٹھنے کے بالکل نہیں بیٹھوں گا' چنانچہ میں بیٹھا نہیں ہوں۔

میں عرض پرداز ہوں: جاہلوں سے جو یہ واقعہ سنے گا' وہ یہی کہے گا: یہ کتنا بہترین مجاہدہ ہے! حالانکہ وہ یہ نہیں جانتا کہ یہ فعل بالکل جائز و حلال نہیں ہے' کیونکہ اس میں نفس پر ناجائز تکلیف اور بوجھ ڈالنا ہے' اور اسے اس کے آرام و راحت والے حق سے باز رکھنا ہے۔

ابو حامد غزالی نے اپنی کتاب ''الاحیاء'' میں یوں حکایت لکھی ہے: ''بعض لوگوں نے رات کے قیام کو گراں محسوس کیا اور اس میں سستی کرنے لگا' تو انھوں نے رات بھر سر کے بل کھڑے رہنے کو اپنے اوپر لازم قرار دے لیا' تا کہ نفس بخوشی قیام کرنے کو قبول کرے!

مزید لکھتے ہیں: بعض مشائخ نے مال کی محبت کا علاج اس طرح کیا ہے کہ انہوں نے اپنے سارے مال کو بیچ کر اس رقم کو دریا برد کر دیا' صرف اس اندیشے کے پیش نظر کہ اگر اسے لوگوں میں بانٹیں گے تو اس میں سخاوت کی بو آئے گی اور ریا کاری آئے گی!

اور کہتے ہیں: بعض مشائخ ایسے آدمی کو بطورِ اجرت رکھتے تھے جو بڑے بڑے رئیسوں کے روبرو انہیں گالی گلوچ کریں' تا کہ یہ اپنے نفس کو حلم و بردباری کا عادی بنا لیں!

اور یوں بھی کہا ہے: اور کوئی موسم سرما میں دریا میں طغیانی کے وقت تیرا کی کرتا تھا

تاکہ شجاع بن جائے!

ان تمام میں سے میرے نزدیک سب سے زیادہ عجیب شخص ابو حامد ہیں، جو ایسی باتوں کو حکایت کر رہے ہیں اور ان پر کوئی حرفِ اعتراض بھی نہیں بولتا؟!

وہ اعتراض و انکار کر بھی کیسے سکتے ہیں کیونکہ وہ تو ان واقعات و امور کو تعلیم و تربیت کے رنگ میں پیش کر رہے ہیں!

ان حکایات کو بیان کرنے سے قبل انہوں نے یوں لکھا ہے: شیخ کو چاہیے کہ مبتدی کی حالت پر نگاہ رکھے۔

اگر تو اس کے پاس ضرورت سے زائد مال دیکھے، تو اسے خود پکڑ لے اور اسے خیر کے کاموں میں استعمال کر دے، اس کے دل کو بالکل فارغ بنا ڈالے تاکہ اس کی طرف نظر بھی نہ کر سکے۔

اور اگر اس میں تکبر اور بڑائی کا غلبہ پائے تو اسے حکم کرے کہ بازار جا کر محنت اور کاوش کرے، اور مانگنے اور اس پر ہمیشگی اختیار کرنے کی پابندی لگائے۔

اور اگر اس میں ناکاری کا غلبہ دیکھے تو ''بیت الماء'' (پانی والی جگہ) میں اس کی ڈیوٹی لگا دے، اس کی صفائی کروائے، گندگی والے مقامات پر جھاڑو دلوائے، باورچی خانے کی ڈیوٹی سونپے اور دھوئیں والے مقامات پر اس سے خدمت لے۔

اور اگر دیکھے کہ طعام کی شدتِ حرص اس پر غالب ہے، تو اسے روزے رکھوائے۔

اور اگر اسے کنوارا دیکھے، جس کی شہوت روزوں سے بھی کم ہوتی ہو، تو اسے ایک رات فقط پانی کے ساتھ روٹی کے بغیر روزہ افطار کرنے کا حکم دے اور دوسری شب فقط روٹی کے ساتھ بغیر پانی کے روزہ افطار کرنے کا کہے، اور گوشت تو بالکل سرے ہی سے اس کے لیے منع قرار دے دے۔

مجھے تو ابو حامد پر تعجب ہے، کس طرح ایسے امور و اشیاء کا حکم دے رہے ہیں جو سراسر خلافِ شرع ہیں!!

کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ رات بھر سر کے بل کھڑا رہے اور خون رات بھر اس

کے دماغ کی طرف جاتا رہے جس کے باعث اسے شدید مرض لاحق ہو جائے!!

اور کس طرح سمندر میں رقم پھینکنا جائز ہو سکتا ہے' حالانکہ نبیٔ اکرم ﷺ نے مال کو تلف اور ضائع کرنے سے روکا ہوا ہے؟!

اور کیا کسی مسلمان کو بلا سبب سب وشتم کرنا حلال ہے؟!

اور کیا کسی مسلمان کے لیے جائز ہے کہ اس کام کے لیے کوئی مزدور رکھے؟!

اور طغیانی کے عالم میں سمندر یا دریا میں تیراکی کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ حالانکہ اس حالت میں تو جس میں فریضہ حج کی ادائیگی بھی ساقط ہو جاتی ہے؟!

اور اس آدمی کے لیے سوال کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے جو صحت و قدرت کی حالت میں کمائی کر سکتا ہے؟!

ابو حامد غزالی نے فقہ کو تصوف کے بدلے میں کتنے سستے داموں فروخت کر دیا ہے!

تربیت اور رہنمائی

حسن بن علی دامغانی کا بیان ہے: اہل بسطام میں سے ایک شخص ابو یزید بسطامی کی مجلس سے کبھی بھی الگ نہیں ہوتا تھا۔ ایک دن اس نے ان سے کہا: اے استاذ! میں عرصہ تیس برس سے روزہ رکھ رہا ہوں اور رات کو قیام کر رہا ہوں' اور میں شہوات کو بھی ترک کر چکا ہوں' لیکن میں اپنے دل میں وہ چیزیں اور کیفیات بالکل نہیں پا رہا جن کا آپ تذکرہ کرتے ہیں!!

ابو یزید نے کہا: اگر تو تین سو برس تک روزے رکھے اور تین صدیوں تک قیام اللیل بھی کرتا رہے' اور تو اسی حال پر رہے جس پر میں تجھے دیکھ رہا ہوں تو اس علم کا ذرہ تک نہیں پا سکتا۔

آدمی: استاذ صاحب! وہ کیوں؟

ابو یزید: کیونکہ تو اپنے نفس کی وجہ سے پردے میں ہے!

آدمی: کیا اس پردے کے لیے کوئی دوائی بھی ہے جو اس حجاب کو ہٹا دے؟

ابو یزید: جی ہاں! لیکن تو اس دوائی کو قبول نہیں کرے گا!

آدمی: بالکل کروں گا' اسے قبول بھی کروں گا' اور جیسا آپ فرمائیں گے ویسا ہی کروں گا۔

ابو یزید: اچھا پھر ابھی حجام کے پاس جاؤ' اپنے سر اور ڈاڑھی کے بال منڈواؤ' اپنا یہ لباس بھی اتار پھینکو اور بلا آستین چوغہ پہنو' اپنی گردن میں جھولی باندھ لو' پھر اسے اخروٹوں سے بھر لو' اپنے اردگرد بچے جمع کر لو' پھر باآواز بلند کہو: ارے بچو! جو مجھے طمانچہ لگائے گا' میں اسے ایک اخروٹ دوں گا' اور اپنے بازار میں چلے جاؤ جس میں تمہاری تعظیم وتکریم کی جاتی ہے!

آدمی: اے ابو یزید! سبحان اللہ! آپ مجھے ایسی باتیں کہہ رہے ہیں' کیا مجھے ایسا کرنا اچھا لگے گا؟!

ابو یزید: تیرا سبحان اللہ کہنا شرک ہے!

آدمی: وہ کس طرح؟

ابو یزید: کیونکہ تو نے اپنے نفس کو بڑا سمجھا ہے' اور تو نے اس کی پاکی بیان کی ہے!

آدمی: اے ابو یزید! یہ کام تو نہیں کر سکتا' البتہ آپ مجھے کوئی دوسرا کام بتائیں تاکہ میں وہ کر سکوں۔

ابو یزید: ہر کام کرنے سے پہلے اس کام کو کرنے میں جلدی کرو تاکہ تیری وجاہت وعظمت ختم ہو جائے' اور تو اپنے نفس کو ذلیل کر لے' بعد ازاں تجھے کسی ایسے عمل سے آشنا کرواؤں گا جو تیری اصلاح کر سکے!

آدمی: میں تو اس کی طاقت نہیں رکھتا۔

ابو یزید: پھر تو یقیناً نہیں کر سکتا!!

الحمدللہ! ہماری شریعت میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اس میں تو ایسے امور کی حرمت اور ان سے ممانعت ہے اور ہمارے نبی معظم ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَيْسَ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ يُّذِلَّ نَفْسَهٗ))[1]

''مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے نفس کو ذلیل بنائے''

---

[1] امام ترمذی رحمہ اللہ نے الفتن' باب ۶۷' حدیث: ۲۲۵۴ میں' ابن ماجہ نے الفتن' باب ۲۱' حدیث: ۴۰۱۶ میں' امام احمد نے (۵/۴۵) میں' ابو الشیخ نے ''الامثال'' (۱۵۱) میں' اور القضاعی نے ''مسند الشھاب'' (۸۶۶) میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔

اس روایت کے مزید دیگر طرق بھی موجود ہیں۔

اسے امام طبرانی نے ''المعجم الکبیر'' (۱۳۵۰۷) میں' بزار نے (۳۳۵۳) میں اور ابو الشیخ نے ''الامثال'' (۱۵۳) میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے' اور امام ہیثمی نے ''المجمع'' (۷/۲۷۴-۲۷۵) میں اس کی نسبت ''اوسط الطبرانی'' کی طرف کرنے کے بعد یہ فرمایا ہے:

''اس کے رجال ''رجال الصحیح'' ہیں' ماسوائے زکریا بن یحییٰ بن ایوب الفرید کے۔ خطیب نے اسے ذکر کیا ←

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کی نماز جمعہ فوت ہوگئی' آپ نے لوگوں کو نماز جمعہ سے پلٹتے ہوئے دیکھا تو چھپ گئے' تاکہ نماز کے فوت ہونے کے معاملے میں آپ نگاہ نقص سے نہ دیکھے جائیں!

اور کیا شرع کسی سے نفس کے اثرات کو ختم کرنے کا مطالبہ کرتی ہے؟!

بلکہ شرع تو نفس کے جاہ وجلال کو باقی رکھنے کی کوشش اور سعی کرتی ہے۔[1]

اگر بہلول (عمدہ صفات کا حامل سردار) یوں تھپڑ طمانچے مارنے کا حکم دے' تو یقیناً قبیح حرکت ہے!

ہم اللہ تعالیٰ سے ایسی ناقص عقلوں سے پناہ مانگتے ہیں جو ایک نئے آنے والے سے ایسے امور کا مطالبہ کرتی ہیں جن سے شرع راضی نہیں ہوتی اور وہ راہ فرار اختیار کرتا ہے بلکہ متنفر ہو جاتا ہے۔

ابو حامد غزالی نے کتاب "الاحیاء" میں یحییٰ بن معاذ سے یہ حکایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے ابویزید سے دریافت کیا: کیا آپ نے اللہ تعالیٰ سے معرفت کا سوال کیا ہے؟! وہ بولے: یہ تو اس کے لیے ناممکن بات ہے کہ اپنے سوا کسی کو اپنی معرفت کروائے۔

میں عرض کرتا ہوں: یہ تو جہالت کا اعلان ہے کیونکہ اگر تو وہ بالجملہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی طرف اشارہ کرتا' کہ وہ موجود ہے اور صفات سے متصف ہے تو مسلمانوں میں سے کوئی بھی اس سے جاہل اور لاعلم نہیں ہے' اور اگر اس کا خیال یہ ہے کہ اس کی معرفت سے مراد اس کی "ذات حقیقی" پر اطلاع پانا ہے اور اس تک رسائی حاصل ہے تو یہ اس کی

← ہے' اس نے ایک جماعت سے اسے روایت کیا ہے' اور ایک جماعت نے اس سے روایت کی ہے' اور اس کے بارے میں کسی نے کلام نہیں کیا۔

میں عرض پرداز ہوں: یہ حدیث شواہد کے اعتبار سے کم از کم درجہ حسن کی روایت ہے۔

ہمارے شیخ البانی نے اس کی اسناد کو "صحیح لذاتہ" قرار دیا ہے۔

اس احتمال کے مدنظر کہ آپ کے نزدیک یہ زکریا "ابو یحییٰ اللؤلؤی" ہے حالانکہ یہ وہ نہیں ہے۔

ہمارے شیخ محترم کو ابوالشیخ وغیرہ کی روایات کی واقفیت نہیں ہو سکی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[1] اور وہ بھی بلا فخر وغرور اور اکھڑ پن کے اظہار کے۔

جہالت کا بین ثبوت ہے۔

ابو حامد نے حکایت بیان کی ہے کہ ابو تراب نخشی نے اپنے ایک مرید سے کہا: تو ابو یزید کو صرف ایک مرتبہ ہی دیکھ لے تو یہ تیرے لیے ستر بار دیدار الٰہی سے زیادہ نفع مند رہے گا!

یہ تو جنون اور دیوانگی سے بھی چند درجات اوپر چلا گیا ہے۔

ابو حامد غزالی نے ابن الکرینی سے یہ حکایت بیان کی ہے کہ اس نے کہا' میں ایک محلے میں رہائش پذیر ہوا' وہاں میری صلاح وتقویٰ کی وجہ سے جان پہچان ہو گئی۔ میرے دل میں بھی یہ خیال آنے لگا' تو میں ایک حمام میں جا پہنچا۔ وہاں میں نے عمدہ ترین اور قیمتی ترین لباس پر نگاہیں رکھ لیں' بالآخر موقعہ پا کر میں نے وہ چرا لیا' اور اسے پہن کر اس کے اوپر میں نے اپنا جبہ پہن لیا اور باہر نکل آیا' اور خراماں خراماں ٹہلنے لگا' لوگوں نے مجھے آ دبوچا' انھوں نے میرا جبہ اتار پھینکا' میرے کپڑے اتار لیے' اور میری تھپڑوں سے خدمت کی' اس کے بعد میں چور حمام کے نام سے معروف ہو گیا تو اس طرح میرے نفس کو اطمینان اور سکون میسر ہوا۔

ابو حامد کہتے ہیں: اس طرح یہ لوگ اپنے نفسوں کو کچلتے ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ انھیں مخلوق کی نگاہوں سے نجات دے دیتا ہے' پھر ان کی اپنی جانوں کی نگاہوں سے بھی بالاتر کر دیتا ہے۔ یہ ''ارباب احوال'' بعض اوقات اپنے نفسوں کا علاج ایسے طریقوں سے کر لیتے ہیں جن کا کوئی فقیہ فتویٰ بھی نہیں دے سکتا' اگرچہ اس میں کتنی صلاح نفس ہو' پھر اپنی اس کوتاہی اور تقصیر کا تدارک بھی کر لیتے ہیں' جس طرح کہ اس صاحب نے حمام میں کیا ہے!

پاک ہے وہ ذات جس نے ابو حامد کو فقہی دائرے سے اس کتاب ''الاحیاء'' کو تصنیف کرنے کے سبب باہر نکال دیا ہے۔

کاش کہ وہ اس کتاب میں اس جیسی مثالیں بیان نہ کرتے جو جائز نہیں تھیں۔ تعجب تو اس بات پر بھی ہے کہ وہ انھیں بیان بھی کرتے ہیں اور پھر ان کی تحسین بھی کرتے ہیں اور

ان کے اصحاب کو ''ارباب احوال'' کا نام دیتے ہیں۔

اس حالت سے بڑھ کر کون سی حالت قبیح ترین اور سخت ترین ہوسکتی ہے کہ جو آدمی شرع کی مخالفت کرتا اور پھر اس ممنوع کام ہی میں اپنی مصلحت دیکھتا ہے؟!

یہ کس طرح جائز ہوسکتا ہے کہ گناہوں کے ارتکاب سے دلوں کی صلاح طلب کی جائے؟!

کیا شریعت میں دلوں کی اصلاح کرنے والے افعال و اعمال نہیں ہیں کہ فقط حرام اور ناجائز امور ہی کو استعمال میں لانا پڑتا ہے؟!

یہ بالکل اسی طرح کے افعال ہیں جو جاہل امراء اور حکمران کر گزرتے ہیں کہ جس کا ہاتھ نہ کاٹنا ہو اس کا کاٹ دیا' اور جس کا قتل کرنا جائز نہ ہو اسے قتل کر دیا' وہ لوگ اسے سیاست بازی کا نام دیتے ہیں' اس کے ضمن میں یہ بات نکلتی ہے کہ شریعت میں ایسی سیاست کی اجازت نہیں ہے!

یہ کام کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟ کہ کوئی مسلمان اپنے نفس کو ایسے فعل کے لیے پیش کرے جس کے متعلق یوں کہا جائے: یہ چور ہے!

کیا یہ جائز ہے کہ کوئی اپنے دین کو کمزور بنانے کا قصد کرے اور جو زمین میں اللہ تعالیٰ کے شہداء اور گواہ ہیں ان کے سامنے اسے بالکل ہی مٹا ڈالے؟!

اگر کوئی آدمی راستے میں کھڑا ہو کر اپنی اہلیہ سے باتیں کرے اور اسے ہاتھ لگائے تاکہ دیکھنے والے اسے یہ سمجھیں کہ یہ فاسق ہے' تو یہ بھی نافرمانی کا اظہار کر رہا ہے۔

پھر کس طرح کسی دوسرے کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف جائز ہو سکتا ہے؟!

امام احمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کی اس ضمن میں یہ نص موجود ہے کہ جو شخص حمام سے کپڑے چرائے جبکہ ان پر کوئی نگران بھی موجود ہو تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔

پھر یہ ''ارباب احوال'' لوگ کون ہیں جو اپنی ہی مرضیوں اور اپنے ہی واقعات پر عمل پیرا ہوسکتے ہیں؟!

ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! بلاشبہ ہماری شریعت تو ایسی ہے جس میں اگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اپنی رائے اور اپنی مرضی سے شریعت سے الگ ہو کر کوئی عمل کرنا چاہیں تو ان سے بھی وہ عمل منظور و مقبول نہیں کیا جائے گا۔

اس کپڑوں کو چھین لینے والے شخص پر تعجب کرنے سے زیادہ تو مجھے اس فقیہ ڈاکو پر تعجب ہو رہا ہے جو فقہ کا علم رکھنے کے باوجود تصوف پر چھینا جھپٹی کر رہا ہے۔

اپنے نفسوں کی اہانت

محمد بن احمد نجار کا بیان ہے' علی بن بابویہ صوفیاء میں سے تھے' ایک روز انہوں نے گوشت کا ایک ٹکڑا خرید کر اسے اپنے گھر لے جانا چاہا' لیکن بازار والوں سے حیا محسوس کرنے لگے' تو انہوں نے گوشت کو اپنی گردن پر لگالیا اور اسے گھر لے گئے۔

اس قوم پر تعجب آتا ہے کہ انھوں نے طبع کے اثر کو زائل کرنے کا اپنے نفسوں سے مطالبہ کیا ہے' حالانکہ یہ امر ناممکن ہے' اور نہ ہی یہ شرع کی مراد ہے' بلکہ انسان کی طبیعت میں یہ بات موجود ہے کہ وہ خوش لباس نظر آنے کو پسند کرتا ہے' اور اس کے برعکس وہ عریاں جسم اور ننگے سر نظر آنے سے حیا محسوس کرتا ہے اور شرع ان معاملات میں اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں کرتی لیکن اس شخص نے لوگوں کے درمیان جو اپنے نفس کی اہانت کرنے کا عمل کیا ہے' یہ شرعی اور عقلی دونوں لحاظ ہی سے قبیح فعل ہے' بلکہ یہ تو مروت کو گرانے اور ختم کرنے والا عمل ہے' یہ کوئی ریاضت اور مجاہدہ تو نہیں ہے' یہ تو بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی اپنی جوتیوں کو اپنے سر پر رکھ لے۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو معزز و مکرم بنایا ہے بلکہ بہت سے لوگوں کے لیے خدمتگار بھی بنائے ہیں لہٰذا لوگوں کے مابین آدمی کا اپنے نفس کو ذلیل وحقیر بنانا دین کے اندر داخل نہیں ہے۔

صوفیاء کی ایک قوم نے اپنا نام ''ملامتیہ'' بھی رکھا ہوا ہے' جو گناہوں میں لت پت اور آلودہ رہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں: اس سے ہماری مقصود لوگوں کی نظروں سے اپنے آپ کو گرانا ہے' پھر اس سے ہم جاہ و مرتبہ اور دکھاوے سے محفوظ رہتے ہیں۔

ان لوگوں کی مثال تو بالکل اس آدمی کی ہے جو کسی عورت سے زنا کا مرتکب ہو اور اسے حاملہ کر دے تو اس سے پوچھا جائے: بھئی آپ نے عزل کیوں نہیں کر لیا؟ تو وہ جواب دے: مجھے یہ خبر ملی ہے کہ عزل کرنا مکروہ عمل ہے!! تو اسے یہ کہا جائے: کیا آپ کو یہ خبر نہیں ملی کہ زنا کرنا بھی حرام ہے!!

ان جاہلوں نے اللہ تعالیٰ کے ہاں سے بھی اپنے مقام و مرتبہ کو گرایا ہوا ہے اور اس حقیقت کو بھی فراموش کر چکے ہیں کہ مسلمان بھی تو زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہیں۔[1]

ابوعمرو بن علوان کا بیان ہے: ابوالحسین نوری نے اپنی زمین فروخت ہونے سے جو تین سو دینار پائے تھے وہ اٹھائے' ان کا ڈھیر بنا کر ان کے اوپر بیٹھ گئے اور انھیں ایک ایک کر کے پانی میں پھینکنے لگے اور ساتھ ساتھ یوں کہنے لگے! تو میرے پاس آیا تھا اور یہ چاہتا تھا کہ اتنی مقدار میں مجھے دھوکا دے دے گا!!

سراج نے کہا: کسی آدمی نے کہا ہے: اگر انھیں فی سبیل اللہ خرچ کر دیتا تو اس کے لیے بہتر ہوتا۔

میں کہتا ہوں (یعنی سراج): اگر وہ دینار انہیں آنکھ جھپکنے کے برابر اللہ تعالیٰ سے مشغول کر رہے تھے تو ان پر یہ واجب تھا کہ انھیں یکمشت ہی پانی میں پھینک دیتے' تاکہ ان کے فتنہ سے بڑی سرعت کے ساتھ چھٹکارا پا جاتے' جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ ﴾ (ص: ۳۸/ ۳۳)

''پھر پنڈلیوں اور گردنوں پر مارنے لگے''

میں کہتا ہوں: یہ قوم تو شرع سے جاہل ہونے اور بے عقل ہونے میں کھل کر عیاں ہو چکی ہے۔ ہم قبل ازیں اس کی خوب وضاحت کر چکے ہیں کہ شریعت نے مال کی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے' اور یہ مال صرف کسی سمجھ دار آدمی کے سوا کسی دوسرے کے حوالے بھی

---

[1] جس طرح کہ اس روایت میں ہے جسے امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری' الجنائز' باب ثناء الناس علی المیت' حدیث: ۱۳۶۷۔ صحیح مسلم' الجنائز' باب فیمن یثنی علیه خیر او شرمن الموتی' حدیث: ۹۴۹۔

نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے آدمی کی گذران کے لیے ایک طرح کا کفیل بنایا ہے اور عقل بھی اس بات کی گواہ ہے کہ مال انسانی مصالح کے لیے پیدا کیا گیا ہے' تو جب انسان اسے پانی میں پھینکے گا تو بلاشبہ اس نے اپنی اصلاح کے سبب کو خراب و تباہ کر لیا' اور مال کو بنانے والے کی حکمت کو نہ سمجھ سکا' بلکہ اس سے جاہل رہا۔

سراج کا ان کی خاطر اظہار معذرت کرنا ان کے فعل سے بھی بڑھ کر برا ہے' کیونکہ اگر وہ اس کے فتنے سے خائف تھے تو چاہیے تھا کہ اسے کسی فقیر کی طرف پھینک دیتے اور خود خلاصی پا لیتے۔

قرآن کریم کی تفسیر

ان کی جہالت میں سے ایک قرآن کریم کی اپنی فاسد رائے کے موافق تفسیر کرنا بھی ہے، کیونکہ وہ پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے کو دلیل بنا کر اس سے فساد اور خرابی کا جواز لے رہا ہے جبکہ فساد و خرابی کا ذہن رکھنا شریعت میں جائز نہیں ہے، بلکہ سیدنا سلیمان علیہ السلام نے تو فقط ان پر ہاتھ پھیرا تھا اور فرمایا تھا: تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے۔

ابو نصر سراج کتاب اللمع میں کہتے ہیں: ابو جعفر دراج نے کہا ہے: ایک روز میرے استاذ طہارت کے لیے باہر نکلے، میں نے آپ کا بستہ اٹھا لیا، میں نے اس کی تلاشی لی، اس میں چار درہم برابر چاندی پائی، یہ رات کا وقت تھا اور انھوں نے کچھ کھائے بغیر ہی رات گزاری، تو جب واپس آئے، میں نے عرض کی: آپ کے تھیلے میں اتنے اتنے درہم موجود ہیں اور ادھر ہم بھوکے ہیں، وہ بولے: کیا تو نے وہ لے لیے ہیں؟ اسے واپس کرو۔

پھر اس کے بعد مجھ سے کہنے لگے: جاؤ اسے پکڑو اور اس سے کوئی چیز خرید لاؤ، میں نے آپ سے یہ دریافت کیا، آپ کے معبود کی قسم! اس ٹکڑے کا کیا راز ہے؟ وہ بولے: اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے علاوہ دنیا میں سے کچھ نہیں دیا، میرا ارادہ ہے کہ میں وصیت کر جاؤں کہ یہ میرے ساتھ ہی دفن کر دیا جائے۔ جب روز قیامت آئے گا، میں اسے اللہ تعالیٰ کو واپس لوٹا دوں گا اور اس سے کہوں گا: یہ ہے جو تو نے مجھے دیا تھا!

ابو عبد اللہ حصری کا بیان ہے: ابو جعفر حداد عرصہ بیس برس تک روزانہ ایک دینار کا کام کرتے، اور اسے فقراء پر خرچ کر دیتے، اور خود روزہ رکھتے، ظہر و عصر کے مابین باہر نکلتے، لوگوں کے دروازوں سے صدقہ و خیرات حاصل کرتے اور اس پر روزہ افطار کرتے۔

اگر اس آدمی کو معلوم ہوتا کہ جو آدمی کام کر سکتا ہے اس کے لیے بھیک مانگنا جائز نہیں ہے تو وہ ایسا نہ کرتا' اگر اس کے لیے اس کے جواز کا بھی اندازہ کر لیں' تو طلب کی ذلت کے مقابلے میں نفس کی خودداری کہاں رہی؟!

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تَزَالُ الْمَسْأَلَةُ بِأَحَدِكُمْ حَتّٰى يَلْقَى اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَمَا عَلٰى وَجْهِهٖ مُزْعَةُ لَحْمٍ))[1]

''تم میں سے کوئی مسلسل مانگتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب وہ اللہ سے ملے گا تو اس کے چہرے پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہیں ہوگی''

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''کوئی آدمی رسی پکڑے' ایندھن باندھ کر لائے' اسے لا کر بازار میں رکھے' اسے فروخت کرے' پھر اس کے ذریعے مال حاصل کرے اور اسے اپنی جان پر خرچ کرے' اس بات سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرے' وہ اسے دیں یا نہ دیں''[2]

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمانِ گرامی بیان کرتے ہیں:

((لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ، وَلَا لِذِيْ مِرَّةٍ سَوِيٍّ))[3]

''کسی تونگر اور غنی کے لیے صدقہ لینا حلال نہیں ہے اور نہ ہی کسی قوت مند اور صحت مند شخص کے لیے ہی حلال ہے''

''مِرَّةٍ'' کا معنی قوت ہے۔ جب رسی کو خوب بٹ دیا جائے تو کہا جاتا ہے ''أَمْرَرْتُ الْحَبْلَ'' میں نے رسی کو خوب بٹ دیا۔ اس حدیث مبارکہ میں ''مرۃ'' کا معنی

---

[1] صحیح بخاری' الزکاۃ' باب من سال الناس تکثراً' حدیث: ۱۴۷۴۔
صحیح مسلم' الزکاۃ' باب کراھة المسالة للناس' حدیث: ۱۰۴۰۔

[2] صحیح بخاری' الزکاۃ' باب الاستعفاف عن المسالة' حدیث: ۱۴۷۱۔

[3] سنن ابی داود' الزکاۃ' باب من یعطی من الصدقة وحد الغنی' حدیث: ۱۶۳۴۔
سنن ترمذی' الزکاۃ' باب ما جاء من لا تحل له الصدقة' حدیث: ۶۵۲۔

ہے کہ اس کی جسمانی صحت خوب ہے، اور بدنی صحت وتندرستی بھی خوب ہے کہ جس کے ساتھ تھکاوٹ اور بوجھ کو برداشت کر سکتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے، جو آدمی اپنی جسمانی قوت کے ساتھ کمانے کی قدرت رکھتا ہو اس کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے۔

ان کی مخالفت کے مزید واقعات

ابوالحسین یونس بن ابی بکر شبلی کا بیان ہے: ایک شب میرے والد رات بھر قیام میں رہے، انھوں نے اپنی ایک ٹانگ چھت پر رکھی اور دوسری صحن میں۔

اور میں نے ان سے یہ سنا:

اگر تو نے ایک مرتبہ بھی آنکھ جھپکی تو تجھے صحن میں پھینک دوں گا، چنانچہ پوری رات اس طرح گزاری، جب صبح ہوئی تو مجھے کہنے لگے: اے میرے بیٹے! آج شب میں نے اللہ عزوجل کا ذکر کرنے والا کوئی نہیں سنا، بجز ایک مرغ کے جو فقط دو دانق[1] کے برابر ہوگا۔

اس شخص نے دو ایسی چیزوں کو اکٹھا کر لیا ہے جو نا جائز ہیں:

پہلی: اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا، اگر اس پر نیند کا غلبہ ہو جاتا تو نیچے گر پڑتا اور اپنے نفس کو نقصان پہنچاتا، اس میں کیا شک ہے کہ اگر وہ اپنے نفس کو خود گرا لیتا، تو بڑی نافرمانی کا مرتکب ہوتا، لہٰذا اس کا گرانے کے لیے اپنے آپ کو پیش رکھنا بھی معصیت ہے۔

اور دوسری: اس نے اپنی آنکھ کو نیند کا کچھ حصہ بھی نہیں دیا جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((اِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَاِنَّ لِزَوْجَتِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَ اِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا))[2]

''بلاشبہ تیرے بدن کا بھی تجھ پر حق ہے، اور یقیناً تیری زوجہ کا بھی تجھ پر حق ہے، اور بے شک تیری آنکھ کا بھی تیرے اوپر حق ہے''

---

1. ایک دانق، چاندی کا ایک پرانا سکہ، تہائی درہم کے برابر ہوتا تھا، یعنی دو دانق مساوی دو تہائی درہم
2. صحیح بخاری، الصوم، باب حق الجسم فی الصوم، حدیث: ۱۹۷۵۔
صحیح مسلم، الصیام، باب النهی عن صوم الدهر لمن تضرر به، حدیث: ۱۱۵۹۔

نبیٔ کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

((اِذَا نَعَسَ اَحَدُکُمْ، فَلْیَرْقُدْ))[1]

"جب تم میں سے کوئی اونگھنے لگے' تو اسے چاہیے کہ سو جائے"

نبیٔ اکرم ﷺ ایک بندھی ہوئی رسی کے پاس سے گزرے جسے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے باندھ رکھا تھا' جب وہ اونگھنے لگتیں تو اسے تھام لیتیں' آپ نے اسے کھولنے کا حکم صادر فرمایا اور یہ فرمایا:

((لِیُصَلِّ اَحَدُکُمْ نَشَاطَهٗ، فَاِذَا کَسِلَ اَوْ فَتَرَ فَلْیَقْعُدْ))

"تم میں سے ایک آدمی اپنی ہوشیاری میں نماز پڑھتا رہے' لیکن جب وہ سستی پائے یا تھکاوٹ کا احساس پائے' تو اسے چاہیے کہ بیٹھ جائے"

حسین بن احمد بن عبدالرحمٰن الصفار کا بیان ہے: شبلی عید کے دن نکلے' انھوں نے اپنی دونوں آنکھوں کی پلکوں اور ابروؤں کو منڈوایا ہوا تھا' پگڑی باندھی ہوئی تھی اور یوں پڑھتے جا رہے تھے:

لِلنَّاسِ فِطْرٌ وَّ عِیْدُ
اِنِّیْ فَرِیْدٌ وَّحِیْدُ

"لوگوں کے روزے ختم ہو گئے اور آج ان کی عید ہے جبکہ میں تن تنہا رہ گیا ہوں۔"

ابوالحسن علی بن محمد بن ابی صابر دلال کا بیان ہے:

میں جامع منصور میں قبۃ الشعراء میں شبلی کے پاس کھڑا تھا' بہت سے لوگ بھی ان کے آس پاس جمع تھے' اس حلقے میں ایک خوبصورت ترین لڑکا بھی آ کھڑا ہوا' اتنا خوبصورت اور حسین و خوبرو لڑکا پورے بغداد میں نہیں تھا' وہ ابن مسلم کے لقب سے معروف تھا۔ شبلی بولے: دور چلے جاؤ' لیکن وہ نہ گیا' ادھر ہی کھڑا رہا' شبلی نے اسے دوبارہ کہا: ارے شیطان

---

[1] صحیح بخاری' الوضوء' باب الوضوء من النوم...... ' حدیث: ۲۱۲

صحیح مسلم' صلاۃ المسافرین' باب امر من نعس فی صلاتہ' حدیث: ۷۸۶ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا۔

اس میں دوران نماز اونگھنے کا ذکر ہے۔ واللہ اعلم۔

ہمارے پاس سے ہٹ جا' وہ اب کے بھی ادھر ہی کھڑا رہا' شبلی نے اسے تیسری مرتبہ کہا: یہاں سے چلے جاؤ' وگرنہ میں جو کچھ بھی تیرے اوپر موجود ہے پھاڑ ڈالوں گا' اور اس کے بدن پر انتہائی نفیس وقیمتی کپڑے تھے' چنانچہ وہ نوجوان چلا گیا' شبلی بولے:

طَرَحُوا اللَّحْمَ لِلْبُزَاةِ
عَلٰی ذِرْوَتَی عَدَنْ

''انھوں نے بازوں کے سامنے عدن کی چوٹیوں پر گوشت ڈال دیا ہے''

ثُمَّ لَامُوا الْبُزَاةَ اِذْ
خَلَعُوْا مِنْهُمُ الرَّسَنْ

''پھر انھوں نے بازوں کو ملامت کرنا شروع کر دی' جب کہ انھوں نے خود ہی انھیں کھلا چھوڑ دیا تھا''

لَوْ اَرَادُوْا صَلَاحَنَا
سَتَرُوْا وَجْهَكَ الْحَسَنْ

''اگر یہ لوگ ہماری خیر و بہتری چاہتے تو ہم سے تیرے حسین وجمیل چہرے کو چھپائے رکھتے''

ابن عقیل نے کہا ہے: جس نے بھی یہ بول بولا ہے' یقیناً اس نے راہ شرع سے خطا کھائی ہے' کیونکہ وہ تو یوں کہہ رہا ہے: اللہ تعالیٰ نے اس انسان کو فقط فتنہ پروری کے لیے ہی تخلیق کیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اسے تو اللہ تعالیٰ نے حصول عبرت اور باعث آزمائش بنایا ہے کیونکہ آفتاب تو روشنی دینے کے لیے تخلیق کیا گیا ہے نہ کہ پرستش و پوجا کی خاطر۔

احمد بن محمد نہاوندی کا بیان ہے: شبلی کا پوتا فوت ہوگیا جس کا نام علی تھا۔ اس کی ماں نے اپنے بال نوچ ڈالے۔ شبلی کی بہت بڑی گھنی ڈاڑھی تھی۔ انھوں نے ساری ڈاڑھی منڈوانے کا حکم دے دیا۔ ان سے دریافت کیا گیا: اے استاذ! آپ کو اس عمل پر کس نے ابھارا ہے؟ تو بولے: اس (مرحوم) کی ماں نے اس مفقود پر اپنے بال نوچ کر کاٹ ڈالے

ہیں' کیا میں اس موجود پر اپنی ڈاڑھی نہیں منڈوا سکتا؟

عبداللہ بن علی سراج کا بیان ہے: بعض اوقات شبلی نفیس وعمدہ لباس پہنا کرتے تھے' پھر اسے اتار کر آگ کے اوپر رکھ دیتے تھے۔

راوی کہتا ہے: ان کے متعلق یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ انہوں نے عنبر کا ایک ٹکڑا لیا' پھر اسے آگ پر رکھا اور اس کے ساتھ گدھے کی دم کو دھونی دی۔

سراج نے کہا ہے: ان سے ایک روایت یوں بھی ہے کہ انہوں نے زمین فروخت کی تو اس کی قیمت کو بکھیر دیا' حالانکہ ان کے بال بچے بھی تھے' انھیں کچھ بھی نہ دیا۔

انہوں نے ایک قاری صاحب کو یوں پڑھتے ہوئے سنا:

﴿ اخْسَئُوا فِيهَا ﴾ (المومنون : ۲۳/ ۱۰۸)

''پھٹکارے ہوئے یہیں پڑے رہو''

تو کہنے لگے: کاش کہ میں بھی ان میں سے ایک ہو جاؤں۔

اس آدمی کا یہ خیال ہے کہ ان سے کلام کرنے والا وہ اللہ تعالیٰ ہوگا' حالانکہ اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں کرے گا' پھر ایک صورت یہ بھی ہے کہ اگر ان سے بطور تحقیر واہانت کلام بھی کرے' تو اس میں تقاضا اور تمنا کرنے کی کون سی چیز ہے؟

سراج نے کہا ہے: شبلی نے ایک روز اپنی مجلس میں کہا: اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں' اگر وہ جہنم پر تھوک دیں تو اسے بجھا دیں۔

یہ تو بالکل ویسی بات ہے جسے ہم ابو یزید کے متعلق ذکر کر آئے ہیں' دونوں کی گفتگو ایک ہی برتن سے ہے۔

ابو علی دقاق کا بیان ہے: مجھ کو خبر پہنچی ہے کہ شبلی نے اتنا اتنا نمک کا سرمہ لگایا تھا تاکہ مسلسل شب بیدار رہے اور نیند ان کے قریب تک نہ آئے۔

یہ انتہائی قبیح فعل ہے' کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے نفس کو مبتلائے اذیت بنائے' حالانکہ یہ حرکت تو اندھا بنانے کا باعث ہے اور مسلسل بیدار رہنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں حقوق النفس کی ادائیگی ساقط ہوتی ہے اور ظاہر یہی ہو رہا ہے کہ اس قدر

جاگنے نے اور اتنی کم خوری ہی نے انہیں ان احوال و افعال کی طرف دھکیل دیا ہے!!

ابو حامد غزالی نے یہ حکایت نقل کی ہے کہ شبلی نے پچاس دینار پکڑے اور انھیں دریائے دجلہ کی لہروں کے حوالے کر دیا' اور بولے: کسی نے بھی تیری عزت کی' اللہ نے اسے ذلیل و خوار کر دیا۔

مجھے ابو حامد پر شبلی سے کئی درجے زیادہ تعجب ہو رہا ہے' کیونکہ انہوں نے رد کرنے کے بجائے از راہ مدح و ستائش اس حکایت کو نقل کیا ہے۔ فقاہت کا اثر کہاں گیا؟!

صوفیاء کی فقہی جہالتیں

حسین بن عبد اللہ قزوینی کا بیان ہے: مجھے "بنان"[1] کے ایک ہم نشین نے یوں بیان کیا ہے کہ ایک روز میرا کھانا (روزینہ) میرے لیے دشوار اور ناممکن الحصول سا بن گیا' اور مجھے ضرورت لاحق ہوئی' میں نے راستے میں سونے کا ایک ٹکڑا گرا پڑا دیکھا' میں نے اسے اٹھانے کا ارادہ کیا لیکن مجھے خیال آیا کہ یہ تو لقطہ ہے' میں نے اسے چھوڑ دیا' پھر مجھے وہ حدیث یاد آئی جو اس طرح بیان کی جاتی ہے:

((لَوْ اَنَّ الدُّنْيَا كَانَتْ دَمًا عَبِيطًا' لَكَانَ قُوْتُ الْمُسْلِمِ مِنْهَا حَلَالًا))[2]

"اگر دنیا تازہ خون بھی ہو جائے' تو اس میں سے مسلمان کی روزی حلال ہے"

چنانچہ میں نے اسے پکڑا اور اپنے منہ میں رکھ کر تھوڑی دور تک چلا تھا کہ ایک ہجوم تک پہنچ گیا جس میں لڑکے تھے' ان میں سے ایک انھیں گفتگو سنا رہا تھا' تو ایک نے اسے یہ کہا: بندہ صداقت کی حقیقت کو کب پا سکتا ہے؟ اس لڑکے نے یوں جواب دیا: جب وہ

---

[1] یہ "بنان الحمال" ہے' جو زہد و تصوف سے موسوم معروف افراد میں سے ایک ہے' اس کے حالات زندگی "طبقات الصوفیہ" (ص ۲۹۱-۲۹۴) میں موجود ہیں۔ یہ کتاب سلمی کی ہے۔

[2] یہ روایت موضوع ہے' جس طرح کہ "احادیث القصاص" (نمبر ۷۹) "تنزیہ الشریعۃ" (۲/۱۹۹) اور "مقاصد الحسنۃ" (۸۹۸) میں ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے' کیسے بُرے افعال سر انجام دیتے ہیں اور ان کاموں کے لیے موضوع روایات سے دلیل لیتے ہیں!

اپنے منہ سے ٹکڑا پھینک دے' چنانچہ میں نے اسے باہر نکالا اور پھینک دیا۔

فقہاء کا اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس کا وہ ٹکڑا پھینکنا جائز نہیں تھا' اور اس بات پر بھی تعجب ہے کہ اس نے ایک بچے کی بات پر اسے پھینک دیا حالانکہ اسے یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے!

ابو حامد غزالی نے یہ حکایت بیان کی ہے کہ شقیق بلخی' ابو القاسم زاہد کے پاس آئے' ان کی چادر کے ایک کنارے میں کوئی چیز بندھی ہوئی تھی۔ انہوں نے ان سے کہا: تیرے پاس کون سی چیز ہے؟ وہ بولے: چند بادام ہیں جو میرے بھائی نے مجھے دیے ہیں اور اس نے یہ کہا تھا: مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ آپ ان سے افطاری کریں' تو انہوں نے کہا: اے شقیق! تو اپنے نفس کے متعلق بیان کر رہا ہے کہ یہ شب آنے تک باقی رہے گا' میں تجھ سے کبھی کلام تک نہیں کروں گا' چنانچہ انہوں نے میرے سامنے دروازہ بند کیا اور اندر چلے گئے۔

اس باریک فقاہت کی طرف دیکھو' کس طرح اس نے ایک مسلمان کو جائز فعل بلکہ مستحب عمل پر چھوڑ دیا ہے کیونکہ انسان تو مامور ہے کہ اپنی افطاری کے لیے کچھ تیار کرے' اور کسی وقت آنے سے پیشتر کسی چیز کی تیاری کر لینی دور اندیشی ہے' اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ ﴾ (الانفال: ۸/ ۶۰)

''تم ان کے مقابلے کے لیے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری کرو''

اور خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواجِ مطہرات کے لیے سال بھر کا اناج ذخیرہ فرمایا تھا۔[1] سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنا نصف مال لائے تھے اور نصف باقی ذخیرہ رکھا تھا' اور رسول اللہ ﷺ نے ان پر کوئی اعتراض نہ کیا تھا۔

علم سے جاہل رہنے نے ان زاہدوں کو خراب کر دیا۔

احمد بن اسحاق عمانی کا بیان ہے: میں نے ہندوستان میں ایک شیخ دیکھا' جو ''صابر''

---

[1] صحیح بخاری' النفقات' باب حبس الرجل قوت سنة علی اهله' حدیث: ۵۳۵۷۔
صحیح مسلم' الجهاد' باب حکم الفیء' حدیث: ۱۷۵۷۔

کے نام سے مشہور تھا' تقریباً ایک صدی سے اس نے اپنی ایک آنکھ کو بند کیے رکھا' میں نے اس سے پوچھا: اے صابر! آپ کا صبر کس حد تک پہنچ چکا ہے؟ وہ بولا: میں نے زینت دنیا کو دیکھنے کا ارادہ کیا تھا' لیکن مجھے اس سے راحت وسکون لینا پسند نہ آیا' چنانچہ میں نے عرصہ اسی برس سے اپنی آنکھ کو بند کر رکھا ہے' اسے بالکل نہیں کھولا۔

میں عرض کرتا ہوں: اس کا قصد تھا کہ فقط ایک آنکھ ہی سے دنیا کو دیکھتا رہے' ہم اللہ تعالیٰ سے عقلوں کی سلامتی کے لیے دعا گو ہیں۔

یوسف بن ایوب ہمدانی نے اپنے شیخ عبداللہ جونی سے یہ مقولہ حکایت کیا ہے: اس سلطنت[1] کو میں نے محراب سے نہیں نکالا' بلکہ بیت الخلاء نے اسے نکال دیا ہے!

کہتا ہے: میں بیت الخلاء میں خدمت کیا کرتا تھا' ایک روز میں اسے جھاڑو دے رہا تھا اور اس کی صفائی کر رہا تھا کہ میرے نفس نے مجھ سے کہا: تو نے اپنی ساری عمر ہی ادھر گزار دی ہے! میں نے جواب دیا: اے جان! تو اللہ کے بندوں کی خدمت گزاری سے نفرت کرتی ہے' چنانچہ میں نے گٹر کا منہ کھولا' اور اپنے نفس کو اس میں گرا دیا اور وہاں میں اپنے منہ میں نجاست بھرنے لگا' بالآخر وہ لوگ آئے' انہوں نے مجھے نکالا اور مجھے نہلایا دھلایا!

اس بچارے کو دیکھو' اپنے پیچھے ساتھی جمع کرنے کو ''سلطنت'' قرار دینے کا اعتقاد رکھے ہوئے ہے اور اس کا یہ اعتقاد بھی ہے کہ یہ سلطنت اسے اپنے نفس کو نجاست میں گرانے اور اسے منہ میں بھرنے سے حاصل ہوئی ہے۔ اسے ایسی فضیلت اور مقام بلند مل گیا ہے کہ اس کے اصحاب و احباب بکثرت ہو گئے ہیں حالانکہ یہ حرکت ایسی ہے جو معصیت ہے اور مستوجب سزا ہے۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ جب ان لوگوں نے علم کو کھو دیا تو ان کی حماقتیں اور مخبوط الحواسی بڑھتی گئی۔

محمد بن علی الکتانی کا بیان ہے: حسین بن منصور مکہ میں اپنے ابتدائی سفر تصوف کے

---

[1] یعنی جو شہرت اسے دوستوں کے ہاں حاصل ہے وہ محراب میں عبادت کا نتیجہ نہیں بلکہ بیت الخلاء کا کیا دھرا ہے جسے وہ ابھی بیان کرے گا۔

ایام میں داخل ہوا' ہم نے قدرے کوشش کر کے اس کا جبہ حاصل کر لیا' اس سے ہم نے جوئیں نکالیں' ان کا وزن کیا تو کثرت مجاہدہ اور شدت ریاضت کے باعث ان کا وزن ''نصف دانق'' تھا!

اس جاہل کی نظافت کا حال دیکھو جس پر شرع نے رغبت دلائی ہے' حتیٰ کہ شرع نے تو محرم (حالت احرام والے) کے لیے بھی ایسے ناجائز بالوں کو جوؤں وغیرہ سے نجات کی غرض سے مونڈوانا مباح رکھا ہوا ہے۔[1] اور پھر اس ممنوع فعل کی کمی کو پورا کرنے کے لیے فدیہ رکھا ہے لیکن اس آدمی سے بڑھ کر وہ آدمی جاہل ہے جو اسے مجاہدہ کا نام دیتا ہے۔

تذلیل عزت وعظمت

صوفیاء میں ایک قوم ایسی بھی ہے جو گناہوں میں مشغول رہتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمارا مقصود یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو لوگوں کی نظروں سے گرائے رکھیں اور اپنی عظمت نفوس سے سلامت رہیں' حالانکہ ان لوگوں نے تو مخالفت شرع کے باعث اپنی عظمتوں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سے پہلے ہی گرایا ہوا ہے۔

آپ انھیں دیکھیں گے کہ ایسی ایسی قبیح حرکات کا اظہار کریں گے کہ جو ان میں موجود بھی نہ ہوں گی اور ان خوبیوں کو چھپائیں گے جو ان میں ہوں گی!!

ان کی یہ حرکتیں انتہائی بری اور قبیح ہیں' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے حق میں یوں فرمایا تھا:

((هَلَّا سَتَرْتَهُ بِثَوْبِكَ يَا هٰذَا)) [2]

---

[1] اس ضمن میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فرمان اقدس ہے۔
﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ﴾ (البقرة: ۱۹۶/۲)
''البتہ تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو اس پر فدیہ ہے' خواہ روزے رکھ لے' خواہ صدقہ دے دے' خواہ قربانی کرے۔''

[2] سنن ابی داؤد' الحدود' باب الستر علی اهل الحدود' حدیث: ۴۳۷۷۔

''ارے! تونے اسے اپنے کپڑوں میں کیوں نہ چھپا لیا۔''

رسول اللہ ﷺ کے پاس سے کوئی صحابی گزرا جبکہ آپ اپنی زوجہ محترمہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے محو گفتگو تھے' تو آپ نے اسے فرمایا:

((إِنَّهَا صَفِيَّةُ))

''یہ تو صفیہ ہے''[1]

بلاشبہ لوگ جان چکے ہیں' اس کنارہ کشی کرنے اور دور رہنے کو جو بدگمانی کو لازم کر دیتی ہے کیونکہ مومن لوگ تو زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہیں۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے نکلے' لیکن وقت گزر چکا تھا' آپ نے لوگوں کو واپس پلٹتے ہوئے دیکھا تو چھپ گئے تا کہ آپ کے متعلق لوگوں کو بدگمانی نہ ہو۔

ایک آدمی نے کسی صحابی سے کہا: میں نے فلاں فلاں گناہ کیے ہیں تو اس نے فرمایا:

((لَقَدْ سَتَرَ اللّٰهُ عَلَيْكَ لَوْ سَتَرْتَ عَلٰى نَفْسِكَ))

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تو تیری پردہ پوشی فرمائی ہوئی ہے' کاش کہ تو بھی اپنی پردہ پوشی ہی رکھتا''

تو یہ لوگ ہیں جنھوں نے شرع کی مخالفت مول لے رکھی ہے اور انھوں نے اس ارادے اور ذہن کو کاٹنے کا پروگرام بنا رکھا ہے جس پر نفوس کو فطرۃً پیدا کیا گیا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری' الاعتکاف' باب زیارہ المرأۃ زوجھا فی اعتکافہ' حدیث: ۲۰۳۸۔
صحیح مسلم' السلام' باب بیان انہ یستحب لمن روی خالیا بامرہ' حدیث: ۲۱۷۵۔

بالشوازم کے لوگ

بالشوازم کے کئی لوگ خون اور جان کی حفاظت کرنے کے لیے صوفیاء میں گھس آئے اور ان کی مشابہت اختیار کر گئے۔ ان کی تین اقسام ہیں:

پہلی قسم

کفار' ان میں سے ایک قوم ایسی ہے' جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات کے منکر ہیں' اور ایک قوم ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ کا تو اقرار کرتی ہے لیکن نبوت کی انکاری ہے۔ ان کا خیال ہے کہ انبیاء جو کچھ لائے ہیں وہ مشکل اور ٹیڑھا ہے۔

ان لوگوں نے جب نفسانی خواہشات میں اپنے نفوس کو مست کرنا چاہا تو انھیں اپنے خون محفوظ رکھنے' روپوش ہونے اور نفسانی اغراض حاصل کرنے کے لیے صوفیاء کے مذہب سے بہتر کوئی اور مذہب نظر نہ آیا' لہٰذا وہ اس میں ظاہراً داخل ہو گئے جبکہ باطن میں وہ کافر ہی رہے' ان لوگوں کے لیے تو فقط تلوار ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے۔

دوسری قسم

ایسی قوم جو اسلام کا اقرار تو کرتے ہیں مگر اپنے افعال میں وہ اپنے شیوخ کی بلا دلیل تقلید کرتے رہتے ہیں اور یہ وہی کچھ کرتے ہیں جو وہ شیوخ انھیں حکم دیتے ہیں یا جن امور پر یہ انھیں بچشم خود ملاحظہ کر لیتے ہیں۔

تیسری قسم

ایسی قوم جنھیں شبہات درپیش آئے اور انھوں نے ان شبہات کے تقاضوں پر عمل کیا۔[1]

---

[1] تو ایسے بندے کے لیے جس کے سینے کو اللہ تعالیٰ نے کھول دیا ہے کہ حق کی دلائل کے ساتھ اور راہ راست ←

ان لوگوں کے شبہات کی اصل بنیاد یہ تھی کہ جس وقت انھوں نے لوگوں کے مذاہب پر نگاہ ڈالی' تو ابلیس نے انھیں یہ مغالطہ دیا اور انھیں یہ باور کرایا کہ شبہہ دلائل اور حجتوں کے معارض ہوتا ہے اور اسے پہچاننا مشکل ہے' اور مقصود اصلی اس سے کہیں بالاتر ہے کہ وہ علم کے ذریعے حاصل ہو جائے بلکہ یہ تو صرف عطیہ الٰہی ہے جو خود بخود بندے کی طرف چلا آتا ہے' یہ طلب و جستجو سے ہاتھ نہیں آتا۔ اس طرح ابلیس نے ان کے لیے وہ نجات کا راستہ ہی بند کر دیا جو کہ ''طالب علمی کا راستہ'' تھا' چنانچہ یہ لوگ علم کے نام ہی سے بغض و کینہ رکھنے لگے' جس طرح کوئی رافضی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ناموں سے بغض و کینہ رکھتا ہے' اور یہ لوگ کہتے ہیں: علم پردہ ہے اور علماء علم کے باعث مقصود اصلی سے پردے میں ہیں۔

اگر کوئی عالم حقانی ان پر اعتراض کرے' تو یہ اپنے پیروکاروں سے کہتے ہیں: یہ باطن میں ہمارے ہی موافق ہے' یہ تو صرف ان کمزور عقلوں والے عوام کے سامنے ہماری مخالفت کر رہا ہے۔

اگر کوئی ان کی مخالفت میں زیادہ ہی زور لگائے' تو کہتے ہیں: یہ احمق اور بے عقل ہے جو شریعت کی بندھنوں میں بندھا ہوا ہے۔ یہ تو مقصود اصلی سے پردے میں ہے۔

پھر اپنے انھیں شبہات پر عمل پیرا رہتے ہیں جو ان کے دماغوں میں وارد ہوتے ہیں' اگر وہ سمجھ دار ہوتے' تو یقیناً جان لیتے کہ ان کا علم تو اپنے ہی شبہات کے مقتضی پر عمل پیرا رہتا ہے اور ان کے انکار نے علم کو باطل قرار دیا ہوا ہے۔

ابھی میں ان کے چند شبہات کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان شاء اللہ تعالیٰ ان کا تجزیہ بھی پیش کرتا ہوں۔

قضا و قدر

انھوں نے کہا ہے: جب پہلے ہی سے تمام امور مقدر ہو چکے ہیں' کچھ لوگوں کو

← کی حجتوں اور براہین کے ساتھ معرفت حاصل کرے اور کسی طرح ایسے اصحاب شبہات کی طرف' ان کی چکنی چپڑی باتوں کی طرف' ان کی ظاہری شر پسند عبارتوں کی طرف التفات نہ کرے' کیونکہ
((اَلْقُلُوْبُ ضَعِيْفَةٌ وَالشُّبَهُ خَطَّافَةٌ))
''دل کمزور ہوتے ہیں اور شبہات اچک لینے والے ہوتے ہیں''

سعادت اور کچھ لوگوں کو شقاوت کے ساتھ مخصوص کیا جا چکا ہے اور سعید شقی نہیں بن سکتا اور شقی صاحبِ سعادت نہیں ہو سکتا' اور اعمال بالذات مراد بھی نہیں ہوتے بلکہ سعادت کے حصول کے لیے اور شقاوت کو دور رکھنے کے لیے سرانجام دیے جاتے ہیں' اور اعمال تو وجود میں ہم سے سبقت لے جا چکے ہیں (یعنی تقدیر میں مقدر ہو چکے ہیں) تو پھر کسی عمل میں نفس کو تھکانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ ہم کسی لذیذ و محبوب فعل سے نفس کو روک بھی نہیں سکتے کیونکہ تقدیر کا نوشتہ تو ہر صورت واقع ہو کر رہنے والا ہے۔

جواب اس شبہ کا جواب یہ دیا جائے گا: یہ تو شریعت کے تمام اعمال کی تردید ہے' اور تمام آسمانی کتب کے احکامات کو باطل قرار دینا ہے' اور تمام انبیائے کرام ﷺ کی ان باتوں میں تردید کرنا ہے جو وہ لائے ہیں کیونکہ جب قرآن مجید میں یہ حکم آ رہا ہے کہ:

﴿ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ﴾ (الانعام: ۶/ ۷۲)

''نماز کی پابندی کرو''

کوئی کہنے والا یہ کہے: کیوں؟ اگر تو میں خوش بخت ہوں' تو لازماً میرا ٹھکانہ سعادت کی طرف ہی ہے اور اگر میں بدبخت ہوں تو میرا ٹھکانہ شقاوت ہی ہے' تو نماز کا قیام اور اس کی پابندی مجھے کیا نفع دے گی؟

اسی طرح جب قرآن کہے:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى ﴾ (بنی اسرائیل: ۱۷/ ۳۲)

''خبردار! زنا کے قریب بھی نہ پھٹکنا''

کوئی قائل یوں کہہ دے: میں اپنے نفس کو ایسی لذت والی چیز سے کیوں روکوں' جبکہ سعادت اور شقاوت تو فیصلہ شدہ چیزیں ہیں' ان دونوں کو لکھا جا چکا ہے اور ان سے فراغت پائی جا چکی ہے؟

فرعون بھی تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہہ سکتا تھا جبکہ انھوں نے فرعون کو کہا:

﴿ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴾ (النازعات: ۷۹/ ۱۸)

''کیا تو اپنی درستگی اور اصلاح چاہتا ہے؟''

پھر فرعون بھی خالقِ کائنات کو یہ کہہ سکتا تھا: تیرا رسول بھیجنے کا کیا فائدہ ہے جبکہ تیرا نوشتۂ تقدیر تو جاری ہونے والا ہے؟ اور جو بات بھی کتابوں کی تردید کرنے اور رسولوں کو جاہل قرار دینے کی طرف لائے وہ محال اور باطل قرار پائے گی۔

اسی لیے تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کے اس بول پر کہ ہم (نوشتہ تقدیر پر) توکل اور بھروسا نہ کرلیں' بایں الفاظ تردید فرمائی تھی:

((اِعْمَلُوْا' فَكُلٌّ مُّيَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهٗ))[1]

''تم عمل کرو' کیونکہ ہر ایک کو وہ سب دیا آجاتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے''۔

یہ بات جان لیں کہ آدمی کا کسب اس کے اختیار میں ہوتا ہے اور اس پر ہی ثواب و اور عذاب واقع ہوگا' تو جب وہ مخالفت کرتا ہے تو ہمارے سامنے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سابقہ فیصلے میں یہی مقدر تھا کہ یہ مخالفت کرے گا' تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی خلاف ورزی کرنے ہی پر سزا دے گا نہ کہ اپنے فیصلہ کرنے پر' اس لیے تو قاتل کو قتل کیا جاتا ہے اور ''اس سے تقدیر'' والا عذر قبول نہیں کیا جاتا۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تقدیر دیکھنے کے بجائے عمل کرنے کی جانب متوجہ کیا ہے' کیونکہ امر و نہی تو فی الحال ظاہر و موجود ہیں اور تقدیری فیصلے ان کے مقابلے میں ''امر باطن'' (مخفی معاملات) ہیں' اور ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم شرع کے جانے پہچانے کاموں کو تقدیر کے نامعلوم فیصلوں کی بنیاد پر ترک کر دیں۔

نبیٔ اکرم ﷺ کا یہ فرمان:

((فَكُلٌّ مُّيَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهٗ))

''ہر کسی کے لیے وہ میسر کر دیا جاتا ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔''

بھی تقدیر کے اسباب کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جس کے لیے علم کا فیصلہ کیا گیا ہے اس کے لیے طلب علم' حب علم اور فہم علم آسان کر دیے جاتے ہیں اور اس کے بالمقابل جس

---

[1] صحیح بخاری' التفسیر' سورۃ اللیل' باب فسنیسرہ للعسریٰ' حدیث: ۴۹۴۹
صحیح مسلم' القدر' باب کیفیۃ خلق الآدمی فی بطن امہ' حدیث: ۲۶۴۷ عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

کے لیے جہالت کا فیصلہ لکھا گیا ہے اس کے دل سے علم کی محبت کھینچ لی جاتی ہے' اسی طرح جس کے لیے اولاد کا فیصلہ لکھا ہوتا ہے اس کے لیے نکاح آسان بنا دیا جاتا ہے اور جس کے لیے اولاد مقدر نہیں ہوتی تو اسے نکاح کرنے کی آسانی بھی نہیں ملتی۔

اللہ تعالیٰ سے جہالت......

دوسرا شبہ: ان لوگوں نے کہا: اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے اعمال سے بے نیاز اور مستغنی ہے' ان سے متاثر نہیں ہوتا' وہ اعمال خواہ نافرمانی کے ہوں' خواہ طاعت وفرمانبرداری کے' لہٰذا ہمیں ایسے غیر مفید کاموں میں اپنے نفوس کو تھکانا نہیں چاہیے۔

جواب: اس شبہے کا جواب اولاً تو ہم پہلے والا جواب ہی دیتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ یہ شبہ پیش کرنا تو شرع کے لائے ہوئے حکموں کی تردید ہے' گویا کہ ہم رسول اور رسول بھیجنے والے سے یہ کہتے ہیں: جس کام کا تو نے ہمیں حکم دیا ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

پھر ہم اس شبہ کے بارے میں بات کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں: جو کوئی یہ وہم رکھتا ہے کہ اللہ جل وعلا کسی طاعت وفرمانبرداری سے نفع پاتا ہے یا کسی معصیت سے نقصان اٹھاتا ہے یا ان سے کوئی غرض ومقصد[1] رکھتا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا کیونکہ وہ تمام اغراض اور مقاصد سے پاک ہے' کسی طرح کے فائدے یا نقصان سے پاک ہے' بلکہ

[1] اس ضمن میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان گرامی ہے جو آپ اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ سے روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''......اے میرے بندو! تم میرے نقصان تک نہیں پہنچ سکتے کہ مجھے نقصان پہنچا لو اور نہ تم میرے نفع تک ہی پہنچ سکتے ہو کہ تم مجھے نفع ہی پہنچا لو۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے سب اول' تمہارے آخر' تمہارے تمام انسان اور تمہارے تمام جن تم میں سے سب سے زیادہ متقی آدمی کے دل پر ہو جائیں' اس سے میری بادشاہی میں کچھ بھی اضافہ نہیں ہوگا۔

اے میرے بندو! اگر تمہارے سب اول' تمہارے سب آخر' تمہارے سب انسان اور تمہارے سب جن تم میں سے بدترین آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں' تو اس سے میری بادشاہی میں ذرہ بھر نقصان نہیں ہوگا......''

اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے البر والصلة' باب تحریم الظلم' حدیث: ۲۵۷۷ میں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اعمال کا نفع تو ہماری جان ہی کی طرف پلٹ آتا ہے' جس طرح کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿ وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ۚ ﴾ (العنکبوت: ۲۹/ ۶)

''اور ہر ایک کوشش کرنے والا اپنے ہی بھلے کی کوشش کرتا ہے''

اور یہ فرمان گرامی:

﴿ وَمَنْ تَزَكَّىٰ فَإِنَّمَا يَتَزَكَّىٰ لِنَفْسِهِ ۚ ﴾ (فاطر: ۳۵/ ۱۸)

''اور جو بھی پاک ہو جائے وہ اپنے ہی نفع کے لیے پاک ہو گا''

طبیب مریض کو مریض کی مصلحت اور فائدے کے پیش نظر پرہیز کرنے کا حکم دیتا ہے' نہ کہ اپنی ذاتی اور شخصی مصلحت اور فائدے کے مدنظر' اور جس طرح غذاؤں سے بدن کو فوائد اور نقصانات ہوتے ہیں' اسی طرح نفس کے لیے بھی علم اور جہالت کے اعتقاد اور عمل کے فوائد و نقصانات ہیں۔ شارع ایک طبیب کی مثل ہے' وہ خوب جانتا ہے کہ جو وہ حکم دے رہا ہے اس میں کیا کیا فوائد اور مصلحتیں ہیں۔

رحمت الٰہی کی وسعت

صوفیاء نے کہا: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت کی وسعت تو ثابت ہے اور وہ ہم سے عاجز بھی نہیں ہے تو ہم اپنے نفسوں کو ان کی مراد سے کیوں محروم رکھیں؟

تو اس کا جواب بھی پہلے کی طرح ہے کیونکہ اس قول کے ضمن میں یہ بات شامل ہے کہ پیغمبروں کی لائی ہوئی وعیدوں کو دور پھینک دیا جائے اور جن باتوں میں شدت سے ڈرایا گیا ہے اور عذاب کا تذکرہ مبالغے کے ساتھ آیا ہے انھیں حقیر و معمولی سمجھ لیا جائے۔

اور یہ تلبیس اس طرح کھل کر سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنی ذات کی صفتِ رحمت کو ذکر کیا ہے' اسی طرح اس نے اپنی شدید گرفت کا ذکر بھی کیا ہے' اور ہم دیکھتے ہیں کہ انبیاء اور اولیاء مختلف امراض اور بھوک کی شدت سے آزمائے جاتے ہیں اور لغزشوں سے پکڑے جاتے ہیں۔

یہ کس طرح ہو رہا ہے کہ جس کے لیے قطعی نجات کا فیصلہ مقدر ہے وہ بھی اس سے خائف و ترساں ہے' خلیل اللہ علیہ السلام روز قیامت یوں کہیں گے:

''نَفْسِيْ نَفْسِيْ'' اور کلیم اللہ علیہ السلام بھی کہیں گے: نَفْسِيْ نَفْسِيْ' (میری جان' میری جان)[1]

یہ دیکھو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں جو کہہ رہے ہیں:

((اَلْوَيْلُ لِعُمَرَ اِنْ لَّمْ يُغْفَرْلَهٗ))

---

[1] یہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی شفاعت والی لمبی حدیث میں مذکور ہے۔ دیکھیے صحیح بخاری' التفسیر' سورة بنی اسرائیل' باب ذرية من حملنا مع نوح' حدیث: ۴۷۱۲۔
صحیح مسلم' الایمان' باب ادنی اهل الجنة منزلة فیها' حدیث: ۱۹۴۔

''عمر کی تباہی ہے اگر اس کی مغفرت نہ ہوئی''

یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ جو شخص رحمت کی امید رکھتا ہے' وہ اس کے اسباب پیدا کرتا ہے' اور اس کے اسباب میں سے لغزشوں سے توبہ کرنا بھی ہے' کیونکہ جو آدمی فصل کاٹنے کی امید رکھتا ہے وہ بوتا ہے' اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہوا ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ﴾ (البقرہ : ۲/ ۲۱۸)

''البتہ ایمان لانے والے' ہجرت کرنے والے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہی رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں''

یعنی امیدیں رکھنا ان لوگوں کے لائق ہے' لیکن جو گناہوں پر مصر رہنے والے ہیں[1] اور وہ رحمت کی امیدیں بھی لگائے ہوئے ہیں تو ان کی امیدیں پوری ہونا محال ہے۔

معروف کرخی نے کہا ہے: اس ذات سے تیرا رحمت کی امید وابستہ رکھنا جس کی تو بات نہیں مانتا' رسوائی اور حماقت ہے۔

---

[1] اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان اقدس ہے:

((وَيْلٌ لِّلْمُصِرِّيْنَ الَّذِيْنَ يُصِرُّوْنَ عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ))

''اپنے (برے) افعال پر اصرار کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے' جبکہ وہ جانتے بھی ہیں''

اسے امام بخاری نے ''ادب المفرد'' (۳۸۰) میں' امام احمد نے (۲/ ۱۶۵' ۶۵۴۱) میں' خطیب نے اپنی ''تاریخ'' (۸/ ۲۶۵) میں' عبد بن حمید نے ''منتخب'' (۱/ ۲۸۷) میں اور نسوی نے اپنی ''تاریخ'' (۲/ ۵۲۲) میں' سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے' اس کی سند صحیح ہے۔

مراد شرع

اس سے مراد نفس کا مجاہدہ ہے یعنی نفوس کو گندگیوں سے پاک کرنا اور جب ایک عرصہ یہ کرنے کے باوجود بھی وہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکے تو یوں کہنے لگے: ایسے کاموں میں ہم اپنے نفسوں کو کیوں مشقت میں ڈالے رکھیں جو کسی بشر کے لیے ناممکن الحصول ہیں، چنانچہ انھوں نے اسے ترک کر دیا۔

جواب: اس تلبیس کا تجزیہ یہ ہے کہ انھوں نے گمان کر لیا ہے کہ شرع کی مراد یہ ہے کہ باطن میں جو بشری صفات اور تقاضے ہیں انھیں جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے مثلاً شہوت، غضب وغیرہ اور صفات کا قلع قمع کر دینا۔

حالانکہ یہ شرع کی مراد نہیں ہے، اور نہ ہی طبیعت میں موجود ایسی صفات کو مجاہدے کے بل بوتے پر ختم کرنے کا تصور ہی کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ شہوات فائدے کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ اگر شہوت طعام نہ ہوتی تو انسان ہلاک ہو جاتا، اگر شہوت نکاح نہ ہوتی تو نسل انسانی منقطع ہو جاتی، اگر غضب نہ ہوتا تو انسان اپنے سے کسی اذیت ناک چیز کا دفاع نہ کر پاتا، اسی طرح طبائع میں حب مال مرکوز کر دی گئی ہے کیونکہ یہ شہوات تک پہنچاتی ہے۔

بلکہ مجاہدے سے مقصود تو یہ ہے کہ نفس کو ان تمام چیزوں کے تکلیف دہ پہلوؤں سے باز رکھا جائے اور نفس کو ان معاملات میں حد اعتدال میں رکھا جائے۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی نفس کو خواہشات کا غلام بنانے سے روکے رکھنے پر مدح وستائش فرمائی ہے، اور نفس کو اسی چیز سے روکا جا سکتا ہے جس کی وہ طلب رکھے۔ اور اگر اس کی طلب ہی طبعی طور پر زائل اور ختم ہو جائے تو انسان اسے باز رکھنے کا محتاج ہی نہ

رہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے یوں بھی فرمایا ہے:

﴿ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ﴾ (ال عمران : ۳/ ۱۳۴)

''غصہ پینے والے''

اور یوں نہیں فرمایا:

((وَالْفَاقِدِيْنَ الْغَيْظَ))

''غصہ نہ پانے والے''

اَلْكَظْم کا معنی ہی ''رَدُّ الْغَيْظِ'' یعنی غصے کو واپس کرنا ہے۔

جس طرح کہ کہا جاتا ہے: كَظَمَ الْبَعِيْرُ عَلٰى جِرَّتِهٖ (اونٹ اپنی جگالی نگل گیا) کیونکہ وہ اسے اپنے حلق میں واپس کر دیتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس عمل کی تعریف کی ہے جس سے غصہ پیدا کرنے والے عمل سے نفس کو روکا جائے۔

تو جس شخص کا یہ دعویٰ ہے کہ مجاہدہ اور ریاضت طبیعتوں میں تبدیلی لاتے ہیں' وہ محال امر کا دعویٰ کرتا ہے کیونکہ ریاضت و مجاہدے سے اصل مقصود تو صرف شہوت نفس اور غضب کی تیزی اور حدت کو توڑنا ہوتا ہے' سرے سے اسے ختم کرنا مقصود نہیں ہوتا' اور مجاہدہ کرنے والا بھی ایک عقل مند طبیب کی طرح ہے جو طعام سامنے آنے پر وہی کھاتا ہے جو اس کے لیے مفید اور صحت مند ہو اور جو اسے تکلیف دہ اور مضر ہو اس سے کنارہ کش اور دست کش رہتا ہے۔ اور مجاہدہ نہ کرنے والا اس جاہل نادان بچے کی مانند ہے جو ہر مطلوبہ خواہش کے مطابق کھاتا رہتا ہے اور اپنے نفس کی تکلیف کی کچھ پروا نہیں کرتا۔

منتہائے وصول

چند لوگوں نے مجاہدے میں مبالغہ آرائی سے کام لیا' تو انھوں نے کرامات یا اچھے نیک خوابوں کی طرح کچھ چیزیں دیکھیں' یا ان پر لطیف کلمات کا کچھ حصہ کھول دیا گیا جو فکر و

خلوت کا لازمی نتیجہ ہوتے ہیں تو انھوں نے یہ اعتقاد بنا لیا کہ وہ تو منزل مقصود تک رسائی پا چکے ہیں ''ہم تو منزل پر پہنچ چکے ہیں' اب ہمیں کوئی چیز نقصان وگزند نہیں پہنچا سکتی' کیونکہ جو شخص کعبہ تک پہنچ جاتا ہے' اس کا چلنا منقطع ہو جاتا ہے'' لہٰذا انھوں نے سلسلۂ اعمال ختم کر دیا۔ مگر اپنے ظاہر کو مرقعہ پوشی' جائے نماز اور رقص و وجد سے مزین کرتے رہتے ہیں' اور معرفت' وجد اور شوق میں صوفیانہ عبارتیں بولتے رہتے ہیں۔

ابن عقیل نے کہا ہے: جان لیں کہ یہ لوگ اللہ عزوجل کی اطاعت سے باہر ہو گئے ہیں اور شرع کے مقصود اصلی سے اپنے مصنوعی اور خود ساختہ مقاصد کی طرف منتقل ہو گئے ہیں۔

ان میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی عبادت شروع کر دی ہے' ان کی تعظیم و تکریم کے روپ میں' اور انھوں نے اپنے گمان کے مطابق ان چیزوں کو وسائل قرار دیا ہے۔

ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ کو واحد معبود تو تسلیم کیا ہے لیکن عبادات کی ادائیگی کو ساقط کر لیا ہے اور یوں کہتے ہیں' یہ معاملاتِ عبادت تو فقط عوام پر ہیں کیونکہ وہ معرفت سے محروم ہیں!

یہ شرک کی ایک نوع وقسم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ پہچانا کہ اس کی معرفت تو انتہائی بعید اور انتہائی بلند ذات والی ہے اور اس سے کہیں بعید تر ہے جو آگ کا خوف نہ پہچانے گا وہ اس سے کس طرح ڈرے گا' کیونکہ مخلوق نے اسے اپنی اپنی تڑپ اور سمجھ کے بقدر ہی پہچانا تھا' اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿ لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا ﴾ (الحج : ۲۲/ ۳۷)

''اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے اور نہ ان کے خون''

تو یہ نتیجہ معلوم ہوا کہ مقاصد ہی قابلِ اعتماد ہیں' شریعت کے احکام مانے بغیر فقط معرفتیں ہی کافی نہیں' جیسے کہ باطنی فرقہ کے ملحدین اور صوفیاء کے نعرے بازوں میں نظر آتا ہے۔

ابو علی روذباری سے سوال کیا گیا' جیسا کہ قبل ازیں گزر چکا ہے' اس آدمی کے بارے

میں جو یہ کہتا ہے: میں تو ایسے درجے تک رسائی پا چکا ہوں کہ اختلاف احوال مجھ پر اثر انداز نہیں ہوتے!! تو انہوں نے فرمایا تھا' جی ہاں! رسائی پا چکا ہے' لیکن دوزخ تک!!![1]

صوفیوں کی تاویلات

صوفیاء کی ناقص علمی کی وجہ سے جب ان سے ایسے ناجائز اور غلط افعال واقوال کا صدور ہوتا رہا' اور ایسے لوگوں نے بھی ان سے مشابہت اختیار کر لی جو ان میں سے نہ تھے لیکن انھوں نے انہی والا نام رکھا' اور ان سے ایسی حرکات ہوتی رہیں جو ابھی ہم نے بیان کی ہیں' اور ان میں متقی لوگ نادار ہو گئے تو علمائے کرام کی ایک جماعت نے ان کی مذمتیں بیان کیں اور ان پر عیب لگائے' حتیٰ کہ خود ان کے مشائخ عظام نے بھی انھیں عیب دار قرار دیا۔

عبدالملک بن زیاد نصیبی کا بیان ہے: ہم امام مالک کے پاس تھے' میں نے ان سے اپنے شہر کے دو صوفیوں کا ذکر کیا' اور میں نے کہا: وہ یمن کے نفیس ترین ملبوسات پہنتے ہیں اور ایسے ایسے کرتے ہیں! وہ بولا: تیری بربادی ہو! کیا وہ مسلمان بھی ہیں!!

راوی کہتا ہے: وہ اتنا ہنسا حتیٰ کہ چت لیٹ گیا۔

راوی کہتا ہے: اس کے پاس بیٹھنے والوں نے مجھے یہ کہا: ارے! ہم نے آپ سے بڑھ کر اپنے اس شیخ کے لیے کوئی بڑا عظیم فتنہ نہیں دیکھا' ہم نے اسے کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔

---

[1] اس رسائی پانے والے کی طرح کے لوگ ہمارے دور میں بھی بکثرت موجود ہیں' آپ انھیں دیکھیں گے کہ ''ولایت'' کے دعوے دار ہوں گے! حالانکہ وہ بے نماز ہوں گے! فقط ان کا یہ دعویٰ ہو گا کہ انہیں ''یقین'' آ چکا ہے!!

کیا انھوں نے کبھی تامل اور غور وفکر نہیں کیا کہ ان کا یہ یقین تو سید ولد آدم علیہ السلام کو بھی نہیں آیا تھا' اور نہ رسول اللہ ﷺ کو آیا حالانکہ آپ تو آسمانوں والی ذات کے امین تھے' آپ دار فانی سے فوت ہوئے ہیں تو نماز ہی کی وصیت فرماتے گئے ہیں اور اس کی رغبت دلاتے گئے ہیں۔

رہا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان گرامی:

﴿ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝ ﴾ (الحجر: ۱۵/ ۹۹)

''اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو یقین (موت) آ جائے''

تمام علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد موت ہے۔

یونس بن عبد الاعلیٰ کا بیان ہے: میں نے امام شافعی کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اگر کوئی شخص دن کے پہلے پہر تصوف اختیار کرے، تو وہ ظہر آنے تک احمق بن جائے گا۔

ان سے یہ بھی مروی ہے: جو چالیس روز تک صوفیاء کے ساتھ رہے گا اس کی عقل ہمیشہ کے لیے جاتی رہے گی:

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ شعر بھی پڑھا:

وَ دَعُو الَّذِيْنَ اِذَا اَتَوْكَ تَنَسَّكُوْا
وَ اِذَا خَلَوْا فَهُمْ ذِئَابٌ حِقَافُ

''ان لوگوں کو چھوڑ دو، جب وہ تیرے پاس آئیں تو عابد وزاہد بن جائیں اور جب خلوت نشین ہوں تو وہ چالاک ترین بھیڑیے بن جائیں''

سفیان کہتے ہیں: میں نے عاصم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: ہم ہمیشہ سے صوفیاء کو بے وقوفی کے ساتھ ہی دیکھتے آ رہے ہیں، البتہ یہ لوگ چرب زبانی سے پردہ پوشی کرتے رہتے ہیں۔

یحییٰ بن یحییٰ کا بیان ہے: صوفیاء کی نسبت مجھے خارجی زیادہ پسند ہیں۔

یحییٰ بن معاذ کا بیان ہے: تین طرح کے لوگوں کی صحبت سے اجتناب کرتے رہنا: علمائے غافلین، چاپلوسی کرنے والے اور صوفیاء۔ اس کتاب کی ابتداء میں صوفیاء پر رد کرتے ہوئے ہم نے ذکر کیا تھا کہ فقہائے مصر نے ذوالنون کی باتوں پر، اور بسطام کے علماء نے ابو یزید پر انکار واعتراض کیا تھا، حتیٰ کہ انھیں شہر بدر کر دیا، اور ابو سلیمان دارانی کو فقہاء نے نکال دیا، اور احمد بن ابوالحواری اور سہل تستری ان کے ہاتھوں سے بھاگ نکلے۔ اور یہ اس لیے ہوا کہ اسلاف سنت کی حفاظت کے لیے ذرہ بھر بدعت سے بھی بھاگا کرتے تھے اور ان سے لاتعلق رہتے تھے۔

---

1 اس منہج وطریق کو ایسے لوگوں نے ...... افسوس صد افسوس...... جو آج کل اسلاف سے نسبت رکھتے ہیں، مگر جس پر میرا رب رحمت فرمائے رکھے...... آپ انھیں دیکھیں گے کہ وہ ان اہل بدعت اور ایسے گمراہوں سے تعلقات وروابط قائم کرتے رہتے ہیں، بجائے اس کے کہ ان کو اجاگر کرتے، یہ تو ان کے لیے در پردہ شکاری جال اور تلبیسات سنتے رہتے ہیں۔
یہ لوگ ان سے حسن ظن رکھتے ہیں، یہ لوگ برے کام کر رہے ہیں!

ابو الفتح بن سامری نے مجھے یہ بیان کیا: صوفیاء کے خلوت خانے میں ایک فقیہ کی فوتیدگی پر کچھ فقہاء تعزیت کے لیے بیٹھے ہوئے تھے تو شیخ ابو الخطاب کوذانی الفقیہ میرے سہارے سے وہاں تشریف لائے حتیٰ کہ وہ رباط (خلوت خانہ) کے دروازے پر کھڑے ہوئے اور یوں گویا ہوئے: مجھے اس خلوت خانے میں داخل ہوتے ہوئے میرا کوئی پرانا ساتھی یا شیخ مجھے دیکھ لے' یہ خیال مجھے گراں گزرتا ہے۔

میں عرض پرداز ہوں: ہمارے سلف صالحین کا یہ طریقہ کار تھا' البتہ ہمارے زمانے میں بھیڑیوں اور بکریوں نے باہم صلح کر لی ہے!

صوفیاء کی مذمت بیان کرنے کی چند وجوہات

ابن عقیل نے کہا: میں چند ایسی وجوہات کی بنا پر صوفیاء کی مذمت بیان کرتا ہوں جن کے ارتکاب پر شرع مذمت کو لازم قرار دیتی ہے' جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

انھوں نے بیکاری کے اڈے رباط (خلوت خانے) بنائے ہوئے ہیں' یہ مساجد میں جماعات سے الگ تھلگ ہو کر ادھر کے ہو بیٹھے ہیں' یہ خانقاہیں مسجدیں ہیں اور نہ ہی گھر ہیں اور نہ ہی سرائے ہیں' بلکہ یہ کاروبارِ معاش سے معطل ہو کر بے کاری کی خاطر انہی میں ڈٹے ہوئے ہیں۔

انھوں نے اپنے آپ کو فقط خورد ونوش کے لیے اور رقص وغناء کے لیے چوپاؤں کی مثل لحیم وشحیم بنا رکھا ہے۔

انھوں نے خوش نما اور دیدہ زیب جبوں پر اپنا اعتماد بنا رکھا ہے جو مخصوص رنگوں کے ساتھ آراستہ ہوتے ہیں اور عوام الناس اور مستورات کے دلوں میں اثر آفرینی رکھتے ہیں۔

یہ لوگ خواتین اور نوخیز نوجوانوں کو شکلوں اور ملبوسات کے تصنع اور سجاوٹ کے ساتھ اپنی طرف مائل کرتے ہیں' یہ لوگ کسی بھی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں مستورات موجود ہوتی ہیں' لیکن جب یہ وہاں سے برآمد ہوتے ہیں تو بیویوں کے دل اپنے خاوندوں کے برخلاف خراب ہو چکے ہوتے ہیں۔

پھر یہ لوگ ظالموں' جابروں' فاجروں' غاصبوں مثلاً ٹیکس خوروں سے اشیائے طعام

اور نفقات وصدقات قبول کرتے ہیں۔

دوران سماع نوخیز بے ریش لڑکوں کو اپنے پہلوؤں میں بٹھاتے ہیں اور پھر انھیں آفتاب کی کرنوں کی نموداری تک اپنے پاس رکھنے کی کوشش کرتے ہیں' اور غیر محرم مستورات سے اختلاط رکھتے ہیں اور پھر انھیں خرقہ پوشی[1] کی دلیل کے ساتھ قائم رکھتے اور ان کی ڈھارس بندھاتے ہیں۔

یہ لوگ طرب کو وجد' دعوت کو وقت اور لوگوں کے کپڑوں کو باہم تقسیم کر لینے کو حکم کا نام دیتے ہیں۔

جس گھر میں انھیں بلایا جائے' اس سے نئی دعوت کی تاریخ کے بغیر بالکل نہیں نکلتے' اور یہ لوگ کہتے ہیں: کہ یہ بھی واجب ہوگئی ہے۔

ایسا اعتقاد رکھنا کفر ہے اور اس کا کرنا فسق و نافرمانی ہے۔ کہتے ہیں: لکڑیوں (آلات موسیقی) کے ساتھ گانے سننے میں قربت ہے۔ ہم نے ان سے یہ بھی سنا ہے کہ گویے کی لے کے وقت اور تکیوں کی حاضری کے وقت کی دعائیں ''قبول'' ہوتی ہیں۔ ان کا یہ اعتقاد بھی ہے کہ یہ بھی قربت ہے۔

حالانکہ یہ بھی کفر ہے کیونکہ جو فعل حرام اور عمل مکروہ کو باعث قربت سمجھے گا وہ اس عقیدے کے ساتھ کافر ہو جائے گا' علمائے کرام اس گانے کی حرمت و کراہت کے بین بین ہیں۔[2]

یہ لوگ اپنے نفوس کو اپنے شیوخ اور ارباب طرائق کے سامنے بے حس وحرکت رکھ

---

[1] یہ ایک نئی بدعت ہے' خرقہ پوشی کی بدعت' شرع میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے' جس طرح کہ قبل ازیں بھی سخاوی کا قول گزر چکا ہے۔

[2] آلات موسیقی اور سامان لہو وطرب کی حرمت پر دلیل کئی وجوہ طریق سے صحیح ثابت شدہ ہے' سب سے قوی روایت جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی ''صحیح'' میں ذکر کیا ہے:

((لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَّ وَالْحَرِيرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ......))

''میری امت میں ضرور ایسے لوگ ہوں گے جو زنا' ریشم' شراب اور آلات موسیقی کو حلال سمجھیں گے''

صحیح بخاری' الاشربۃ' باب ما جاء فیمن یستحل الخمر' حدیث: ۵۵۹۰۔

دیتے ہیں، اگر کسی بے ریش نوخیز کو بوسہ دے تو کہا جاتا ہے: رحمت ہے، اور اگر کسی اجنبی خاتون سے خلوت میں ہو جائیں، تو کہا جاتا ہے: اس کی بیٹی ہے، کیونکہ یہ بھی تو خرقہ پہن چکی ہے، اگر کپڑے کو اس کے مالک کی رضا مندی کے بغیر دوسروں میں تقسیم کر دے، تو کہا جاتا ہے: یہ خرقہ کا حکم ہے۔

ہمارا تو کوئی ایسا شیخ نہیں ہے کہ ہم اپنے حال کو اس کے حوالے کر دیں، کیونکہ شرعی امور میں دخل اندازی کی کسی کو بھی جرأت نہیں۔

اگر ہمارا کوئی شیخ ایسا ہوتا جس کا حال ہم قابل تسلیم مانتے، تو وہ شیخ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوتے۔

میں عرض گزار ہوں: انھوں نے تو یوں فرمایا ہے: اِنْ اِعْوَجَجْتُ فَقَوِّمُوْنِ "اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کر دینا۔"[1]

آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا: تم اپنا آپ میرے حوالے کر دینا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی دیکھیں کہ کس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے سوالات و اعتراضات کیے تھے۔[2] ذرا دیکھو! یہ ایک صحابی ہیں، یہ فرما رہے ہیں:

"آپ ہمیں تو بلا ناغہ مسلسل روزے رکھنے سے منع فرماتے ہیں جبکہ خود وصل فرماتے ہیں؟"[3]

پھر اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے فرشتے کہتے ہیں:

﴿ اَتَجْعَلُ فِيْهَا ﴾ (البقرہ: ۲/۳۰)

"کیا تو اس (زمین) میں بنائے گا"

اور موسیٰ علیہ السلام یوں کہتے ہیں:

---

[1] سیرۃ ابن ہشام (ص: ۶۷۰-۶۷۱)، طبقات ابن سعد (۳/۱۸۲/۱۸۳)

[2] یہ اعتراض اصل حکم پر نہیں تھا، بلکہ یہ اعتراض تو استفسار و توضیح کی خاطر تھا۔

[3] صحیح بخاری، الصوم، باب النهی عن الوصال، حدیث: ۱۹۶۲
صیحح مسلم، الصیام، باب النهی عن الوصال، حدیث: ۱۱۰۲۔

﴿ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ ﴾ (الاعراف : ۷/ ۱۵۵)

''کیا تو ہم میں سے چند بے وقوفوں کی حرکت پر سب کو ہلاک کر دے گا؟''

انھوں نے فقط اس ''بات'' کو متقدمین کو خوش کرنے اور مریدوں پر حکومت کرنے کے لیے بنایا ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۭ ﴾ (الزخرف : ۴۳/ ۵۴)

''اس (فرعون) نے اپنی قوم کی عقل کھو دی اور انھوں نے اس کی بات مان لی''

شاید یہ ''بات'' ان کے اس گروہ کی ہو جو اس بات کے قائل ہیں کہ بندہ جب معرفت پا جاتا ہے' تو اسے کوئی فعل وعمل بھی مضر اور نقصان دہ نہیں رہتا' اور یہ آخری درجے کی زندیقیت ہے' کیونکہ فقہائے کرام کا اس فیصلے پر اجماع ہے کہ کوئی بھی ایسی حالت نہیں ہے جس تک عارف باللہ پہنچ کر عمل کی انتہاء کو پہنچ جائے بلکہ اس پر شرعی امور کی ادائیگی پر اتنی ہی سختی ہوگی جیسے انبیائے کرام کے احوال ہیں کہ صغائر کے معاملے میں بھی ان کی گرفت ہوتی ہے۔

اللہ سے ڈر جاؤ' اللہ کا خوف کھاؤ' ان دین سے فارغ اور دلیل وثبوت فراہم کرنے سے خالی لوگوں کی طرف کان نہ لگاؤ' یہ تو خالص زندیق لوگ ہیں' جنھوں نے گورنروں کے جبے یعنی قیمتی جبے اور اون پہن کر رکھی ہے' جنھوں نے آوارہ اور بدچلن ملاحدہ کے اعمال یعنی کھانا' پینا' ناچنا' گانے سننا اور شرعی معمولات کو ترک کرنا وغیرہ اختیار کر رکھا ہے۔

زنادقہ سے تو یہ جرأت و جسارت نہ ہو سکی کہ شریعت کا انکار کرتے' صوفیاء نے یہ بھی کر دکھایا۔

سب سے پہلے انھوں نے کچھ خاص نام ایجاد کیے' وہ یوں کہتے ہیں: حقیقت اور شریعت (یعنی حقیقت اور ہے اور شریعت اور ہے)

یہ انتہائی بری حرکت ہے' کیونکہ شریعت وہ ہے جسے حق تعالیٰ نے مخلوق کی مصلحتوں اور فوائد کے لیے مقرر فرمایا ہے' اس کے بعد کوئی اور حقیقت نہیں ہے[1] سوائے اس کے جو

---

[1] اس اصولی تعریف سے آپ ہمارے دور حاضر کے ایک بڑے داعی کی غلطی سمجھ جائیں گے' اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمائے اور اس سے درگزر فرمائے' جس نے اپنی اہم ترین دعوت اور اپنی جماعت کو یہی قرار دیا ہے کہ یہ ''حقیقت صوفیت'' ہے!! اس کی طرف میں نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے۔

شیاطین کے ان کے دلوں میں القاء کرنے سے واقع ہوتی ہے' لہٰذا ہر وہ شخص جو شریعت سے ہٹ کر حقیقت کا متلاشی ہو تو وہ دھوکا زدہ اور فریب خوردہ ہے۔

اور اگر وہ کسی کو حدیث کی روایت کرتے سن لیں' تو کہتے ہیں: یہ بے چارے مساکین ہیں' انھوں نے اپنا علم ایک مردے سے دوسرے مردے سے لیا ہے' جبکہ ہم نے ایسے زندہ سے علم لیا ہے جسے کبھی موت نہیں آئے گی' تو جو کہے: میرے باپ نے میرے دادے سے مجھے حدیث بیان کی' تو میں یوں کہوں گا: میرے دل نے میرے رب سے مجھے یہ حدیث بیان کی!

ان لوگوں نے ایسی خرافات کے ساتھ خود کو بھی ہلاک کر لیا ہے اور کینہ سے بھرپور دلوں کو بھی ہلاکت میں ڈال دیا ہے' اس کی خاطر ان پر اموال نچھاور کیے گئے' کیونکہ فقہائے کرام تو اطباء کی مانند ہیں۔ طبیب سے کچھ لینے کے لیے خرچ کرنا پڑتا ہے اور دواؤں کے لیے خرچہ کرنا گراں ہوتا ہے۔

فقہائے کرام سے بغض رکھنا بھی بہت بڑی زندیقیت ہے کیونکہ یہی تو انھیں اپنے فتاویٰ کے ذریعے ان کے فسق وضلالت سے خبردار کرتے رہتے ہیں۔ اور حق ثقیل اور بوجھل لگتا ہے جس طرح کہ زکوٰۃ ثقیل اور بوجھل لگتی ہے' لیکن مغنیات اور مدح گو شاعروں پر خرچ کرنا کتنا سہل لگتا ہے!

اللہ تعالیٰ شریعت کو اس طائفہ کے شر سے بچائے رکھے جن میں مندرجہ ذیل خباثتیں ہیں: لباس میں شرافت' گزران میں خوشگواری' شیریں الفاظ کے ساتھ دھوکا و فریب' جن میں ماسوائے شرعی امور کو مہمل بنانے کے اور شریعت کو بالائے طاق رکھنے کے اور کچھ بھی نہیں۔ اس لیے لوگ ان سے مانوس ہو جاتے ہیں' ان کے اہل باطل ہونے کی اس سے بڑھ کر واضح ترین اور کون سی دلیل ہو گی کہ دنیا دار لوگوں کی محبتیں ان کے ساتھ ایسی ہیں جس طرح ان کی محبتیں لہو ولعب کرنے والوں اور گانا گانے والیوں کے ساتھ ہیں۔

متکلمین اور صوفیوں سے بڑھ کر کوئی بھی شریعت کے لیے زیادہ خطرناک اور مضر نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ اپنے توہمات اور عقلی شبہات کے ساتھ لوگوں کے عقائد کو خراب کرتے ہیں' یہ لوگ اعمال کو خراب بناتے ہیں' دین کے قوانین کو منہدم کرتے ہیں اور فضول کاریوں اور

گانے سننے کو محبوب رکھتے ہیں۔

ہمارے اسلاف ایسے نہیں تھے بلکہ وہ تو عقائد کے باب میں سرتسلیم خم رکھنے والے غلام تھے جبکہ دوسری طرف محنت کرنے والے اور جفاکش تھے۔

تمام بھائیوں کو میری یہ نصیحت ہے کہ ان کے دلوں کے افکار کو متکلمین کے کلام بالکل متاثر نہ کریں اور نہ ہی ان کے کان صوفیوں کی خرافات کی طرف ہی مائل ہوں بلکہ اپنے اپنے ذرائع معاش میں مشغول رہنا صوفیوں کی بے کاری اور بطالت سے کئی درجہ بہتر ہے اور نئی راہیں نکالنے میں ترقی پانے سے ظواہر پر قائم رہنا ہی اچھا اور بہتر ہے۔

میں نے دونوں فریقوں (اہل کلام اور اہل تصوف) کے طریقوں پر سوچ بچار کی ہے۔ ان متکلمین کی انتہاء شک وشبہ جبکہ صوفیاء کی انتہاء بے دلیل دعوے ہیں۔

ابن عقیل نے کہا ہے: اہل کلام میرے نزدیک صوفیاء سے اچھے ہیں کیونکہ متکلمین بعض اوقات شکوک وشبہات کو زائل اور ختم کر دیتے ہیں' جبکہ صوفیاء تشبیہ کا وہم ڈالتے ہیں۔ ان کی اکثر باتیں الٰہی پیغامات اور پیغمبرانہ تعلیمات کو بے معنی اور ساقط کرنے کا اشارہ دیتی ہیں۔

جب یہ لوگ محدثین کے متعلق بکواس کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنا علم ایک مردے سے دوسرے مردے سے لیا ہے تو انھوں نے پیغمبرانہ تعلیمات میں طعن کیا اور واقعیت کے خلاف شور بلند کیا' کیونکہ جب کسی راستے کو عیب دار اور ذلیل سمجھا جائے گا تو اس پر چلنا چھوڑ دیا جائے گا۔

اور جس نے یوں کہا: ''میرے دل نے میرے رب سے یہ حدیث بیان کی'' تو یقیناً اس نے یہ وضاحت کر دی ہے کہ وہ رسول سے بے نیاز اور بے پرواہ ہے' اور جس نے بھی یہ کہی' بلاشبہ اس نے کفر کیا۔

تو یہ بات اس زندیقیت اور بے دینی کے تحت شریعت میں ٹھونس دی گئی ہے' اس لیے جسے ہم دیکھیں کہ وہ نقل و روایت کو معیوب گردانتا ہے تو ہم جان لیں گے کہ اس نے امر شریعت کو معطل ٹھہرا دیا ہے' ایسے قائل کی یہ بات ہم کبھی تسلیم نہیں کریں گے کہ

((حَدَّثَنِیْ قَلْبِیْ عَنْ رَبِّیْ))

''میرے دل نے میرے رب سے یہ حدیث بیان کی ہے''

کیونکہ یہ القاء شیاطین کی طرف سے ہوگا' اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ فرمایا ہے:

﴿ وَإِنَّ الشَّيٰطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰٓ أَوْلِيَآئِهِمْ ﴾ (الانعام: ٦/ ١٢١)

''بلاشبہ شیاطین اپنے دوستوں کو تعلیم کرتے ہیں''

اور یہی ظاہر ہے' کیونکہ اس نے دلیل معصوم کو تو ترک کر دیا ہے جبکہ اس دلی القاء پر اعتماد و بھروسا کر لیا ہے جس کی وساوس سے نگہداشت بھی ثابت نہیں ہے۔

ابن عقیل کا کہنا ہے: شریعت سے باہر نکلنے والے لوگ بھی بکثرت ہیں' البتہ اللہ تعالیٰ نے اس شریعت کی نقل و روایت اور حفاظت کرنے والوں کے ذریعے اس کی تائید کرتا رہتا ہے اور فقہائے عظام کے ذریعے اس کے معانی کی تائید فرماتا رہتا ہے' اور یہ فقہاء علماء کے سلاطین ہیں جو کسی بھی کذاب کو سر اٹھانے نہیں دیتے۔

ابن عقیل نے فرمایا ہے: لوگ کہتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ کسی تاجر کے گھر کو ویران کرنا چاہتا ہے تو وہ صوفیاء کے ساتھ رہنے لگتا ہے' اور میں ساتھ یوں بھی کہتا ہوں: اور اس کے دین کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو ...... کیونکہ صوفیاء نے غیر محرم اور اجنبی مردوں سے عورتوں کے لیے خرقے اور جبے پہننے کو جائز رکھا ہے۔ جس وقت وہ سماع وطرب کی محفلوں میں شریک ہوتے ہیں تو اس دوران بسا اوقات عورتوں سے عاشقانہ گفتگو بھی جاری ہو جاتی ہے اور بعض اشخاص کا بعض سے تنہائی میں بھی وقت گزرتا ہے۔ اس طرح یہ دعوت دونوں اشخاص کی شادی اور خوشی کی تقریب بھی ہو جاتی ہے۔ اس تقریب سے جب وہ باہر نکلتے ہیں تو ایک شخص کا دل دوسرے شخص سے معلق ہو چکا ہوتا ہے' ایک کی طبیعت دوسرے کی طرف مائل ہو چکی ہوتی ہے' بیوی اپنے خاوند کے خلاف ہو چکی ہوتی ہے' اور اگر خاوند کا نفس مطمئن بھی رہے تو اسے دیوث ہی کہا جائے گا۔[1]

---

[1] نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

((ثَلَاثَةٌ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ...... وَالدَّيُّوثُ))

''تین اشخاص ایسے ہوں گے جن کی طرف روز قیامت اللہ تعالیٰ دیکھے گا بھی نہیں' اور (ان میں سے ایک) دیوث ہے۔''

اگر وہ اسے روکے گا تو عورت خاوند سے طلاق لے کر اس کے پاس جانا پسند کرے گی جس نے اسے جبہ پہنایا ہوگا' اور اس کے پاس جانا چاہے گی جو اس کی طبیعت میں رکاوٹیں کھڑی نہ کرے۔

اور یوں بھی کہا جاتا ہے: فلاں خاتون نے توبہ کر لی ہے' شیخ نے اسے جبہ پوشی کروائی ہے اور وہ اس کی بیٹیوں میں سے بن گئی ہے۔ یہ نہیں کہتے: یہ کھیل تماشا اور غلطی ہے بلکہ یہ بھی کہتے ہیں: یہ مردوں کے مقام پر فائز ہوگئی ہے۔

اس طریقہ کار پر مدتیں بیت چکی ہیں اور دلوں سے کتاب وسنت کا حکم ٹھنڈا ہو چکا ہے۔

میں عرض پرداز ہوں: یہ سارا ابن عقیل کا کلام ہے۔ وہ ایک عمدہ ناقد اور تیز نظر فقیہ ہے۔

ان سے متعلق کہے گئے بعض اشعار

ابوبکر عنبری نے اپنی ذاتی روداد کو صوفیاء کے حوالے سے یوں سپرد قلم وقرطاس کیا ہے:

تَاَمَّلْتُ اَخْتَبِرُ الْمُدَّعِيْنَ
بَيْنَ الْمَوَالِيْ وَ بَيْنَ الْعَبِيْدِ

''مالکوں اور غلاموں کے درمیان دو دعویداروں میں پرکھ اور جانچ کرنے کے لیے میں نے بہت غور وفکر کیا ہے۔''

← اسے امام نسائی نے الزکاۃ' باب المنان بما اعطی' حدیث: ۲۵٦۳ میں' امام احمد نے (۲/۱۳۴) میں اور ابن حبان نے ص (۵٦۔ موارد) میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔
اس کی سند صحیح ہے۔
اس کا ایک دوسرا طریق امام احمد (۲/۶۹' ۱۲۸) میں بھی موجود ہے اور اس میں دیوث کی تفسیر بایں الفاظ موجود ہے:
((اَلَّذِیْ یُقِرُّ فِیْ اَهْلِهِ الْخَبَثَ))
''جو اپنے گھر والوں (یعنی اپنی بیوی) میں خباثت کو قبول کرتا ہے۔''
اس کی سند میں جہالت ہے۔
لیکن یہ معنی صحیح اور ثابت ہے جس طرح کہ امام ابن اثیر کی کتاب ''النھایہ فی غریب الحدیث والاثر'' (۲/۱۴۵) میں ہے اور اسی طرح ''غریب الحدیث'' (۳/۱۰۸۷) میں بھی جو کہ حربی کی تالیف ہے۔

فَاَلْفَیْتُ اَکْثَرَھُمْ کَالسَّرَابِ
یَرُوْقُكَ مَنْظَرُهٗ مِنْ بَعِیْدِ

''میں نے ان کے اکثر کو مثل سراب پایا ہے کہ دور سے جس کا نظارہ تجھے نہایت بھلا لگتا ہے۔''

فَنَادَیْتُ یَا قَوْمِ مَنْ تَعْبُدُوْنَ
فَكُلٌّ اَشَارَ بِقَدْرِ الْوُجُوْدِ

''میں نے بآواز بلند پکار پکار کر پوچھا: اے میری قوم! تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ تو سبھی نے اپنے اپنے وجود کے مطابق اشارے دیے۔''

فَبَعْضٌ اَشَارَ اِلٰی نَفْسِهٖ
وَ اَقْسَمَ مَا فَوْقَھَا مِنْ مَّزِیْدِ

''تو بعض نے ''اپنے ہی نفس'' کی جانب اشارہ کیا اور اس نے قسم کھا کر اس سے کسی مزید کی نفی کر دی۔''

وَ بَعْضٌ اِلٰی خِرْقَةٍ رُقِّعَتْ
وَ بَعْضٌ اِلٰی رَكْوَةٍ مِّنْ جُلُوْدِ

''اور بعض نے خرقہ کی طرف اشارہ کیا جو اس کے لیے پیوند لگا کر بنایا گیا تھا' بعض نے چمڑے کے پانی پینے والے ڈونگے (برتن) کی طرف اشارہ کیا۔''

وَ آخَرُ یَعْبُدُ اَھْوَآءَهٗ
وَ مَا عَابِدٌ لِلْھَوٰی بِالرَّشِیْدِ

''ایک دوسرے نے اشارہ کیا جو اپنی ہی خواہشات کی عبادت کرتا تھا حالانکہ خواہشات کا پجاری کوئی اچھا اور بھلا مانس شخص نہیں ہوتا۔''

وَ ذُوْ كَلَفٍ بِاسْتِمَاعِ السَّمَاعِ
بَیْنَ الْبَسِیْطِ وَ بَیْنَ النَّشِیْدِ

''سماع سننے کا انتہائی شوقین اور دلدادہ ہے' خواہ وہ سادہ باتیں ہوں یا نغمے اور

گیت ہوں۔"

يَئِنُّ اِذَا اَوْ مَضَتْ رَنَّةٌ
وَ يَزْأَرُ مِنْهَا زَئِيْرَ الْاَسْوَدِ

"جس وقت کوئی زوردار شور بپا ہوتا ہے تو آہیں بھرتا اور چلاتا' اور اس شور میں یہ بھی شیروں کے دھاڑنے کی مثل دھاڑتا اور گرجتا ہے۔"

يُخَرِّقُ خُلْقَانَهٗ عَامِدًا
لِيَعْتَاضَ مِنْهَا بِثَوْبٍ جَدِيْدٍ

"اور دانستہ اپنے بوسیدہ کپڑوں کو پھاڑ دیتا ہے تاکہ ان کے عوض میں نئے نویلے کپڑے پا سکے۔"

وَ يَرْمِيْ بِهَيْكَلِهٖ فِي السَّعِيْرِ
لِقَلْعِ الثَّرِيْدِ وَ بَلْعِ الْعَصِيْدِ

"اپنے ہیکل جسمانی کو دہکتی آگ میں ڈالتا ہے تاکہ "ثرید" کو قلعی کرکے (اچھی طرح برتن صاف کرے) اور حریرہ (آٹے اور گھی کے حلوے) کو زیادہ سے زیادہ کھا جائے۔"

فَيَا لِلرِّجَالِ اَلَا تَعْجَبُوْنَ
لِشَيْطَانِ اِخْوَانِنَا ذَا الْمَزِيْدِ

"ارے لوگو! کیا تم تعجب نہیں کر رہے' ہمارے بھائیوں کے شیطان پر جو مزید اضافے کرنے والا ہے۔"

يُخَبِّطُهُمْ بِفُنُوْنِ الْجُنُوْنِ
وَ مَا لِلْمَجَانِيْنِ غَيْرُ الْقُيُوْدِ

"دیوانگی کے مختلف طریقوں سے انھیں مخبوط الحواس بناتا ہے اور دیوانوں کے لیے بجز قید و بند اور بیڑیوں کے اور کیا سزا ہو سکتی ہے؟"

وَ اُقْسِمُ مَا عَرَفُوْا ذَا الْجَلَالِ
وَ مَا عَرَفُوْهُ بِغَيْرِ الْجُحُوْدِ

''اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں' انھوں نے اللہ ذوالجلال کو بالکل نہیں پہچانا' انھوں نے فقط ''انکار'' ہی پہچانا ہے۔''

وَ لَوْ لَا الْوَفَآءُ لِأَهْلِ الْوَفَآءِ
سَلَقْتُهُمْ بِلِسَانٍ حَدِيْدٍ

''اگر اہل وفاء کے ساتھ وفاداری کرنے کا اخلاقی اصول نہ ہوتا تو میں ان کے متعلق زبان درازی کرتا۔''

فَمَا لِيْ يُطَالِبُنِيْ بِالْوِصَالِ
مَنْ لَّيْسَ يَعْلَمُ مَا فِي الصُّدُوْدِ

''مجھے سمجھ نہیں آتی' وہ آدمی مجھ سے وصل کا مطالبہ کرتا ہے جو جانتا نہیں کہ باز رکھنے میں کیا مزا ہے۔''

اَضُنُّ بِوُدِّيْ وَ يَسْخُوْبِهٖ
وَ قَدْ كُنْتُ اَسْخُوْبِهٖ لِلْوَدُوْدِ

''میں تو اپنی محبت ومودت میں انتہائی بخل و کنجوسی کرتا ہوں اور وہ اس کی سخاوت کرتا ہے' اور میں تو محبت کرنے والے کے لیے اس محبت کی دریا دلی سے سخاوت کرتا ہوں۔''

وَ لٰكِنْ اِذَا لَمْ اَجِدْ صَاحِبًا
يَسُرُّ صَدِيْقِيْ وَ يَشْجُوا الْحَسُوْدُ

''لیکن جب میں کوئی ایسا شخص نہیں پاتا تو میرا دوست تو خوش ہوتا ہے جبکہ انتہائی زیادہ حسد رکھنے والا فکرمند اور مغموم ہو جاتا ہے۔''

عَطَفْتُ بِوُدِّيْ مِنِّيْ اِلَيْهِ
فَغَابَ نُحُوْسِيْ وَ آبَ السُّعُوْدِ

”میں نے اپنی محبت کے جذبات کو اس کی طرف متوجہ کر دیا تو اس طرح میری نحوست تو غائب ہو گئی اور میری خوش بختی پلٹ آئی۔“

فَمَا بَالُ قَوْمِی عَلٰی جَھْلِھِمْ
بِعِزِّ الْفَرِیْدِ وَ اُنْسِ الْوَحِیْدِ

”مجھے اللہ واحد کی عزت کی اور اس وحدہٗ لاشریک کی محبت رکھنے کی قسم! میری اس قوم کی جہالت کا کیا مقام ہے؟“

اِذَا اَبْصَرُوْنِی بَکَوْا رَحْمَۃً
وَ نِیْرَانُ اَحْقَادِھِمْ فِی وَقُوْدِ

”جب وہ مجھے دیکھتے ہیں تو ازراہ ہمدردی مجھ پر روتے ہیں جبکہ ان کی بغض وحسد کی آگ بدستور ایندھن اور چولہے ہی میں رہتی ہے۔“

لِأَنِّی بَعُدْتُ عَنِ الْمُدَّعِیْنَ
وَ لَوْ صَدَقُوْا کُنْتُ غَیْرَ الْبَعِیْدِ

”کیونکہ میں ان دعویداروں سے دور دور ہوں' اگر یہ لوگ سچے ہوتے تو میں ان سے دور نہ رہتا۔“

صوری نے کہا ہے: ہمارے ایک شیخ نے یوں اشعار کہے ہیں:

اَھْلُ التَّصَوُّفِ قَدْ مَضَوْا
صَارَا التَّصَوُّفُ مَخْرَقَۃً

”اہل تصوف حضرات تو بلاشبہ گزر چکے ہیں' اب تو تصوف حواس باختگی کا نام ہے۔“

صَارَ التَّصَوُّفُ صَیْحَۃً
وَ تَوَاجُدًا وَ مُطَبَّقَۃً

”اب تصوف شوروغوغا' وجدِ مصنوعی اور تالیاں بجانے کا نام ہے۔“

كَذَبَتْكَ نَفْسُكَ لَيْسَ ذَا
سَنَنَ الطَّرِيْقِ الْمُلْحِقَةْ

''تیرا نفس تجھ سے جھوٹ بولتا ہے' خبردار! یہ راہ راست نہیں ہے۔''

حَتّٰى تَكُوْنَ بِعَيْنِ مَنْ
مِنْهُ الْعُيُوْنُ الْمُحْدِقَةْ

''حتیٰ کہ ایسی آنکھ کا تارا بن جائے' جس سے آنکھیں گھری جاتی ہیں۔''

تَجْرِيْ عَلَيْكَ صُرُوْفُهٗ
وَهُمُوْمُ سِرِّكَ مُطْرِقَةْ

''تجھ پر اس زمانے کی گردشیں چل رہی ہیں اور تیرے دل کی خواہشات سر جھکائے خاموش کھڑی ہیں۔''

فقیہ ابو اسحاق شیرازی نے کسی کی خاطر یہ اشعار پڑھے تھے:

اَرٰى جِيْلَ التَّصَوُّفِ شَرَّ جِيْلٍ
فَقُلْ لَّهُمْ وَ اَهْوِنْ بِالْحُلُوْلِ

''میں اہل تصوف کے گروہ کو بدترین گروہ دیکھتا ہوں' تو ان سے کہہ دے: یہ لوگ ''حلول'' کے لیے کتنے ہی نرم گوشے رکھتے ہیں۔''

اَقَالَ اللّٰهُ حِيْنَ عَشِقْتُمُوْهُ
كُلُوْا اَكْلَ الْبَهَآئِمِ وَ ارْقُصُوْا لِيْ

''کیا اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا تھا: جب تم مجھ سے عشق کرو تو چوپایوں کی طرح کھانا کھاؤ اور میرے لیے رقص کرو۔''

باب : ۱۱

کرامات اور دین دار لوگ

ہم قبل ازیں یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ ابلیس انسان کی کم علمی کے بقدر اس پر قابو پاتا ہے۔ جس قدر انسان کا علم کم ہوتا ہے ابلیس اس پر اسی نسبت سے زیادہ قابو پاتا ہے اور جس قدر کسی انسان کا علم زیادہ ہوتا ہے اس پر قابو پانے میں کمی آتی ہے۔

بندوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو آسمان میں روشنی یا نورانیت دیکھتے ہی اگر ماہ رمضان ہو تو کہتے ہیں: میں نے لیلۃ القدر دیکھی ہے' اور اگر کوئی دوسرا وقت ہو' تو کہتے ہیں: میرے لیے آسمانوں کے دروازے کھول دیے گئے ہیں۔

اور بعض اوقات اس کے لیے اس کی مطلوبہ چیز موافق بنا دی جاتی ہے' جسے وہ کرامت گمان کر لیتا ہے' ایسا کبھی اتفاقاً ہو جاتا ہے اور بعض اوقات آزمائش کے طور پر اور بعض اوقات ابلیس کے دھوکے سے ایسا ہو جاتا ہے' اور عقل مند شخص تو ایسی کسی چیز کے ساتھ نہیں رہتا' اگرچہ وہ کرامت ہی کیوں نہ ہو۔

مالک بن دینار اور حبیب عجمی دونوں سے یہ قول مروی ہے: شیطان قراء حضرات کے ساتھ ایسے کھیلتا ہے جیسے چھوٹے بچے اخروٹوں کے ساتھ کھیلتے ہیں۔

کرامات کے چند عجوبے

بعض ضعیف الاعتقاد زاہدوں کو ابلیس نے اس طرح بھٹکا دیا ہے کہ انھیں کرامات کے مشابہ کچھ چیزیں دکھاتا ہے' حتیٰ کہ بعض نے تو نبوت کا دعویٰ ہی کر دیا۔

عبد الرحمٰن بن حسان کا بیان ہے: حارث الکذاب اہل دمشق میں سے تھا' جو کہ ابو الجلاس کا غلام تھا۔ غوطہ دمشق میں اس کا گھاس کا کاروبار تھا۔ وہاں ابلیس اس کے درپے

ہو گیا۔ یہ انتہائی عبادت گزار اور زاہد شخص تھا۔ اگر یہ سونے سے لدا ہوا جبہ بھی پہن لیتا تو اس کے متعلق بے رغبت ہی رہتا' لیکن جب حمد باری تعالیٰ میں رطب اللسان ہوتا تو سامعین کے لیے اس کے کلام سے بڑھ کر کوئی احسن کلام نہیں تھا۔

راوی کہتا ہے: اس نے اپنے والد کو لکھا: ابا جان! جلدی جلدی میرے ہاں چلے آئیں! کیونکہ میں نے کچھ ایسی چیزیں دیکھی ہیں' مجھے اندیشہ ہے کہیں یہ شیاطین ہی نہ ہوں۔

راوی کہتا ہے: اس کے والد نے اس کی سرکشی کو مزید بڑھا دیا اور اسے یوں جواب بھیجا: اے میرے لخت جگر! جس کا تجھے حکم ملا ہے اس کی طرف جلدی لپکو' کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان اقدس ہے:

﴿ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ۝ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴾ (الشعراء : ۲۶/ ۲۲۲)

''کیا میں تمھیں بتلاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں؟ وہ ہر جھوٹے گنہ گار پر اترتے ہیں''

اور تو جھوٹا اور گنہ گار نہیں ہے' لہٰذا تجھے جس کام کا حکم ملا ہے اس پر عمل پیرا ہو جا۔''

وہ اہل مسجد میں سے ایک ایک آدمی کے پاس آتا' اور اس کے سامنے اپنے معاملے کو پیش کرتا' اس سے پختہ وعدہ اور پکا قول و قرار لیتا کہ اگر تو اسے دکھائی دے جو اسے پسند آئے تو قبول کرلے وگرنہ اس کے معاملے کو پوشیدہ رکھے۔

یہ شخص ان لوگوں کو عجیب و غریب امور دکھاتا' مسجد میں پڑے ہوئے سنگ مرمر کے تراشوں کے پاس آتا' انھیں اپنے ہاتھ سے ٹھونکتا تو وہ تسبیح بولتیں' یہ شخص انھیں موسم سرما میں موسم گرما کے پھل اور میوے کھلاتا' اور کہتا: آؤ باہر نکلو کہ میں تمھیں فرشتے ملاحظہ و مشاہدہ کرواؤں' پھر وہ انھیں ''دَیْرِ الْمُرَّان'' میں لے جاتا اور انھیں گھوڑ سوار افراد دکھاتا۔

چنانچہ ایک خلق کثیر اس کے پیچھے لگ گئی' اس کا معاملہ پھیل گیا' اس کے اصحاب بکثرت بن گئے' حتیٰ کہ اس کی خبر قاسم بن مخیمرہ تک بھی جا پہنچی۔ اس نے اس سے کہا: بلاشبہ میں نبی ہوں' تو قاسم نے اسے یہ جواب دیا: اے اللہ کے دشمن! تو نے جھوٹ بولا ہے'

تو ابوادریس نے ابوالقاسم سے کہا: آپ نے برا کیا ہے آپ نے اس پر نرمی کیوں نہ برتی تا کہ آپ اسے گرفتار کر لیتے' اب وہ راہ فرار اختیار کر جائے گا۔

یہ اس مجلس سے اٹھ کر عبدالملک کے پاس پہنچا اور اسے اس کے معاملے سے آگاہ کیا' عبدالملک نے اس کی طلب و تلاش میں آدمی بھیجے لیکن کامیاب نہ ہو سکا' عبدالملک بھی اس کے تعاقب میں نکلا اور عنیرہ میں پڑاؤ ڈال لیا۔ اس نے اپنے عام لشکر پر حارث کے معاملے میں یہ الزام لگایا کہ وہ بھی اس کی رائے رکھتے ہیں۔

حارث وہاں سے فرار ہو کر بیت المقدس آن پہنچا' اور روپوش ہو گیا' اس کے ساتھی لوگوں سے ملتے اور ان کو اس کے پاس لایا کرتے تھے۔

اہل بصرہ میں سے ایک شخص بیت المقدس آیا' اسے بھی حارث کے ہاں لایا گیا' کہ وہ نبی ہے۔ اس شخص نے کہا: بلاشبہ آپ کا کلام خوبصورت ہے لیکن مجھے اس کے بارے میں کچھ غور وفکر کرنا ہے تو حارث نے کہا: غور وفکر کر لیں۔

وہ بصری وہاں سے باہر نکلا' پھر اس کے پاس واپس آیا اور اپنی بات کو دہرایا اور کہا: یقیناً آپ کی گفتگو خوبصورت ہے' میرے دل میں یہ بات آ چکی ہے کہ میں آپ پر ایمان لے آیا ہوں اور یہی سیدھا دین ہے۔

چنانچہ حارث نے یہ حکم نامہ جاری کر دیا کہ یہ شخص جب بھی داخل ہونا چاہے اسے مت روکا جائے' وہ بصری اس کے پاس بار بار آنے جانے لگا' وہ اس کے آنے جانے اور بھاگنے کے راستے کی خبر رکھنے لگا حتیٰ کہ یہ سب سے زیادہ خبر رکھنے والے لوگوں میں سے بن گیا' ایک دن اس نے حارث سے کہا: مجھے اجازت عطا فرمائیں! وہ بولا: کہاں جانے کی؟ وہ بولا: بصرہ کی طرف' تا کہ میں آپ کا پہلا داعی بن کر وہاں جاؤں۔ بالآخر حارث نے اسے اجازت دے دی' تو یہ فی الفور عبدالملک کے پاس آن پہنچا

جو عنیرہ میں پڑاؤ ڈالے ہوا تھا۔ جونہی یہ اس کے خیموں کے قریب پہنچا' بلند آواز میں پکارنے لگا: ''خیر خواہی' خیر خواہی'' اہل لشکر بولے: تیرے پاس کون سی خیر خواہی ہے؟ وہ بولا: امیر المومنین کے لیے خیر خواہی ہے۔

خلیفہ عبدالملک نے اسے اپنے پاس آنے کا حکم دیا' یہ شخص عبدالملک کے پاس پہنچا' اس کے پاس کچھ ساتھی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ بولا: ''خیر خواہی' خیر خواہی'' اس نے پوچھا: کیسی خیر خواہی؟ وہ بولا: مجھے تنہائی میں بات کرنی ہے جب آپ کے پاس کوئی بھی نہ ہو۔

چنانچہ وہاں پر موجود سب افراد کو نکال دیا گیا۔ یہ بصری بولا: مجھے اپنے قریب ہونے دیجیے۔ عبدالملک نے کہا: قریب ہو جاؤ' چنانچہ یہ قریب ہو گیا' اس وقت عبدالملک چارپائی یا تخت پر بیٹھا ہوا تھا' وہ بولا: تیرے پاس کیا ہے؟ یہ شخص بولا: حارث...... جونہی اس نے حارث کا ذکر کیا' عبدالملک چونک کر تخت سے اچھل کر زمین پر کود گیا اور بولا: وہ کدھر ہے' اس نے کہا: اے امیر المومنین! وہ بیت المقدس میں ہے' میں اس کے آنے جانے کے راستوں کو پہچان چکا ہوں' اور اپنا پورا واقعہ اسے سنا دیا' کہ وہ اس کے ساتھ کیا کر کے آیا ہے' عبدالملک نے کہا: اب تو ہی اس کا صاحب ہے یعنی اب تو ہی بیت المقدس کا امیر ہے' اور یہاں پر بھی ہمارا امیر تو ہی ہے' اب تجھے جو سمجھ آتا ہے مجھے حکم کرو' وہ بولا: اے امیر المومنین! آپ میرے ہمراہ ایسے لوگوں کو روانہ فرما دیں جو گفتگو نہ سمجھ سکتے ہوں' چنانچہ عبدالملک نے فرغانہ[1] کے چالیس افراد اس کے ہمراہ کر دیئے' عبدالملک نے کہا: اس کے ساتھ چلتے جاؤ' جو بھی یہ تمہیں حکم دے' اس کی فوراً اطاعت کرو۔

راوی کہتا ہے: عبدالملک نے بیت المقدس کے صاحب و امیر کے نام یہ امارت نامہ بھی تحریر کر دیا کہ یہ شخص بیت المقدس سے باہر نکلنے تک تیرے اوپر بھی امیر ہے' لہٰذا یہ تجھے جو بھی حکم دے اس کی اطاعت کرنا۔

اس شخص نے بیت المقدس آتے ہی وہ امارت نامہ اس امیر کے حوالے کر دیا' امیر بولا: آپ جو چاہتے ہیں مجھے حکم دیں۔ اس شخص نے یوں حکم جاری کیا: آپ میرے لیے بیت المقدس میں جتنی بھی شمعیں روشن کر سکتے ہیں کر دیں' اور ہر شمع ایک ایک آدمی کے ہاتھ تھما دیں' اور انھیں بیت المقدس کی گلیوں اور گوشوں میں ایک ترتیب سے کھڑا کر دیں'

[1] ماوراء النہر میں ایک بہت وسیع و عریض شہر ہے' بلاد ترکستان سے اس کی سرحدیں ملتی ہیں جیسا کہ ''معجم البلدان'' (۲۵۳/۴) میں ہے۔

اور جونہی میں حکم دوں انھیں یکبارگی روشن کر دیں۔

چنانچہ اس نے بیت المقدس کی گلیوں، کوچوں اور تمام گوشوں کناروں میں شمعیں ترتیب سے آدمیوں کو تھما دیں، اب بصری حارث کے ٹھکانے کی جانب پیش قدمی کرنے لگا۔ جب دروازے تک پہنچا تو دربان سے بولا: میرے لیے اللہ کے نبی سے اندر آنے کی اجازت طلب کریں! وہ بولا: اس وقت ان تک جانے کی اجازت نہیں مل سکتی جب تک کہ صبح نہ ہو جائے، وہ بولا: اسے بتاؤ کہ میں گھر تک پہنچنے سے قبل آپ کے اشتیاقِ دیدار کے لیے ادھر حاضر ہوا ہوں! چنانچہ دربان اندر گیا، اس کی گفتگو سے آگاہ کیا، اور اس نے دروازہ کھولنے کا حکم دے دیا۔

راوی کہتا ہے: پھر بصری بلند آواز سے چلایا، شمعیں روشن کر دو، فی الفور روشنی ہوگئی، ایسا سماں بن گیا گویا کہ دن ہے، پھر اس نے حکم دیا: تمہارے پاس سے جو بھی گزرے، خواہ کوئی بھی ہو، اسے پکڑ لو، اور خود اس مقام کی طرف آگے بڑھا جس کے متعلق وہ جان پہچان رکھتا تھا، اس نے حارث کو تلاش کیا، لیکن اسے نہ پایا، حارث کے ساتھی پکار اٹھے: تمہاری بربادی ہو، تم تو اللہ کے نبی کو قتل کرنا چاہتے ہو، انھیں تو آسمان کی جانب اٹھا لیا گیا ہے۔

راوی کہتا ہے: اس شخص نے اسے کمرے کے ایک گوشے میں سرنگ نما جگہ میں تلاش کیا جو اس نے تیار کر رکھی تھی، بصری نے اپنے ہاتھ کو اس سرنگ کی طرف بڑھایا، تو حارث کے کپڑے اس کے ہاتھ آ گئے، وہ اسے کھینچ کر باہر لے آیا، اور پھر اس نے فرغانیوں سے کہا، اسے گرفتار کر لو، چنانچہ انھوں نے اسے گرفتار کر لیا اور اچھی طرح اس کی مشکیں باندھ لیں، دوران سفر حارث بولا:

﴿اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ﴾ (مؤمن: ۴۰/ ۲۸)

''کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟''

فرغانیوں میں سے ایک شخص نے کہا: یہ لوگ عجمی ہیں...... یہ ہماری کرامت ہے، تو بھی اپنی کوئی کرامت پیش کر!

وہ اسے لے کر چلتے رہے حتیٰ کہ اسے عبدالملک کے پاس لے آئے۔ جب

عبدالملک نے اس کے متعلق سب کچھ سن لیا' تو ایک لکڑی گاڑنے کا حکم دیا' اس پر اسے سولی پر لٹکایا گیا' پھر اس نے ایک برچھی یا نیزہ مارنے کا حکم دیا' اس نے اسے مارا' تو جونہی نیزہ اس کی پسلی کے ساتھ لگا تو اس سے ہٹ گیا۔ لوگ فوراً چیخ اٹھے: انبیاء میں اسلحہ ناجائز ہے' یعنی انبیاء پر اسلحہ کارگر نہیں ہوتا۔

جب مسلمانوں میں سے ایک آدمی نے یہ معاملہ دیکھا' تو نیزہ اس نے پکڑ لیا' پھر اس کی جانب آگے بڑھا' اور نیزہ اس زور سے اس کو لگایا کہ اس کی پسلیوں میں دھنس گیا' اس طرح اس نے اسے واصل جہنم کر دیا۔

ولید کا بیان ہے: مجھے خبر ملی ہے کہ خالد بن یزید بن معاویہ عبدالملک بن مروان کے پاس آیا اور یوں گویا ہوا: اگر اس موقعہ پر میں آپ کے ہاں حاضر ہوتا تو آپ کو اسے قتل کرنے کا نہ کہتا' وہ بولا: کیوں؟ وہ کہنے لگا: اس کے پاس فقط ایک طریقہ اور روش تھی' اگر آپ اسے بھوکا رکھتے تو یہ طریقہ ختم ہو جاتا!!

کرامات سے متشابہ تلبیسات

اس قوم نے کرامات سے متشابہ امور سے کس قدر دھوکا کھایا ہے' ہمیں ابوعمران سے یہ روایت ملی ہے' کہتے ہیں: مجھے فرقد نے کہا: اے ابوعمران! آج میں صبح ٹیکس کی رقم کے متعلق پریشان تھا' مہینا شروع ہو چکا ہے جبکہ اتنی رقم میرے پاس نہیں' میں نے دعا کی' تو پھر جب میں فرات کے کنارے چلا جا رہا تھا تو اچانک میرے سامنے درہم پڑے تھے' میں نے انھیں اٹھا لیا' ان کا وزن شمار کیا تو وہ پورے چھ درہم ہی تھے' نہ کم تھے اور نہ ہی زیادہ' تو انہوں نے مجھے کہا: ان کو خیرات کر دو' کیونکہ یہ آپ کے نہیں ہیں۔

میں عرض کرتا ہوں: یہ ابوعمران ابراہیم نخعی ہیں جو اہل کوفہ کے مشہور فقیہ ہیں۔

ایسے فقہاء کے کلام پہ غور فرمائیں اور ان کے دھوکا وفریب کھانے سے دور رہنے کی جانب بھی توجہ فرمائیں' کہ کس طرح انہوں نے اسے مال لقطہ قرار دیا' اور وہ کسی کرامت یا کرامت کے مشابہ کسی امر کی جانب ملتفت نہیں ہوئے اور انھوں نے ان کی تشہیر وتعریف کرنے کا حکم بھی نہیں دیا' کیونکہ کوئی فقہاء کے مذہب میں دینار سے کم مالیت لقطہ کی تشہیر

واجب نہیں ہے۔

انھوں نے شاید اس گمان سے خیرات کرنے کا حکم دیا ہو کہ کہیں یہ اسے کوئی کرامت نہ شمار کریں اور انھیں اپنے استعمال میں نہ لے آئیں۔

ابراہیم خراسانی کا بیان ہے: ایک روز مجھے وضو کرنے کی حاجت تھی' اچانک میرے سامنے جواہرات سے مرصع ایک لوٹا اور چاندی کی مسواک حاضر تھی' جس مسواک کا سر ریشم سے زیادہ نرم و ملائم تھا' بہرحال میں نے وہ مسواک کی اور لوٹے کے پانی سے وضو کیا' اور ان دونوں چیزوں کو وہیں چھوڑ کر واپس چلا آیا۔

میں عرض پرداز ہوں: اس حکایت میں ایک ایسا راوی ہے جو ثقہ اور قابل اعتماد نہیں ہے۔ اگر یہ روایت صحت کی حامل ہو' تو اس آدمی کی قلت علم پر دلالت کناں ہے کیونکہ اگر وہ فقہ اور عقل کو سمجھنے والا ہوتا تو بلاشبہ یہ بھی جانتا ہوتا کہ چاندی کا استعمال تو ناجائز ہے' لیکن اس بے چارے نے اپنی کم علمی کی بنا پر اسے استعمال کیا' اور اگر اس کا گمان ہے کہ یہ کرامت ہے تو یہ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے ذریعے سے اکرام نہیں فرماتا جس کا شرع میں استعمال ناجائز ہو' ہاں البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ بطور آزمائش اس کے لیے یہ ظاہر کیا گیا ہو۔

ظاہری کرامات

جب عقلاء حضرات نے ابلیس کی تلبیسات کی شدت و سختی کو ملاحظہ کیا' تو انھوں نے ایسی اشیاء سے خبردار کیا جن کا ظہور کرامت جیسا تھا' اور اس بات سے خائف ہوئے کہ کہیں یہ اس کی تلبیس کا شاہکار نہ ہو۔

ہمیں ابوطیب سے یہ قول ملا ہے: میں نے زہرون کو یہ کہتے ہوئے سنا: مجھ سے پرندے نے گفتگو کی ہے' واقعہ کچھ یوں ہے کہ میں ایک جنگل میں تھا اور راستہ بھول چکا تھا' وہاں میں نے ایک سفید رنگ کا پرندہ دیکھا جس نے مجھے کہا: اے زہرون! تو راستہ بھولا ہوا ہے؟ میں نے کہا: اے شیطان! میرے علاوہ کسی اور کو دھوکا دے' اس نے پھر کہا: تو راستہ بھولا ہوا ہے؟ میں نے کہا: اے شیطان! میرے سوا کسی اور کو دھوکا دے' بالآخر تیسری بار وہ کود کر میرے کندھے پر آن بیٹھا اور کہنے لگا: میں شیطان نہیں ہوں' آپ راستہ بھولے

ہوئے ہیں' مجھے آپ کی خاطر بھیجا گیا ہے' پھر وہ مجھ سے غائب ہو گیا۔

زلفی کا بیان ہے: میں نے رابعہ عدویہ (بصریہ)[1] سے عرض کی: خالہ جان! آپ عوام الناس کو اپنے پاس آنے کی اجازت کیوں نہیں دیتیں؟ وہ بولیں: میں لوگوں سے امید نہیں رکھتی' اگر وہ میرے پاس آئیں گے' تو میرے متعلق ایسی باتیں بیان کریں گے جو میں نے کہی بھی نہیں ہوں گی' مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ وہ کہتے ہیں: میں اپنی جائے نماز کے نیچے سے درہم پاتی ہوں' اور میری ہنڈیا بغیر آگ کے ہی پکا دی جاتی ہے' اگر میں کوئی ایسا امر دیکھ لوں تو میں یقیناً گھبرا جاؤں۔

زلفی کا بیان ہے' میں نے پھر عرض کی: لوگ تو آپ کے متعلق ایسی باتیں بکثرت کرتے ہیں: وہ یہ کہتے ہیں: رابعہ اپنے گھر میں طعام وشراب (کھانا پینا) پاتی ہے' کیا واقعی آپ اپنے گھر میں کچھ پاتی بھی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ارے میری بھانجی! اگر میں اپنے گھر میں کچھ پاتی' تو میں اسے بالکل ہاتھ نہ لگاتی اور نہ میں اپنے ہاتھ کو اس چیز کے اوپر ہی رکھتی۔

زلفی ہی سے روایت ہے جو کہ رابعہ کی نسبت یوں کہتی ہیں کہ ایک نہایت سردی کے دن میں رابعہ روزے سے تھیں' وہ کہتی ہیں: میرے نفس نے کسی گرم چیز سے افطاری کرنے کے معاملے میں جھگڑا کیا' میرے پاس چربی موجود تھی' میں نے کہا: اگر میرے پاس پیاز یا گندنا ہوتا تو میں اسے پگھلا لیتی اور اس کو استعمال کر لیتی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک چڑیا آ دھمکی' اس کی چونچ سے راستے پر ایک پیاز گر گیا۔ میں نے جونہی یہ معاملہ دیکھا تو میں نے اپنے ارادے کو تبدیل کر لیا' اور مجھے اس امر کا اندیشہ اور خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں یہ شیطان کی طرف سے نہ ہو۔

محمد بن یزید سے یہ قول منقول ہے: وہ وہیب کے متعلق یہ خیال رکھتے تھے کہ وہ اہل

---

[1] ان کے متعلق اقوال مختلف ہیں' دیکھئے "سیر اعلام النبلاء" (۸/۲۱۵۔۲۱۷) اور "البدایہ والنھایہ" (۱۰/۱۸۶۔۱۸۷) کتنا عظیم الشان کام ہو جائے اگر کوئی طالب علم اپنے قلم کو اس طرح منفرد انداز سے چلائے کہ تمام ممکنہ تحریرات' عبارات اور اس کے اقوال کو جو اس رابعہ کے متعلق منقول ہیں یکجا کر دے' البتہ مصنف رحمہ اللہ کا ان کی سوانح حیات کے بارے میں ایک الگ کتابچہ بھی ہے' جیسے کہ امام ذہبی نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

جنت میں سے ہیں، جب انہیں یہ بات بتائی گئی تو وہ بہت زیادہ روئے اور بولے: مجھے یہ تو اندیشہ ہے، کہیں یہ شیطان کی طرف سے نہ ہو۔

صوفیانہ نعروں اور دعووں کا تنقیدی جائزہ

متاخرین کی ایک قوم پر ابلیس نے تلبیسی وار کیا ہے، انھوں نے اولیاء کی خود ساختہ کرامات کے انبار لگا دیے ہیں تاکہ وہ اپنے گمان کے مطابق اس قوم کے معاملے کو مضبوط تر بنا دیں، حالانکہ حق باطل کے ذریعے تقویت پانے کا محتاج نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے علمائے نقل و روایت کے ذریعے ان کے معاملے کو طشت از بام کر دیا ہے!

سہل بن عبد کا بیان ہے: میں مکہ کے راستے میں ایک ولی کی صحبت میں رہا، اسے تین ایام کا فاقہ پہنچا، وہ ایک پہاڑ کے نیچے ایک مسجد کی جانب چلا، تو کیا دیکھا، وہاں ایک کنواں ہے، جس پر چرخی اور رسی، ڈول اور لوٹا بھی موجود ہے، اور کنویں کے پاس ہی انار کا ایک درخت ہے، لیکن اس پر کوئی پھل موجود نہیں ہے، یہ ولی مغرب ہونے تک اس مسجد میں ٹھہرے رہے، جب نمازِ مغرب کا وقت آن پہنچا، تو اچانک چالیس افراد جن پر بالوں سے بنے ہوئے کپڑے تھے اور ان کے پاؤں میں ناریل کے پتوں کے جوتے تھے، مسجد میں داخل ہوئے، اور انھوں نے سلام عرض کیا۔ ان میں سے ایک صاحب نے اذان مغرب دی، اور پھر اقامت کہی، اور آگے بڑھ کر انھیں جماعت کروائی، جونہی وہ نماز سے فارغ ہوا، وہ اس انار کے درخت کی طرف بڑھا، تو فی الفور اس درخت پر چالیس تر و تازہ انار لگے ہوئے پائے، انھوں نے ایک ایک انار لے لیا اور چلتے بنے۔

فرماتے ہیں: میں بدستور فاقے کے ساتھ ہی رہا، پھر جب وہی وقت آیا جس میں انھوں نے انار لیے تھے، وہ سبھی پھر آئے، انھوں نے نمازیں ادا کر کے پھر انار پکڑے تو میں نے عرض کی: اے قوم! میں بھی تمہارا اسلامی اور دینی بھائی ہوں، اور مجھے شدید فاقہ بھی لاحق ہے، اور تم ایسے ہو کہ مجھ سے کلام تک نہیں کی اور نہ ہی تم نے میری احوال پرسی اور غمگساری کی ہے، تو ان کے رئیس نے کہا: ہم ایسے شخص سے گفتگو نہیں کریں گے جو اپنے پاس موجود چیزوں کو چھپائے ہوئے ہو، جاؤ اور اس پہاڑ کی اوٹ میں جو وادی ہے اس میں وہ سب کچھ

پھینک آؤ جو تمہارے پاس ہے' پھر تم ادھر ہمارے پاس پلٹ آؤ' تا کہ تم وہ پاسکو جو ہم پا رہے ہیں۔

فرماتے ہیں: میں پہاڑ پر چڑھ گیا' لیکن میرے نفس نے اس چیز کو جو میرے پاس تھی پھینکنا گوارا نہ کیا' چنانچہ میں نے اسے دفن کر دیا' اور واپس پلٹ آیا' اس نے مجھ سے پوچھا: کیا تم اپنے پاس والی چیز کو پھینک آئے ہو؟ میں نے عرض کی: جی ہاں! وہ بولا: تب تم نے کوئی چیز دیکھی تھی؟ میں نے عرض کی: نہیں' وہ پھر بولا: یقیناً تم نے کوئی چیز نہیں پھینکی' جاؤ اور اس چیز کو وادی میں پھینک کر آؤ۔

لہٰذا میں واپس پلٹا' اور ایسے ہی کیا' تو یکایک مجھے نور ولایت نے جو مثل قمیص کے تھا' ڈھانپ لیا' بالآخر میں واپس آیا' تو کیا دیکھتا ہوں کہ درخت میں ایک انار لگا ہوا ہے' میں نے اسے کھایا' اور اس کے ساتھ بھوک اور پیاس کو کم کیا' پھر میں مکہ پہنچنے تک درمیان میں کہیں نہ ٹھہرا' حتیٰ کہ میں ان چالیس افراد کے ہمراہ چاہ زمزم اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑا تھا' وہ سبھی میری طرف متوجہ ہوئے اور مجھ سے میرا حال دریافت کرنے اور مجھے سلام عرض کرنے لگے' میں نے کہا: میں تم سب سے بے نیاز کر دیا گیا ہوں' اور آخر کار میں تم سب سے گفتگو کرنے سے بھی بے نیاز کر دیا گیا ہوں' جس طرح اللہ تعالیٰ نے اول اول تمہیں مجھ سے کلام کرنے سے بے نیاز رکھا تھا' لہٰذا اب میرے قلب میں غیر اللہ کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔

اس حکایت کی سند میں عمرو بن واصل ایسا راوی ہے جسے ابن ابی حاتم نے ضعیف قرار دیا ہے' آدمی اور اس کا باپ دونوں راوی بھی مجہول ہیں۔

اس روایت میں ''جو تیرے پاس ہے اسے پھینک آؤ'' کے الفاظ اس امر پر دلالت کناں ہیں کہ یہ حکایت موضوع اور من گھڑت ہے' کیونکہ اولیائے کرام تو شرع کی مخالفت نہیں کرتے' اور شرع نے تو مال ضائع کرنے سے روکا ہوا ہے۔

اور اس کا یوں کہنا: ''مجھے نورِ ولایت نے ڈھانپ لیا'' تو یہ حکایت بھی من گھڑت اور خودساختہ ہے' اور یہ بات بھی حقیقت سے خالی نہیں کہ جس آدمی کو علمی خوشبو سونگھنے کی ذرا بھر بھی پہچان ہوگی وہ اس طرح کی حکایت سے بالکل فریب خوردہ نہیں ہوگا' اس طرح کی

باتوں سے تو فقط ایسے جاہل ہی مبتلائے فریب ہوں گے جنھیں کوئی بصیرت و عقل نہیں ہو گی۔

عبدالعزیز بغدادی کا بیان ہے: میں صوفیاء کی حکایات میں فکر ونظر کیا کرتا تھا' ایک روز میں چھت پر چڑھا' تو میں نے ایک کہنے والے کو یہ کہتے ہوئے سنا:

﴿ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴾ (الاعراف : ۷/ ۱۹۸)

''اور وہ نیک بندوں کی مدد کرتا ہے''

میں ادھر متوجہ ہوا' لیکن میں نے کچھ نہ دیکھا' میں نے اپنے نفس کو بلند سطح سے نیچے گرایا تو میں ہوا اور فضا میں ٹھہر گیا!!

میں عرض کرتا ہوں: یہ سفید جھوٹ ہے' کسی عقلمند کو اس میں شک نہیں ہو سکتا' اگر ہم اس کی صحت کو فرض بھی کر لیں کہ یہ درست واقعہ ہے تو یہ بات تو طے شدہ ہے کہ اپنے آپ کو بلند سطح سے نیچے گرانا قطعی حرام ہے اور اس امر کا گمان کرنا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے منع کردہ امور کا ارتکاب کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا' یہ باطل ہے' کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ﴾ (البقرہ : ۲/ ۱۹۵)

''اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو''

ایسا شخص جو اپنے پروردگار کی مخالفت کر رہا ہے' کس طرح نیک بندہ ہو سکتا ہے؟! اسی فرضی صداقت پر یہ سوال بھی ابھرتا ہے کہ کس نے اسے خبر دی ہے کہ یہ بھی ان صالحین میں سے ہے؟![1]

---

[1] چاہیے کہ امام موصوف کا یہ تبصرہ ایک علاج اور حل (یعنی کسوٹی) بن جائے ان بے شمار حکایتوں اور کہانیوں کے بارے میں جو بعض فاضل برادران نے کچھ اسلامی گروہوں کے لیے' جو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے برسرِ پیکار ہیں' کرامات کے اثبات کی خاطر کتابیں تالیف کر ڈالی ہیں' اور ان باتوں کو ان کی شان و مقام کے بیان کرنے میں ''آیات الہیہ'' قرار دے ڈالا!! حالانکہ ایسی باتوں کے سلسلے میں زیادہ وسعت پذیری سے کام نہ لینا چاہیے' ان چند وجوہ کے پیش نظر جنھیں مصنف علیہ الرحمہ نے ذکر کیا ہے' چہ جائیکہ دیگر وجوہات کو بھی پس پشت ڈالا جائے' جو کسی بھی صاحبِ عقل اور غور و فکر کرنے والے سے مخفی نہیں ہیں۔

صوفیاء میں ایسے لوگ بھی گھس آئے ہیں اور انھوں نے ان سے مشابہت اختیار کر لی ہے' اور کرامات کے بلند بانگ دعوے کرنے شروع کر دیے ہیں اور خلاف معمول ایسی جھوٹی کہانیاں عوام الناس کے سامنے پیش کی ہیں جن کی بنا پر ان کے قلوب پر زنگ چڑھا دیا ہے۔

حلاج کے متعلق ہمیں یہ روایت ملی ہے کہ وہ کچھ روٹی' بھنا ہوا گوشت اور مٹھائی وغیرہ کسی قطعہ زمین میں دفن کر دیتا' اور اس بات کی اطلاع اپنے کسی ساتھی کو کر دیتا' پھر جب صبح اٹھتا' تو اپنے ساتھیوں سے کہتا: بھئی اگر ہم باہر سیر کرنے چلیں تو کیا خیال ہے؟ چنانچہ وہ کھڑا ہوتا' سیر کے لیے چلتا اور لوگ اس کے ہمراہ ہوتے' جب سب اس جگہ تک پہنچ آتے' تو اس کا وہ ساتھی بولتا جسے اس نے قبل ازیں اطلاع دی ہوتی تھی' ہمیں تو اب فلاں فلاں چیز کی تمنا ہے' تو حلاج انھیں وہاں چھوڑ کر اس جگہ کی طرف چلا جاتا' وہاں دو رکعت نماز نفل ادا کرتا' اور ان کے پاس وہ چیزیں لے آتا۔

وہ اپنے ہاتھ کو ہوا میں لہراتا' پھر لوگوں کے ہاتھوں میں سونے کی چیزیں پھینکتا اور فیاضی اور سخاوت کے ڈھونگ رچاتا!

ایک روز حاضرین میں سے ایک نے یوں کہہ دیا: یہ تو معروف درہم و دینار ہیں' میں تو آپ کی کرامت پر تب ایمان لاؤں گا اگر آپ مجھے ایک ایسا درہم لا کر دیں جس پر آپ کا نام نامی اور آپ کے والد کا نام گرامی لکھا ہو۔

وہ اس وقت تک ایسی حرکات کرتا رہا جب تک لوگوں کے دلوں میں اس کا سکہ جم نہیں گیا۔

ابو عمرو بن حیدہ کا بیان ہے: جس وقت حسین بن منصور حلاج کو قتل کے لیے باہر نکالا گیا' تو میں بھی لوگوں کے ساتھ چلا' مجھے مسلسل دھکے ملتے رہے حتیٰ کہ میں نے اسے دیکھ ہی لیا' وہ اپنے اصحاب و احباب سے یہ کہہ رہا تھا: تمھیں یہ حادثہ پریشان اور مرعوب نہ کر دے بلاشبہ میں تیس ایام کے بعد تمہارے پاس واپس آ جاؤں گا!

حلاج کا یہ عقیدہ انتہائی قبیح عقیدہ ہے' اسی کتاب کے شروع میں ہم اس کے عقیدے اور اس کی قباحتوں اور خرابیوں کے متعلق وضاحت کر آئے ہیں اور ہم یہ بھی بیان کر چکے

ہیں کہ اسے ہم عصر فقہاء کے فتویٰ کی بنا پر قتل کیا گیا تھا۔

متاخرین صوفیاء میں ایک ایسا شخص بھی ہے جو اپنے جسم پر چکناہٹ والا تیل مل کر تنور میں بیٹھ جایا کرتا تھا' اور یہ ظاہر کیا کرتا تھا کہ یہ اس کی کرامت ہے!

میں ایسی چند باتیں اس لیے آپ کے علم میں لا رہا ہوں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ قوم دین سے کھیلنے میں کس حد تک بڑھ چکی ہے' اس حالت میں شریعت کس طرح باقی رہ سکتی ہے؟!

باب : ۱۲

عوام الناس اور شیطان

ہم نے یہ وضاحت پیش کر دی ہے کہ جس قدر جہالت بڑھتی ہے شیطانی چالیں بھی اسی قدر مضبوط ہوتی ہیں' اور بلاشبہ اس نے عوام کو متعدد اور بے شمار طریقوں سے مبتلائے فریب کیا ہے۔

جن راستوں سے اس نے انھیں فتنوں میں مبتلا کیا ہے اور جن راہوں سے ان پر دھوکے کے جال ڈالے ہیں ان کی کثرت کے پیش نظر ان کا تذکرہ ممکن نہیں ہے' البتہ ہم ان میں سے چند اہم ترین کا ذکر کیا چاہتے ہیں جن پر قیاس کر کے باقی کو سمجھا جا سکتا ہے۔ اللہ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ شیطان ایک عام آدمی کے پاس آتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بارے میں غور و فکر کرنے پر ابھارتا ہے' پھر اسے شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے بھی اس بارے میں یوں خبردار فرمایا ہے' سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بے شک شیطان تم میں سے ایک کے پاس آتا ہے' پھر کہتا ہے: تجھے کس نے پیدا کیا ہے؟ بندہ کہتا ہے: اللہ نے' پھر شیطان یوں کہتا ہے: آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ بندہ کہتا ہے: اللہ نے' شیطان پھر کہتا ہے: اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟! تو جب تم میں سے کوئی ایسی کیفیت اور صورت حال پائے' تو اسے کہنا چاہیے:

((اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ))

''میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا''۔[1]

یہ آزمائش اور خرابی صرف حس کے غلبے کی وجہ سے واقع ہوتی ہے کیونکہ وہ دیکھتی ہے کہ ہر چیز مفعول اور مخلوق ہے' اس عام آدمی کو یہ جواب دینا چاہیے: کیا تو نہیں جانتا کہ اس نے زمانے کو غیر زمانے میں اور مکان کو غیر مکان میں پیدا کیا ہے' جب کہ یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے یہ لا مکاں میں ہے اور اس کے نیچے بھی کچھ نہیں ہے' اور تیرے حواس اس کو بعید خیال کرتے ہوئے اس سے بھاگتے ہیں کیونکہ وہ تو ہر چیز کے کسی مکان میں ہونے سے مانوس و مالوف ہیں' تو وہ ذات حواس سے کس طرح طلب کی جا سکتی ہے جسے حواس سے پہچانا ہی نہیں جا سکتا' اپنی عقل سے مشورہ لے لو' اچھا مشورہ دینے والی ہے۔

اور بعض اوقات ابلیس عوام کو اللہ تعالیٰ کی صفات کے سنتے ہوئے یہ دھوکا اور تلبیس ڈالتا ہے کہ عوام الناس اس صفت الٰہی کو حواس کے تقاضوں پر محمول کرتے ہیں اور پھر تشبیہ کا عقیدہ بنا لیتے ہیں۔[2]

اور بعض اوقات ابلیس مذہبی تعصب کی طرف سے دھوکے میں مبتلا کرتا ہے' آپ

---

[1] مسند احمد (۲/ ۳۳۱)' صحیح مسلم' الایمان' باب بیان الوسوسة فی الایمان' حدیث: ۱۳۴۔ بلفظ مختلف' اور امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم (۲/ ۱۵۵) میں فرمایا ہے: اس کا معنی ہے کہ دل میں اٹھنے والے ایسے باطل خیال سے اعراض کرے اور اسے ختم کرنے کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف پناہ لے۔

[2] اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی اور صفات عالیہ کے باب میں صحیح عقیدہ یہ ہے' کہ ان پر اور ان کے معانی پر مطلق ایمان رکھا جائے' جیسے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے لائق اور موافق ہیں' ان میں کسی طرح کی ایسی تاویل اور تفسیر نہ کی جائے جو انھیں ان کے ظاہر سے نکال دے اور ان کے حقیقی معانی کو معطل قرار دے دے اور بلا تشبیہ خالق کو مخلوق کی مانند قرار دے دیا جائے۔
اور حق بات یہ ہے کہ اثبات ہو لیکن بغیر تشبیہ' تنزیہہ اور تعطیل کے۔
اور مصنف رحمہ اللہ کی بھی "مجالس المتشابه من الايات القرآنية" (ص ۱۶) میں صفات کے بیان میں ایک بڑی خوبصورت بات موجود ہے' اس کے خاتمے میں آپ نے یوں فرمایا ہے:
''جو شخص یہ کہتا ہے: میں تو تشبیہ اور تاویل کی بات نہیں کہتا' تو بلا شبہ وہ آدمی سلامتی کی راہ پر چلا ہے۔''
شاید کہ آپ کا آخری قول یہی ہو۔

عام آدمی کو دیکھیں گے کہ وہ ایسے امر میں لعنت کرتا اور لڑائی کرتا ہے جس کی حقیقت کو وہ جانتا ہی نہیں ہوتا۔

ان میں سے کوئی تو اپنی عصبیت میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مخصوص کر لیتا ہے' اور کوئی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خاص کر بیٹھتا ہے' اسی بنیاد پر باہم ایسی کئی جنگیں ہو چکی ہیں!

اہل کرخ اور اہل بصرہ کے مابین کئی سالوں پر محیط قتل وخون ریزی اور جلاؤ گھیراؤ کی داستانیں رقم ہو چکی ہیں جن کا ذکر کافی طویل ہے۔

اور آپ دیکھیں گے کہ اس معاملے میں جھگڑنے والے اکثر لوگ وہ ہیں جو شراب نوشی کرتے ہیں' ریشمی لباس پہنتے ہیں اور ناجائز خون ریزی کرتے ہیں' حالانکہ سیدنا ابوبکر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما ایسے لوگوں سے بری الذمہ ہیں۔

اور کبھی کبھی ایک عامی شخص اپنے نفس میں ایسی سوچ پیدا کر لیتا ہے کہ ابلیس اسے پروردگار عالم سے جھگڑنے کے لیے آمادہ کر لیتا ہے' ان میں سے کوئی تو اپنے رب سے یوں کہنے لگتا ہے: اس نے یہ فیصلہ کیسے کر دیا ہے اور کس طرح سزا دی ہے؟ اور کوئی یوں کہتا دکھائی دیتا ہے: اس نے ایک متقی شخص کی روزی کیوں تنگ کر رکھی ہے اور نافرمان کی روزی کیوں وسیع فرما دی ہے؟

ان میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو نعمتوں پر شکریہ ادا کرتا رہتا ہے لیکن جونہی کوئی آزمائش اور پریشانی آ جاتی ہے تو اس سے روگردانی کر لیتا اور اس کا کفر کرنے لگتا ہے۔

اور ان میں جس کو کوئی مقصود ومطلوب ہاتھ نہیں لگتا یا وہ کسی آزمائش میں مبتلا کر دیا جاتا ہے تو کفر کا راستہ اختیار کر لیتا ہے اور یوں کہنے لگتا ہے: میں نماز نہیں پڑھنا چاہتا اور بعض اوقات تو بدکار نصرانی کسی مؤمن پر غلبہ پا کر اسے کوئی ضرب لگاتا ہے یا اسے شہید ہی کر ڈالتا ہے' تو عوام کہنے لگتی ہے: صلیب غالب آ گئی ہے' جب معاملہ ہی ایسا بن چکا ہے تو ہم نمازیں کیوں ادا کریں؟!

ایسی ہی آفات ہیں جن کے باعث ایسے لوگوں پر ابلیس قابو پانے میں کامیاب ہو جاتا ہے' صرف ان کے علم اور علماء سے دور رہنے کے سبب' اگر یہ لوگ اہل علم سے رجوع

کرتے اور ان سے پوچھ لیتے تو وہ انھیں بتا دیتے کہ اللہ تعالیٰ تو حکیم اور مالک ہے، تو اس طرح کوئی بھی ایسا معاملہ اور خطرہ درپیش نہ آتا۔

فتویٰ اور شیطانی یلغار

عوام الناس میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنی ذاتی عقل ہی پر راضی ہو بیٹھتے ہیں، وہ علماء کی مخالفت کی چنداں پروا نہیں کرتے، جب کبھی علماء کا فتویٰ اس آدمی کے ذاتی غرض و فائدے کے خلاف ہوتا ہے تو ان پر تردید کرنا شروع کر دیتا ہے اور ان کی عیب جوئی میں لگ جاتا ہے۔ ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ یوں فرمایا کرتے تھے:

ان برسوں میں میں نے یوں زندگی بسر کی ہے کہ اگر میں کسی صانع کی صنعت میں ہاتھ داخل کرتا، تو وہ مال والا کہتا: تو نے میرے مال کو خراب کر دیا ہے، اگر میں کہتا: میں تو ایک عالم دین ہوں، تو وہ مجھے یوں کہتا: اللہ تعالیٰ آپ کے علم میں برکت فرمائے، یہ آپ کا کام نہیں ہے! باوجود اس کے کہ اس کا کام ایک امر حسی ہوتا ہے، اگر آپ اسے کرنے والے ہوتے تو اسے سمجھ جاتے، اور وہ کام جس میں میں ہوں، یہ ایک عقلی امر ہے، تو جب میں اسے فتویٰ دیتا، تو وہ قبول نہ کرتا!!

بہ تکلف زہد اختیار کرنے والے علماء

ابلیس کے عوام کو دیے ہوئے دھوکوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ مصنوعی اور بناوٹی زاہدوں کو علمائے کرام پر برتری دیتے ہیں، اگر یہ عوام کسی جاہل ترین شخص پر کوئی اونی جبہ دیکھ لیں تو اس کی تعظیم بجا لاتے ہیں، خصوصاً جب کہ اس نے اپنے سر کو بھی جھکا رکھا ہو، اور اس نے ان کے لیے جعلی تواضع اور خشوع بھی ظاہر کر رکھا ہو، لوگ یہ کہنے لگتے ہیں: فلاں عالم کا اس سے کیا موازنہ؟ وہ تو طالب دنیا ہے! اور یہ ایسا زاہد ہے جو ایک دانہ انگور اور ایک کھجور تک نہیں کھاتا، اور نہ یہ شادی کرنے کا ہی فکر رکھتا ہے، فقط ان لوگوں کی زاہد کے مقابلے میں ایک عالم کی فضیلت سے لاعلمی ہے، اور یہ لوگ سیدنا محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر ان مصنوعی زاہدوں کو ترجیح و فضیلت دے رہے ہیں۔

ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا ایک احسان یہ بھی ہے کہ انھوں نے رسول برحق حضرت محمد ﷺ کا زمانہ نہیں پایا' اگر یہ لوگ آپ کو بکثرت شادیاں کرتے دیکھتے' مرغی کا گوشت تناول کرتے ہوئے مشاہدہ کر لیتے' اور حلوہ اور شہد کو محبوب رکھتے دیکھتے تو ان کے سینوں میں آپ کی بھی قدر و منزلت نہ رہتی۔

علمائے کرام کی شان میں نازیبا الفاظ

مباح اشیاء استعمال کرنے میں ابلیس نے عوام کو علمائے کرام کے خلاف بھڑکایا ہے' اور ان کے حق میں نازیبا الفاظ استعمال کروائے ہیں' حالانکہ یہ ان کی انتہاء درجے کی جہالت ہے' ان لوگوں کے میلان طبع اکثر اجنبیوں کی جانب رہتے ہیں اور یہ کسی اجنبی کو اپنے شہر والے پر ترجیح دیتے ہیں' جن کے معاملے سے آگاہ اور جن کے عقیدے سے آشنا اور واقف کار ہوتے ہیں[1] یہ لوگ ایک اجنبی اور باہر سے آنے والے کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں' شاید کہ وہ باطنی فرقہ کا ہو۔

حالانکہ نفوس کو ایسے آدمی کی طرف سپرد کرنا چاہیے جس کی معرفت ہو چکی ہو' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ﴾

(النساء : ۴/ ۶)

''پھر اگر تم ان میں عقل کی پختگی اور حسن تدبیر پاؤ تو انھیں ان کے مال سونپ دو''

اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو ایسے لوگوں میں مبعوث فرما کر بھی اپنا احسان جتلایا ہے جو آپ کے احوال سے آشنا تھے' اور یوں فرمان باری تعالیٰ موجود ہے:

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ ﴾ (ال عمران : ۳/ ۱۶۴)

''بے شک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا''

---

[1] یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا ہم نے بچشم خود مشاہدہ کیا ہے۔ فلا قوۃ الا باللہ

اور ایک فرمان گرامی یوں بھی ہے:

﴿ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ﴾ (الانعام : ۶/ ۲۰)

''وہ لوگ رسول کو پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں''

بناوٹی زاہدوں کی تعظیم

اور بعض اوقات تو عوام الناس ان کی تعظیم بجا لاتے ہوئے ان کے دعووں کو بھی قبول کر لیتے ہیں اگرچہ وہ دعوے شریعت کی حدود سے متجاوز ہی ہوں اور حدودِ شرع سے باہر ہی جا چکے ہوں' آپ ایک کاہن و پامسٹ[1] دیکھیں گے کہ وہ ایک عام آدمی سے کہتا ہے: تو نے کل یہ کام کیا تھا' تجھ پر یہ تقدیر چلے گی' اور وہ اس کی تصدیق کرتا ہے اور کہتا ہے: یہ تو دل کی بات کے مطابق گفتگو کر رہا ہے' اور اتنی بات نہیں جانتا کہ علم غیب کا دعویٰ کرنا تو علانیہ کفر ہے۔

پھر ان کاہنوں اور پامسٹوں میں وہ لوگ ایسے امور بھی مشاہدہ کرتے ہیں جو حلال نہیں ہوتے' جیسے کہ عورتوں سے مؤاخاۃ (بھائی چارہ) اور ان سے خلوت نشینی اور اپنے اموال ان کے سپرد کرتے ہوئے ان پر کسی طرح کا اعتراض بھی نہیں کرتے۔

---

[1] گویا کہ مصنف رحمہ اللہ ان لوگوں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو علم غیب جاننے اور دیگر اطلاعات کی معرفت کا دعویٰ رکھتے ہیں۔
اس کے بالکل قریب قریب وہ چیز بھی ہے جسے ہم اپنے اخبارات و رسائل میں ''قسمت کا حال'' ''ستارے'' ''برج'' ''آپ کا ہفتہ کیسا رہے گا؟'' وغیرہ دیکھتے ہیں' جن میں وہ ''غیب کو عیاں کرنے'' اور ''مستقبل کی باتیں جاننے'' کے دعوے کرتے ہیں' لوگوں کی کثیر تعداد اپنی عمروں کے اعتبار سے اور اپنی ثقافت کے لحاظ سے انھیں پڑھتے اور پھر انھیں تسلیم کرتے اور ان سے موافقت اختیار کرتے ہیں' پھر بالخصوص ان چیزوں کو عموماً ایسے خوشنما اور پیچ دار انداز سے لکھا جاتا ہے جو تمام لوگوں کے طبع کے موافق اور ان کے غم و رنج اور مشکلات و مصائب کے حوالے سے مناسبت رکھتا ہوتا ہے' ہر پڑھنے والا یہی گمان کرتا ہے کہ یہ تحریر اسی پر منطبق ہو رہی ہے اور اگر کوئی قاری کسی بڑے اخبار میں بڑے برجوں کا پیچھا کرے تو وہاں کی تحریروں کو بھی اپنے پر منطبق دیکھتا ہے۔
یہ دور حاضر کا عظیم فتنہ اور دھوکا ہے۔

گناہوں میں نفس کو بے مہار چھوڑ دینا

ان کی عوام پر ایک چال یہ بھی ہے کہ وہ گناہ میں اپنے آپ کو بے مہار اور آزاد چھوڑ دیتے ہیں، جب انھیں ملامت اور توبیخ کی جاتی ہے تو زنادقہ اور بے دینوں کی طرح باتیں کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

ان میں سے کوئی ایسے کہتا ہے: میں ادھار کے عوض نقد کو ترک نہیں کروں گا۔

اگر یہ لوگ جان لیتے اور فہم حاصل کر لیتے تو یہ بھی سمجھ جاتے کہ یہ نقد نہیں ہے کیونکہ یہ تو حرام ہے، اختیارِ نقد و ادھار تو صرف مباح امور میں ہوتا ہے، ان کی مثال تو اس بیمار شخص کی ہے جو جاہل ہے اور شہد کھائے جاتا ہے، جب اسے سرزنش کی جاتی ہے تو کہتا ہے: شہوت و اشتہاء تو نقد ہے اور صحت و عافیت ادھار ہے۔

پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر یہ لوگ ایمان کی حقیقت سے آشنا ہو جاتے تو جان جاتے کہ یہ ادھار تو بالکل وعدۂ برحق ہے جس کی خلاف ورزی بالکل نہیں کی جائے گی، اگر یہ جان جاتے تو ان تاجروں کی طرح عمل کرتے جو قلیل منافع کی امید پر اپنا کثیر مال خطرے میں ڈال لیتے ہیں تو بلاشبہ انھیں معلوم ہو جاتا کہ جو انھوں نے ترک کر دیا ہے وہ قلیل ہے اور جس کی امید رکھتے ہیں وہ کثیر ہے۔ اگر وہ ان دونوں چیزوں میں امتیاز کر لیتے یعنی جن کاموں کو انھوں نے زیادہ ترجیح دی ہے اور جن کاموں سے انھوں نے اپنے نفوس کو محروم رکھا ہے تو یہ دیکھ لیتے کہ جس کام کی انھوں نے جلدی مچائی ہوئی تھی وہ انھیں جلد ہی مل گئی ہے کیونکہ جب ان سے دائمی نفع تو فوت ہو گیا ہے اور اسی جلد بازی نے تو انھیں عذاب میں ڈال دیا ہے جو واضح خسارہ ہے جس کی اب تلافی بھی نہیں ہو سکے گی۔

ان میں سے کوئی یوں کہتا ہے: پروردگار کریم ہے، اس کی معافی بڑی وسیع ہے اور امید بھی تو دین میں سے ہے۔

وہ اپنی تمناؤں اور اپنی فریب خوردگی کو امید کا نام دیتے ہیں اور اسی امید ہی نے عام گناہگاروں کو ہلاکت میں ڈال رکھا ہے۔

ابو عمرو بن العلاء کہتا ہے: مجھے یہ خبر ملی ہے کہ فرزدق ایک قوم کے پاس بیٹھا ہوا تھا

جو رحمت ایزدی کا تذکرہ کر رہے تھے' یہ ان سب سے امید واری میں کشادہ سینے والا تھا' انھوں نے اس سے کہا: تو پاک دامن مستورات پر تہمتیں کیوں لگاتا ہے! تو بولا: مجھے یہ بتاؤ' اگر میں اپنے والدین کے حق میں کمی کروں جو اپنے پروردگار کے حق میں کرتا ہوں تو آپ کا کیا خیال ہے کہ یہ دونوں مجھے انگاروں سے بھرے ہوئے تنور میں ڈالنا گوارا کریں گے؟ وہ بولے: نہیں' بلکہ وہ دونوں تو تجھ پر رحم کریں گے۔ تو کہنے لگا: مجھے ان دونوں سے بڑھ کر اپنے رب کی رحمت پر زیادہ اعتماد ہے۔

میں عرض کرتا ہوں: یہ تو محض جہالت ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت رقتِ طبع کا نتیجہ نہیں ہے' اگر معاملہ ایسے ہوتا تو کوئی بھی چڑیا ذبح نہ کی جاتی' کوئی طفل مارا نہ جاتا' اور کسی کو بھی واصل جہنم نہ کیا جاتا۔

عباد کا بیان ہے: اصمعی نے کہا: میں مکہ میں ابونواس کے پاس تھا' اچانک ایک بے ریش نوجوان نظر آیا جو حجر کو بوسہ دے رہا تھا۔

ابونواس مجھ سے بولا: اللہ کی قسم! میں حجر اسود کے پاس اس کا بوسہ ضرور لے کر رہوں گا' میں نے کہا: تیری ہلاکت و بربادی ہو' اللہ تعالیٰ سے ڈر' تو تو حرمت والے شہر میں ہے اور احترام والے گھر کے پاس ہے' اس نے جواب دیا: میں یہ کام ضرور کروں گا' پھر وہ حجر اسود کے قریب پہنچا' وہ بچہ بھی حجر اسود کا بوسہ لینے کو آیا' تو ابونواس نے جلدی کرتے ہوئے اپنے رخسار کو اس بچے کے رخسار پر رکھ کر اس کا بوسہ لیا' یہ سارا منظر میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا تھا' میں نے کہا: تیری بربادی ہو! کیا اللہ تعالیٰ کے حرم پاک میں بھی؟ وہ بولا: اس کو اپنے ذہن سے نکال دو' کیونکہ میرا پروردگار تو بہت زیادہ مہربان ہے' پھر اس نے یہ دو اشعار پڑھ دیے:

وَ عَاشِقَانِ الْتَفَّ خَدَّاهُمَا
عِنْدَ اسْتِلَامِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ

''دو عاشقوں کے رخسار حجر اسود کا بوسہ لیتے ہوئے آپس میں مل گئے ہیں۔''

فَاشْتَفَيَا مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّاْثَمَا كَاَنَّمَا كَانَا عَلٰى مَوْعِدِ

''دونوں کی مرادیں بر آئی ہیں اور ان دونوں کو کچھ بھی گناہ نہیں ہوا' گویا کہ دونوں نے یہ کام وعدہ ایفا کرتے ہوئے کیا ہے۔''

میں عرض کرتا ہوں: اس دیدہ دلیری اور سینہ زوری کی طرف دیکھو کہ اس نے رحمت ایزدی کی طرف تو دیکھا ہے لیکن شدتِ عذاب کو بھول بیٹھا ہے جو اس حرمت کو پامال کرنے پر ہونے والا تھا۔

عوام میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو یوں کہتے ہیں: یہ علماء ہیں جو حدود کی محافظت نہیں کرتے ہیں' فلاں یہ کر رہا ہے اور فلاں یوں کر رہا ہے' میرا معاملہ تو قریب قریب ٹھیک ہے!

اس تلبیس کا معاشقہ اور تجزیہ یوں پیش خدمت ہے کہ جاہل اور عالم شرعی احکام بجا لانے میں برابر ہیں' کسی عالمِ دین پر کسی خواہش نفسانی کا غلبہ ہو جانے سے کسی جاہل کو کوئی عذر نہیں مل سکتا۔[1]

اور بعض یوں کہتے ہیں: میرا گناہ اس قدر ہے ہی نہیں کہ جس پر مجھے سزا ملے گی' میں بھلا کون ہوں جس سے گناہ کا مؤاخذہ ہوگا! میرا گناہ اس ذات کو کون سا نقصان پہنچا رہا ہے اور میری فرمانبرداری اسے چنداں نفع مند نہیں ہے' بلکہ اس کا عفو و درگزر میرے جرم سے کہیں بڑھ کر ہے' جیسا کہ ایک نے یوں کہا ہے:

---

[1] آپ ان احوال سے عوام الناس کی کثیر تعداد کی غلطی کو سمجھ سکتے ہیں' جب آپ ان کے سامنے داڑھی منڈوانے کی حرمت کا تذکرہ کرتے ہیں' یعنی بطور مثال' تو وہ تجھے یوں کہتے ہیں: کس طرح؟ وہ فلاں شیخ (......) بھی تو داڑھی منڈواتا یا کٹواتا ہے' یا اس کی داڑھی تو ایک ڈوری اور ایک دھاگہ کی طرح ہے! کیا آپ اس سے بڑھ کر عالم ہیں!؟

سب تعریفیں فقط اللہ وحدہ لاشریک کے لیے ہیں جس نے اپنی کتاب مبین میں حجت کے تمام و کمال کو واضح کر دیا ہے اور اپنے رسولِ مقبول کی سنت میں اس کی صراحت کر دی ہے' یہ مشائخ اور علماء تو فقط واسطے ہیں جو لوگوں کو حق سے روشناس کرواتے ہیں اور انھیں خیر و صلاح کی تبلیغ کرتے ہیں۔

اس بالکل آسان سے راستے کو کوئی پہچان نہیں سکے گا یا اسے یاد نہیں رکھ سکے گا مگر وہی کہ جس کے لیے اللہ تعالیٰ اسلاف کے منہج اور اس کے اتباع کے لیے شرح صدر فرما دے۔

مَنْ اَنَا عِنْدَ اللّٰهِ حَتّٰى اِذَا
اَذْنَبْتُ لَا يَغْفِرُ لِىْ ذَنْبِىْ

''میری بھلا اللہ تعالیٰ کے ہاں حیثیت ہی کیا ہے کہ جب میں گناہ کرلوں تو میرا گناہ نہ بخشا جائے''

یہ تو حماقت ہے' گویا کہ انھوں نے یہ اعتقاد بنا لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فقط اپنے شریک (یعنی شرک کرنے والے) ہی سے مواخذہ کرتا ہے۔

پھر انھوں نے یہ بھی نہ جانا کہ وہ مخالفت کرتے رہنے کے باعث ایک سرکش کے مقام تک جا پہنچے ہیں۔

ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک آدمی کو یوں کہتے ہوئے سنا: میں کون ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے سزا دے گا! تو آپ نے اس سے کہا: بھئی تو وہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ سبھی مخلوقات کو مار دے اور صرف تجھے ہی باقی رکھے' تو اس کا یہ حکم ''یا ایها الناس'' فقط تیرے لیے ہی ہو گا۔

ان میں سے کوئی یوں کہتا ہے' میں توبہ کر ہی لوں گا اور اپنی اصلاح کر ہی لوں گا۔

دیکھیے کتنے ہی بے وقوف ایسے ہوئے ہیں جنھوں نے امیدوں کو دراز کیے رکھا لیکن موت نے انھیں پورا کرنے سے قبل ہی اپنا لقمہ بنا لیا' یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ خطاؤں میں تو جلد بازی دکھائی جائے اور درست عمل کا انتظار کیا جائے' بعض اوقات تو توبہ میسر ہی نہیں ہوتی' اور بعض اوقات توبہ درست ہی نہیں ہوتی' اور بعض اوقات توبہ قبول ہی نہیں ہوتی' پھر اگر مقبول ہی ہو جائے تو گناہ سے شرمندگی ہمیشہ قائم رہتی ہے' کسی معصیت کے خیال کو ہٹانا حتیٰ کہ وہ جاتا رہے' یہ کہیں آسان تر ہے کہ گناہ کرنے کے بعد اس قدر محنت اٹھائی جائے اور پھر وہ قبول بھی ہو یا نہیں' اس کی کیا خبر!

اور ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو توبہ کرتا ہے پھر اسے توڑ دیتا ہے' ابلیس نے اس کے ارادے کی کمزوری اور ناپختگی کو بھانپتے ہوئے اس پر اپنے مکر وفریب کو داخل کر دیا ہے۔

حسن کا بیان ہے: جب شیطان تیری طرف دیکھتا ہے اور تجھے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے پاتا ہے تو وہ تجھے مردہ لوگوں میں شمار کرتا ہے' اور جب وہ تجھے اللہ تعالیٰ کی

فرمانبرداری کے اعمال میں جاری وساری دیکھتا ہے تو تجھ سے اکتاتا ہے اور تجھے چھوڑ کر الگ ہو جاتا ہے اور جب تجھے کبھی اس کام میں اور کبھی اس کام میں دیکھتا ہے تو تجھ میں طمع کرتا ہے۔

نسب ناموں میں فخر وغرور اور ابلیسی دھوکا

عوام الناس پر ایک ابلیسی دھوکا یہ بھی ہے کہ اگر کسی کا کوئی معروف نسب ہو تو اسے یوں مبتلائے فریب بناتا ہے[1] کہ وہ کہتا ہے:

میں ابوبکر کی اولاد میں سے ہوں' اور یہ بولتا ہے: میں اولادِ علی میں سے ہوں' اور وہ پکار اٹھتا ہے: میں اولاد حسن یا اولاد حسین کا چشم و چراغ ہوں' یا یوں کہتا ہے: میں فلاں عالم سے نسبی قربت رکھتا ہوں یا میں فلاں زاہد سے نسبی قربت رکھتا ہوں۔

یہ لوگ اپنے امر کی دو بنیادوں پر عمارت کھڑی کرتے ہیں:

- یہ لوگ کہتے ہیں: جو کوئی کسی انسان سے محبت رکھتا ہے تو اس کی اولاد اور اس کے اہل سے بھی پیار رکھتا ہے۔
- ان کی سفارش ہوگی' اور ان کی سفارش میں وہ لوگ زیادہ حقدار ہوں گے جو ان کے اہل اور ان کے اولاد میں ہوں گے۔

حالانکہ یہ دونوں بنیادیں ہی غلط ہیں۔

رہا معاملہ محبت کا' تو اللہ تعالیٰ کی محبت آدمیوں کی محبت کی مانند نہیں ہے' کیونکہ وہ تو ان سے پیار و محبت کرتا ہے جو اس کے اطاعت گزار ہوتے ہیں' بلاشبہ اہل کتاب اولاد یعقوب علیہ السلام میں سے تھے لیکن وہ اپنے آباء واجداد سے نفع نہ پا سکے۔

---

[1] ہم ایسے ہی ایک بدعتی اور گمراہ آدمی کو جانتے ہیں' جب اسے کسی طرف سے کوئی صدمہ پہنچتا ہے تو اہل سنت کو کافر کہتا اور داعیان توحید کو علانیہ گالی گلوچ کرتا ہے' جب اس کا اس بارے میں گھیراؤ کیا جاتا ہے تو اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاتا اور پیچھے ہٹ کر اپنی بات سے رجوع کر لیتا ہے' پھر اپنے پہلے قول ہی کی طرف پلٹ آتا ہے اس طرح وہ نہ کھل کر سامنے آتا ہے اور نہ ہی چھپتا ہے'...... ان حرکتوں کے باوجود وہ فخریہ انداز سے اور اپنے متعلق اس اعلان بازی سے پھولے نہیں سماتا ''...... القرشی الہاشمی......''!! وہ نرا جاہل' باتوں میں تحریف کرنے والا اور کمزور دین والا ہے۔

رہا معاملہ سفارش کا' تو اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق یوں فرمایا ہے:

﴿ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ ﴾ (الانبیاء: ۲۱/ ۲۸)

''وہ کسی کی بھی سفارش نہیں کرتے' بجز ان کے جن سے اللہ خوش ہو''

اور جب سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کشتی میں سوار کرنا چاہا تو یوں ہی کہا تھا:

﴿ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ﴾ (ھود: ۱۱/ ۴۶)

''یقیناً وہ تیرے گھرانے میں سے نہیں ہے''

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ کے بارے میں سفارش نہ مانی گئی' اور نہ ہی ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کی والدۂ ماجدہ کے بارے میں۔[1]

آپ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بھی یوں فرمایا ہے:

((لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا))[2]

''میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تیرے لیے کچھ بھی کام نہیں آ سکتا''

اور جس شخص کا یہ وہم و خیال ہے کہ وہ اپنے باپ کی نجات کے ساتھ ہی نجات پا جائے گا' وہ بالکل ایسا ہی ہے جو یہ گمان کرے کہ وہ اپنے باپ کے کھانا کھانے سے سیر ہو جائے گا!

کسی ایک نیکی کی خصلت پر بھروسا کر لینا اور بعد کی پروا نہ کرنا

عوام پر ابلیسی حملوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کا ایک فرد کسی نیکی کے کام اور نیک عمل پر بھروسا کر بیٹھتا ہے اور جو اس عملِ خیر کے بعد وہ برے کام کرتا رہا ہے ان کی کچھ فکر اور پروا نہیں کرتا' ان میں سے کوئی تو یوں کہہ اٹھتا ہے: میں اہلِ سنت میں سے ہوں' اور اہلِ سنت خیر و صلاح پر قائم ہیں' پھر وہ گناہوں کو بھی ترک نہیں کرتا۔

---

[1] صحیح مسلم' الجنائز' باب استئذان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ربه فی زیارة قبر امه' حدیث: ۹۷۶۔

[2] صحیح بخاری' الوصایا' باب هل یدخل النساء والولد فی اقارب' حدیث: ۲۷۵۳۔
صحیح مسلم' الایمان' باب فی قوله تعالی: وانذر عشیرتك الاقربین' حدیث: ۲۰۶۔

اس تلبیسی وار کا تجزیہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ اسے یوں کہا جائے کہ اعتقاد فرض ہے' لیکن گناہوں سے باز رہنا ایک دوسرا فرض ہے' ایک فریضہ دوسرے فریضے کی جگہ پر کام نہیں آ سکتا۔[1]

اور اسی طرح رافضیوں کا یہ کہنا: ہم ایسے لوگ ہیں کہ محبتِ اہلِ بیت کے سبب عذاب ہم سے دور ہی رہے گا۔

وہ لوگ بلاشبہ جھوٹ بولتے ہیں' کیونکہ عذاب تو تقویٰ کے باعث دور رہے گا۔

لوگوں کا مال کھانے والے

اس حیلے سے ناکارہ لوگوں پر لوگوں کا مال کھانے پر شیطانی دھوکا اثر کرتا ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو جواں مرد کہلاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں' جواں مرد نہ زنا کرتا ہے اور نہ جھوٹ بولتا ہے اور نہ کسی عورت کی پردہ دری کرتا ہے لیکن اس کے باوجود لوگوں کا مال ہڑپ کرنے سے کنارہ کشی نہیں کرتے۔

یہ لوگ اپنے اس طریقے کو جوانمردی[2] کا نام دیتے ہیں۔

اور بعض اوقات ان کا ایک ''جوانمردی کی قسم'' بھی کھا لیتا ہے[3] اور پھر کوئی دوسری چیز کھاتا پیتا بالکل نہیں۔

اپنے مذہب میں داخل ہونے والے کو شلوار پہنانا اسی طرح لازمی خیال کرتے ہیں جس طرح صوفیاء اپنے مریدوں کو مرقعہ (جبہ) پہنانا لازمی خیال کرتے ہیں۔

---

[1] کتاب ''الاستقامۃ'' (۴۶۶/۱) جو کہ امام ابن تیمیہ کی کتاب ہے' میں آپ نے فرمایا ہے: توحید کے ہوتے ہوئے گناہوں کی کثرت توحید کے بغیر گناہوں کی قلت سے بہتر ہے۔
اس میں کچھ شک نہیں کہ اعتقاد اور توحید کا معاملہ معاصی اور ذنوب کے معاملہ سے کہیں بڑھ کر عظیم ہے۔

[2] علامہ ابن بیدکین حنفی نے اپنے رسالہ ''الفتوۃ'' (جوانمردی) میں (ص ۵۰۴) میں کہا ہے:
''یہ جوانمردی جو ہمارے دور میں زیر عمل ہے یہ انتہائی بری بدعات میں سے ہے' اور ان امور میں سے جو شیطان کو راضی کرتے ہیں اور اللہ رحمٰن کو غضب ناک کرتے ہیں۔''
پھر اس کے بعد (ص ۵۱۲) میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی ایک تقریظ ہے' اس میں ہے:
''یہ جوانمردی باطل ہے' علمائے اسلام کے متفقہ مؤقف کے مطابق اس کی کوئی اصل نہیں ہے.....''

[3] اور یہ صاف شرکیہ قسم ہے' اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی قسم کھانی جائز نہیں ہے۔

ان میں سے کوئی اگر اپنی بیٹی یا بہن سے کوئی جھوٹ کا کلمہ اور بات سن لیتا ہے جو درست نہ ہو یا بعض اوقات وہ کسی انگیختہ کرنے والے کی طرف ہی سے کیوں نہ ہو تو وہ اسے (اپنی بہن یا بیٹی کو) قتل کر ڈالتے ہیں اور اس امر کا دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ جوانمردی ہے۔

نوافل پر اعتماد اور فرائض کا ضیاع

عوام میں کوئی ایسا بھی ہے جو نوافل پر اعتماد کرتا ہے اور فرائض کو ضائع کرتا ہے' مثلاً وہ اذان سے قبل مسجد میں حاضر ہوتا ہے' نوافل ادا کرتا رہتا ہے اور جب مقتدی بن کر نماز ادا کرتا ہے تو امام سے سبقت لے جاتا ہے۔

اور ان میں سے کوئی ایسا ہے جو فرض نمازوں کے اوقات میں حاضر نہیں ہوتا اور ''لیلۃ الرغائب''[1] میں بڑھ چڑھ کر شمولیت کرتا ہے۔

اور ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو عبادت گزاری کرتا ہے اور روتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ بے حیائیوں اور فواحش پر بھی مصر رہتا ہے' انھیں چھوڑنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتا' اگر اسے یہ کہا جائے تو کہتا ہے: ایک برائی اور ایک اچھائی' اور اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے!

ان میں سے اکثر اپنی رائے سے عبادت کرتے ہیں تو اس طرح اصلاح کی نسبت فساد زیادہ کرتے ہیں۔[2]

میں نے ان میں سے ایک آدمی کو دیکھا ہے' جس نے قرآن حفظ کر رکھا ہے' پھر وہ

---

1. یعنی ''صلاۃ الرغائب کی رات'' یہ ایک ایسی نماز ہے جس کا پڑھنا بدعت ہے' یہ نئی ایجاد ہے' اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ امام عز بن عبد السلام نے اس کی تردید و انکار میں ایک الگ رسالہ بھی تالیف کیا ہے اور اس کا بدعت ہونا ثابت کیا ہے۔ (اس نماز کو عموماً شعبان کی پندرھویں شب پڑھا جاتا ہے۔ مترجم)

2. آج بھی اکثر عوام حتیٰ کہ ان کے نوجوان جو دعوتِ دین کے ساتھ بھی نسبت رکھتے ہیں' آپ انھیں دیکھیں گے کہ اپنی رائے ہی سے عبادت کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ اپنی زندگی کے بے شمار مقامات میں رائے زنی پر ہی انحصار کرتے ہیں!

جبکہ ان کی آراء فقط خالی خولی اور مثل سراب ہیں!

اور زیادہ زاہد اور صوفی بن گیا ہے تو اس نے اپنے عضو تناسل کو بھی کاٹ دیا ہے' حالانکہ یہ انتہائی بے حیائی اور غلط حرکت ہے۔

مجالس ذکر میں حاضری

ابلیس نے اکثر عوام پر یہ تلبیسی حملہ بھی کیا ہے' کہ وہ مجالس ذکر میں حاضری دیتے اور روتے ہیں' اور پھر اسے ہی کافی سمجھتے ہیں' بس یہ گمان رکھتے ہیں کہ ان کا مقصود مجالس میں حاضر ہونا اور رونا ہی ہے' کیونکہ وہ مجالس ذکر میں حاضری کی فضیلت سنتے رہتے ہیں' کاش وہ جانتے ہوتے کہ اصل مقصود تو عمل کرنا ہے اور جب سنے ہوئے پر عمل نہ کیا جائے' تو یہ اس کے خلاف بھاری حجت بن جائے گی۔

اور میں ایسے بہت سے لوگوں کو ذاتی طور پر جانتا پہچانتا ہوں جو برسوں سے مجالس ذکر میں حاضر ہوتے رہتے ہیں' روتے چلاتے ہیں' خشوع کا اظہار کرتے ہیں' لیکن اس حاضری کے باوجود جو سودی معاملات' کاروبار میں دھوکا' ملاوٹ اور ارکانِ نماز سے ناواقفی' مسلمانوں کی غیبت اور والدین کی نافرمانی وغیرہ امور' جو مدتوں سے ان کی عادات بنی ہوئی ہیں' ان میں کچھ تبدیلی نہیں لاتے!

ان لوگوں کو ابلیس نے اس طرح دھوکے میں مبتلا کیا ہوا ہے' کہ ایسی مجالس میں حاضر ہونا اور رولینا ان کے کیے ہوئے گناہوں کو دور کردے گا۔

اور بعض کو یہ باور کروا دیا ہے کہ فقط علماء اور صالحین کی مجالس میں حاضری ہی ان سے دفاع کرے گی۔

اور بعض دوسروں کو توبہ کرنے میں ٹال مٹول کرنے میں مشغول کر دیا ہے اور اس طرح انھیں لمبی آرزوئیں دکھائی ہیں۔

اور ایک قوم کو تو صرف سنی ہوئی باتوں کے ساتھ تفریحی مشغلے کے طور پر قائم کر دیا ہے' یعنی وہ صرف تفریحِ طبع کے لیے باتوں کو سنتے ہیں اور ان کے ساتھ عمل کرنے کو معطل کر چکے ہیں۔

سرمایہ داروں پر شیطانی حملے کا انداز

ابلیس نے اصحابِ اموال اور سرمایہ داروں پر مندرجہ ذیل چار راہوں سے حملے کیے ہیں:

❀...... ان کی کمائی اور آمدنی کی راہ سے' وہ کچھ پروا نہیں کرتے کہ کس طرح آمدنی آ رہی ہے۔ ان کے اکثر معاملات میں سود شامل ہو چکا ہے اور وہ اسی ہی سے مانوس ہو چکے ہیں' حتیٰ کہ ان کے اکثر معاملات اجماع امت ہی سے خارج نظر آتے ہیں۔

❀...... اپنے مال پر بخل اور کنجوسی کرنے کی راہ سے' ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو بالکل زکوٰۃ ہی نہیں نکالتے' اللہ تعالیٰ کی معافی پر اعتماد اور بھروسا رکھتے ہوئے۔

اور ان میں کچھ تھوڑی بہت نکالتے تو ہیں پھر ان پر کنجوسی اور بخل کا غلبہ ہو جاتا ہے اور وہ یہ نظریہ اور عقیدہ بنا لیتے ہیں کہ بس اتنی سی مقدار ہی عذاب الٰہی کو ان سے ٹال دے گی۔

اور ان میں کئی تو اسے ساقط کرنے کے لیے حیلے سازی کرتے رہتے ہیں مثلاً سال گزرنے سے قبل وہ اسے ہبہ کرتا ہے پھر اسے واپس لے لیتا ہے!

اور ان میں سے کئی فقیر ومحتاج کو کوئی کپڑا عطا کرنے میں یوں حیلہ سازی کرتے ہیں کہ اس کی قیمت دس دینار کے برابر ہے جبکہ اس کی قیمت صرف دو دینار کے مساوی ہوتی ہے' اور وہ جاہل یہ گمان کر لیتا ہے کہ وہ خلاصی پا چکا ہے۔

اور ان میں سے کئی ایسے ہیں جو عمدہ مال کے بجائے ردی اور نکما مال بطور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

اور ان میں سے کئی ایسے ہیں جو سال بھر خدمت گزاری کرنے والے ہی کو زکوٰۃ کی رقم دے دیتے ہیں حالانکہ یہ درحقیقت اس کی اجرت اور مزدوری ہے۔

اور ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو کما حقہ زکوٰۃ کو ادا کر لیتا ہے' تو ابلیس اسے یہ کہتا ہے: اب تجھ پر کچھ بھی باقی نہیں ہے' اور اسے مال کی محبت میں مصروف رکھتے ہوئے نفلی صدقات وخیرات کرنے سے باز رکھتا ہے' تو اس طرح وہ صدقات کرنے والوں کے اجر و ثواب سے محروم اور دور ہی رہتا ہے' اور اس کا وہ مال دوسروں کا رزق بن جاتا ہے۔

❀...... مال کو بڑھاتے رہنے کی راہ سے' ایک سرمایہ دار اور امیر آدمی اپنے نفس کو ایک فقیر ومحتاج سے بہتر شمار کرتا ہے' حالانکہ یہ جہالت ہے' کیونکہ فضیلت تو ایسے فضائل سے منسلک ہے جو نفس کے ساتھ لازم وملزوم ہوتے ہیں' نہ کہ مال جمع کرنے سے فضیلت ملتی ہے جو نفس سے بیرونی چیز ہے' جس طرح کہ ایک شاعر[1] نے کہا ہے:

غِنَی النَّفْسِ لِمَنْ یَّعْقُوْلُ
خَیْرٌ مِنْ غِنَی الْمَالِ

''دل کا غنی ہونا مال میں غنی ہونے سے کئی درجے بہتر ہے' یہ اس آدمی کے لیے ہے جو عقل رکھتا ہو۔''

وَ فَضْلُ النَّفْسِ فِی الْأَنْفُسِ
لَیْسَ الْفَضْلُ فِی الْحَالِ

''اور نفس کی فضیلت ذات میں ہے' یہ فضیلت حالت میں نہیں ہے۔''

❀...... اسے خرچ کرنے کی راہ سے' ان میں سے بعض تو اسراف اور فضول خرچی سے ان مالوں کو صرف وخرچ کرتے ہیں۔

بعض اوقات تو حاجت کی مقدار سے زائد کر جاتے ہیں' اور دیواروں کی تزئین ونقش ونگاری میں' کمروں کی زیبائش وآرائش میں اور فوٹو گرافی کی صورت میں خرچ کرتے ہیں۔

اور بعض اوقات زائد لباس کی شکل میں جو صاحبِ لباس کو تکبر اور فخر کی طرف لے جاتا ہے۔

اور بعض اوقات ضرورت سے زائد کھانے پینے کی اشیاء میں' ان افعال کا مرتکب فعل حرام یا فعل مکروہ سے سلامت نہیں رہتا' اور وہ ان دونوں صورتوں ہی میں مسئول وجواب دہ ٹھہرے گا۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے ابن آدم! تیرے دونوں قدم روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے سامنے سے ہرگز نہ

---

[1] یہ شاعر ابو فراس ہمدانی ہے' دیکھیے اس کا ''دیوان'' (ص/۱۲۲)

ہلیں گے جب تک تجھ سے چار چیزوں کے متعلق سوال نہ کر لیا جائے' اپنی عمر کے بارے میں' کہ کن کاموں میں تو نے اسے فنا کر ڈالا؟ اپنے بدن کے بارے میں' کہ کن امور میں تو نے اسے بوڑھا کر دیا؟ اپنے مال کے بارے میں' کہ تو نے اسے کہاں سے کمایا اور اسے کن کاموں میں خرچ کیا؟ اور اپنے علم کے متعلق' کہ تو نے کس حد تک اس کے مطابق عمل کیا؟''[1]

اور ان میں سے کئی تو مساجد اور بلند و بالا عمارتوں کی تعمیر میں خرچ کرتے رہتے ہیں' ہاں مقصود یہ ہوتا ہے کہ دکھاوا ہو اور شہرت مل جائے' اس کا ذکر باقی رہے اور اس بنائی ہوئی عمارت پر اس کا نام کندہ ہو جائے' اگر اس کا عمل اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے علم پر ہی کفایت کر جاتا' اگر اسے کوئی ایسی ایک دیوار ہی بنانے کے لیے تکلیف دی جائے جس پر اس کا نام نہ لکھا جانا ہو' تو ایسا نہیں کرتا!

اور اس سے ملتا جلتا عمل ان لوگوں کا ماہ رمضان میں شمعیں اور قندیلیں نکالنا بھی آتا ہے جو شہرت کے حصول کی خاطر نکالی جاتی ہیں' حالانکہ سال بھر وہ مساجد ظلمت و تاریکی کی لپیٹ میں رہتی ہیں' کیونکہ روزانہ رات کو تھوڑی سی مقدار میں تیل پیش کرنا اس مدح و ثناء خوانی کا سبب نہیں بنتا جو ماہ رمضان میں قندیلیں اور شمعیں روشن کرنے سے حاصل ہوتا ہے جبکہ چند محتاجوں اور فقیروں کو ان شمعوں والی رقم سے دے کر غنی مالدار بنا دینا زیادہ بہتر اور افضل تھا۔

اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں کہ جب صدقہ و خیرات کرتے ہیں تو محتاج و مفلس کو اس حالت میں مال عنایت کرتے ہیں کہ لوگ دیکھ رہے ہوتے ہیں' اس سے ان کی نیت لوگوں کی مدح و ستائش حاصل کرنا ہوتی ہے اور ساتھ ہی اس محتاج و مفلس کی تذلیل بھی مقصود ہوتی ہے۔

ان مالداروں میں کچھ تو اپنے پاس معمولی درجے کے دینار رکھتے ہیں یعنی ان کے دینار میں کم و بیش دو قیراط (قیراط ایک وزن ہے) ہوتے ہیں اور بسا اوقات تو جبکہ وہ دینار ردی اور کھوٹے ہی ہوتے ہیں وہ سب کے سامنے علانیہ طور پر صدقہ و خیرات کرتا ہے

[1] سنن ترمذی' صفة القيامة' باب في القيامة' حديث: ۲۴۱۶' ۲۴۱۷۔

تا کہ یوں کہا جائے: جی فلاں صاحب نے فلاں کو ایک دینار عطا کیا ہے۔

سلف کی حالت اس کے برعکس تھی' ان میں سے کچھ ایسے تھے جو چھوٹے سے کاغذ کے ٹکڑے میں ایک وزنی دینار رکھتے جس کا وزن ڈیڑھ دینار سے بھی زائد ہو جاتا اور پھر مخفی طور پر کسی فقیر کے حوالے کر دیتے' وہ جب ایک چھوٹا سا پرزہ کاغذ دیکھتا تو اسے ایک ٹکڑا ہی گمان کرتا' لیکن جب اسے ہاتھ لگاتا اور دینار کی گولائی دیکھتا تو خوش ہو جاتا' اور پھر جب اسے کھولتا تو اسے قلیل وزن گمان کرتا' لیکن اسے وزن میں بھاری اور ثقیل پاتا' پھر وہ اسے ایک دینار کے قریب قریب گمان کرتا' لیکن جب اس کا وزن کرتا تو دیکھتا کہ یہ تو دینار سے بھی زائد ہے' پھر اس کی خوشی مزید بڑھ جاتی' تو اس طرح فقیر کی ہر بار خوشی و مسرت کے ساتھ ہی دینار عطا کرنے والے کا ثواب بڑھتا رہتا۔

اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اجنبیوں اور غیروں ہی پر خرچ کرتے ہیں اور اعزہ و اقارب سے حسن سلوک کو ترک کر دیتے ہیں' حالانکہ وہ زیادہ حق دار ہوتے ہیں۔

سیدنا سلیمان بن عامر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

((اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ، وَالصَّدَقَةُ عَلٰى ذِوِى الرَّحِمِ اثْنَتَانِ: صَدَقَةٌ وَّ صِلَةٌ))[1]

''مسکین پر صدقہ تو صرف صدقہ ہے جبکہ رشتہ دار پر صدقہ دو درجے رکھتا ہے: صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔''

ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جن کو قرابت داروں پر خرچ کرنے کے اجر کا علم ہے لیکن ان دونوں کے مابین دنیوی عداوت ہوتی ہے' جو اس کی ہمدردی اور غمگساری کرنے میں رکاوٹ بنتی ہے' حالانکہ اسے اس کی محتاجی اور فقیری کا علم بھی ہوتا ہے' اگر اس صورت میں یہ اس سے ہمدردی اور غمگساری کرے تو اسے صدقہ کرنے کا اجر' صلہ رحمی کا ثواب اور خواہش

---

[1] سنن ترمذی' الزکاۃ' باب ما جاء فی الصدقة علی ذی القرابة' حدیث: ۶۵۸۔
سنن نسائی' الزکاۃ' باب الصدقة علی الاقارب' حدیث: ۲۵۸۱۔
سنن ابن ماجه' الزکاۃ' باب فضل الصدقة' حدیث: ۱۸۴۴۔

نفس سے مجاہدہ کرنے کا بھی بدلہ ملے۔

اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو حج کرنے میں خرچ کر لیتے ہیں اور ابلیس انھیں یہ دھوکا دیتا ہے کہ حج کرنے سے قربت الٰہی میسر آئے گی' حالانکہ ان کی مراد ریا کاری' دل کا بہلاؤ اور لوگوں کی مدح وستائش حاصل کرنا ہوتا ہے۔

کسی آدمی نے بشر حافی سے کہا: میں نے حج کرنے کے لیے دو ہزار درہم تیار کر لیے ہیں تو آپ نے فرمایا: کیا تو نے حج کر رکھا ہے؟ وہ بولا: جی ہاں' آپ نے فرمایا: کسی مقروض کا قرض ادا کر دو۔

وہ بولا: میرا نفس تو صرف حج کرنے کے لیے ہی میلان طبع رکھتا ہے تو آپ نے فرمایا: تیری مراد پھر یہ ہے کہ سواری کرے' واپس آئے اور یوں کہا جائے: فلاں حاجی صاحب ہیں۔

اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو مال اور رقص وسرود پر خرچ کرتے ہیں اور ابلیس انھیں یہ کہہ کر دھوکا دیتا ہے کہ بھئی تو فقراء کو جمع کرتا ہے اور انھیں کھانا کھلاتا ہے' اس میں جو دلوں کی خرابی مخفی ہے' اس کو بیان کر چکے ہیں۔

اور ان میں کوئی ایسا بھی ہے جو اپنی بیٹی کا جہیز تیار کرتا ہے تو اس کے لیے چاندی کا لباس' تکیہ وغیرہ بنواتا ہے اور پھر یہ سمجھتا ہے کہ اس میں قربت ونزدیکی ہے' اور بعض اوقات وہ ختم قرآن کی محفل سجاتا ہے تو سونے کی انگیٹھیاں پیش کی جاتی ہیں اور وہاں پر علماء کی جماعت بھی موجود ہوتی ہے' نہ یہ خود ہی اس کو ناجائز خیال کرتا ہے اور نہ ہی وہ حسب عادت اس پر کچھ اعتراض کرتے ہیں۔

اور ان میں کوئی ایسا بھی ہے جو وصیت کرنے میں ظلم وزیادتی کرتا ہے اور حقیقی وارثوں کو محروم کر دیتا ہے۔ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ یہ اس کا اپنا مال ہے' جیسا چاہے اس میں تصرف کرے' جبکہ یہ فراموش ہی کر بیٹھتا ہے کہ اس بیماری کے آنے سے اس مال سے وارثوں کے حقوق منسلک اور متعلق ہو گئے ہیں۔

فقراء پر شیطانی حملہ

اور ابلیس فقراء کو بھی دھوکا دیتا ہے' ان میں سے کوئی غنی ہونے کے باوجود فقر و محتاجی کو ظاہر کرتا ہے' حالانکہ اگر وہ اس صورتِ حال میں دستِ سوال دراز کرنے اور لوگوں سے مال لینے کو بھی شامل کرے گا تو بلاشبہ وہ آتش جہنم کو بھی بڑھائے گا' جتنی چاہے بڑھا لے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان گرامی بیان کیا جاتا ہے:

((مَنْ سَأَلَ النَّاسَ أَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا، فَإِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا، فَلْيَسْتَقِلَّ مِنْهُ أَوْ يَسْتَكْثِرْ))[1]

''جو اپنے مال کو زیادہ کرنے کے لیے لوگوں کا مال مانگے' یقیناً وہ انگارے مانگتا ہے' خواہ وہ تھوڑے رکھ لے یا زیادہ۔''

اور اگر یہ لوگوں سے اس لیے کچھ وصول نہیں کرتا کہ اسے صوفی اور زاہد کہا جائے تو اس نے ریاکاری کی۔

اور اگر وہ اپنے پاس موجود اللہ تعالیٰ کی نعمت کو چھپائے رکھے گا تاکہ اپنے فقر و احتیاج کو ظاہر کرے اور خرچ نہ کرے تو اس کی کنجوسی کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کا شکوہ موجود ہے۔

اور اگر وہ واقعی فقیر ہے تو اس کے لیے مستحب یہی ہے کہ اپنے فقر کو چھپائے رکھے' اور ظاہری خوبصورتی کو ظاہر کرے' سلف صالحین میں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جو صرف ایک چابی اٹھائے رکھتے تھے تاکہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ یہ گھر کا مالک ہے حالانکہ وہ مساجد میں شب گزاری کیا کرتے تھے۔

اور فقراء پر ابلیسی تلبیسات میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی اپنے نفس کو غنی آدمیوں سے بہتر خیال کرتا ہے کیونکہ اس نے ایسی چیزوں سے زہد و بے رغبتی کی ہوتی ہے جن میں اس غنی نے رغبت کی ہوتی ہے۔

حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ بہتری اور بھلائی مال کی موجودگی اور عدم سے وابستہ اور متعلق نہیں بلکہ یہ تو اس سے ماوراء کسی دوسری چیز سے وابستہ ہے۔

---

[1] صحیح مسلم' الزکاۃ' باب کراھة المسألة للناس' حدیث: ۱۰۴۱۔

عوام پر شیطانی حملہ

ابلیس نے اکثریت کو اپنی ہی عادات میں مگن رہنے میں دھوکے میں رکھا ہوا ہے حالانکہ یہ ان کی ہلاکتوں میں سے سب سے اہم ترین سبب ہے۔

ان میں سے ایک عادت یہ ہے کہ وہ اپنے اعتقادات کے معاملے میں اپنے باپ دادا اور اسلاف ہی کی تقلید میں مگن رہتے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ ایک شخص نے زندگی کی پچاس بہاریں دیکھ لی ہیں لیکن وہ صرف اسی عادت ہی پر چلا آ رہا ہے جس پر اس نے اپنے باپ کو دیکھا تھا' وہ اس بات کا قطعی کوئی خیال نہیں کرتا کہ اس کا باپ راہ راست پر تھا یا غلطی پر؟

حالانکہ یہودیوں' عیسائیوں اور زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی اپنے اسلاف اور آباء واجداد کی تقلید یہی تو تھی' اور اس طرح مسلمان عوام اپنی نمازوں اور اپنی عبادات میں اس عادت ہی پر چلے جا رہے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ ایک شخص برسوں اسی طریقے پر نماز پڑھتا رہتا ہے جس پر اس نے لوگوں کو دیکھا ہوتا ہے' شاید کہ وہ درست انداز سے سورۃ الفاتحہ بھی نہ پڑھتا ہو' اور نہ نماز کے واجبات ہی کو جانتا ہو؟ اور شاید وہ انہیں آسانی سے پہچان بھی نہ پائے کیونکہ اس کے ہاں دین کی قدر و منزلت ہی اتنی ہے' لیکن اگر وہ تجارت اور کاروبار کا ارادہ کرے' تو آغاز سفر سے قبل ایسے لوگوں سے ضرور دریافت کرے گا جو اس شہر میں مال فروخت کر آئے ہیں۔

پھر آپ ان میں ایسے لوگوں کو بھی پائیں گے جو قبل از امام رکوع میں چلے جاتے ہیں اور امام صاحب سے پہلے ہی سجدے میں گر جاتے ہیں۔

اور میں نے ایک ایسی جماعت بھی دیکھی ہے جو امام صاحب کے سلام پھیرنے کے وقت ہی سلام پھیر دیتے ہیں' حالانکہ ان پر تشہد میں سے کوئی واجب چیز ابھی باقی ہوتی ہے اور بعض اوقات ان میں سے ایک فرض کو تو چھوڑ دیتا ہے اور نفل میں اضافہ کر لیتا ہے۔

اور بعض اوقات اعضائے وضو جیسے ایڑی وغیرہ کے دھونے میں سستی اور کاہلی کا مرتکب ہوتے ہیں۔

اور بعض اوقات اس کی انگلی میں انگوٹھی ہوتی ہے جو انگلی میں بالکل پھنسی ہوتی ہے

لیکن وہ بوقت وضوا سے گھماتا بھی نہیں ہے' تو اس طرح انگوٹھی کے نیچے جسم تک پانی نہیں پہنچتا' جس کی وجہ سے اس کا وضو ہی صحیح نہیں ہوتا۔

رہا معاملہ ان کے خرید وفروخت کرنے کا' تو ان کی اکثر خرید وفروخت فاسد ہی ہوتی ہے' وہ ان میں شرعی احکام سے ناآشنا ہی ہوتے ہیں اور معاملات میں کسی فقیہ کی تقلید کرنے کو بھی ناگوار اور دشوار تصور کرتے ہیں کیونکہ وہ شرعی حکم کے تحت آنے کو ناپسند خیال کرتے ہیں۔

اور یہ بھی انتہائی کم ہی ہوگا کہ وہ کوئی چیز فروخت کریں اور اس میں کوئی دھوکا' ملاوٹ اور عیوب ونقائص کی پردہ دری نہ ہو۔

ان کا اپنی عادات پر گامزن رہنے میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو ماہ رمضان میں فرضی نمازوں میں بڑی سستی دکھانے کے علاوہ حرام اشیاء پر افطاری بھی کرتا ہے اور لوگوں کی غیبتیں بھی کرتا رہتا ہے۔

اور کوئی ایک گھر کو کسی چیز کے بدلے گروی رکھتا ہے اور پھر وہ چیز واپس لوٹا دیتا ہے اور کہتا ہے' یہ بوقتِ ضرورت ایسا کیا ہے' حالانکہ بعض اوقات اس کے پاس کوئی دوسرا مکان بھی ہوتا ہے اور اس مکان میں ایسی اشیاء بھی ہوتی ہیں کہ اگر انھیں بیچ ڈالتا تو گروی رکھنے سے اور کرائے پر چیز لینے سے بچ جاتا' لیکن وہ تو اپنی عزتِ نفس اور جاہ وحشمت پر خوف کھاتا ہے کہ کہیں یوں نہ کہہ دیا جائے: اس نے اپنا مکان فروخت کر دیا ہے۔

ان کی عمومی عادات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ کاہن' نجومی اور چوری کی اشیاء کی خبریں دینے والوں کی باتوں پر اعتماد اور یقین کر لیتے ہیں' اور یہ چیز عوام الناس میں تقریباً عام ہو چکی ہے حتیٰ کہ بڑے بڑے لوگوں کی عادات کا حصہ بن چکی ہے۔ یہ بھی قلیل ہی ہے کہ لوگوں کو آپ دیکھیں گے کہ اگر انھوں نے سفر کرنا ہو یا کپڑے کی کٹائی کرنا ہو یا سینگی لگوانا ہو تو وہ کسی نجومی سے ضرور دریافت کریں گے اور اس کے کہے پر عمل پیرا ہوں گے' حتیٰ کہ ان کے گھر بھی ایسے کاہنوں اور نجومیوں کے حسابات اور جنتریوں سے خالی نہیں ہوں گے' لیکن ان کے کتنے ہی گھر ایسے ہوں گے جن میں قرآن کریم بھی نہیں ہوگا۔

صحیح (بخاری ومسلم) میں نبی اکرم ﷺ سے یوں مروی ہے' آپ سے کاہنوں کے متعلق سوال کیا گیا: تو آپ نے فرمایا:

((لَيْسُوا بِشَيْءٍ))

''وہ کچھ بھی نہیں ہیں۔''

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! بعض اوقات وہ ایسی باتیں بھی بیان کرتے ہیں جو برحق اور سچ ہوتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((تِلْكَ الْكَلِمَةُ مِنَ الْحَقِّ يَخْطَفُهَا الْجِنِّيُّ، فَيَنْقُرُهَا فِي أُذُنِ وَلِيِّهِ نَقْرَ الدَّجَاجَةِ، فَيَخْلِطُونَ فِيهَا أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ كَذْبَةٍ))[1]

''وہ بات حق میں سے ہوتی ہے جسے کوئی جن اچک کر لاتا ہے (یعنی آسمان سے)' اسے وہ اپنے دوست کے کان میں ٹھونکتا ہے مرغی کے کٹکٹانے کی طرح' تو وہ اس میں سو سے زائد جھوٹ کی آمیزش کر لیتے ہیں''

صحیح مسلم میں نبی اکرم ﷺ سے یہ فرمان اقدس بیان ہوا ہے:

((مَنْ أَتَى عَرَّافًا، فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ، لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً))[2]

''جو کسی نجومی یا کاہن کے پاس آیا' اس سے اس نے کوئی بات پوچھی' تو ایسے شخص کی چالیس شب تک نمازیں قبول نہیں ہوں گی''

سنن ابی داؤد میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نبی اکرم ﷺ کے فرمان گرامی کے یہ الفاظ ہیں:

---

[1] صحیح بخاری' الادب' باب قول الرجل للشیء' لیس بشیء...... ' حدیث: ۶۲۱۳۔
صحیح مسلم' السلام' باب تحریم الکہانۃ واتیان الکہان' حدیث: ۲۲۲۸۔

[2] صحیح مسلم' السلام' باب تحریم الکہانۃ واتیان الکہان' حدیث: ۲۲۳۰۔

((مَنْ أَتَى كَاهِنًا، فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ، فَقَدْ بَرِئَ مِمَّا أُنْزِلَ عَلَى

مُحَمَّد))[1]

''جو کسی کاہن کے ہاں آیا' اور اس نے اس کے کہے کی تصدیق کر دی' تو وہ اس شریعت سے بری الذمہ ہو گیا جو محمد (ﷺ) پر اتاری گئی ہے''

اور ان کی عادات میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ وہ بکثرت قسمیں اٹھاتے اور پھر انھیں علانیہ توڑتے رہتے ہیں اور جانتے بھی نہیں ہوتے' پھر قسم اٹھانے کے لیے اکثر وہ ایسے الفاظ بولتے ہیں: اگر میں اسے فروخت کروں تو مجھ پر حرام ہے۔

ان کی عادات میں سے ایک عادت یہ بھی ہے کہ ریشم پہنتے ہیں' سونے کی انگوٹھیاں پہنتے ہیں' اور بعض اوقات ان میں سے کوئی ریشم پہننے سے پرہیز کرتا ہے لیکن خاص وقت میں پہن بھی لیتا ہے جیسے جمعہ والے دن خطیب صاحب ہیں۔

اور ان کی عمومی عادتوں میں سے برائی کا انکار کرنے اور اس کی تردید کرنے میں سستی برتنا بھی ہے' حتیٰ کہ آدمی اپنے بھائی یا اپنے کسی قریبی کو شراب نوشی کرتے ہوئے' ریشمی لباس پہنے ہوئے دیکھتا ہے لیکن اس پر کوئی اعتراض و انکار نہیں کرتا' اور نہ ہی اس کے ماتھے پر شکن پڑتی ہے بلکہ اس کے ساتھ ایک مخلص دوست اور گہرے یار کی طرح اٹھنا بیٹھنا رکھتا ہے۔اور ان کی عادات میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے گھر کے دروازے کے سامنے ایک چبوترہ بنا لیتا ہے جس سے گزرنے والوں کے لیے راستہ دشوار اور تنگ ہو جاتا ہے اور بعض اوقات اس کے گھر کے عین سامنے بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہے اور وہ بڑھتا رہتا ہے' جس کا زائل کرنا اس پر واجب ہوتا ہے لیکن وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ پانی چونکہ مسلمانوں کی اذیت کا سبب بنتا ہے' اس لیے یہ گناہ گار ہوتا ہے۔

اور ان کی ایسی عام عادتوں میں سے ایک بری عادت بلا تہبند حمام میں داخل ہونا بھی ہے' اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو تہبند پہن کر حمام میں داخل ہوتے ہیں لیکن اسے

---

[1] سنن ابی داؤد' الطب' باب فی الکاھن' حدیث: ۳۹۰۴۔

سنن ترمذی' الطھارۃ' باب ما جاء فی کراھیۃ اتیان الحائض' حدیث: ۱۳۵

سنن ابن ماجہ' الطھارۃ' باب النھی عن اتیان الحائض' حدیث: ۶۳۹

صرف اپنی رانوں تک ہی رکھتے ہیں جس سے ان کے سرینوں کے نچلے حصے ننگے ہوتے رہتے ہیں' اور اسی حالت میں وہ مالش کرنے والے کو اپنا جسم ملنے دیتا ہے' حالانکہ اس کی شرمگاہ تک ظاہر ہو جاتی ہے' اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگتا ہے کیونکہ شرمگاہ تو ناف سے لے کر گھٹنے تک سارا وجود ہی ہوتا ہے پھر یہ دوسروں کے اس قابل ستر حصے کو بھی دیکھتے رہتے ہیں اور اپنے تہبند کو نہ تو نیچا کرتے ہیں اور نہ ہی ایسے شخص پر کوئی اعتراض کرتے ہیں۔

ان کی انہی عادات میں سے ہے کہ بیوی کے حق کی ادائیگی نہیں کرتے بلکہ بعض اوقات تو اسے اپنا حق مہر معاف کرنے پر مجبور بھی کر ڈالتے ہیں اور خاوند یہ خیال کرتا ہے کہ بس اب اس کی جان بخشی ہوگئی ہے کیونکہ اس نے اپنا حق معاف کر دیا ہے۔

اور بعض اوقات خاوند اپنی دو بیویوں میں سے ایک کی طرف زیادہ میلان رکھتا ہے تو اس طرح وہ تقسیم کار میں ظلم کا مرتکب ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کی اتنی حیثیت نہیں اور معاملہ اتنا نازک نہیں ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمان گرامی نقل کرتے ہیں:

((مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَأَتَانِ يَمِيلُ إِلَى إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى' جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَجُرُّ إِحْدَى شِقَّيْهِ سَاقِطًا أَوْ مَائِلًا))[1]

''جس شخص کی دو بیویاں ہوں' وہ ان دونوں میں سے ایک کی طرف زیادہ میلان رکھتا ہو' وہ قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اپنے ایک پہلو کو گھسیٹتے ہوئے لائے گا جو گرا ہوا ہوگا''

اور ان کی عادات میں سے ایک یہ ہے کہ اپنے آپ کو حاکم کے سامنے مفلس ثابت کرتے ہیں اور جب ان کو مفلس مان لیا جاتا ہے تو پھر یہ سمجھتے ہیں کہ اب ہم سے حقوق ختم ہوگئے ہیں۔

---

[1] سنن ابی داود' النکاح' باب فی القسم بین النساء' حدیث: ۲۱۳۳۔
سنن ترمذی' النکاح' باب ما جاء فی التسویة بین العزائر' حدیث: ۱۱۴۱۔
سنن نسائی' عشرة النساء' باب میل الرجل الی بعض نسائه دون بعض' حدیث: ۳۳۹۴۔
سنن ابن ماجه' النکاح' باب القسمة بین النساء' حدیث: ۱۹۶۹۔

اور جو امور عادات میں جاری ہو چکے ہیں' ان میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ آدمی کو دن بھر کے لیے مزدور رکھا جاتا ہے لیکن وہ کافی وقت ضائع کر جاتا ہے' یا کام میں دیر کرتا ہے' یا عبث اور غلط کام کرتا ہے' یا اپنے کام کرنے کے اوزاروں ہی کو درست کرتا رہتا ہے مثلاً اگر بڑھئی ہے تو تیشے ہی کو تیز کرتا رہتا ہے اور چیرنے کا کام کرنے والا آری کو درست کرتا رہتا ہے' اس طرح کی باتیں خیانت میں شمار ہوتی ہیں' الا کہ وہ کام معمولی نوعیت کا ہو' بلاشبہ اس طرح کے امور عادات میں رچ بس چکے ہیں۔

اور ان کی کثیر تعداد نمازوں کو فوت کر جاتی ہے' اور یوں بہانہ تراشا جاتا ہے کہ میں ایک آدمی کی مزدوری میں تھا' حالانکہ وہ اتنی سی بات بھی نہیں جانتا کہ نمازوں کے اوقات تو مزدوری کے ضمن میں داخل ہی نہیں تھے۔

ان کے اعمال میں خیر خواہی کی قلت کی مثالیں بے شمار ہیں۔ بطور عادت جو کام رواج پا چکے ہیں ان میں میت کو تابوت میں دفن کرنا بھی ہے' حالانکہ یہ ایک مکروہ فعل ہے۔

البتہ کفن کے معاملے میں مہنگے ترین داموں میں خرید کر فخر و غرور نہیں ہونا چاہیے بلکہ درمیانے داموں کے ہی ہونے چاہئیں' اور کچھ لوگ اس میت کے ساتھ اس کے تمام کپڑے بھی دفن کر دیتے ہیں۔ یہ حرام عمل ہے کیونکہ یہ مالوں کو ضائع کرنے میں داخل ہے۔ پھر یہ لوگ میت پر نوحہ خوانی کا بھی اہتمام کرتے ہیں' جبکہ صحیح مسلم میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان اقدس موجود ہے:

((اِنَّ النَّائِحَةَ اِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا' تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ عَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِّنْ قَطِرَانٍ وَ دِرْعٌ مِّنْ جَرَبٍ))[1]

''بلاشبہ اگر نوحہ کرنے والی اپنی موت سے قبل توبہ نہ کر پائی تو اسے قیامت کے روز اس حالت میں کھڑا کیا جائے گا کہ اس کی گندھک کی شلوار اور خارش کی قمیص ہوگی''

اور ان کی عادتوں میں سے طمانچے مارنا اور کپڑے پھاڑنا بھی ہے' بالخصوص یہ کام

[1] صحیح مسلم' الجنائز' باب التشدید فی النیاحة' حدیث: ۹۳۴۔

عورتوں میں پایا جاتا ہے جبکہ صحیحین میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمانِ گرامی بایں الفاظ موجود ہے:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ شَقَّ الْجُيُوْبَ وَ لَطَمَ الْخُدُوْدَ وَ دَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ))[1]

''ایسا شخص ہم میں سے نہیں ہے جو گریبان چاک کرے، رخساروں پر طمانچے مارے اور جاہلیت کے بول بولے''

اور بعض اوقات کسی مصیبت زدہ کو کپڑے پھاڑے ہوئے بھی دیکھ لیتے ہیں لیکن اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتے، بلکہ اس کے برعکس اس آدمی پر اعتراض کرتے ہیں جس نے کپڑے نہ پھاڑے ہوں، اور یوں کہتے ہیں: اس پر تو مصیبت وغم کا کچھ بھی اثر نہیں ہوا۔

ان عادات میں سے ایک عادت شعبان کی پندرھویں شب کو قبروں کی زیارت کرنا، قبروں کے پاس چراغاں کرنا اور قابل تعظیم قبر کی مٹی لانا بھی شامل ہے۔

ابن عقیل نے فرمایا ہے: جس وقت جاہلوں اور کمینے درجے کے لوگوں میں تکلفات بڑھتے گئے تو وہ شرعی معاملات وامور سے انحراف کر کے خود ساختہ معاملات وامور کی جانب لگ گئے، جو ان کے لیے قدرے سہل تھے، تو اس طرح وہ کسی غیر کے حکم کے ماتحت ہی نہ رہے۔

مزید فرماتے ہیں: ان معاملات وامور کے باعث یہ لوگ میرے نزدیک کافر ہیں، مثلاً قبروں کی تعظیم بجالانا اور جن طریقوں سے شرع نے منع کیا ہے ان طریقوں سے ان کا اکرام کرنا، ان کے پاس روشنیاں جلانا، انھیں چومنا اور بوسے دینا، تختیوں اور رقعوں میں تحریریں لکھ کر قبروں میں مدفون مردوں کو یوں خطاب کرنا: اے میرے مولیٰ! میرے ساتھ یوں یوں کر دو[2] اور ان قبروں سے حصول برکت کے لیے مٹی لانا، قبروں پر خوشبو بہانا، ان کی طرف پورے اہتمام کے ساتھ رختِ سفر باندھنا، اور درختوں پر کپڑے ڈالنا ان لوگوں کی پیروی کرتے ہوئے جنھوں نے لات اور عزیٰ کی بندگی و پرستش کی تھی۔

---

[1] صحیح بخاری، الجنائز، باب لیس منا من شق الجیوب، حدیث: ۱۲۹۴۔
صحیح مسلم، الایمان، باب تحریم ضرب الخدود و شق الجیوب، حدیث: ۱۰۳۔

[2] غیر اللہ سے ایسا سوال اللہ جل جلالہ کی ذات سے کفر ہے۔

حالانکہ ایسے لوگوں میں ہم وہ شخص شاید نہ پاسکیں جو زکوۃ کے کسی مسئلے میں پختگی اور تحقیق رکھتا ہو اور اس سے کسی حکم کے متعلق سوال کیا جائے اور وہ اس کا جواب دے سکے۔

بلکہ ایسے لوگوں کے نزدیک تو اس شخص کی ہلاکت و بربادی ہے جو ''مشہد الکہف'' کو بوسہ نہ دے اور بدھ کے روز مسجد مامونیہ کی اینٹوں کو ہاتھ نہ پھیرتا ہو۔

عورتوں پر شیطانی حملوں کے چند نمونے

عورتوں پر شیطانی حملے تو بہت ہیں' میں نے اس ضمن میں ایک الگ کتاب بھی لکھی ہے[1] اس کتاب میں بندۂ عاجز نے عورتوں کی تمام عبادات وغیرہ اور ان کے متعلقہ مسائل کا تذکرہ کر دیا ہے' یہاں تو فقط ابلیس کی تلبیسات کے حوالے سے چند امور کا ذکر کروں گا۔

ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ عورت سورج ڈھلنے کے بعد حیض سے پاک ہو جاتی ہے لیکن وہ عصر کے بعد غسل کرتی اور صرف نماز عصر ہی کو ادا کرتی ہے' حالانکہ نماز ظہر بھی اس پر واجب ہے اور وہ اسے بالکل نہیں جانتی۔

ان عورتوں میں کچھ ایسی بھی ہیں جو دو دو یوم تک غسل میں تاخیر کرتی ہیں اور اپنے کپڑوں کو دھونے کا بہانا بناتی ہیں۔

اور بعض اوقات رات کے وقت غسل جنابت کرنے کو بھی سورج طلوع ہونے تک مؤخر کر لیتی ہیں' پھر جب حمام میں داخل ہوتی ہیں تو تہبند بھی استعمال نہیں کرتیں' اور کہتی ہیں: میں ہوں اور میری بہن ہے یا میری ماں ہے یا میری ہمسائی ہے اور یہ سب میری طرح کی مستورات ہی ہیں' میں نے کس سے پردہ کرنا ہے' حالانکہ یہ سب امور حرام ہیں۔

عورت کے لیے حلال نہیں ہے کہ دوسری عورت کے ناف سے لے کر گھٹنے تک کے اعضاء کو دیکھے[2] اگرچہ وہ اس کی بیٹی یا ماں ہی کیوں نہ ہو' الا کہ وہ چھوٹی بچی ہو' تو جب وہ

---

[1] اس کتاب کا نام ''احکام النساء'' ہے' جو حال ہی میں قطر سے طبع ہوئی ہے' ڈاکٹر محمد علی محمدی کی تحقیق سے مزین ہے۔

[2] بعض اہل علم نے اس سے بھی زائد حدود کو اس میں شامل کیا ہے' وہ پستان' سینے اور اس کے قرب و جوار کو بھی اس میں شامل کرتے ہیں۔ اور یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے۔

بھی سات سال کی ہو جائے تو وہ بھی پردہ کرے اور اس سے پردہ کیا جائے۔

اور بعض اوقات عورتیں بیٹھ کر نماز پڑھ لیتی ہیں' حالانکہ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتی ہیں' ایسی صورت میں ان کی نماز باطل ہوگی۔

اور بعض اوقات اپنے کپڑوں پر اپنے بچے کے پیشاب کا بہانا تراشتی ہیں حالانکہ وہ اسے دھونے پر بھی قادر ہوتی ہے' اگر یہی خاتون باہر جانا چاہے تو میک اپ کر کے' تیاری کر کے' بلکہ بعض اوقات کسی سے کپڑے ادھار لے کر تیار ہو جاتی ہے' بلاشبہ ایسی عورت کے ہاں نماز کا معاملہ بے قدر اور کم اہمیت کا حامل ہے۔

اور بعض اوقات وہ نماز کے واجبات میں سے بھی کچھ نہیں جانتی ہوتی اور کسی سے سوال بھی نہیں کرتی۔

اور بعض اوقات ایک آزاد عورت کے جسم کے وہ اعضاء بھی ننگے رہتے ہیں جن سے نماز باطل ہوتی ہے لیکن یہ ہے کہ اسے اہمیت ہی نہیں دیتی اور انھیں خاطر میں ہی نہیں لاتی۔

اور بعض اوقات عورت اپنے حمل کو گرانے کو کوئی اہمیت نہیں دیتی اور یہ بات بھی نہیں جانتی ہوتی کہ جب اس نے روح پھونکے جانے کے بعد اسے گرایا تو بلاشبہ اس نے ایک جان کو قتل کر دیا۔

اور بعض اوقات بیوی اپنے خاوند کے ساتھ زندگی گزارنے میں برائی کا پہلو اختیار کر لیتی ہے اور بعض اوقات اس سے نازیبا اور ناپسندیدہ الفاظ میں بات کر جاتی ہے اور یوں کہتی ہے: یہ میرے بچوں کا باپ ہے' ہمارے درمیان یہ نہیں ہے' اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر چلی جاتی ہے اور یوں کہتی ہے' میں کسی معصیت کے لیے تو باہر نہیں نکلی تھی' اور وہ اتنا بھی نہیں جانتی کہ بلا اجازت باہر نکلنا بھی تو معصیت ہے۔

پھر اس کا باہر نکلنا ہی فتنے سے خالی نہیں ہے۔

ان خواتین میں کچھ ایسی ہیں جو قبروں سے چمٹی رہتی ہیں اور خاوند کے علاوہ کسی دوسرے پر سوگ کا اظہار کرتی ہیں حالانکہ وہ خاوند نہیں ہوتے' جبکہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح

سند سے یہ فرمان اقدس مروی ہے:

((لَایَحِلُّ لِإِمْرَأَةٍ تُوْمِنُ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ أَنْ تَحِدَّ عَلٰی مَیِّتٍ (فَوْقَ ثَلَاثٍ) اِلَّا عَلٰی زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا))[1]

''کسی بھی خاتون کے لیے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتی ہے' یہ جائز اور حلال نہیں ہے کہ کسی بھی میت پر (تین دن سے زائد) سوگ منائے ماسوائے شوہر کے جس کی مدت چار ماہ اور دس دن ہیں''

اور ان میں سے کچھ ایسی ہیں جنھیں خاوند اپنے بستر پر بلاتا ہے لیکن وہ انکار کر دیتی ہیں' اور وہ یہ خیال رکھتی ہیں کہ یہ کوئی نافرمانی اور معصیت نہیں ہے' حالانکہ انہیں اس امر سے روکا گیا ہے۔

جس طرح کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهٗ اِلٰی فِرَاشِهٖ' فَأَبَتْ' فَبَاتَتْ وَهُوَ عَلَیْهَا سَاخِطٌ' لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتّٰی تُصْبِحَ))

''جب خاوند اپنی زوجہ کو اپنے بستر پر بلاتا ہے اور وہ انکار کر دیتی ہے پھر وہ اسی طرح رات بسر کرتی ہے جب کہ اس کا خاوند اس پر ناراض رہتا ہے تو فرشتے صبح ہونے تک اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں''

شیخین نے اسے صحیحین میں روایت کیا ہے۔[2]

اور بعض اوقات بیوی شوہر کے مال میں کوتاہی کا ارتکاب کرتی ہے' حالانکہ بیوی کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ اپنے خاوند کے گھر سے کوئی چیز خاوند کی اجازت کے بغیر باہر نکالے یا اسے خاوند کی رضا مندی معلوم ہو۔

---

[1] صحیح بخاری' الجنائز' باب احداد المرأة علی غیر زوجها' حدیث: ۱۲۸۰۔
صحیح مسلم' الطلاق' باب وجوب الاحداد فی عدة الوفاة' حدیث: ۱۴۸۶۔عن ام حبیبة رضی اللہ عنہا قوسین کے درمیان کا اضافہ اصل حدیث میں ہے۔

[2] صحیح بخاری' النکاح' باب اذا باتت المرأة مهاجرة فراش زوجها' حدیث: ۵۱۹۳۔
صحیح مسلم' النکاح' باب تحریم امتناعها من فراش زوجها' حدیث: ۱۴۳۶۔

اور بعض اوقات وہ ایسے نجومی کو مال دیتی ہے جو اس کی خاطر سنگریزوں کے ذریعے کچھ پڑھتا اور جادو کرتا ہے' اور کبھی اسے بھی دیتی ہے جو اس کے لیے نسخۂ محبت تجویز کرتی ہے اور زبان کی گرہ باندھتی ہے' حالانکہ یہ سب امور حرام ہیں۔

اور کبھی بچوں کے کانوں میں سوراخ کرنے کی اجازت طلب کرتی ہے' حالانکہ یہ حرام ہے۔[1]

اور اگر ایسی باتوں میں کامیاب رہتی ہے' اور واعظ کی مجلس میں حاضر ہوتی ہے' تو بعض اوقات شیخ صوفی کے ہاتھوں جبہ پوشی کی رسم ادا کرتی ہے' اس سے مصافحہ کرتی ہے اور ان کی بیٹیوں میں سے بن جاتی ہے اور عجائبات کی طرف نکل پڑتی ہے۔

اب ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے قلم کو تھام لیں' فقط انہی چند نمونوں پر اکتفاء کرتے ہوئے' کیونکہ یہ امر طویل ہے' اگر ہم اس کتاب میں انہی مذکورہ نمونوں کو تفصیل سے بیان کریں یا جن لوگوں کی ہم نے احادیث و آثار سے تردید پیش کی ہے ذرا مضبوط تردید کریں تو اس پر کئی جلدیں بن سکتی ہیں۔

ہم نے تو یہ ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے مصداق چند ایک باتیں ذکر کر دی ہیں تاکہ یہ قلیل مقدار زیادہ مقدار پر دلالت کرے۔

اور بعض باتوں میں ہم نے ان غلط کاروں کی غلط باتوں کو انہی کے الفاظ اور حکایات کے انداز ہی میں بیان کرنے پر اکتفاء کیا ہے' ان کی تردید اور ان پر تجزیہ پیش نہیں کیا' کیونکہ ان میں معاملہ بالکل ظاہر و عیاں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں لغزشوں سے محفوظ رکھے اور اپنے فضل و کرم سے صالح قول و عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

---

[1] اس مسئلہ میں تفصیل ہے' جسے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے ''تحفۃ المودود'' (ق ۲۴۵) میں بیان کیا ہے اور اس میں بچیوں کے لئے جواز کے پہلو کو راجح قرار دیا ہے جو میری تعلیقات و حواشی سے مزین ہے' اس کی طرف رجوع فرمائیں۔

باب : ۱۳۳

لمبی آس وامید کے ساتھ سب لوگوں پر ابلیسی حملہ

یہودی اور نصرانی کے دل میں محبت اسلام کا خیال آتا ہے' لیکن ابلیس اسے مسلسل روکے رکھتا ہے اور کہتا ہے: جلدی مت کر' خوب غور وفکر کر لے' اس طرح ٹال مٹول کرواتا رہتا ہے' بالآخر وہ اپنے کفر ہی پر لقمۂ اجل بن جاتا ہے۔

اسی طرح ایک عاصی اور گناہگار کو توبہ کرنے میں تاخیر کرواتا رہتا ہے اور شہوات نفسانی کو اس کی غرض وغایت بنائے رکھتا ہے' اور پھر توبہ اور اللہ کی رجوع کی آرزو وتمنا دلاتا ہے' جس طرح کسی شاعر نے کہا ہے:

لَا تَعْجِلِ الذَّنْبَ لِمَا تَشْتَهِي
وَ تَأْمَلِ التَّوْبَةَ مِنْ قَابِلِ

''اور اپنی خواہش کے مطابق گناہ کرنے میں جلدی مت کر' حالانکہ تو آئندہ سال توبہ کرنے کی امید وتمنا رکھتا ہے''

کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو نیکی کے ارادے پر کمربستہ ہوتے ہیں لیکن ابلیس انھیں ٹال مٹول میں مبتلا کر دیتا ہے اور کتنے ہی کسی مرتبہ بلند اور مقام فضیلت کی طرف کوشش کرتے ہیں لیکن شیطان انھیں روک دیتا ہے۔

بسا اوقات ایک فقیہ اپنے اسباق کو دہرانا چاہتا ہے تو ابلیس کہتا ہے: کچھ دیر تو استراحت کر لے' یا رات کے کسی حصے میں کوئی عبادت گزار نماز کی ادائیگی کے لیے جاگ اٹھتا ہے تو ابلیس اسے یوں کہتا ہے: ابھی بڑا وقت باقی ہے۔

یہ تو لگاتار سستی وکسل مندی کو محبوب بناتا ہے اور عمل کرنے میں ٹال مٹول کا شکار بناتا

ہے اور معاملے کو لمبی آرزو اور امید کے سہارے لٹکا دیتا ہے۔

حالانکہ احتیاط کا دامن تھام کر رکھنے والے کو چاہیے کہ پوری احتیاط سے عمل کرے' اور احتیاط' وقت کا درست استعمال' ٹال مٹول کو چھوڑنا اور لمبی آرزوؤں سے منہ پھیرنے کا نام ہے کیونکہ جسے ڈرایا گیا ہے وہ بے خوف اور نڈر نہیں ہوسکتا اور گزرا وقت پھر پلٹایا نہیں جا سکتا۔

اعمال خیر میں کوتاہی یا برائی کی طرف رجحان کا اصل سبب لمبی آرزو اور امید ہے' انسان ہمیشہ اپنے دل میں برائی سے دست کش ہونے اور بھلائی کی جانب پیش قدمی کرنے کی باتیں سوچتا رہتا ہے لیکن اس کا نفس اسے وعدے پر وعدہ ہی دیے جاتا ہے۔

اور اس بات میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ جو شخص اس آس وامید پر بیٹھا رہے کہ وہ دن کو چلے گا تو سست رفتاری سے چلے گا' اور جو شخص اس آس وامید پر رہے گا کہ صبح کرے گا تو وہ رات کو قلیل مقدار میں عمل کرے گا اور جو شخص موت کو جلد آنے والی تصور کرے گا تو وہ خوب کوشش کرے گا۔

اور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

((صَلِّ صَلَاةَ مُوَدِّعٍ))[1]

''تو نماز اس طرح ادا کر گویا تیری آخری نماز ہے''

اور بعض اسلاف نے یوں کہا ہے:

''میں تمہیں ''سوف'' یعنی عنقریب کام کر لوں گا' کہنے سے خبردار کرتا ہوں' کیونکہ یہ ابلیس کا بہت بڑا لشکر ہے۔''

---

[1] اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے ''التاریخ الکبیر'' (۲۱۶/۲/۳) میں' ابوالشیخ نے ''الامثال'' (۲۲۶) میں' امام ابن ماجہ نے الزھد' باب الحکمہ' حدیث: ۴۱۷۱ میں' امام احمد نے (۴۱۲/۵) میں اور ابونعیم نے (۳۶۲/۱) میں سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند میں جہالت ہے' جیسے کہ امام بوصیری رحمہ اللہ نے ''مصباح الزجاجہ'' (۳۳۳/۲) میں ارشاد فرمایا ہے اور اس کے باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔

لیکن اس روایت کے دو شاہد بھی موجود ہیں جنھیں ہمارے شیخ البانیؒ نے "سلسلة الصحيحه" (حدیث: ۱۴۲۱' ۱۹۱۴) میں بیان کیا ہے' تو ان کے ساتھ یہ روایت بھی صحیح ہو جاتی ہے۔

حزم و احتیاط پر عمل پیرا ہونے والے اور لمبی امید کے سہارے بیٹھ رہنے والے کی مثال کچھ اس طرح سمجھیں جیسے کہ کچھ لوگ محو سفر ہیں' وہ ایک بستی میں داخل ہوتے ہیں تو احتیاط کا دامن تھامنے والے دوراندیش نے اپنے سفر کو پورا کرنے کے لیے تمام مطلوبہ چیزیں خرید لی ہیں اور ہر اعتبار سے سفر کرنے کے لیے تیار ہو چکا ہے' جبکہ کوتاہی کا ارتکاب کرنے والے نے یوں کہا ہے: عنقریب میں تیاری کر لیتا ہوں کیونکہ بعض اوقات تو ہم ایک ایک ماہ قیام کر لیتے ہیں' تو یکا یک کوچ کا نقارہ بجتا ہے۔ اس طرح دور اندیش تو نہایت خوش ہو جاتا ہے اور کوتاہی کرنے والا انتہائی پریشانی میں مبتلا ہونے کے ساتھ کفِ افسوس ملتا رہ جاتا ہے!

دنیا میں لوگوں کی یہی مثال ہے' ان میں سے کچھ تو بیدار' دور اندیش اور تیاری کرنے والے ہیں' جونہی موت کا فرشتہ آتا ہے انہیں بالکل ندامت نہیں ہوتی' اور ان میں سے کچھ فریب زدہ اور ٹال مٹول کرنے والے ہوتے ہیں جو بوقت مرگ ندامت و پشیمانی کے کڑوے گھونٹ پیتے ہیں' تو جب طبیعت میں یہی لمبی آس و امید ہوگی تو نفس کے لیے جدوجہد اور کاوش کرنی مشکل بن جائے گی' ہاں! البتہ وہ شخص جو اپنے نفس کو بیدار رکھے گا وہ یہی سمجھے گا کہ وہ تو میدان جنگ میں صف میں کھڑا ہے اور بلاشبہ اس کا دشمن اس سے کسی طرح غافل نہیں ہے' اگر وہ ظاہر میں غفلت کرتا بھی نظر آئے تو یقیناً وہ باطن میں اس کے لیے کوئی چال چلتا ہوگا اور اس کے لیے کوئی کمین گاہ بناتا ہوگا۔

آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے دشمن کی چال اور شیطان کے فتنوں' نفسوں کی شرارتوں' دنیا کے شرور سے سلامت رہنے کا سوال کرتے ہیں' بلاشبہ وہ انتہائی قریب اور قبول فرمانے والا ہے۔

اور وہ ہمیں ایسے ہی مومنین کی صف میں داخل فرما دے۔

کتاب پوری ہوئی' اول و آخر اللہ تعالیٰ ہی کے لیے تمام تعریف اور ستائش ہے۔

شیطانی ہتھکنڈے

شیطان سے انسان کی دشمنی آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت سے چلی آ رہی ہے۔ اللہ کریم نے انسان کو قیامت تک کے لیے زندگی دے کر انسانوں کے دل میں وسوسہ ڈالنے کی قوت دی ہے۔ اس عطاء شدہ قوت کے بل بوتے پر شیطان نے اللہ تعالیٰ کو چیلنج کر دیا کہ وہ آدم (علیہ السلام) کے بیٹوں (انسانوں) کو اللہ کریم کا باغی و نافرمان بنا کر اور گناہوں، بدکاریوں، سیاہ کاریوں کا رسیا بنا کر اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے گا۔ اور یوں انہیں اللہ کا باغی بنا کر جہنم کا ایندھن بنا دے گا۔ لیکن اللہ کریم نے شیطان کو جواب دیا کہ تو لاکھ کوشش کر کے دیکھ لینا جو میرے مخلص بندے ہوں گے وہ تیری پیروی نہیں کریں گے اور نہ تیرے دھوکے میں آئیں گے۔

اس دن کے بعد شیطان انسان کو گمراہ کرنے کے لیے مختلف ہتھکنڈے اختیار کرتا چلا آ رہا ہے، جن کی بنا پر حضرت انسان کو پتا ہی نہیں چل پاتا کہ وہ گناہ کا مرتکب ہو رہا ہے بلکہ بعض اوقات تو وہ نادانی و جہالت میں ثواب سمجھ کر گناہ کرتا چلا جاتا ہے۔

انسان کے ازلی دشمن شیطان کی اولاد آدم کو گمراہ کرنے کی تدابیر اور خطرناک و مہلک ہتھکنڈے اس کتاب میں بیان کیے گئے ہیں، تاکہ لوگ اپنے آپ کو شیطان کے وار سے بچا سکیں۔ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی یہ تالیف شروع سے انسانیت کی راہنمائی کا باعث بنتی چلی آ رہی ہے۔ محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کے شاگرد علی حسن علی عبدالحمید نے تلبیس ابلیس کی صحیح روایات پر مبنی اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ اور پھر اس پر تحقیق و تخریج کا کام کیا ہے۔ پاکستان میں مولانا مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ نے اس پر نظر ثانی کا تحقیقی کام کیا ہے۔ جبکہ مولانا سلیم اللہ زمان، مولانا امین ثاقب فاضل مدینہ یونیورسٹی، مولانا نصیر احمد کاشف کے علاوہ محققین کی ایک جماعت نے میرے ساتھ اس کتاب پر تحقیقی کام کیا ہے۔

اب اسے کتاب و سنت کے مثالی ادارے "دارالابلاغ" کے پلیٹ فارم سے "شیطانی ہتھکنڈے" کے نئے نام سے پیش کیا جا رہا ہے۔ یقیناً یہ نادر و نایاب اور صحیح محقق نسخہ برصغیر کے مسلمانوں کے لیے شیطانی حملوں سے بچاؤ کے لیے ایک ڈھال ثابت ہو گا۔ ان شاء اللہ

محمد طاہر نقاش

دارالابلاغ

DARULIBLAGH

کتاب و سنت کی اشاعت کا مثالی ادارہ